پندرھویں صدی ہجری نمبر

کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ

پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

(پاکستان)

مجلۂ تحقیق

جلد : ۳ شمارہ : ۱

مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری مقالہ نگار حضرات پر ہے ۔ مقالہ نگار کی رائے پنجاب یونیورسٹی یا کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ کی رائے تصور نہ کی جائے ۔

ناشر : گلزار احمد

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۳۹- چیمبرلین روڈ لاہور

مقام اشاعت : فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ ، یونیورسٹی اورینٹل کالج ، لاہور

فون : ٦٧٥٦٠ / ۳۱۲۷۹۷

شمارۂ مسلسل : ۹

چندہ سالانہ : ۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ : . .. ر

قیمت شمارۂ خاص

ترتیب

اداریہ

احیائے اسلام کی تحریکات سے فکر و نظر کی جن تبدیلیوں کی نشان دہی چودھویں صدی میں کی تھی ان کا نقطہ عروج پندرھویں صدی کے آغاز کو قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا - تہذیبی، فکری اور سیاسی دوائر میں عالم اسلام ایک نئے چیلنج سے دوچار ہے - تغیرات کی محسوس صورتوں کے اظہار و تشخص کے لیے عالمی سطح پر تقریبات کا اہتمام و انصرام ایک خوش آئند اقدام ہی نہیں بلکہ وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے - جدہ کانفرنس کی تجاویز کی روشنی میں حکومت پاکستان نے پندرھویں صدی کی خدمات کو شایان شان طریقے سے منانے کا بیڑا اٹھایا ہے - کانفرنسوں کے انعقاد اور مجلات کے خصوصی شماروں کی اشاعت کی تجویز بھی ہوئی - چنانچہ پنجاب یونیورسٹی نے کل پاکستان کانفرنس کے لیے نومبر کا مہینہ تجویز کیا ہے اور یہ بھی طے کیا کہ یونیورسٹی کے جملہ علمی و ادبی مجلے، خصوصی شمارے شائع کریں گے - اس طویل سلسلۂ اشاعت کا آغاز کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ کے مجلۂ تحقیق کی اس اشاعت خاص سے ہوتا ہے -

اس خاص نمبر کے تین اہم حصے ہیں، پہلے میں سنۂ ہجری کے تقویمی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا گیا ہے، دوسرے میں عالم اسلام کی فکری تاریخ کے بعض گوشے سامنے لائے گئے ہیں، تیسرے میں سر زمین پاکستان کے علمی و ادبی سرمائے کی بازیافت کو مدنظر رکھا گیا ہے - عصر حاضر کے لیے علامہ اقبال کے افکار کی جو اہمیت ہے اس کی خاص طور پر نشان دہی کرنے کی کوشش کی گئی ہے - 'ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر' علامہ کا اہم خطبہ ہے جس کا انگریزی متن ابھی تک مکمل صورت میں سامنے نہیں آیا تھا - ادارہ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کا ممنون احسان ہے کہ ان کی نوازش سے ہم یہ تحریر پہلی بار پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں - ہم پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر خیرات محمد ابن رسا کے خاص طور پر ممنون ہیں کہ انھوں نے اس شمارۂ خاص کے لیے مالی وسائل مہیا فرما کر اس ضخیم نمبر کی اشاعت کو ممکن بنایا -

مدیر

سید جمیل احمد رضوی*

مخطوطات تقویم و ستارہ شناسی

(کتابیاتی جائزہ)

اس جائزے میں لاہور کی دو لائبریریوں پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، پنجاب پبلک لائبریری کے علاوہ مولوی محمد شفیع مرحوم کے ذاتی کتاب خانے (حصہ فارسی) کو بھی شامل کیا گیا ہے ۔ جائزہ عربی اور فارسی کے خطی نسخوں پر مشتمل ہے ۔ موضوع تقویم ، نجوم ، ہیئت ، اسطرلاب اور دیگر آلات فلکی پر مشتمل ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک سو دس ، پنجاب پبلک لائبریری میں تائیس اور مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری میں سات مخطوطے موجود ہیں ۔ اس طرح کل اندراجات کی تعداد ایک سو چالیس بنتی ہے زبانوں کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو فارسی میں ایک سو بارہ اور عربی میں اٹھائیس ہیں ۔

جائزے میں مخطوطات کی ترتیب عنوان کے لحاظ سے الفبائی ہے اور تعارف مندرجہ ذیل تفصیلات پر مشتمل ہے :

(ا) عنوان مخطوطہ ۔ (ب) طلب نمبر (Call No.) ۔ (ج) مصنف ۔ (د) اوراق ۔ (ہ) سطور ۔ (و) تقطیع ۔ (ز) خط ۔ (ح) کاتب ۔ (ط) تاریخ کتابت ۔ (ی) آغاز ۔ (ک) زبان (اگر عربی میں ہے) ۔ (ل) لائبریری کا نام جس میں مخطوطہ موجود ہے ۔ (م) اگر مخطوطے میں کوئی خاص ندرت ہے تو اس کا ذکر بھی کر دیا ہے ۔

۱۔ احکام الاعوام (Ph III 116 / 2546)

مصنف : علی شاہ بن محمد بن قاسم المعروف علاء المنجم

اوراق : ۷۵ — خط : شکستہ آمیز

سطور : ۱۷ — کاتب : قطب الدین صمدی از شکار پور (ضلع مظفر نگر)

تقطیع : ۲۹ × ۱۹ سم

تاریخ کتابت : ۱۲۳۸ھ

آغاز : الحمدللہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین ،

* اسسٹنٹ لائبریرین ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، لاہور ۔

اما بعد چنین گوید مؤلف این کلام و مصنف این احکام العبد الفقیر علی شاہ بن محمد بن قاسم الخوارزمی المعروف بعلاء المنجم البخاری کہ جمع کردم از کتب استادان اصحاب احکام . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۔ احوال موالید و احکام آن

۵۲۰ سعید
۵۲۰ اشحا

مصنف : محمد سعید بن نور اللہ الحسی (گیارھویں صدی ہجری عہد جہانگیری)

اوراق : ۳۲ خط : شکستہ آمیز بر کاغذ خام

سطور : ۱۶ کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۵ء۲۱ × ۱۵ سم تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : ابتدای کلام بنام حکیم علامی (علامی) سزد کہ اتمام بدر اظہار ہلال و انتظام احوال ماہ و سال از صنائع حکمت کاملہ اوست . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۳۔ اختر قلیچ خانی

(۵۲۰ ہزار)

مصنف : شیر محمد ہزاری (قرن یاز دہم ہجری ، ہزارہ کے رہنے والے ، ہزاری بن حسین کے طور پر معروف تھے)

اوراق : ۲۵ خط : نستعلیق شکستہ آمیز

سطور : ۱۴ کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۲۰ × ۱۵ سم تاریخ کتابت : غالباً اواخر قرن سیزدہم ہجری

آغاز : حمد حق را کہ آسمان افراحت انجم از [نور خود] منور ساخت -

دیباچہ کتاب میں مؤلف نے قلیچ خان کی مدح کی ہے اور کتاب کو اسی سے منسوب کیا ہے ۔ قلیچ خاں عہد اکبری کے چار ہزاری منصب دار تھے ، ۱۰۶۵ھ میں وفات پائی ۔

(پنجاب پبلک لائبریری)

۴۔ اختر ہزاری (منظوم)

(ش ۳۲۳۷/۱۱۸۴)

(در علم ستارگان و نجوم وغیرہ مشتملبر ہفت اختر)

مصنف : شیر محمد ہزاری ابن حسین منجم ، تاریخ رجب ۱۰۰۲ھ/مارس ۱۵۹۴ء

اوراق : ۱۶ خط : نسخ

سطور : ۱۹ کاتب : غلام حسین بن محکم الدین

تقطیع : ۲۵ × ۱۵ سم تاریخ کتابت : ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء

آغاز: حمد حق را کہ آسمان افراخت انجم از نور خود، ور ساخت
آفریدہ چہار طبع ازان کردہ ابداع کائنات ازان
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵- ایضاً (ش ۱/۱۱۷۵[۳۲۲۸م)

اوراق: ۱۳ (ناقص الاول) خط: نستعلیق
سطور: ۱۶ کاتب: نامعلوم
تقطیع: ۲۳×۱۴سم تاریخ کتابت: نامعلوم

آغاز: زیر شان آسمان کیوان دان بخت وی چرخ مشتری میخوان
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶- ایضاً (س ۱/۱۰۳۸/۴۰۹۰م)

اوراق: ۲۲ خط: نستعلیق
سطور: ۱۷ کاتب: نامعلوم
تقطیع: ۲۵×۱۵سم تاریخ کتابت: قرن سیزدهم ہجری
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷- ایضاً (۲۰۵ ہزار - اختر)

اوراق: ۱۸ خط: نستعلیق
سطور: ۱۳ کاتب: نامعلوم
تقطیع: ۲۰×۱۲٫۵سم تاریخ کتابت: نامعلوم (غالباً اوائل قرن سیزدهم ہجری)
(پنجاب پبلک لائبریری)

۸- استخراج تقویمات (Ph III 132 / 2011)

مرتب: وتھل داس گردھاری داس (؟)
اوراق: ۷۵ خط: نستعلیق (مائل بہ شکستہ)
سطور: مختلف کاتب: مرتب (؟)
تقطیع: ۳۲×۲۱سم تاریخ کتابت: نامعلوم
آغاز: استخراج تقویم آفتاب بتاریخ ۲۷ ماہ صفر ۱۲۶۱ھ... مطابق ۱۳۰ محمد شاہی...
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹- اسطرلاب

(Ph III 101 / 1782)

مصنف : نامعلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۵۴ (ناقص الاول)　　کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۵　　تاریخ کتابت : نا معلوم
تقطیع : ۲۱ × ۱۲ س م

آغاز : . . . و هم از مرکز خطی دیگر بر خط اول اخراج کند تا مقاطع طرفین آن دائره شود بالضروره محیط دائره حلقه باین دو خط بچهار قسم مساوی شود . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

بیست باب بیرجندی دیکھیے

رسالہ در صنعت اصطرلاب از بیرجندی

۱۰- بیست باب در معرفت اسطرلاب

(۲۳۵ / ۳۱۷)

مصنف : نصیر الدین طوسی (۱۲۰۰ء-۱۲۷۳ء)
اوراق : ۳۷　　خط : نستعلیق
سطور : ۱۱　　کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۱۵ × ۹٫۵ س م　　تاریخ کتابت : قرن دوازدهم هجری

اغاز : الحمد لله رب العالمین حمد الشاکرین ، اما بعد این مختصریست در معرفت اصطرلاب . . . مشتمل است بر بیست باب - اول در معرفت القاب و آلات و خطوط و دوایر اصطرلاب - آنچه علاقه در وی است حلقه بود و آنچه حلقه در وی است انرا عروه گویند . . . (ایران میں طبع ہو چکی ہے)

(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

۱۱- بیست باب در معرفت اصطرلاب

یا

رسالہ در معرفت اصطرلاب

(۵۸۱ ، ۵۲۲ نصیر)

مصنف : نصیر الدین ابو جعفر محمد بن محمد بن الحسن الطوسی (۶۰۷-۶۷۲ھ)
اوراق : ۲۲　　خط : نستعلیق شکستہ آمیز
سطور : ۹　　کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۱۲٫۵ × ۲۰ س م　　تاریخ کتابت : اوائل قرن سیزدهم هجری

حمد و صلواۃ کے بعد اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے :

آغاز : بعد ذالک این نسخه مشتمل بر بیست باب است ، اول در معرفت القاب آلات و خطوط و دوائر اصطرلاب . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۲- ایضاً

(۳۲ ایل/۸۴۱۴)

اوراق : ۲۴ — خط : نستعلیق

سطور : ۱۳ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۱×۱۵ س م — تاریخ کتابت : ۱۲۳۲ھ

آغاز : این مختصریست در معرفت اصطرلاب از تصانیف استاد المحققین نصیر الملة والدین محمد الطوسی مشتمل بر بیست باب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳- ایضاً

(ش ۱۵۹۰/۴۶۴۰)

اوراق : ۲۱ — خط : نسخ

سطور : ۱۷ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۲×۱۵ س م — تاریخ کتابت : قرن یازدهم هجری

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۴- ایضاً

(ش ۱۹۳۰۶/۴۹۴۲)

اوراق : ۴۵ تا ۶۳ ؀ — خط : نستعلیق

سطور : ۱۷ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۶×۱۷ س م تاریخ کتابت : ۵ رجب ۱۲۲۶ھ/۲۶ جولائی ۱۸۱۱ء

آغاز : الحمد لله رب العالمین والصلوه علی محمد و اله اجمعین ، بدانکه این مختصریست در معرفت اصطرلاب از تصانیف استاد الدنیا و علامة العالم نصیر الدین الطوسی رحمه الله علیه . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۵- ایضاً

(۵۴۱ ، ۵۲۲ نصیر (۲))

اوراق : ۶۲ — خط : نستعلیق روشن

سطور : ۱۱ — کاتب : محمد عتیق الله

تقطیع : ۲۰.۵×۱۶ س م — تاریخ کتابت : ۹ ذی الحجه ۱۳۲۸ھ در بلده لکهنؤ

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۶۔ ایضاً

اوراق : ۵۵ ب تا ۶۶ الف
سطور : ۱۰
تقطیع : ۲۳ × ۱۵ س م
خط : نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : نا معلوم

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۷۔ پنجاه باب سلطانی

مصنف : شرف الدین الحسینی
اوراق : ۵۰ (ناقص الآخر)
سطور : ۱۷
تقطیع : ۲۳ × ۱۵ س م
خط : نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : حمد و ثنای بی حد حضرت واهب المعظم را جل جلاله که آسمان دل عارفان را بانوار کواکب معانی مزین کرده و آفتاب توحید را از قلوب اصحاب حکمت و ارباب معرفت طالع گردانیده و مخزن عقل را که خطوط و اشکال و براهین او مضبوط است . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری

۱۸۔ تحریر المجسطی

مصنف : نصیر الدین طوسی ، م ۶۷۲ھ
اوراق : ۲۵۱ (صفحات)
سطور : ۱۵
تقطیع : ۳۰ × ۱۹ س م
خط : نستعلیق
کاتب : غلام غوث بن مولو محمد عالم کھوڑوی
تاریخ کتابت : ۱۲۹۸ھ

آغاز : الحمد الله مبدا کل مبدأ و غایة کل غایة . . . (عربی)

اصل کتاب مجسطی (بکسر اول و ثانی) حکیم یونانی بطلیموس القلوذی (المقدونی کی تصنیف ہے . . . حنین ابن اسحاق نے اس کو یونانی سے عربی میں منتقل کیا . نصیر الدین طوسی نے اس کی ترتیب و تشکیل کے بعد کتابی صورت میں پیش کیا

(پنجاب پبلک لائبریر

۱۹۔ تحفہ حاتمی
یا
رسالہ در اعمال اصطرلاب (۳۳ ایل/۱۶ ۸۴ ۸)

مصنف : بہاء الدین عاملی — خط : نستعلیق
اوراق : ۳۳ — کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۳ — تاریخ کتابت : ۱۲۳۲ھ
تقطیع : ۲۱ × ۱۵ س م

آغاز : الحمد للہ رب العالمین والصلوہ والسلام علی خاتم الانبیاء والمرسلین محمد و آلہ الطاہرین . . . اما بعد چون درین والا ملکوت . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۰۔ التحفة الشاهية فی الهيئة (A-31 / 8607)

مصنف : قطب الدین محمود بن مسعود بن مصلح الفارسی معروف بہ قطب الشیرازی م ۷۱۰ھ
اوراق : ۱۸۶ — خط : نستعلیق
سطور : ۱۹ — کاتب : قادر بخش
تقطیع : ۲۵ × ۱۶ — تاریخ کتابت : ۱۲۴۱ھ

آغاز : خیر المبادی ما زین بالحمد الواهب (اواهب) القوه علی حمده و ثنی بالصلواه علی نبیه و عبده و علی الہ الطیبین الطاهرین . . . فالحمد للہ و علی عباده الذین اصطفی خصوصاً علی محمد المصطفی و الہ المجتبی . . . (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۱۔ ایضاً (۵۲۰ قطب)

اوراق : ۱۶۳ — خط : نسخ و نستعلیق
سطور : ۲۳ — کاتب : محمد جمال الدین
تقطیع : ۲۹ × ۱۷٫۵ س م — تاریخ کتابت : نا معلوم

(پنجاب پبلک لائبریری)

۲۲۔ تحفۃ اللهو (منظوم) (ش ۳/۱۲۴۱۲/۵۷۳۱)

(در علم نجوم و ہیئت ، با مقدمہ منثور)

مصنف : خواجہ بزرجمہر — خط : نستعلیق
اوراق : ۲۱ ب تا ۲۵ الف — کاتب : نامعلوم

سطور : ۱۵ تاریخ کتابت : نامعلوم
تقطیع : ۲۰،۵ × ۱۳،۵ سم

اغاز : شکر و سپاس مر حضرت پادشاہی را کہ انسان را زیرک جمیع علوم گردانید . . .

ای کہ از هر ہنر خبرداری در کف دست خویش زر داری

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۳- التذکرة النصیریة (Arh III 129 / 857)

مصنف : نصیر الدین ابو جعفر بن محمد بن الطوسی ، م ۶۷۲ھ
اوراق : ۳۸ خط : نیم شکستہ
سطور : ۱۸ کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۳۰ × ۱۵ سم تاریخ کتابت : ۱۲۰۶ھ

آغاز : الحمدلله المفیض الخیر و ملهم الصواب و الصلواة علی محمد المنعوت بفصل الخطاب و علی اله خیر آل و علی اصحابه خیر اصحاب . . . (ایران میں طبع ہو چکی ہے) (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۴- ترجمہ سر مکتوم (س ۱۵۳۱/۱۵۸۱ھ)

(در علم نجوم وغیرہ)

مصنف : امام فخر الدین رازی
اوراق : ۱۹۵ خط : نستعلیق مائل بہ نسخ
سطور : ۲۱ کاتب : زاہد ابن عبداللہ انصاری
تقطیع : ۲۳ × ۱۳ سم تاریخ کتابت : ۱۷ ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ/۲۶ اپریل ۱۶۰۵ء

مترجم نامعلوم کہ در عہد التتمش (۶۰۷ھ-۶۳۳ھ/۱۲۱۰ء-۱۲۲۵ء) زندگی میکرد بدستور رکن الدین فیروز شاہ کہ بعدها او نیز برای مدت یک سال از ۶۳۳-۶۳۴ بر تخت سلطنت دہلی جلوس کردہ بود ، ترجمہ کرد.

اغاز : حمد بیحد و ثنای بیعد مر واجب الوجود را کہ جملہ موجودات از فیض جود بی علت اوست و شکر و سپاس مبدعی را کہ امتزاج روح لطیف با جسم کثیف مقتضی ارادت بی جہت . . . اوست . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۵- ترجمہ صور الکواکب (ش ۲۲۳۴/۵۲۴۴)

(در علم نجوم و ہیئت با ۳۲ تصویر سیاہ قلم)

مصنف : نامعلوم — خط : نستعلیق
اوراق : ۵۷ (ناقص الاوسط) — کاتب : نامعلوم
سطور : ۱۳ — تاریخ کتابت : نامعلوم
تقطیع : ۲۱×۱۵ سم

آغاز : ہرگاہ کہ فارغ شدیم از صوری کہ نصف شمالی کرہ اند و اعداد و مواضع آن شروع کنیم در صور منطقۃ البروج و آن دوازدہ اند . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۶- تسہیل زیج محمد شاہی (Ph III 76 / 1998)

مصنف : مہارت خان — خط : نستعلیق
اوراق : ۲۷۹ (ناقص الآخر) — کاتب : نامعلوم
سطور : ۲۵ — تاریخ کتابت : نامعلوم
تقطیع : ۳۶×۲۵ سم

آغاز : ثنای بسیار و حمد بیشمار حکیمی را کہ را صد حکمت . . . یرفع السموات بغیر عمد دلیل است لامع و سپاس بیقیاس مہندسی را کہ انواع نجوم ثاقبہ ببراہین ساطع از مطالع انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب . . اما بعد چنین گوید احوج خلق اللہ المنان بن عظیم الدین محمد خان عبداللہ المخاطب بہ مہارتخان . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۷- تشریح الافلاک (Arb III 179 / 1746)

مصنف : بہاء الدین محمد حسین بن عبدالصمد الحارثی العاملی ، م ۱۰۳۱ھ
اوراق : ۱۷۰-۱۷۸ — خط : نستعلیق
سطور : ۱۵ — کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۵×۱۵ سم — تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : ربنا ما خلقت ھذا باطلا ، سبحنک فقنا عذاب النار واجعلنا من المتفکرین فی خلق السموات و الارض اختلاف اللیل و النہار و صل علی بدر سماء النبوہ و مرکز دائرہ الفتوہ حبیبک محمد النبی المختار و الہ فلک بروج الولایہ . . . (عربی)

(ہندوستان میں طبع ہوئی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۸- ایضاً

(۲۹۹۱)

اوراق : ۳۱ تا ۴۰
سطور : ۱۴
تقطیع : ۲۵ × ۱۷ س م

خط : نسخ
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : نامعلوم
(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۹- ایضاً

(۵۲۰ عاملی)

اوراق : ۱۳
سطور : ۱۳
تقطیع : ۲۶٫۵ × ۱۲٫۵ س م

خط : نستعلیق
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : نامعلوم
(عربی)

(پنجاب پبلک لائبریری)

۳۰- تقویم ۱۲۶۰ھ

(Aph III 34 / 150)

(۱۲۵۱ف/۱۸۸۴ع/۱۹۰۱ سمت)

مصنف : بسم اللہ بیگ ولد مرزا زین العابدین ولد مرزا محمد علی ولد افضل المہندسین مرزا خیر اللہ

اوراق : ۱۵
سطور : ۲۶
تقطیع : ۳۰ × ۱۸ س م

خط : نسخ (شکستہ آمیز)
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : ۱۲۶۰ھ (؟)

آغاز : چون تحویل آفتاب عالمتاب روز چہار شنبہ سلخ ہلالی شہر صفر المظفر ۱۲۶۰ ہجری قدسی . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۳۱- التکملۃ

(۵۲۰ خضری)

مصنف : محمد بن احمد الخضری الملقب بہ ملا شمس الدین (یکی از فضلائے قرن دہم ہجری)

اوراق : ۲۷۹
سطور : ۱۹

خط : نستعلیق شکستہ و پختہ
کاتب : محمد جمال الدین علی الحسینی النقوی (در شہر لاہور)

تقطیع : ۲۲٫۵×۱۳ سم   تاریخ کتابت : ۱۲۷۳ھ
آغاز : تعالیت یاذا العرش الاعلی و ما اعظم شأنک . . . (عربی)
(پنجاب پبلک لائبریری)

۳۲- جامع احکام النجوم (Aph III 29 / 146)

مصنف : ابوالحسن بن القاسم البیهقی   خط : نستعلیق
اوراق : ۴۷   کاتب : شیام سنگھ (؟)
سطور : ۱۵   تاریخ کتابت : نامعلوم
تقطیع : ۲۱×۱۶ سم   (مالک کتاب بدھا مل منجم کی مہر آخر میں ثبت ہے)

آغاز : الحمدلله رب العالمین و الصلواه علی . . . محمد و الہ الاخیار و اصحابہ الابرار چنین گوید خواجہ اجل . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

جامع بہادر خانی از غلام حسین بن فتح محمد دیکھیے
مفتاح الرصد از غلام حسین بن فتح محمد

۳۳- جنتری (ش ۲۳۹۸/۵۷۱۷)

(تقویم سال ہجری ، عیسوی و بکرمی برائے سال ۱۸۳۸ء)

مصنف : نامعلوم   خط : نستعلیق
اوراق : ۱۲   کاتب : نامعلوم
سطور : ۱۹   تاریخ کتابت : ۱۸۳۸ء/۱۲۵۴ھ
تقطیع : ۳۰×۲۱ سم

آغاز : نقشہ جنتری من ابتدای ماہ جنوری ۱۸۳۸ء لغایت آخر ماہ دسمبر . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۳۴- الحاشیة علی شرح الملخص (Ath III 102 B / 919)

مصنف : ابو العلاء بن محمد بن حسین لبیرجندی الحنفی ، م ۹۳۲ھ
اوراق : ۲۷   خط : شکستہ
سطور : ۲۱   کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۳×۱۳   تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : . . . الله یفتح الامور و بحمده یشرح الصدور الحمدلله المشارق و المغارب

وزین السماء الدنیا بزینة الکواکب . . . (عربی)
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۳۵- ایضاً (ش ۱۸۷۱/۳۸۸۹م)

اوراق : ۱۱۲ (ناقص الآخر) خط : نم شکستہ
سطور : ۱۹ کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۱×۱۴ سم تاریخ کتابت : نامعلوم
(عربی)
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۳۶- خلاصة التنجیم و برهان التقویم $\left(\frac{۲۴۳}{۳۲۱}\right)$

مصنف : غیاث الدین علی بن کمال الدین حسین بن علی امیران الحسینی الاصفہانی
اوراق : ۳۶ خط : نستعلیق
سطور : ۹ کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۱۴×۱۰ سم تاریخ کتابت : نامعلوم (تاریخ تالیف ۸۶۹ھ/ ۱۴۶۴ء)

آغاز : مقدس دانی کہ حرکات سماوات و سیارات روشن تر دلیلی بر قدیمیت افعال اوست و امتزاجات کیفیات عناصر کہ امہات مرکبات و اقف اند قاطع تر برہانی برازلیت و ابدیت آثار اوست . . .
(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

۳۷- دستور علم المیقات (Arh III 187 A / 2299)

مصنف : علامہ رضوان آفندی (؟)
اوراق : ۶۸ خط : نسخ
سطور : ۲۵ کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۱×۱۶ سم تاریخ کتاب : نامعلوم
آغاز : الحمدلله الذی زین السماء بالکواکب و سیرها بقدرته . . . (عربی)
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۳۸- دلپسند یعنی رسالہ در علم نجوم $\left(\frac{\text{APh III 25}}{143}\right)$

مصنف : پنڈت راج نیمدھر خط : نستعلیق
اوراق : ۱۶۷ (صفحات) کاتب : سالک (سالک) رام

سطور : ۱۲ تاریخ کتابت : ۱۲۲۹ھ
تقطیع : ۲۱×۱۲ س م
آغاز : حمد بیحد و ثنای بیعد مر صانعی را . . . و سقف فلک باجرام کواکب منقش ساختہ او و درودِ نا محدود بران سرور کائنات کہ بنأی خانۂ اسلام استحکام ازو یافتہ . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۳۹- دلیل المنجمین

(۵۲۰ اشجا / ۵۲۰ حسن)

مولف : حسن بن شجاع محمد بن الحسن الحافظ التوبی
اوراق : ۱۶ خط : نستعلیق شکستہ آمیز
سطور : ۱۹ کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۱٫۵×۱۵ س م تاریخ کتابت : نامعلوم (مکتوبہ بعہد حاضر)
آغاز : الحمد للہ الاحد الحکیم اللطیف الذی خلق القوی و الضعیف و الصلوٰہ علی محمد . . .
(پنجاب پبلک لائبریری)

۴۰- ربع مجیب

(۵۲۰ ربع)

مصنف : نامعلوم خط : نستعلیق
اوراق : ۶۰ کاتب : نامعلوم
سطور : ۱۱ تاریخ کتابت : ۲ ماہ ماگھ سمت ۱۹۱۱ب حسب
تقطیع : ۲۲٫۵×۱۵ س م ارشاد فقیر سید جمال الدین بخاری
آغاز بعد البسملہ : در معرفت عمل ربع مجیب آفاق کہ آن را دستور خوانند . . .
(مطبوعہ نسخہ معلوم یا موجود نہیں ہے)
(پنجاب پبلک لائبریری)

۴۱- رسالہ اشجار و اثمار

(۲۳۶ / ۳۱۶)

مصنف : علاء الدین علی شاہ ابن محمد بن قاسم خوارزمی معروف بہ علاء البخاری (۱۲۲۶ء - در حدود ۱۲۹۶ء)
اوراق : ۳۱۷ خط : نسخ
سطور : ۱۸ کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۱۸٫۵×۱۲ س م تاریخ کتابت : نامعلوم
آغاز : حمد و ثنا آفریدگاری را کہ افلاک و دوایر و نجوم و سوایر بیافرید شکر و

سپاس واجب الوجودی را کہ عناصر ارکان در وجود آورد . . .

(۱۹۰۳ء میں لکھنئو میں طبع ہوئی)

(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

۴۲۔ رسالۃ اسطرلاب

(۵۲۲۴۳۱ - اسطرلاب)

مصنف : نامعلوم	خط : نستعلیق شکستہ
اوراق : ۱۱	کاتب : نامعلوم
سطور : ۱۵	تاریخ کتابت : نامعلوم (غالباً اواخر قرن یازدهم ہجری)
تقطیع : ۱۸ × ۱۱ س م	

آغاز : الحمدللہ الذی جلالہ . . . (عربی)

(پنجاب پبلک لائبریری)

۴۳۔ رسالہ اصطرلاب ذورقی

مصنف : قاسم علی	خط : نستعلیق (مائل بہ نسخ)
اوراق : ۱۲۳ ب تا ۱۳۱ الف	کاتب : نا معلوم
سطور : ۲۸	تاریخ کتابت : نا معلوم
تقطیع : ۲۳ × ۱۵ س م	

آغاز : سبحانک اللهم یا فاطر السموات والعرش العظیم . . . والصلوة علی حبیبک عین اعیان اهل الکمال واله الذین . . . هم البروج الاثنا عشر فی الفلک الدوار . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۴۴۔ رسالہ تقویم

(ش ۵۰۲۶/۲۰۱۴)

مصنف : محمد غیاث الدین	خط : نسخ
اوراق : ۲۲	کاتب : نا معلوم
سطور : ۲۴	تاریخ کتابت : بعد از ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء
تقطیع : ۲۷ × ۱۵ س م	

آغاز : بعد از حمد و صلواة میگوید محمد غیاث الدین کہ آنچہ حقیقت تاریخات از آئین اکبری و در رسالہ قاضی نجم الدین خان و دیگر رسائل و تقاویم و زیجات و کتب تواریخ بوضوح پیوستہ بسبیل اختصار اینست و تعریف تاریخ چنین کردہ اند یوم معلوم ینسب الیہ زمان یاتی علیہ . . .

اسی جلد میں مصنف کی ایک اور کتاب بعنوان : منہاج العروض مجلد ہے ۔ اس

پر تاریخ کتابت ۱۲۷۳ھ پڑی ہوئی ہے۔ اس کے آخر میں رسالہ تقویم ہے۔
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۴۵- رسالہ تقویم المحسنین

مصنف : نا معلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۱۰۸ تا ۱۳۸ (ناقص الاخر)　　کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۵　　تاریخ کتابت : نا معلوم
تقطیع : ۲۵ × ۱۵ س م

آغاز : الحمد للّٰه الذی خلقنا فی احسن التقویم و هدانا للدین القویم و النہج المستقیم ، والشکر للمواهب حیوة العالمین ، و ناظم السموات والارضین . . . چون میدیم کہ جمعی کثیر از خواص و انام و بسیاری از عوام در اکثر مطالب و مہام بواسطہ ملاحظہ ساعات و ایام رجوع میکنند بتقویم منجمان و ملتفت نمیشوند باحدیثی کہ مرویست از آئمہ کرام علیہم السلام . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۴۶- رسالہ حدیث روز

مصنف : نا معلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۴ (ناقص الاخر)　　کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۲　　تاریخ کتابت : قرن دوازدهم هجری
تقطیع : ۱۷٫۵ × ۱۱ س م

آغاز : بسم الله الرحمن الرحیم : از اخبار محمد مصطفیٰ صلی الله علیہ وسلم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین ، اول روز از ماه نیک است . . . خدایتعالی مر آدم پیامبر علیہ السلام را بیافرید . . .
(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

۴۷- رسالہ در اعمال ربع مجیب

مصنف : نا معلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۲۰　　کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۳　　تاریخ کتابت : ۱۲۳۲ھ (؟)
تقطیع : ۲۱ × ۱۵ س م

آغاز : الحمد الذی جعل العالم شمسا و حرس من کسوف شعاعه . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۴۸- رسالہ در اعمال ربع مجیب (۳۷ ایل/۸۳۱۹)

مصنف : نا معلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۲٦　　کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۳　　تاریخ کتابت : ۱۲۳۲ھ
تقطیع : ۲۱×۱۵ س م

آغاز : فصل اول در القاب آلات و خطوط ربع آنچہ از مرکز ربع در کشیدہ اند خیط است و عقدہ روان کہ برخیط بستہ اند . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۴۹- رسالہ در بیان اصطلاحات اهل نجوم

(ش ۲/۲۳٦۸/۵٦۸۷)

(در اصطلاحات نجوم با توضیحات آنها بفارسی و اردو)

مصنف : نا معلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۲۲۱　　کاتب : نا معلوم
سطور : مختلف　　تاریخ کتابت : در حدود ۱۲۳۲ھ/
تقطیع : ۲۰×۱۱ س م　　۱۹۱۳ع

آغاز : . . . اولاً خامہ را کہ بردارم　　عدد افلاک انجمن آرم

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۰- رسالہ در بیان علم نجوم

(ملخص کتاب سر المکتوم) (Ph III 130 / 2003)

مصنف : نا معلوم　　خط : نستعلیق
اوراق : ۱ تا ۹۷　　کاتب : بودھا مل
سطور : ۱۹　　تاریخ کتابت : سمت ۱۸۹۵ من راجہ و کرمادت
تقطیع : ۲۵×۱۷ س م

آغاز : الحمد لله الذی احاطہ بکل شیئی علمہ . . . والصلواہ علی نبی الرحمۃ و شفیع الامۃ محمد وآلہ الطاهرین، اما بعد این رسالہ ایست در بیان علم نجوم کہ ملخص شدہ از کتاب سرالمکتوم . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۱- رسالہ در بیان ہیأت عالم سفلی و علوی (۵۲۳ مجید)

مصنف : عبدالمجید بن قطب الدین (اواخر قرن دہم ہجری کا ایک ستارہ شناس)

اوراق : ۱۲ خط : نستعلیق

سطور : ۱۷ کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۱۹٫۵ × ۱۵٫۵ س م تاریخ کتابت : ۱۳۳۰ھ در شہر گڑھ

آغاز : اما بعد معروض می دارد محرر این رسالہ اضعف العباد الطیبین . . .

یہ تقویمی معلومات کا ایک مفید اور دلچسپ مجموعہ ہے ۔ سنہ اکبری (الٰہی) کے اجرا کی مختصر کیفیت بھی مذکور ہے ۔

(پنجاب پبلک لائبریری)

۵۲- رسالہ در تسطیح و تخطیط
(در فن مقنطرات ؟ و صنعت اصطرلاب) (ش ۳۹۷/۳۳۰۱)

مصنف : میر غیاث الدین منصور (؟) م ۹۴۸ھ/۱۵۴۱ء

اوراق : ۱۲۷ خط : نستعلیق

سطور : ۱۳ کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۳ × ۱۶ س م تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : . . . بخط منحنی مرتسم می باشند و این اختلاف بسبب تسطیح کرہ مستظہر میگردد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۳- رسالہ در سوالات اصطرلاب (س ۳/۲۰۶۳/۵۰۷۶)

مصنف : نا معلوم خط : نسخ شکستہ آمیز

اوراق : ۲۶ کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۶ تاریخ کتابت : قرن یازدہم ہجری (؟)

تقطیع : ۲۱ × ۱۵ س م

آغاز : این کتاب دانش درین چہار صد و ہشتاد سوال است باچہار صد و ہشتاد جواب . . . مجلس اول در چگونگی اصطرلاب و عدد اعضا والقاب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۴- رسالہ در شناختن احکام سال ترکان (۱۶۰۰ش/۳۶۵۰)

مصنف : نا معلوم خط : نسخ

اوراق : ۵۱ تا ۵۵ کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۷ تاریخ کتابت : قرن یازدہم ہجری (؟

تقطیع : ۲۲×۱۳ س م

آغاز : الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ اجمعین
این رسالہ است در شناختن احکام سال ارکان کہ چگونہ نگاہ دارند در حدود . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۵- رسالہ در صنعت کرہ (ش ۴/۱۹۳۰/۹۴۲

مصنف : رومی الحسینی خط : نستعلیق

اوراق : ۳۱ تا ۳۶ (ناقص الاول) کاتب : نا معلوم

سطور : مختلف تاریخ کتابت : نا معلوم

تقطیع : ۲۶×۱۷ س م

آغاز : . . . نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بدین ناطق ، الصلوۃ عماد الدین . .
از شرائط معرفت قبلہ است پس چون برطالبان دین و سالکان راہ یقین واجب و لازم ا
کہ علم نجوم و ہیئت . . . دانند

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۶- ایضاً (ش ۲/۲۷/۳۲

اوراق : ۲۴ ب تا ۳۱ الف خط : نستعلیق

سطور : ۱۹ کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۷×۱۷ س م تاریخ کتابت : نا معلوم

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۷- رسالہ در صنعت اصطرلاب (ش ۱/۲۷/۳۲

مصنف : سید علی جعفری رومی خط : نستعلیق

اوراق : ۱ تا ۲۳ ب کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۹ تاریخ کتابت : نا معلوم

تقطیع : ۲۷×۱۷ س م

آغاز : سپاس و ستائش مرصانع قدیم و قادر حکیم را کہ زمین و آسمان ب
و بدائع و عجائب و غرائب مصنوع اوست و اختلاف زمین و آسمان و لیل و نہار
وحدانیت اوست . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۸- رسالہ در صنعت اصطرلاب
بیست باب بیرجندی (ش ۷/۱۹۳۰/۳۹۳۲)

مصنف : عبدالعلی بیرجندی ، م ۹۳۴ھ/۱۵۲۷ء

اوراق	: ۳۶ تا ۸۸	خط	: نستعلیق
سطور	: ۱۵	کاتب	: مہتاب رائے
تقطیع	: ۲۶ × ۱۷ س م	تاریخ کتابت	: نا معلوم

آغاز : الحمد لله رب العالمین والصلوات علی خیر البریة محمد و اله اجمعین ، اما بعد این مختصریست در معرفت صنعت اصطرلاب شمالی و جنوبی مشتمل بر بیست باب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۵۹- ایضاً (ش ۳/۴۲۷/۳۴۳۲)

اوراق	: ۳۲ ب تا ۶۴ ب	خط	: نستعلیق
سطور	: ۱۹	کاتب	: نا معلوم
تقطیع	: ۲۷ × ۱۷ س م	تاریخ کتابت	: نا معلوم

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۰- رسالہ در علم نجوم (Ph III 12 / 2982)

مصنف	: نا معلوم	خط	: نستعلیق
اوراق	: (۱۸ ناقص الاول و الآخر)	کاتب	: نا معلوم
سطور	: ۱۷	تاریخ کتابت	: نا معلوم
تقطیع	: ۲۲ × ۱۵ س م	(تاریخ تالیف ۳۸۹ھ (؟) درج ہے)	

اس مخطوطے پر عنوان درج نہیں - موضوع کے پیش نظر مندرجہ بالا عنوان لکھا گیا ہے -

آغاز : . . . درجہ سنبلہ را بہ عطارد نعش کردہ اند جمعیت این سخنہا آنست کہ چون اسرف . . . بتجربہ چنان دریافت کردہ اند کہ جون آفتاب در نوزدهم درجہ . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۱- رسالہ در علم نجوم (س ۲/۱۰۲/۶۲۶۱)

مصنف	: نا معلوم	خط	: نستعلیق

اوراق : ۴۱ ب تا ۶۵ ب — کاتب : گل محمد
سطور : ۱۵ — تاریخ کتابت : نا معلوم
تقطیع : ۲۲ × ۱۲٫۵ س م

موضوع کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا عنوان مندرجہ بالا لکھ دیا ہے ۔ مخطوطے پر نام درج نہیں ۔

آغاز : در آغاز این کتاب اول . . . میگوید . . . بدانکه از سمت بکرماجیت هرگاه یک صد و سی و پنج کم کردیم تا که سالباهن میشود ازان یک هزار و چهار صد و چهل و دو که شاکه کرہ لا کهو است از شاکه سالباهن کم کردیم هرچه باقی ماند آنرا یازده قسمت کنند و حاصل آن قسمت را چکر نام کرده اند . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۲- رسالہ در علم نجوم

(A Ph III 25 / 143)

مصنف : نا معلوم — خط : نستعلیق
اوراق : ۱۳ صفحے (نا مکمل) — کاتب : سالک ؟ (مالک ؟) رام
سطور : ۱۲ — تاریخ کتابت : ۱۲۲۹ھ (؟)
تقطیع : ۲۱ × ۱۲ س م

آغاز : فوائد در آوردن بر کهه پهل باید دانست که مقدار سالهائے که از عمر گذشته باشند تا شروع سالی که . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۳- رسالہ در علم هیئت

(Ph III 120 / 740)

مصنف : نا معلوم — خط : نستعلیق (مائل به نسخ)
اوراق : ۴۰ — کاتب : نا معلوم
سطور : ۲۳ — تاریخ کتابت : ۱۲۰۵ھ (؟)
تقطیع : ۲۱٫۵ × ۱۲ س م

آغاز : شکر و سپاس و حمد بیقیاس مر صانعی را که نقاش ابرو : پرکار تصویر و بقلم تقدیر صفحات افلاک را . . . و ثوابت بیاراست و لقد زیّنا السماء بزینة الکواکب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۴- رساله در علم هیئت
(A Ph III 8 / 133)

مصنف : نا معلوم — خط : نستعلیق
اوراق : ۳۱ — کاتب : پنڈت گوری سنکر
سطور : ۲۱ — تاریخ کتابت : ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء
تقطیع : ۲۳×۱۸ س م — (بمقام لاہور)

آغاز : الحمد لله الذی خلق سبع سموات طباقا و فی الارض مثلهن اقالیم و اطباقا والصلواه علی من سما فاستوی و هو بالافق الاعلی . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۵- رساله در معرفت ارقام تقویم (۳۹ ایل/۸۳۲۱)

مصنف : حاجی عبدالقادر — خط : نستعلیق
اوراق : ۳ — کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۵ — تاریخ کتابت : نا معلوم
تقطیع : ۲۱×۱۵ س م

آغاز : الحمد لله رب العالمین والصلواه والسلام علی النبی الامی اما بعد این مختصریست در معرفت ارقام تقویم . . . مشتمل بر مقدمه و در باب و خاتمه . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۶- رساله در عمل ربع مجیب آفاق
(۲۳۷ / ۳۱۰)

مصنف : نا معلوم — خط : شکسته آمیز
اوراق : ۸۶ — کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۳ — تاریخ کتابت : قرن دوازدهم هجری
تقطیع : ۱۹×۱۱ س م

آغاز : در معرفت عمل ربع آفاق که آنرا دستور خوانند و این آلتی است از آلت های رصدیه خفیف الحجم کثیر الفواید که اکثر اعمال نجومی و امور حسابی بطریق مناسب آلت روشن و مبرهن گردد . . .
(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

رساله در معرفت اصطرلاب از طوسی دیکھیے
بیست باب در معرفت اصطرلاب از طوسی

۶۷- رسالہ در معرفت اصطرلاب (ش م/۲۰۶۳/۵۰۷۶)

مصنف : مولانا ناصر الدین عمر شیرازی کہ در ۶۹۷ھ/۱۲۹۷ء میزیسہ

اوراق : ۳۵ خط : نستعلیق

سطور : ۱۹ کاتب : شیخ رستم لاہوری

تقطیع : ۲۱ × ۱۵ س م تاریخ کتابت : درحدود ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۲ء

آغاز : این مختصریست در معرفت اصطرلاب مشتمل بر چهل باب ، باب اول در انساب اصطرلاب و خطوط دوایر اصطرلاب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۸- رسالہ در معرفت اصطرلاب بر صد باب (Ph III 129 / 2002)

مصنف : نوراللہ ابن محمد حسین شوشتری

اوراق : ۹ ب - ۶۳ الف خط : نستعلیق

سطور : ۱۹ کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۶ × ۱۶ س م تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : حمد بیحد و ثنای بیعد قادریرا کہ بدایع فطرت و صنایع حکمت اطباق سموات سبع را بی وسیلہ مدد و رابطہ غیر بید قدرت بر افراشت و صفائح صحایف افلاک را بجواہر زواہر کوا کب ثاقب از ثوابت و سیار بیاراست . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۶۹- رسالہ در معرفت تقویم (۸۳۱۸ / ۳۶ ایل)

مصنف : ابراہیم دہلوی خط : نسخ

اوراق : ۸ کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۳ تاریخ کتابت : ۱۲۳۲ھ (؟)

تقطیع : ۲۱ × ۱۵ س م

آغاز : سپاس بیقیاس سزاوار بارگاہ صانعی بود کہ بساط فلک را بچراغ شب افروز کوا کب محول روز بیاراست . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۰- رسالہ در معرفت سمت قبلہ (۲۵۷ / ۳۱۴)

مصنف : لطف اللہ مہندس بن استاد احمد معمار لاہوری (۱۶۸۱ء تک زندہ تھے)

اوراق : ۷ خط : نستعلیق

سطور : ۱۰ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۱۹ × ۱۰ س م — تاریخ کتابت : قرن سیزدهم هجری

آغاز : الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد و علی الہ و اصحابہ اجمعین و بدان اسعدک اللہ تعالی فی الدارین کہ (این) رسالہ ایست مختصر در معرفت سمت قبلہ مشتمل بردو باب . . .

(اورینٹل کالج میگزین (مئی ۱۹۵۹ء) میں شائع ہو چکا ہے)

(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

رسالہ در معرفت صنعت اصطرلاب از بیرجندی دیکھیے

رسالہ در صنعت اصطرلاب از بیرجندی

۲۷- رسالہ در معرفت کرہ (ش ۵/۲۰۶۳/۵۰۷۶)

مصنف : نا معلوم — خط : نستعلیق

اوراق : ۲۳۰ ب تا ۲۳۳ ب — کاتب : شیخ رستم لاہوری

سطور : ۱۹ — تاریخ کتابت : ۳۷ جلوس والا یعنی جلوس اورنگ زیب عالمگیر (۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۲ء)

تقطیع : ۲۱ × ۱۴ س م

آغاز : الحمد للہ الشاکرین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ، اما بعد این مختصریست در معرفت کرہ در چہاردہ فصل . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۲۷- رسالہ در معرفت کرہ فلکی یعنی اسطرلاب (Ph I'I 129 / 2002)

مصنف : نا معلوم — خط : نستعلیق

اوراق : ۱ تا ۹ — کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۹ — تاریخ کتابت : نا معلوم

تقطیع : ۲۶ × ۱۶ س م

آغاز : الحمد للہ رب العالمین والصلواہ والسلام علی حبیبہ محمد اکمل المرسلین و علی جمیع اخواتہ [اخوانہ] من المبین والصدیقین والشہداء والصالحین اما بعد این رسالہ ایست در کیفیت عمل اسطرلاب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۳- رسالہ در ہیئت (ش ۵۷۲۱/۲۴۰۲/۳)

(در معرفت علم فلکیات و کواکب وغیرہ ، مشتملبر مقدمہ دو مقالہ و خاتمہ)

مصنف : علاء الدین علی قوشچی ، م ۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء

اوراق : ۱۳۲ تا ۱۶۵ — خط : نستعلیق

سطور : ۲۱ — کاتب : محمد عاقل

تقطیع : ۲۶×۱۸ س م — تاریخ کتابت : ۸ رجب ۱۰۷۰/۱۰ مارس ۱۶۶۰ء (عہد عالمگیر)

آغاز : الحمد لله رب العالمین ، حمد الساکرین والصلواه والسلام علی خیر خلقه محمد و اله اجمعین - اما بعد این کتابیست مشتمل بر یک مقدمہ و دو مقالہ و خاتمہ . مقدمہ . در بیان آنچه پیش از شروع درین علم دانستنی است . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۴- ایضاً (Ph III 108 / 1427)

اوراق : ۳۰ — خط : نستعلیق

سطور : ۱۳ — کاتب : قاضی محمد یوسف بن قاضی قطب الدین (کوٹ قاضی، گوجرانوالہ)

تقطیع : ۲۳×۱۸ س م — تاریخ کتابت : ۱۲۹۳ھ

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۵- ایضاً (Ph III 153 / 2648)

اوراق : ۳۶ — خط : نستعلیق

سطور : ۱۳ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۲×۱۵ س م — تاریخ کتابت : نا معلوم

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۶- ایضاً (ش ۳۲۳۷/۲۳۲)

اوراق : ۷۹ تا ۹۵ — خط : نسخ

سطور : ۲۳ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۳×۱۷ س م — تاریخ کتابت : قرن چهاردهم هجری

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۷- رسالہ در ہیئت و فلکیات (منظوم) (۶۲۸۴)

مصنف : نا معلوم
خط : نستعلیق
اوراق : ۵۰
کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۵
تاریخ کتابت : ۱۲۲۲ھ/۱۸۰۷ء
تقطیع : ۲۴×۱۴ س م

آغاز : حمد بحد پادشاہی را کہ ہست ــ دش قدرش پایہ افلاک پست
خالق اصل وجود جسم و جاں ــ رازق وحش وطیور و انس و جان

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

رسالہ سی فصل از طوسی دیکھیے

مختصر در معرفت تقویم از طوسی

۷۸- رسالہ علم ہیئت (Ph III 93 / 1912)

مصنف : نامعلوم
خط : نستعلیق
اوراق : ۵۴ (ناقص الاول و الآخر)
کاتب : نامعلوم
سطور : ۱۴
تاریخ کتابت : نامعلوم
تقطیع : ۱۶×۹ س م

آغاز : . . . سطح نیز مستوی بود وغیر مستوی ، مستوی آن بود کہ میان ہر دو نقطہ کہ برو فرض توان کرد اگر بخط مستقیم وصل کنند آن خط ازان سطح بہیچ وجہ بیرون نیفتد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۷۹- رسالۃ فی العمل بالربع المجیب (Arı II 111 / 2292)

مصنف : بدر الدین محمد بن محمد بن احمد سبط معروف بہ المارديني ، م ۹۰۷ھ
اوراق : ۲۰ تا ۲۲
خط : نسخ شکستہ آمیز
سطور : ۲۳
کاتب : عبداللہ بن حسن البخاری المسبندی
تقطیع : ۲۱×۱۵ س م
تاریخ کتابت : ۱۰۸۷ھ

آغاز : الحمدللہ . . . قال الشیخ الامام . . . و بعد فہذہ رسالۃ فی العمل بالربع المجیب مشتملۃ علی مقدمہ و عشرین بابا . . . (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۰- ایضاً (۵۲۰ سبط)

اوراق : ۵ — خط : نستعلیق شکستہ
سطور : ۱۵ — کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۱۸×۱۱ سم — تاریخ کتابت : نامعلوم
(عربی)

(پنجاب پبلک لائبریری)

۸۱- رسالة فی الهیئة (ش ۳۵۴/۱۳۵۴ ۳۵۰۳)

مصنف : نامعلوم — خط : نسخ
اوراق : ۵۶ (ناقص الاول) — تاریخ کتابت : نامعلوم
سطور : ۱۹ — کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۱۸×۱۳ سم

آغاز : مستدیرا استداره الکرية لان الحرکة عند المنطقة و مایلیها اسرع بکثیر مما یلی القطب . . . (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۲- رسالة فی الهیئة (A--73 / 8649)

مصنف : نامعلوم
اوراق : ۳۸ (ناقص الاول) — خط : شکستہ آمیز
سطور : ۱۹ — کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۳×۱۶ — تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : اذا لم یکن علیها لم یکن له عرض لجواز ان یکون الکوکب . . . (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۳- رسالہ فی الهیئة (A--72 / 8648)

مصنف : نامعلوم (ناقص الاول)
اوراق : ۳۷ — خط : نستعلیق
سطور : — کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۵×۱۶ سم — تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : بعد ذلک و قد ظن قوم ان هذا البعد هو عرض القمر . . . (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۴- رسالہ قوس قزح
(Arh II 10 E / 1326)

مصنف : ابو محمد مفتی محمد سعد اللہ بن الشیخ نظام الدین الحنفی المراد آبادی ، م ۱۲۹۴ھ

اوراق : ۱۰۱ تا ۱۰۹ — خط : نستعلیق
سطور : ۱۲ — کاتب : فدا حسن
تقطیع : ۲۵ × ۱۶ سم — تاریخ کتابت : ۱۲۶۳ھ

آغاز : تبارک الذی جعل السماء ذات قوس و بروج و دحا الارض ذات طرائق. . .
(عربی)
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۵- رسالہ معینہ در علم ہیئت
(Ph III 91 / 1996)

مصنف : نامعلوم
اوراق : ۳۰ — خط : نستعلیق
سطور : ۱۹ — کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۵ × ۱۶ سم — تاریخ کتابت : ۱۳۱۰ھ

آغاز : سپاس و ستائش حضرت ذوالجلال را کہ نور دقائق حکمت او از ہر ذرہ کائنات عالم تاباںست و آثار بدایع قدرت او از ہر جزو وی از اجزای موجودات درخشانست . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۶- رسالہ معینہ در علم ہیئت
(Aph III 8 / 133)

مصنف : نامعلوم
اوراق : ۱ تا ۱۰۳ (صفحات) — خط : نستعلیق
(مع تتمہ ۱۰۳ تا ۱۳۰) — کاتب : پنڈت گوری سنکر
سطور : ۲۱ — تاریخ کتابت : ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء (بمقام لاہور)
تقطیع : ۲۴ × ۱۸ سم

آغاز : سپاس و ستائش حضرت عزت ذوالجلال . . . مقالہ اول : در مقدمات علم ہیئت . . . باب اول : در مقدماتی کہ تعلیم تعلم ہندسہ دارد . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۷- رسالہ ہفتاد باب در عمل ربع مقنطر (۳۸ ایل/۲۰ ۸۴۳)

مصنف : نامعلوم | خط : نستعلیق

اوراق : ۶۰ (ناقص الاول) | کاتب : نامعلوم

سطور : ۱۳ | تاریخ کتابت : ۱۲۳۲ھ (؟)

تقطیع : ۲۱ × ۱۵ سم

آغاز : آن . . . بلد برسد بجلدف بلدی کہ عرض بیشتر از میل کلی باشد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۸- رسالہ ہیئت

مصنف : عبدالقادر بن حسن

اوراق : ۵۷ تا ۱۱۵ (ناقص الاخر) | خط : نستعلیق

سطور : ۱۲ | کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۲۲ × ۱۵ سم | تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : حمد و سپاس بیقیاس خالقی را جل جلالہ و عم نوالہ و تعالی شانہ . . . کہ عالم اکبر را با فصول اشکال بنگاشت و بجواہر زواہر سیارات و ثوابت بیار است و مزین و منور گردانید چنانچہ در کلام مجید فرمود انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۸۹- زائچہ نامہ

مصنف : الغ بیگ بن شاہرخ بن امیر تیمور گورگان

اوراق : ۲۰ | خط : نستعلیق

سطور : ۱۹ | کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۳۰ × ۲۰ سم | تاریخ کتابت : ۱۲۸۰ھ

آغاز : الحمدللہ الذی جعل السماء فیہا سراجا و قمرا منیرا و ہو الذی جعل اللیل و النہار . . . لمن اراد ان یذ کر اواراد شکورا مالک الملک کہ مصباح صباح و جعلنا سراجا وہاجا افروختہ حکمت او است . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۰- زائچه نامه

(Aph III 48 / 148)

مصنف : کرپا ناتھ کھتری

اوراق : ۱۶ تا ۸۷

سطور : ۱۷

تقطیع : ۲۸×۱۶ س م

خط : نستعلیق (مائل به نسخ)

کاتب : درگا پرشاد

تاریخ کتابت : ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء (در شاہجہان آباد)

آغاز : سپاس بیحد و ستائش بیعد مر آفرید گاریرا . . . است که سر رشته تمامی مخلوقات را به نهه کره تقسیم فرموده . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۱- زبدة الهئیت

(س ۳/۲۳۲/۳۲۳۷)

(مشتملبر ۳۰ باب در علم ہیئت و معرفت اجرام)

مصنف : نصیر الدین طوسی ، م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء

اوراق : ۵۵ تا ۷۷ الف

سطور : ۲۲

تقطیع : ۲۳×۱۷ س م

خط : نسخ

کاتب : نامعلوم

تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : بعد از سپاس و ستائش آفریدگار جل جلاله و درود بر خاتم انبیاء محمد مصطفی (صلعم) و بر اہل بیت . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۲- زیج الغ بیگ

(Ph III 29 A / 667)

مصنف : الغ بیگ بن شاہرخ ابن تیمور گورگان

اوراق : ۱۹۹

سطور : ۳۱

تقطیع : ۳۰×۲۰ س م

خط : نستعلیق

کاتب : نامعلوم

تاریخ کتابت : نامعلوم (قدیم نسخه ہے)

آغاز : تبارک الذی جعل فی السماء بروجا و جعل فیها سراجا و قمرا منیرا و هو الذی جعل اللیل و النهار خلفه لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۳- زیج (الغ بیگ) : شرح

مصنف : نامعلوم
اوراق : ۳۴۷
سطور : ۲۳
تقطیع : ۲۲×۱۵ سم

خط : نسخ
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : نامعلوم (نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے)

آغاز : الحمدللہ رب العالمین و الصلواۃ و السلام علی رسولہ و آلہ الطیبین و اصحابہ اجمعین ، مقدمہ در بیان حساب اہل تنجیم منجمان بیست و ہشت حرف است ابجد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۴- زیج جدید سلطانی

مصنف : الغ بیگ
اوراق : ۲۴۹
سطور : ۲۲
تقطیع : ۲۷×۲۰

خط : نستعلیق
کاتب : محمد قصاعی (یا قصاعی) معروف بہ خواجگی کاسہ
تاریخ کتابت : نا معلوم

پہلا ورق غائب ہے -

اغاز : جہان کرامت اند بخلعت خلافت . . . امامت مخصوص و ممتاز است یاایہا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما اما بعد چنین گوید اضعف عباد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۵- زیج محمد شاہی

مصنف : راجہ جے سنگھ سوائی (ثانی) ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء
اوراق : ۱۹۰
سطور : ۳ (؟)
تقطیع : ۳۲٫۵×۱۸٫۵ س م

خط : نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : ۱۲۲۷ھ در شاہجہان آباد در عمل اکبر شاہی ثانی

آغاز : شایانے کہ حرز حردہ بین مہندسان عقدہ کشای در ادای دقیقہ ازان وان اعتراف بعجز و قصور نمایند . . .

یہ مخطوطہ ایک مکمل اور محفوظ نسخہ ہے - مطبوعہ نسخہ موجود نہیں ہے - اسی وجہ سے نہایت قابل قدر مخطوطہ ہے -

(پنجاب پبلک لائبریری)

۹۶- ایضاً

(Ph III 92 / 1997)

اق : ۲۲۷ (ناقص الاخر)
ور : مختلف
یع : ۳۰ × ۲۰ س م

خط : نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : نا معلوم
[بعد رنجیت سنگھ (؟)]

پہلے دو ورق مذہب اور دیدہ زیب ہیں۔ مجلد اور خوبصورت ہے۔ اس کے
وع میں ایک نوٹ اس نسخے کی اہمیت کو واضح کرتا ہے : "مالک ھذا الکتاب
مر رامداس خلف مصر منگل سین پروہت مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر سرگباشی"
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۷- زیج مظفرشاہی

(س ۶۲۶۱/۱)

صنف : نا معلوم
راق : ۱۵ تا ۴۹
طور : ۱۵
طیع : ۲۲ × ۱۲ س م

خط : نستعلیق
کاتب : گل محمد
تاریخ کتابت : تیرھویں صدی ھجری(؟)

آعاز : الحمد لله رب العالمین والصلواه والسلام علی رسوله محمد و اله اجمعین
مد بعد و ثنای بعد مر حکیمی را که . . . الحکمة من تشاء کلام قدرت و قادری
ا که به فلک بی ستون معلق بقدرت خود داشت . . .

سلطان مظفر شاہ کے زمانے میں تالیف ہوئی۔ یہ شاید حاکم گجرات (۹۱۷-
۹۳۱ھ/۱۵۱۱-۱۵۲۵ء) تھا۔ کوئی دوسرا نسخہ معلوم نہیں۔ سٹوری نے بھی اس کا
ذکر نہیں کیا۔ بہت کمیاب نسخہ معلوم ہوتا ہے۔
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۸- السبع الشداد

(۵۳۸ع)

مصنف : حسین بن الطباطبائی عطاء الله الحکیم کمال الدین
وراق : ۳۴
سطور : ۱۰
تقطیع : ۱۹ × ۱۲ س م

خط : نستعلیق
کاتب : محمد بدر الدین صدیقی
حنفی اشعری ما تریدی
تاریخ کتابت : ۱۲۵۰ء

آعاز : اما بعد حمد الله قیوم السموات العلیٰ والصلواه علی نبیه شمس الضحی

. . . ویقول الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم . . . ھذا مختصر فی الھیئۃ . . . (عربی)
۱۲۰۹ھ میں ہندوستان میں طبع ہوئی -
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۹۹- ایضا (س ۱۹۲۰ ۲۹۳۲/م)

اوراق : ۸۳ تا ۹۱
سطور : ۱۹
تقطیع : ۲۷ × ۱۷ س م
خط : نسخ
کاتب : عبدالکریم بن احمد
تاریخ کتابت : نا معلوم
(عربی)
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۰۰- السر النجوم فی مخاطبۃ النجوم (A Arb III 5 / 351)

مصنف : فخر الدین محمود بن عمر الرازی ، م ۶۰۶ھ
اوراق : ۲۴۶
سطور : ۱۷
تقطیع : ۱۶ × ۱۰ س م
خط : نسخ
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : الحمد للہ الذی احاط بکل شئی علما . . . فھذا کتاب یجمع فیہ ملخص ما وصل الینا من علم الطلسمات والسحریات . . (عربی)
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۰۱- شجرہ و ثمرہ (در علم رمل و نجوم) (۲۳۰ / ۳۲۳)

مصنف : (علی بن حلمن) الطرابلسی ، م ۸۳۳ھ/۱۴۳۰ء (؟)
اوراق : ۱۳۷
سطور : ۱۳
تقطیع : ۱۳ × ۱۳٫۵ س م
خط : نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : درحدود ۸۷۸ھ/۱۴۷۳ء

آغاز : بسم اللہ الرحمن الرحیم . . . روایت کنند از حکمای اوایل کہ این علم نقطہ آن علم است کہ بہ دانیال پیغمبر علیہ السلام رسیدہ است ایشان این علم بر مردم پوشیدہ اند تا بدست ہر جاہل نیفتد کہ این اسرار حق است . . .
(مولوی محمد شفیع مرحوم کی ذاتی لائبریری)

۱۰۲- شرح بیست باب در معرفت اصطرلاب (ش ۱ ۵۴ ، ۵۵۲ نصیر عبد)

مصنف : نظام الدین عبدالعلی بن محمد البیرجندی (م بعد ۹۳۰ھ)
اوراق : ۱۲۶ خط : شکستہ آمیز
سطور : ۱۵ کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۲۵×۱۶ س م تاریخ کتابت : ۶ ربیع الثانی ۱۲۷۱ھ
حسب ارشاد سید جمال الدین بخاری

آغاز : فاتحہ خطاب در ہر باب و خاتمہ مقال در ہمہ حال سپاس و ستائش حکیمی را سزد . . .

یہ کتاب علامہ نصیر الدین طوسی (م ۶۷۲ھ) کی مشہور تالیف ''بیست باب در معرفت اعمال اصطرلاب'' کی حامل متن شرح ہے -

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۰۳- شرح تشریح الافلاک (Ph III 81 2025)

مصنف : بہاء الدین العاملی خط : نستعلیق
اوراق : ۴۳ کاتب : سن داس لاہوری
سطور : ۱۷ تاریخ کتابت : ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء
تقطیع : ۲۵×۱۴

آغاز : ربنا ما خلقت ھذا باطلا افتتاح عجیب است و ابتدا غریب متضمن حمد و ثنا بطرز حصور و ندای ربنا منادی منصوب است بجہت اضافت و ہذا اشارت است سوی آسمان و آنچہ درومست و در ان تلمیح است بسوی آیہ شریفہ و ما خلقنا السموات والارض الا بالحق . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۰۴- شرح زیج جدید سلطانی (زیج الغ بیگ)

مصنف : عبدالعلی بن محمد حسین بیرجندی
اوراق : ۲۵۲ خط : نسخ
سطور : ۲۵ کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۲۹×۱۹ س م تاریخ کتابت : نا معلوم
(تاریخ تالیف ۹۲۹ھ)

آغاز : اجناس حمد و سپاس مرا از نوبہم و انواع شکر بی قیاس مرا آن مخیل ماہی قدیریرا سزد کہ سقف رفیع منیع قبہ خضرا مرصع . . .

نہایت اہم نسخہ معلوم ہوتا ہے - سلطان محمد صفوی مرتضوی کے مطالعہ میں رہا ہے -

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۰۵- شرح ارثکو پل

(ش ۰ ۵۲۰ - ۱۵)

مصنف : نا معلوم — خط : شکستہ
اوراق : ۱۵۹ — کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۸ — تاریخ کتابت : (غالباً قرن دوازدہم ہجری)
تقطیع : ۲۲٫۵ × ۱۶ س م

آغاز : آغاز استخراج کتاب ارثکو پل کہ تصنیف و تالیف کردہ . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۰۶- شرح الجغمینی

(ش - ۵۲۰ ۰ حضیی)

مصنف : (صلاح الدین) موسی پاشا بن محمود المشہور بہ قاضی زادہ رومی
اوراق : ۱۰۲ — خط : نستعلیق
سطور : ۱۵ — کاتب : آبادرام (تحریر غیرواضح)
تقطیع : ۲۵ × ۱۶ س م — تاریخ کتابت : غالباً آغاز قرن دوازدہم ہجری (؟)

آغاز : . . . جعل الشمس ضیاء والقمر نورا و بسط علی بساط بسیط طلالاً . . . ذات بروج و سراج . . . خلق سبع سموات و من الارض مثلہن فی ستۃ ایام . . . (عربی)

یہ کتاب (شرح چغمینی) علامہ محمود بن محمد بن عمرالجغمینی الخوارزمی (جو نوی صدی ہجری کے علماء میں سے ہوے) کی تصنیف الملخص (فی الہیئۃ البسیطہ) کی شرح ہے -

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۰۷- شرح الملخص فی الہیئۃ

مصنف : موسی بن محمد بن علی القاضی محمد الرومی المعروف بہ قاضی زادہ ، م ۸۴۰ھ (؟)
اوراق : ۹۴ — خط : نستعلیق
سطور : ۱۵ — کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۲۴ × ۲۰ س م — تاریخ کتابت : ۱۲۳۱ھ

آغاز : الحمد للہ الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً و بسط علی بساط البسیط ظلا و حرورا . . . [عربی]

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۰۸- ایضاً (س ۱۸۷۰/۵۳۰۲)

اوراق : ۸۲ — خط : نیم شکستہ

سطور : ۱۹ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۱ × ۱۴ س م — تاریخ کتابت : ۱۰۹۵ھ

(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۰۹- ایضاً (Arh III 175 1645)

اوراق : ۱۵۷ — خط : نسخ

سطور : ۱۳ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۳ × ۱۳ س م — تاریخ کتابت : ۱۱۸۸ھ

(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۰- ایضاً (ش ۳۸-۳۳۹۰)

اوراق : ۱ تا ۱۹ — خط : نسخ

سطور : ۹ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۵ × ۱۷ س م — تاریخ کتابت : ۱۲۶۰ھ

(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۱- ایضاً (س ۳۹۳/۲۳۹۷)

اوراق : ۹۰ — خط : نسخ

سطور : ۱۵ — کاتب : نا معلوم

تقطیع : ۲۸ × ۱۶ س م — تاریخ کتابت : نا معلوم

(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۲- ایضاً

(Arh III 175 A / 2465)

اوراق : ٦٧
سطور : ۱۴
تقطیع : ۲۵ × ۲۴ سم

خط : نستعلیق
کاتب : علام اکبر
تاریخ کتابت : ۱۲۵٦ھ
(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۳- ایضاً

(ش ۳۸٦ / ۳۳۹۰)

اوراق : ۲۰ تا ۸۵ (ناقص الاخر)
سطور : ۱۹
تقطیع : ۲۵ × ۱۷سم

خط : نستعلیق
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : نامعلوم
(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۴- ایضاً

(Ph III 170 / 1111)

اوراق : ۱۳ (ناقص الاخر)
سطور : ۱۱
تقطیع : ۲۲ × ۱۵ سم

خط : نستعلیق
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : نامعلوم
(عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری

۱۱۵- شرح تشریح الافلاک

Arh III 173 / 1311)

مصنف : عصمت اللہ بن اعظم بن عبدالرسول السہارنپوری ، م ۱۱۳۳ھ

اوراق : ۱۳۵
سطور : ۱۷
تقطیع : ۲۳ × ۱٦ سم

خط : نستعلیق
کاتب : نامعلوم
تاریخ کتابت : ۱۰۸۷ھ

آغاز : الحمد للہ الذی خلق سبع سموات طباقا و جعل القمر فیہن نوراً و ج
الشمس سراجا . . . (عربی)

(پنجاب یونیورسٹی لائبریر

۱۱۶- شرح قوشجی (۵۲۰ علد ـ مصلح)

مصنف : محمد مصلح الدین اللاری الانصاری ، م بعد ۹۷۹ھ

اوراق : ۱۸۷ (صفحات) خط : نستعلیق

سطور : ۱۵ کاتب : محمد جمال الدین علی البخاری

تقطیع : ۲۵ × ۱۶ سم النهوی (تا صفحه ۹۵) بعد ازان حکیم

امیر بخش

تاریخ کتابت : ۱۷ جمادی الثانی ۱۲۷۳ھ/۱۳

فروری ۱۸۵۷ء

آغاز : همایون نامه حمد تمام واجب الاعظام بادشاهی بود که وجود اجرام بی آرام علوی و ظهور اقسام اجسام سفلی از انوار بی زوال وجود اوست . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۱۷- علم نامه (س ۱۰۶۴/۸/۱۱۶۳)

(در فلکیات ، هیئت ، نجوم ، اطلاعات دربارهٔ نو روز تقویم ترکی، تکریسی ، فارسی ، احکام خسوف و کسوف ، احکام زلزله ، و اطلاعات جغرافیائی)

مصنف : نامعلوم

اوراق : ۸۹ تا ۱۲۸ خط : نستعلیق

سطور : ۱۵ کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۲۲ × ۱۴ سم تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : بعد از حمد و سپاس قدسی اساس سبحانه و تعالی ، این علم نامه بزرگان متقدمین است که نو روز هدایت افروز عالم از ابتدای دور حکیمان بزرجمهر و زمان نوشیروان عادل از سر سال غرهٔ شهر محرم الحرام شده . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۸- فیصلهٔ منجمین و مجتهدین اصفهان (س ۲۲۳۱/۵۲۴۱)

(در باب تاریخ یزد جردی که در فریق پارسیان متنازعه بود)

مصنف : محمد صادق الحسینی منجم اصفهانی و اسد الله منجم اصفهانی

اوراق : ۲۲ خط : نستعلیق

سطور : ۱۳ کاتب : محمد اسماعیل ابن محمد حسین طباطبائی

تقطیع : ۲۳ × ۱۸ سم تاریخ کتابت : ۱۲۴۴ھ

آغاز : چون مابین دو طائفه عظیم از مدعیان متابعت ملت حضرت ابراهیم علیه

صلوات الله الملک الرحمن الرحیم کہ معروف اند بطائفہ فارس ساکنین بندر بمبئی و بعضی دیگر از بنادر ہندوستان در باب تاریخ متداولہ فیما بین ایشان کہ مشہور است بتاریخ فرس قدیم وبرد جردی اختلاف بہم رسیدہ . . .

اس میں تاریخ یزد جردی کے بارے میں دو رسالے ہیں - پہلا محمد صادق الحسینی منجم اصفہانی کا ہے اور دوسرا اسد اللہ منجم اصفہانی کا ہے - یہ دونوں ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء میں بمبئی میں لکھے گئے -

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۱۹- کتاب بیست بابی (در معرفت کرہ) (Aph III 30 / 147)

مصنف : نامعلوم	خط : نسخ
اوراق : ۴۴	کاتب : نامعلوم
سطور : ۱۵	تاریخ کتابت : ۱۲۲۳ھ
تقطیع : ۱۵ × ۱۸ سم	

آغاز : الحمدللہ رب العالمین و الصلواۃ و السلام علی سیدنا محمد و آلہ الطاہرین و اصحابہ اجمعین ، اما بعد بدانکہ این کتابیست در معرفت کرہ . . .

اس میں تقویم کے بارے میں بھی چند ابواب ہیں -

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۰- کتاب در بیان ستارگان (ش ۱۶۳۴/۴۶۸۵)

(در علم نجوم با ۱۴ تصویر رنگیں ستارگان)

مصنف : نامعلوم	
اوراق : ۹۶ (ناقص الاول و الاخر)	خط : نستعلیق مائل بہ نسخ
سطور : مختلف	کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۶ × ۱۶.۵ سم	تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : باب نہم در شخصہای اسفل اندر دلائل ستارگان چون سال . . . باشند . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۱- کتاب در معرفت کرہ (۵۲۲،۲۸ کرہ / ۵۲۶،۶ مسا)

مصنف : نامعلوم	
اوراق : ۲۶	خط : نسخ و نستعلیق
سطور : ۱۶	کاتب : نامعلوم
تقطیع : ۲۲ × ۱۵ سم	تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : بدانکہ این کتابیست در معرفت کرہ کہ ہر کہ برین عمل واقف شود از اسطرلاب مستغنی گردد و چند عمل کہ در اسطرلاب متحذر باشد حاصل توان کرد. . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۲۲- کتاب زیج (ش ۱۵۲۱/۱۵۷۱م)

مصنف : محقق طوسی [ساید زیج ایلخانی محقق طوسی (؟)]

اوراق : ۱۸۵ (ناقص الطرفین) خط : نستعلیق (نسخ آمیز)

سطور : ۲۷ کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۱۷ × ۸ سم تاریخ کتابت : غالباً قرن نہم ہجری

آغاز : در جدول . . . نہاد کہ از ہر آنک جاع کسکو (؟) ست چ، اگر در اول شبانروز آغاز کردی . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۳- کتاب الصور (۵۲۳ رحا)

یـا

صور الکواکب

یـا

الکواکب الثابتہ

مصنف : ابو الحسن عبدالرحمن بن عمر الصوفی ، م ۳۷۶ھ

اوراق : ۷۴ خط : نستعلیق

سطور : ۱٦ کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۲۲ × ۱۵ سم تاریخ کتابت : ۱۲۰۰ھ (؟) (کاغذ اور نستعلیق رسم الخط سے یہ نسخہ اوائل قرن دوازدہم ہجری سے زیادہ پرانا معلوم نہیں ہوتا)

آغاز : (؟) حال النجوم الفلکیۃ و الدوائر الملکیہ مایاتی ذکرہ (؟) الذکرا الموارع و الحکم و الجدوال المحکمۃ و الصور المکملۃ . . . (عربی)

(۱۸۷٦ میں بمقام پیٹرز برگ طبع ہو چکی)

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۲۴- کرنلکتوهل (؟) (س ۳/۱۰۲/۶۲۶۱)

مصنف : نامعلوم

اوراق : ۳۶ تا ۵۹ (ناقص الاول) خط : نستعلیق

سطور : ۱۵ کاتب : گل محمد

مقطع : ۲۲ × ۱۲٫۵ تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : . . . در ده ایام نامه حاضر جمع کرده بر مجموعه افرایند روزها باشند از ابتداء بحرف رسالت تا زمان مطلوب و ازین روزها هفت هفت اندازند باق را از پنجشنبه شمارند و نظر نکنند که تا مدخل روز موافقست عمل صحیح است و الاخطا بود . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۵- کفایت التعلیم در صناعت تنجیم (Ph III 76 A / 2008)

مصنف : محمد ابن مسعود بن محمد زکی الغزنوی

اوراق : ۱۴۳ خط : نستعلیق

سطور : ۱۷ کاتب : عبدالحمید وزیر آبادی

مقطع : ۲۹ × ۱۷ سم تاریخ کتابت : ۱۲۳۳ھ

آغاز : اللهم تمم بالخیر سپاس خدائرا که آفریدگار است بی محامل حاجت و آفریدگار بدلائل و حجت و افرید اسمان و زمین را از نقطه عدم دائره وجود و درود و ثنای بیشمار بر . . . بهتر و مهتر دنیا و آخرت محمد مقتدای پیغمبران و پیشوای این جهانیان ، آغاز کتاب بر مصنف که کتابی تصنیف کند باید که در اول وی هشت مقدمه تکار دارد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۶- ایضاً (Aph III 5 / 130)

اوراق : ۱۳۸ خط : نستعلیق

سطور : ۱۹ کاتب : بودہا هامل

مقطع : ۲۵ × ۲۰ سم تاریخ کتابت : ۱۲۵۳ھ

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۷- لوائح القمر (س ۲۲۶۲/۵۲۴۲)

(مشتمل مقدمه ، دو مقاله و خاتمه ، در علم اختیارات و هیئت وغیره)

مصنف : نامعلوم خط : نسخ

اوراق : ۱۱۸ کاتب : نامعلوم

: ۱۷ تاریخ کتابت : نامعلوم

: ۲۱×۱۲ سم

آغاز : اما بعد چنین گوید فقیر حقیر حسین بن علی . . . کاشفی . . . کہ چون و دستیاری توفیق و پایمردی معارف تحقیق شش رسالہ . . . در علم نجوم ساختہ و متہ شد . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۲۸- مجموعہ محمودی (ش ۲۰۶۸/۵۰۸۰)

(در علم نجوم مبنی بر روایات ہیئت دانان)

ب : جمال بدھن افغان المعروف بہ خوطانی عرف ملاقی

ق : ۱۱۹ خط : نستعلیق

ر : ۱۶ کاتب : نامعلوم

ع : ۱۷۰۵×۱۲ سم تاریخ کتابت : نامعلوم

آغاز : سپاس بیقیاس مر صانعی را کہ ہفت طبق زمین بسیط را با چندین ہزار از کائنات بقدرت عالیہ خود از کتم عدم در بوستان وجود گردانید و ماوای مسکن ساخت . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

مختصر در معرفت اصطرلاب از طوسی دیکھیے
بیست باب در معرفت اصطرلاب از طوسی

۱۲۹- مختصر در معرفت تقویم (Ph III 128 / 2001)

نف : نصیر الدین طوسی ، م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء

اق : ۱ تا ۱۹ خط : نستعلیق

ور : ۱۹ کاتب : نامعلوم

لیع : ۲۹×۱۸ سم تاریخ کتابت : ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء (؟)

آغاز : الحمدلله رب العالمین و الصلواة و السلام علی سیدنا محمد و آلہ اجمعین بعد این مختصریست در معرفت علم تقویم مشتمل برسی فصل ، فصل اول در حساب مل کہ بنای تقویم بر آنست بدانکہ جمل جمع جملہ است و مدار حساب بر ہشت ملہ باشد برین ترتیب ۱ ابجد ۲ ہوز ۳ حطی ۴ کلمن ۵ سعفص ۶ قرشت ۷ ثخذ ضظغ . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۰- ایضاً

(ش ۲ ۱۱۷۵/۳۲۲۸)

مصنف : نصیر الدین طوسی ، م ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء

اوراق : ۱۶ (۲۳ تا ۲۹)
خط : نستعلیق

سطور : ۲۹
کاتب : نامعلوم

تقطیع : ۲۵×۱۴ سم
تاریخ کتابت : نامعلوم

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۱- معالنه نجوم

(Ph III 12 / 2982)

مصنف : نامعلوم
خط : نستعلیق

اوراق : ۱۹ تا ۵۶
کاتب : نامعلوم

سطور : ۱۷
تاریخ کتابت : نامعلوم

تقطیع : ۲۲×۱۵ سم

آغاز : الحمدلله رب العالمین حمد الشاکرین و الصلواه و السلام علی خیر خلقه و آله اجمعین اما بعد این کتاب مشتمل است بر مقدمه و دو مقاله ، مقدمه در بیان آنکه پیش از شروع درین علم دانستنی است و آن دو قسم است . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۲- مفتاح الافلاک (فارسی ترجمه)

(Ph III 100 / 1831)

مصنف : نا معلوم
خط : شکسته

اوراق : ۹۱ (ناقص الآخر)
کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۲
تاریخ کتابت : نا معلوم

تقطیع : ۳۱×۲۲ س م

آغاز : علم هیئت آن علم است که در آن اشکال کواکب و اوضاع و العباد...

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۳- مفتاح الرصد
یا
جامع بهادر خانی

(۵۲۰ غلا)

مصنف : ابوالقاسم علام حسن بن فتح محمد الکربلائی جونپوری (تیرھویں صدی کے اواسط کے ایک فاضل)

اوراق : ۳۴۱
سطور : ۲۷
تقطیع : ۳۳×۲۲ س م

خط : رسمی مہیاہ داشکال ہندسی
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : (۱۱۴۹ھ سال تکمیل ہے، نسخہ مولف معلوم ہوتا ہے)

اغاز : عنبرین طرازی را کہ از نوک خامہ وحدان در سطح قرطاس بیان از تمام ابدیرد و مسکین نقاطی کہ از بطور محبر حیال در صحفہ (صفحہ ؟) عیان حاگیرد . . .

(یہ نسخہ نادر روزگار اور نہایت ہی قابل قدر ہے)

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۳۴- مفتاح النجوم (Aph III 31 / 148)

مصنف : نا معلوم
اوراق : ۱ تا ۱۳
سطور : ۱۷
تقطیع : ۶۸×۱۶ س م

خط : نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : نا معلوم

اغاز : بعد از حمد و سپاس سیرازد بعد شمس و قمر و مشتری سخن از بیت الشرف حمال طلوع نمود کہ رسد میدان اصطرلاب بنوم علم نجوم را آنست . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۵- مقالہ از کتاب نفائس الفنون (۵۲۰ آمل / ۵۲۶۶ سما)

مصنف : محمد بن محمود آلاملی (یکی از فضلای اواخر قرن ہشتم ہجری)
اوراق : ۶۵
سطور : ۱۶
تقطیع : ۲۲×۱۵ س م

خط : نسخ و نستعلیق
کاتب : نا معلوم
تاریخ کتابت : ۱۳ شوال ۱۱۶۷ (؟)

آغاز : مقالہ از کتاب نفائس الفنون در علم صور کواکب عبارتست از معرفت احوال کواکب بحسب اشکال و موضع ہر یک . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۳۶- مقالہ در تعین جہت قبلہ (۳۲۱، ۹۵ - قلمی / ۵۲۶۶ - سما)

مصنف : نا معلوم
اوراق : ۲۰

خط : نسخ و نستعلیق
کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۷ تاریخ کتابت : ۱۱۶۷ھ
تقطیع : ۲۲×۱۵ س م

آغاز : در دانستن طول از جزائر خالدان و عرض از خط استوا و انحراف و تمام آن سمت و جهت قبلہ دان. بدانکہ کعبہ نقطہ ایست مفروض جهت سجود نماز و استخراج آن اہم . . .

اس کے آخر میں تین مزید اوراق (خارج ازکتاب) شامل ہیں ۔ جس میں سے بعض مسائل تقویمی ، چند نقوس ، کچھ یادداشتیں درج ہیں ۔

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۳۷- مقالہ در حساب منجمین (۵۲ - دھر)

مصنف : دھرم داس خط : شکستہ آمیز خام
اوراق : ۲۸ کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۶ تارخ کتابت : نا معلوم (غالباً اواخر قرن سیزدھم ھجری)
تقطیع : ۲۲×۱۵ س م

آغاز : مقالہ دیگر در حساب منجمین در دانستن نامہای بروج ، بدانکہ حکمای متقدمین و منجمان پیشین ہم فلکہای را نہ فلک می گویند . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۳۸- منازل و اسامی ستارگان (ش ۱/۸۸۶/۳۹۳۸)

(در علم هیئت و نجوم)

مصنف : نا معلوم خط : نسخ و شکستہ
اوراق : ۱ تا ۷ (فقط باب چهاردھم) کاتب : نا معلوم
سطور : ۱۵ تارخ کتابت : قرن سیزدھم ھجری
تقطیع : ۲۳٫۵×۱۵ س م

آغاز : . . . باب چهاردھم زحل مشتری دگر مریخ ، شمس و زہرہ عطارد و قمر است . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۹- مولود مبارک (۵۲۰ مو)

مصنف : نا معلوم خط : نستعلیق روشن و دیدہ
اوراق : ۱۶۷ کاتب : نا معلوم

سطور : ۱۲ — تاریخ کتابت : غالباً قرن دهم هجری(؟)

تقطیع : ۲۳۰۵ × ۱۶ س م

آغاز : امداد شکر سپاس و اعداد حمد و ثنای حضرت آفرید گاری را جل جلاله و عم نواله که مبدع کون و مکان و خالق انس و جان و رازق عالمیان است . . .

یہ کتاب سلطان مظفر حسین بهادر بن سلطان حسین بهادر خان سلطان هرات (المتوفی ۹۱۱ھ) کے زائچہ اور اس کے ثمرات کی تفصیل پر مشتمل ہے -

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۴۱- نامعلوم الاسم

(۵۲۰ لا)

مصنف : نا معلوم

اوراق : ۷۰

سطور : مختلف

تقطیع : ۲۱۰۵ × ۱۹ س م

خط : نستعلیق شکستہ آمیز و شکستہ خام

کاتب : نا معلوم

تاریخ کتابت : اواسط قرن دوازدهم هجری

آغاز : اس کے ابتدائی اٹھارہ اوراق مفقود ہیں - اس نسخہ کے پہلے صفحہ کی جداول کا عنوان یہ ہے -

جداول الثوابت المرصودة بالرصد الکورکانی فی اول سنہ هجری . . .

(پنجاب پبلک لائبریری)

۱۴۱- نجوم بالا

(Ph III 145 / 2545)

مصنف : پنڈت راج بیتم

اوراق : ۱ تا ۹۸ لو

سطور : ۱۵

تقطیع : ۲۵ × ۱۶ س م

خط : نستعلیق

کاتب : نا معلوم

تاریخ کتابت : نا معلوم (تالیف ۱۲۰۳ھ/۱۸۳۷ء)

آغاز : حمد بیحد و ثنای بیعد مر خالقی را سزد که طبقه های افلاک را به ادوار و اشکال متلونه در عرصه هوا برافروخت . . . [بہ] اجرام [و] کواکب نوری بخشید . . .

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۴۲- نجوم مالا

(۳۲۸۲/۱۲۲۹/۱)

(ترجمہ کتاب بارهی در نجوم)

مترجمہ : پنڈت راج بهیم ، برای نائب وزیر الملک آصف الدولہ

اوراق : ۱۳۰۱ (ناقص الاخر) خط : نستعلیق
سطور : ۱۰ کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۲۳ × ۲۹ س م تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : علوم بالا کہ پنڈت راج بهیم . . . برای نواب حیدر علی خان نائب نواب وزیر الملک آصف الدولہ بہادر ترجمہ کردہ اند از انتخاب دارابی . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۳ - نجوم الصدر

(Ph III 117 / 1140)

مصنف : صدر الدین محمد بن زبردست خان فائز، م ۱۱۵۰ھ
اوراق : ۲۵ خط : نستعلیق
سطور : ۱۵ کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۲۳ × ۱۳ س م تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : حمد و سپاس حکیمی را کہ آفریدگار عالم است و عالمیان و خلاق زمین است و زمان روز را بنور نیر اعظم منور نمود ولیالی را بہ چراغان کواکب مزین فرمودہ بزاست و درود بعماس بر صدر بدر سماء رسالت و آئمہ اثنا عشر بروج ہدایت سلام اللہ علیہم اجمعین ، اما بعد چنین گوید . . . کہ فقیر را از صغر سن میل علوم غریبہ بسیار بود چناعہ بقدر وسع در تحصیل آن خود را معاف نمداشت بنابر آن بخاطر ناقص رسید کہ در معرفت تقویم . . . کہ اول مرتبہ تحصیل بخوبست بعضی امور کہ شخص را اکثر بان احتیاج میسود سطری چند برنگارد . . .

یہ نسخہ مصنف کا بیٹا یا مصنف کے پاس رہا - اس پر مصنف کی مہر پڑی ہوئی ہے - ابھی تک طبع نہیں ہوا -

(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

۱۳۴ - ہیئت

(Ph III 27 / 496)

مصنف : نا معلوم خط : نستعلیق
اوراق : ۲۷ (تمام کتاب میں جداول ہیں)
سطور : ۳۴ کاتب : نا معلوم
تقطیع : ۳۰ × ۲۰ س م تاریخ کتابت : نا معلوم

آغاز : جدول حرکت شمس در سال ہای و ماہ ہای عربی . . .
(پنجاب یونیورسٹی لائبریری)

نوٹ : اس جائزے کی تدوین میں مندرجہ ذیل فہارس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے :

۱- لاہور ، پنجاب پبلک لائبریری ، **تفصیلی فہرست مخطوطات عربیہ** ، مرتبہ منظور احسن عباسی ، ۱۹۵۷ء -

۲- لاہور ، پنجاب پبلک لائبریری ، **تفصیلی فہرست مخطوطات عربیہ** ، مرتبہ منظور احسن عباسی ، ۱۹۶۲ء ضمیمہ (۱)

۳- لاہور ، پنجاب پبلک لائبریری ، **تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ** ، مرتبہ منظور احسن عباسی ، ۱۹۶۳ء

۴- لاہور ، پنجاب یونیورسٹی ، مجمل فہرست مخطوطات مولانا محمد حسین آزاد ، (خطی)

۵- لاہور ، پنجاب یونیورسٹی ، **فہرست مخطوطات شفیع** (ع فارسی و اردو و پنجابی) مرتبہ دکتر محمد بشیر حسین ، ۱۹۷۲ء

۶- لاہور ، پنجاب یونیورسٹی ، ادارہ تحقیقات پاکستان ، **فہرست مخطوطات شیرانی** ، مرتبہ دکتر محمد بشیر حسین ، ۱۹۷۳ء (ج - ۳)

۷- Storey, C A *Persian Literature, a bio-bibliographical survey,* London Luzac & Co. 1958. V. II, Pt. I

دکتر آفتاب اصغر*

نگاهی به سالهای گذشته و حال و استقبال

علم هیئت یا علم نجوم یا ستاره شناسی علمی را میگویند که دربارهٔ ستارگان و سیارگان بحث میکند. تاریخ این علم بقدری قدیم است که خود تاریخ نوع بشر زیرا همینکه بشر چشم بجهان گشود بیش از همه به زمین و آسمان، خورشید و ماه، ستارگان و سیارگان، رابطهٔ مرموز و اسرار آمیز آنها با همدیگر و فاصلهٔ آنها از یکدیگر، منظرهٔ طلوع و افول و حرکات و سکنات، تغیرات و تبدلات و تأثیرات اجرام فلکی در زندگی فردی و اجتماعی و سیاسی بشر عطف توجه نمود و هر قدر بیشتر به بروج و کرات و منظومهٔ شمسی چشم دوخت همانقدر بیشتر این دانش را اندوخت. باگذشت زمان در اطراف و اکناف جهان دانشمندانی بنام و گاهی گمنام بظهور رسیدند که در نتیجهٔ مطالعات و تجربیات و مشاهدات پی گیر خود علم هیئت را باوج اعتلا رسانیدند. این قبیل دانشمندان و دانش پروهان را منجمان یا ستاره شناسان میگویند. اینها بودند که مصطلحات مربوط را وضع و اصول و قواعد این علم را پایه گذاری نمودند.

یکی از شاخه های مهم علم هیئت «گاه شماری»[۱] میباشد که باصطلاح قدیم عربی آن را معرفت المواقیت میگفتند یا گاهی کلمهٔ تاریخ را نیز باین مفهوم بکار میبردند. منظور از گاه شماری یا وقت شماری منحصرا طریقه یا روش حساب زمان است در صورتیکه مفهوم تاریخ در موارد مختلف فرق میکند مثلاً فردوسی این کلمه را بمفهوم رقمی که زمان را ظاهر سازد یا زمان وقوع واقعه ای را نشان دهد بکار برده است. چنانکه در بیت زیر میگوید:

نبشته بر آن چته تاریخ آن　　بدیدار کرده پی و بیخ آن

و سعدی آن را بمعنای زمان و عصر اینطور آورده است:

هم از بخت فرخنده فرجام تست
که تاریخ سعدی در ایام تست

---

*دانش یار گروه فارسی، دانشگاه پنجاب، لاهور، پاکستان.

۱- اصطلاح جدیدی است که آقای حسن تقی زاده مؤلف «گاه شماری در ایران قدیم» بجای اصطلاح قدیم عربی «معرفت المواقیت» و برای روش حساب زمان بکار برده است.

گاهی «تاریخ بمعنی توقیت است»[۱] و گاهی لفظی یا مصراعی را که بحسب حروف مکتوبه از روی حساب جمل موافق تاریخ هجری از آن باشد میگویند چنانکه قاسم کاهی بمناسبت مرگ همایون بن بابر که در سال ۹۶۳ ه در نتیجهٔ افتادن از بام واقع شد، میگوید:

پی تاریخ او کاهی رقم زد «همایون پادشه از بام افتاد»[۲]

طبق معروفترین و رایجترین مفهوم تاریخ کتابی را میگویند که در آن پیشآمد ها و وقایع مهم و رویداد های بزرگی را که در یک مدت معین اتفاق افتاده باشد با رعایت ترتیب تاریخی شرح میدهند. با در نظر داشتن مفاهیم گوناگون کلمهٔ تاریخ و برای اجتناب از التباس برای ادای مفهوم «روش حساب زمان» اصطلاح «گاه شماری» درکلمه «تاریخ» که آن نیز گاهی بهمان مفهوم بکار میرود، نزد راقم این سطور رجحان دارد.

رعایت ترتیب فقط در صورتی ممکن است که مبدأ تاریخ در دست باشد. مبدأ تاریخ که بانگلیسی انرا (Era) یا (Calendar) میگویند در گاه شماری اهمیت اساسی را داراست زیرا بدون در دست داشتن آن امکان ندارد که حساب درست زمان و محاسبهٔ دقیق بخوبی بدست بیاید. در فارسی برای مبدأ تاریخ اصطلاحاتی مثل «سن» که اصلاً عربی است و «سال» بکار میرود. اگرچه در فارسی کلمهٔ سال بمعنای کلمهٔ انگلیسی (Year) هم مستعمل است ولی در مقالهٔ حاضر در اغلب موارد این کلمه بمفهوم (Era) یا (Calendar) بکار رفته است.

در ازمنهٔ قدیم آفرینش کائنات یا پیدائش بشر یا طوفان نوح[۳] وغیره را مبدأ تاریخ جهان قرار میدادند ولی خود این پیشآمد ها کی اتفاق افتاد هیچکس یا هیچ ملت بدرستی نمیدانست. اگر بگوییم که در حال حاضر نیز، در حالیکه دانش بشری فوق العاده پیشرفت نموده است، هیچکس دربارهٔ وقوع این قبیل اتفاقات مهم تاریخ بشر دقیقاً نمداند، غلط نباشد. اطلاعات انسان دربارهٔ جهان باستان بعلت نداشتن مبدأ دقیق تاریخ انسانی بسیار ناقص و از بعضی جهات باور نکردنی است. اقوام و ملل مختلف جهان از قبیل یهود و هنود و مسیحیان و مجوسیان و مسلمانان دربارهٔ آغاز جهان و اوضاع و احوال قرون پیشین بطور دقیق چیزی نمیدانند و هر چه میدانند ممزوجی از حقیقت و افسانه بیش نیست. این دوره را دورهٔ قبل از تاریخ (Pre-historic age) مینامند.

از میان ملل قدیم جهان ملتهای مهمی که با ستاره شناسی و گاه شماری و زیج بندی

۱- رک: لغت نامهٔ دهخدا، ص ۱۳۸ -

۲- رک: صباح الدین عبدالرحمن، بزم تیموریه، ص ۴۲ -

و تقویم سازی علاقهٔ مفرطی داشتند آشوریان[۱] و بابلیان[۲] و مصریان و چینیان و یونانیان و رومیان بودند . علاوه بر آنها ایرانیان و هندیان نیز با این علوم علاقهٔ شدیدی داشتند. ملتهای نامبرده سالهای مخصوص بخود داشتند . در اینجا ، باستثنای ایرانیان و هندیان که در صفحات آینده در محل مخصوص خود معرفی از گاه شماری آنها بعمل می آید ، اشارهٔ مختصری به کیفیت وقت شماری ملل کهن که نمونه و سرمشقی برای اقوام بعدی بوده است ، میکنیم :

سال بابلی : هزاران سال پیش از میلاد درمیان بابلی ها رواج داشت. چنانکه از کتیبه های مربوط به سه هزار سال پیش از میلاد مسیح بر میآید سال بابلی در ابتدا قمری بود و بابلی ها ماه را از یک رویت هلال تا رویت آینده حساب میکردند ولی بعد ها برای ثابت گردانیدن تواریخ جشنها و اعیاد خود کبیسه[۳] ایجاد نمودند و سال‌قمری را مبدل به سال قمری شمسی گردانیدند . این سال از فصل پاییز شروع میشد. ماه های آن متوالیاً ۳۰ و ۲۹ روزه بود با یک ماه اضافی. کبیسه در هر دو یا سه سال یکبار در آخر تابستان جا داشت.

سال آسوری : آشوری ها در اواخر هزارهٔ دوم پیش از میلاد یا شاید کمی دیرتر سال خود را از گاه شماری بابلی اخذ نمودند. آسوری ها خودشان هم دارای تمدن درخشانی بودند و سال و ماه خاص خودشان هم داشتند. سال آنها در بدو امر بی‌کبیسه و سامل هفتاد و دو هفتهٔ پنج روزه یعنی ۳۶۰ روزه بود ولی بعد ها تحت تأثیر گاه شماری بابلی سالهای آنها مشخصات اصیل خود را از دست داد.

سال مصری : سال مصر قدیم در واقع سالی بوده است که یکی از پادشاهان بابل بنام بخت نصر اول پس از تسخیر مصر آنرا در مصر رواج داد. ابتدای آن از روز جلوس او بر تخت سلطنت است. تعداد روزهای تمام ماه های این سال سی روزه بوده و خمسهٔ مسترقه[۴] به آخرین ماه افزوده میشد . ابوالفضل این سال را تاریخ بخت نصر

۱- سلسلهٔ با شکوه پادشاهان سامی نژاد نینوا که توسط کیاکسار ، پادشاه مادی ایران ، در سال ۶۰۶ق‌م منقرض گردید.

۲- سلسلهٔ بابلیان در نتیجهٔ فتح بابل بدست کوروش بزرگ در سال ۵۳۹ ق‌م پایان یافت.

۳- سالی را میگویند که هر چهار سال یک بار طبق قاعدهٔ نجومی یکروز بماه آخر آن اضافه میکنند .

۴- در قدیم ماه را سی روز میگرفتند و پنج روز دیگر را که بماه آخر سال اضافه میکردند خمسهٔ مسترقه یا پنجهٔ دزدیده میگفتند.

نامیده و درباره اش گفته است :

«از فرماندهی خویش تازه تاریخی درمیان آورده . سال شمسی اصطلاحی - سیصد و شصت و پنج روز بی کسر و ماه نیز بدانسان و پنج روز در آخر سال افزایند و بطلیموس در مجسطی حرکت سیاره را برین تاریخ نهاده . دو هزار و سیصد و چهل و یک سال ازو سپری شده[1]».

قبل از حملهٔ بخت نصر اول به مصر احتمال میرود که در مصر سال رومی یعنی سال قبطی رواج داشته است . ابوالفضل دربارهٔ این سال تحت عنوان جداگانه چنین مینویسد :

«سر آغاز از پیشین هنگام. بتانی گوید سال شمسی اصطلاحی ، سیصد و شصت و پنج روز بی کسر - زیج سلطانی چنان سراید سال و ماه او بسان رومی است و همچنان کبائس دارد لیکن کبیسهٔ قبطی بشش ماه پیشی گیرد از کبیهٔ رومی»[2].

سال حتی یا مغولی : از قدیمترین سنین جهان یکی سال چین است که در ازمنهٔ قدیم درمیان مردم چین و اهالی خطا و قبچاق و ایغور و مگولستان و ترکستان و باحتمال قوی درمیان اقوام زرد پوست رواج داشته است. آنرا سال خطائی ، سال ترکی ، سال مغولی و سال ایغوری نیز میگویند. در این تقویم اسامی بروج دوازده گانهٔ فلک و ماه ها مطابق با اسامی حیوانات بوده است. یکی از شعرای قدیم این اسامی بروج و ماه ها را چنین ضبط نموده است :

«موش و بقر و پلنگ و خرگوش شمار
زین چار چو بگذری نهنگ آید و مار
آنگاه باسب و گوسفند است حساب
حمدونه و مرغ و سگ و خوک آخرکار»[3]

درمیان ترکان آسیای مرکزی این تقویم از قدیم الایام معمول و مرسوم بوده است. محتملاً ترکها و منگولها آنرا از چینی ها که یکی از ملل بسیار متمدن و با فرهنگ جهان باستان و با آنها همجوار بودند ، اخذ نمودند - این تقویم پس از حملهٔ چنگیز خان به ایران (۶۱۶ هـ) و استقرار سلسلهٔ ایلخانیان یا سلسلهٔ مغول در ایران شیوع پیدا کرد چنانکه در تواریخ دورهٔ مغول مانند تاریخ جهانگشا ، تاریخ وصاف ، تاریخ رشیدی و

۱- رک : ابوالفضل ، آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۲۷٤

۲- رک : ایضاً.

۳- رک : سید حسن تقی زاده ، گاه شماری در ایران قدیم ، ص ۲.

امثال آنها میتوان این سال را پهلو به پهلوی سال عربی مشاهده کرد.

سالهای آن شمسی حقیقی[۱] و ماه های آن قمری حقیقی[۲]، بود عدد روز های ماه در نزد آنان ۲۹ یا ۳۰ روز بود. سال طبق ارصادشان ۳۶۵ روز بود و آن را به ۲۴ بخش متساوی قسمت میکردند. مبدای تاریخ خویش را ابتدای آفرینش جهان قرار میدادند و بعقیدهٔ شان در سال ۶۶۰ یزدجردی از آفرینش کائنات ۹۹۶۵ سال سپری شده بود.

سال اسکندری: پیش از رواج یافتن سال مسیحی چه در غرب و چه در شرق معروفترین سالهای جهان بوده است. مبدأ آن روز دو شنبهٔ دوازدهمین سال شمسی پس از وفات اسکندر بزرگ[۴] بود - بعضی ها اختراع این سال را به سیلوکس[۳] که یکی از سرداران معروف اسکندر بود، نسبت میدهند. وقتی پس از انقراض یونانیها در مصر و شام و مستعمرات شرقی یونانیها رومیها روی کار آمدند و در اوائل همین سال را اتخاذ نمودند بنام سال رومی[۵] معروف گردید. این سال ۳۱۲ سال مقدم بر سال مسیحی یا میلادی است. بین این سال و سال سریانی اختلافی نیست مگر در اسامی ماه‌ها. چهار ماه آن یعنی تشرین اول، کانون اول، کانون آخر، آذار، ایار، تموز و آب سی و یک روزی است. در هر چهار سال یک بار یک روز کبیسه را در آخر شباط می افزایند تا ۲۹ روزه بشود و آن سال را سال کبیسه ای می نامند.

محتمل است که چندی بعد از انقراض هخامنشیان بدست اسکندر بزرگ در سال ۳۳۱ ق‌م و دورهٔ سیلوکیان (۳۱۲ — ۲۴۷ ق‌م) و عهد اشکانیان (۲۴۷ ق‌م - ۲۲۴ م) که یونانی مآب بودند، همزمان با سال ایرانی در سراسر ایران سال اسکندری نیز رایج شده بود.

ناگفته نماند که حملهٔ اسکندر به شبه قارهٔ هند و پاکستان نیز در گاه شماری جدید

۱- حساب زمانی که باعتبار حرکت زمین بدور خورشید (شمس) حاصل آید و مدت سال شمسی حقیقی ۳۶۵ روز و پنج ساعت و کسری است.

۲- ماه قمری حقیقی عبارت است از زمان جدائی ماه از خورشید و مدار آن بر حرکت تقویمی مخصوص بماه است و مدت سال قمری حقیقی سیصد و پنجاه و چهار روز است.

۳- اسکندر مقدونی پسر فیلقوس که در سال ۳۳۱ ق‌م در جنگ اربل با شکست دادن داریوس سوم سلسلهٔ هخامنشیان ایرانی را خاتمه داد.

۴- پس از وفات اسکندر قسمت اعظم ممالک مفتوحهٔ او مانند مستملکات شبه قارهٔ هند و پاکستان، افغانستان، ایران و قسمی از خاور میانه بدست سردار معروف او بنام سیلوکس افتاد که در ۳۱۲ ق‌م سلسلهٔ سیلوکیان را تأسیس نمود.

۵- این سال بنام پدر اسکندر بنام سال فیلقوس نیز معروف بوده است.

آن اهمیت شایانی دارد زیرا دورهٔ تاریخی این سر زمین از حملهٔ اسکندر (۳۲۶ ق‌م) شروع میشود.

سالهای مذهبی: معروفترین سالها سالهائی هستند که جنبهٔ مذهبی دارند و بعلت منسوب بودن با پیغمبران خدا درمیان پیروانشان محبوبیت فوق العاده دارند. این قبیل سالها بترتیب عبارتند از سال موسوی، سال عیسوی و سال محمدی.

سال موسوی: این سال که بنام سال یهودی ها و سال کلیمی ها نیز معروف است درمیان یهود ها یا پیروان حضرت موسیٰ(ع) معمول بوده است و الان هم هست. کلیمی ها در طی قرون و اعصار گذشته مبدأ تاریخ را همیشه عوض میکرده اند. گاهی خروج از مصر، گاهی اسارت در بابل (۵۹۷ ق‌م) و گاهی تأسیس هیکل سلیمانی در بیت المقدس (۵۰۸ ق‌م) را مبدأ تاریخ خود قرار میداده اند ولی پس از قرن یازدهم آغاز آفرینش را مبدأ تاریخ خود قرار دادند. گمان میبرند که بین هبوط آدم[۳] و نجات آنها از فرعون مصر ۲۴۴۸ و بین موسیٰ(ع) و اسکندر مقدونی . . . ۱سال فاصله است. البته نظر آنها دربارهٔ آغاز آفرینش جهان با سایر ملل دیگر مانند هندی ها و ایرانیها و امثال آنها فرق میکند. سال شمسی را با ماه های قمری بکار میبردند و در بعضی سالها ماه زائدی را کبیسه میگرفتند تا روز های جشن و عبادات ملی آنها تغییر نکند. در نوزده سال هفت ماه قمری را کبیسه میگرفتند و برخلاف عربها که ماه زائد را در تمام سال می افزودند یهودی ها همیشه ماه ششم سال خود یعنی آذر را برای این منظور بکار میبردند.

مؤلف آئین اکبری دربارهٔ سال موسوی چنین مینویسد:

«گویند سکندر فیلقوس چون از یونان بگشایش فارس میرفت [او را] در بیت المقدس گذار افتاد. دانشوران یهود شام را طلب داشته فرمود تاریخ موسیٰ بر انداخته از زمان ما گیرند، پاسخ دادند پیشنیان نگهداشت یک تاریخ زیاد از هزار سال نکرده اند و امسال تاریخ ما بهزار میرسد. از سال آینده فرمایش کار بسته آید و چنان کردند و آن بیست و هفت سال از عمر اسکندر بود. برخی بر آنند که تاریخ در روم عبرانی است. کوشیار در زیج جامع گوید تاریخ رومی و سریانی دگرگونی ندارد مگر نامها»[۱].

سال عیسوی: که با نام سال مسیحی، سال میلادی و سال نصاریٰ نیز معروف است[۲] سال مخصوص پیروان حضرت عیسیٰ علیه السلام است. مبدأ آن میلاد مسیح(ع)

۱- رک: ابوالفضل علامی، آئین اکبری، ج ۱، ص ۲۷۵.

۲- این سال در حال حاضر بنام دو نفر از اصلاح کنندگان آن یعنی ژولین (Julian)

وز از آغاز آن تقریباً ۱۹۸۰ سال گذشته است. این تاریخ در سال ۸۰۰
سیلهٔ شارلمان، پادشاه معروف فرانسه، تاریخ رسمی فرانسویان و بعدها
ـاً تاریخ همهٔ مسیحیان جهان قرار گرفت. این سال دوازده ماه دارد که
ها ۳۰ روزه و بعضی ها ۳۱ روزه میباشد باستثنای فوریه که ۲۸ روزه و
بیسه که هر چهار سال یکبار تکرار میشود ۲۹ روزه شمار میرود.

محمدی: مانند سایر پیروان ادیان مختلف جهان از قبیل یهود و هنود و
مجوسیان، مسلمانان نیز سال مخصوص بخود دارند که غیر مسلمانان آنرا سال محمدی
(Mohammadan C) و مسلمانان سال هجری قمری میگویند. علت تسمیهٔ
اینست که واقعهٔ بزرگ تاریخ مسلمانان یعنی هجرت پیغمبرؐ از مکهٔ مکرمه
ینه در روز جمعهٔ ۱۶ ژوئیه ۶۲۲ میلادی سر آغاز تاریخ مسلمانان قرار داده
. این سال بنام سال اسلامی، سال مسلمانان و سال هلالی نیز معروف است.

عربستان پیش از ظهور اسلام سالهائی چون سال بنای کعبه یا سال حملهٔ
ل به مکه و امثال آنها رواج داشتند. در کشورهای همجوار مانند روم
صر و شام و فلسطین) و ایران نیز سالهائی چون سال قبطی، سال رومی، سال
سال مسیحی و سال زردشتی متداول بودند. مسلمانان عرب که بساط فرهنگ و
رده و از کار افتادهٔ روم و ایران را بر چیده و بساطی تازه گسترانیده بودند
ز سالهای متداول را انتخاب ننمودند و سالی نو بروار نمودند و در سال
جری در دورهٔ خلافت حضرت عمرؓ اول محرم سالی را که پیغمبر اکرمؐ
داوندی از مکه به مدینه مهاجرت فرمودند مبدای تاریخ اسلامی قرار دادند.

ماهای این سال قمری حقیقی بود و آغاز هر ماه بستگی به رویت هلال داشت.
در آن مطابق با بروج دوازده‌گانه مشتمل بر دوازده ماه بود و هیچیک از
آن بیشتر از ۳۰ و کمتر از ۲۹ روز نداشت. همینطور مانند سالهای رومیان
ـهٔ مکبوس هم نبود.

صفحهٔ پیشین)
گوری (Gregory) بنام سال ژولی و سال گرگوری نیز معروف است و در
بنام قیاصرهٔ مسیحی مذهب رومی بنام سال اگوستوس (Augustus) که تولد
ت عیسیؑ در زمان او واقع گشت و سال انتونیوس (Antonius) و سال
نوس (دقیانوس) نیز اشتهار داشته و از سالهای جلوس پادشاهان نامبرده
ع میشده است. این سالها در واقع اشکل تغییر یافته و ترمیم شدهٔ سال اسکندری
ل رومی بوده اند.

این سال در طول تاریخ چهارده قرن گذشته در تمام جهان اسلامی باستثنای کشور هائی که بدبختانه در زمانهای مختلف تحت سلطهٔ فرنگیان در آمدند یا بمرض ناسیونالیسم مبتلا شدند بهمین شکل یا با تغییرات جزئی همیشه متداول بوده است. ماه های آن عبارتند از: محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذیقعده، ذیحجه.

مختصری دربارهٔ گاه شماری ایران: مانند اغلب کشور های عظیم و قدیم گاه شماری در ایران نیز از ازمنهٔ بسیار قدیم وجود داشته است. بعلت هم نژاد و همجوار بودن ایران و شبه قارهٔ هند و یا دستان گاه شماری آنها دارای بسیاری از مشخصات و مختصات مشترک بوده و همیشه از همدیگر کسب و اکتساب کرده است. با این مختصر به شرح مجملی از گاه شماری و سالهای ایران قدیم و جدید میپردازیم:

سال اوستائی قدیم: سالی است که در ایران باستان درمیان قوم اوستائی[1] رواج داشته است. این سال خیلی شبیه به سال قدیم هندی و یونانی بود و سال قمری شمسی بشمار میرفت یعنی قمری کبیسه دار بود. اولین ماه در این سال ماه تیر بود که با اولین هلال بعد از انقلاب صیفی شروع میشد. در این سال حساب روی ۳۶۰ روز بود و در هر چند سال یک بار اضافهٔ کبیسه ای با سال شمسی تطبیق میدادند. بعدها در موقع اتخاذ ترتیب گاه شماری مصری تعداد روز های سال را با اضافهٔ خمسهٔ مسترقه یعنی پنج روز اضافی به ۳۶۵ روز مبدل ساختند.

سال پارسی قدیم: این سال احتمالاً مورد استفادهٔ مادها[2] بود که با منقرض ساختن آشوری ها تمدن آنها را بارث بردند. پس از فتح نینوا، پایتخت آسور ها، و انقراض دولت آشور ها بدست مادها در سال ۶۱۲ ق م گاه شماری بابلی امکان دارد که گاه شماری ایران قدیم را تحت تأثیر قرار داده و غالباً در نتیجهٔ آمیزش و درهم آمیختگی فرهنگ ایران باستان با فرهنگ بابلی و آشوری مبدأ سال آنها از انقلاب صیفی باعتدال خریفی مبدل شده باشد. ماه های سال پارسی قدیم نیز عیناً مطابق با ماه های بابلی بود البته اسامی ماه ها فرق میکرد.

سال اوستائی جدید: پس از تسخیر مصر بدست ایرانیان در عهد کمبوجیه

۱- منظور از قوم اوستائی ایرانیان دورهٔ پیش از اسلام اند که به پیغمبر بودن زرتشت ایمان داشتند و کتاب دینی او یعنی اوستا را کتاب الهامی میپنداشتند.

۲- مادها کسانی بودند که برهبری دیوکس در سال ۷۰۸ ق م در ایران نخستین سلسلهٔ پادشاهان آریائی را در مقابل پادشاهان سامی النسل آشوری و بابلی تشکیل دادند.

۵۵قم) و مخصوصاً در نتیجهٔ اصلاحات کم نظیر داریوش بزرگ
۸٤قم) گاه شماری ساده و مرتب مصریان توجه ایرانیان را بخود جلب نمود و
ی که خیلی نزدیک به سال شمسی حقیقی بود و نظر به ظاهر محتاج به کبیسه
بر سال خود که ثابت نبود بلکه سیار بود یا بعبارت دیگر ماه های آن بعد
و سه سال از موقع اصلی خود شان جلوتر می افتاد ، ترجیح دادند . احتمال
، داریوش بزرگ این ترتیب گاه شماری را ، که از لحاظ محاسبات مصری و
اه و روز و جشنها و اعیاد مربوط به آنها زردشتی و از لحاظ آغاز سال و
مشخصات دیگر بابلی بود ، در قلمرو شاهنشاهی ایران که پنجاب و سند
فعلی) نیز جزو آنها بودند ، برقرار ساخت.

اردشیری : اردشیر پاپکان ، مؤسس سلسلهٔ ساسانیان ، در آخر ماه مهر از
۲ میلادی ، با شکست دادن اردوان پنجم اشکانی سلسلهٔ با شکوه ساسانیان
۲۲۶م) را تأسیس نمود و تاریخ جدیدی را پایه گذاری کرد. از قرار معلوم
یری فرق چندانی با سال ورمس قدیم نداشت مگر اینکه مبدأ آن روز جلوس یا
زی او بر اردوان بود. در تاریخ طبری نیز بآن اشاره شده است. اگرچه در عهد
شیروان[۲] (۵۳۱-۵۷۹م) تغییرات جزئی در آن بعمل آمده[۳] ولی احتمال میرود
اسر دورهٔ ساسانیان تا روی کار آمدن مسلمانان در عهد خلافت حضرت عمررض
معمول و متداول بوده است.

یزدگردی : از مهمترین سالهای ایران بعد از اسلام است که تا کنون
ادهٔ زردشتیان ایران و شبه قارهٔ هند و پاکستان است . این سال بنام آخرین
اسانی یعنی یزدگرد سوم یا یزدجرد سوم معروف است که در سال ۶۵۲
۳۲ هجری قمری بقتل رسید. مبدأ آن بعقیدهٔ بعضی سال جلوس او (۶۳۲م/
و بعقیده بعضی دیگر بیست سال بعد تر از سال قبل او (۶۵۲م/۳۲ه ق)
.

های ماه های آن سی روزه بود و بعد از صد و بیست سال یک ماه به آن
کردند و آن سال را سیزده ماهه بحساب میآوردند و آن ماه اضافی را بنام همان
خواندند که بر آن می افزودند. مبدأ سال کبیسه ماهی بوده که بعد از

سید حسن تقی زاده ، گاه شماری در ایران قدیم ، ص ۲۱۸.
انوشیروان که بنام نوشیروان عادل معروف است ، ولادت با سعادت حضرت
در زمان او اتفاق افتاد.
عمر بن ابراهیم خیام نیشاپوری ، نو روزنامه (چاپ طهوری) ، ص ۱۷.

خمسهٔ مسترقه واقع میشد و خمسهٔ مسترقه را در سال کبیسه بآخر ماه زائد می افزودند تا ماه سی و پنج روزه بشود. ابتدأ این سال از روز شنبه بود که اولین روز سال یزدگری بود و این تاریخ ۳۶۷۴ روز از مبدأ سال هجری مؤخرتر بود. اسامی ماه هایش بدینقرار بوده است :

فروردین ، اردیبهشت ، خرداد ، تیر ، مرداد ، شهریور ، مهر ، آبان ، آذر ، دی ، بهمن ، اسفند.

سال جلالی یا سال ملکشاهی : چون سال هجری قمری که بعد از انقراض سلسلهٔ ساسانیان در سال ۶۳۷م/۱۶ ه ق در سراسر ایران رائج شده بود سال سیاری بود و در آن روزهای جشن و عیدهای ملی بتدریج تغییر میکرد و نیز در ادارهٔ امور مالی مانند اخذ مالیات و خراج مشکلاتی ایجاد میشد ملک شاه سلجوق (۴۶۵-۴۸۵ه) دستور داد سال را از اول تحویل شمس به برج حمل آغاز کنند تا نوروز که آغاز سال ایرانیان است در یک روز معین سال بماند چنانکه عمر خیام[1] در کتاب معروف خود ، نوروز نامه ، به این امر اشاره نموده است :

«سلطان سعید معین الدین ملکشاه را انار الله برهانه ازین حال معلوم کردند. بفرمود تا کبیسه کنند و سال را بجایگاه خویش باز آرند. حکمأ عصر از خراسان بیاوردند و هر آلت که رصد را بکار آید ساختند از دیوار و ذات الحلق و مانند این و نوروز را به فروردین بردند».[2]

طبق سال جلالی سال را به دوازده برج یا دوازده ماه سی روزه قسمت میکردند و پنج روز اضافی را که خمسهٔ مسترقه یا پنجهٔ دزدیده می نامیدند به آخر آخرین ماه یعنی اسفند ماه اضافه میکردند . ابتدای این تاریخ روز جمعه و مطابق با هیجدهم فروردین سال یزدگردی بود و آنرا اول فروردین ماه جلالی یا نوروز سلطانی مینامیدند. این هیجده روز را کبیسه و مبدأ این تاریخ را ۱۶۳۱۷۳ روز بعدتر از مبدأ تاریخ یزدگری قرار دادند. نامها و ترتیب ماه های این سال با نامها و ترتیب ماه های سال یزدگردی فرق نداشت بجز اینکه در آخر این ماه ها کلمهٔ «جلالی» را اضافه میکردند تا با ماه های قدیم ایرانی اشتباهی رخ ندهد.

سال ایلخانی یا سال غازانی : بدستور غازان خان (۶۹۴-۷۰۳ه) در ایران مقرر

۱- ریاضی دان ، هیئت دان و شاعر معروف دورهٔ ملکشاه سلجوق عمر خیام نیشاپوری یکی از هیئت دانان بزرگ آندوره بود که در سال ۴۷۱ هجری بدستور ملکشاه تقویم متداول را اصلاح کردند و تقویم جلالی را وضع نمودند.

۲- رک : عمر خیام ، نوروز نامه ، ص ۱۸.

گردید.[1] اول سال شمسی غازانی مصادف بود با اول سال ۷۰۱ هجری قمری. بنا بـ مؤلف کشاف :

«بی تفاوتی همان تاریخ ملکی است چه از جهت مبدأ چه از جهت ماه ها و ابتدای آن در سال ٤٢٢ تاریخ ملکی است و آغاز این تاریخ روز دو شنبه بوده است».[2]

ولی ابوالفضل در اینمورد با او اختلاف دارد چنانکه از بیان زیر او عیانست :

«نام ماه ها همان ترکی است بافزایش لفظ خانی».[3]

مؤلف گاه شماری در ایران قدیم نیز قول ابوالفضل را بطور غیر مستقیم تائید میکند :

«سال غازانی ماههای مخصوص با اسامی دیگر ندارد ولی بعدها در تقویم ها دیده میشود که ماههای سال غازانی را به اسامی ترکی ثبت کرده اند».[4]

سال جدید ایران : در سال ۱۹۲۵ میلادی که مصادف بود با ۱۳٤۳ هـ ق/ ۱۳۰٤ هـ ش سال جدیدی در سرتا سر ایران جاری شد که در آن اول بهار یعنی اول فروردین را آغاز سال رسمی کشور قرار دادند ولی بر عکس سال قدیم (سال جلالی) که دوازده ماه سی روزه با اضافهٔ پنج روز اضافی در آخر سال یا در آخر یکی از ماه ها داشت سال جدید را بر اساس شش ماه اول ۳۱ روزه و پنج ماه آخر ۳۰ روزه و آخرین ماه ۲۹ روزه و در صورت سال کبیسه ۳۰ روزه قرار دادند و بر آن شدند که بجای هر چهار سال یک بار مانند سال جلالی در آغاز هر سال مطابق حساب دقیق نجومی اصلاح لازم را بعمل میآورند. اسامی و ترتیب ماه های این سال عیناً مثل ماه های جلالی است.

سال شاهنشاهی : در پایان ذکر سالهای قدیم و جدید ایرانی برای تکمیل فایده اشارهٔ مختصری به سال شاهنشاهی ایران بیمورد نباشد. شرح کامل و اطلاعات دقیق دربارهٔ آن مستلزم کنجکاوی و بررسی و فرصت بیشتری میباشد که متأسفانه نگارنده در حال حاضر ندارد.

شاهنشاهان جهان و مستبدان دوران در هر زمان سودای خام بقای نام و شهرت دوام را در سر داشته اند. شاهنشاه مستبد و مخلوع ایران محمد رضا پهلوی نیز که

۱- این تاریخ یا سال دولتی بود و در مورد امور مذهبی تا پایان دورهٔ ایلخانی (۷۳٦هـ) سال هجری قمری کما فی السابق رواج داشت.

۲- رک : احمد جودت ، کشاف اصطلاحات الفنون ، ج ۱ ، ص ٦٦ (بنقل از لغت نامهٔ دهخدا ، ص ۱۵۸).

۳- رک : ابوالفضل ، آئین اکبری ، جلد اول ، صفحه ۲۷۷.

٤- رک : سید حسن تقی زاده ، گاه شماری در ایران قدیم ، ص ١٦٤.

حاضر در بدر و خاک بسر میگردد و بانتظار مرگ در حال آوارگی بسر میبرد بدا را در سر داشت . او که مانند پدرش رضا خان خودش را از باز ماندگان ماهان پهلوی (هخامنشی) وا نمود میکرد ، برای تحکیم و تثبیت مبانی شاهنشاهی سال ۲۵۰۰ ه‍ س/۱۹۷۱م را سال کوروش بزرگ اعلام نمود و جشن دو هزار و صد ساله شاهنشاهی ایران را برگزار کرد که بالاخره برای خودش و خانواده اش وست و عواقب وخیمی ببار اورد . او بمناسبت همین جشن شاهنشاهی سال شاهنشاهی را اختراع نموده سال رسمی کشور ایران قرارداد و سال جلوس کوروش بزرگ ، مؤسس شاهنشاهی ایران ، را مبدأ سال شاهنشاهی اعلام کرد.

تاریخ جهان شاهد آنست سالهای شاهنشاهی مثل سال اسکندری ، سال جلالی ، سال ا لیری ، سال ساهجهانی و امثال آنها دوام ندارند و فقط سالهائی زنده و پاینده میمانند که نسبت به پیغمبران۴ و برگزیدگان خدا دارند. در سال اخیر نهضت عظیم و بسابقهٔ جهان در ایران برهبری کم نظیر سلطان دلها و درویش بی ریا حضرت آیت الله العظمی امام خمینی علیه شاه خائن برپا سد و بمصداق جاءالحق و ذهق الباطل سال شاهنشاهی باپدید و سال هجری (شمسی) از نو پا برجا گردید.

اجمالی از گاه شماری شبه قارهٔ هند و پاکستان : مانند سایر ملتهای قدیم مردم این سر زمین با هیئت و گاه شماری علاقهٔ مفرطی داشته اند زیرا این شبه قاره یکی از قدیمترین مهد های فرهنگ و تمدن بوده است.

سال قدیم هند و پاکستان : سال مردم این شبه قاره در ازمنهٔ قدیم مانند اغلب ملل باستانی سال قمری بود ولی بعدها با گذشت زمان یا بر اثر همسایگانی مثل ایران و افغانستان[1] قمری شمسی و ۳۶۰ روزه سد . این سال دوازده ماه سی روزه و یک ماه اضافی بعنوان ماه کبیسه داشت که دو سال درمیان تکرار میشد . در ابتدأ مانند اغلب ملل هند و اروپائی بدو فصل که هر یک مشتمل بر ۱۸۰ روز بود ، قسمت میشد و این دو قسمت شش ماهه باسم هیا (زمستان) و سا (تابستان) موسوم بودند ولی بعدها

- - - -

۱- از عهد سلطان محمود غزنوی (۳۸۷-۴۲۱ه‍) گرفته تا چندی پیش افغانستان که هنوز زیر سلطهٔ استعمار گران سوشیالیست شوروی نیامده بود این کشور اسلامی همیشه در داخل حوزهٔ فرهنگی ایران یا مسلمانان شبه قارهٔ هند و پاکستان بوده در اینجا سال هجری شمسی رایج بوده البته اسامی ماه ها که مطابق با اسامی بروج دوازده گانه بوده با اسامی ماه های ایران فرق داشته است. اسامی ماه های افغا بدینقرار بود : حمل ، ثور ، جوزا ، سرطان ، اسد ، سنبله ، میزان ، عقرب ، قوس جدی ، دلو ، حوت.

در اثر ورود آریائی ها در این سر زمین[1] مانند سال اوستائی قدیم مبدل به شش فصل شدند. البته شش فصل هندی بر عکس فصول ششگانهٔ ایرانی باهم برابر یعنی هر یکی از آنها دو ماهه بودند. این شش فصل عبارت بودند از :

۱- وسنت (بهار). ۲- گریشم (تابستان) ۳- ورشا (برشگال) ۴- سرد (خزان) ۵- همنت (زمستان) ۶- سیسیرا (فصل خنک و معتدل)[2].

سال بکرمی : هندویان همیشه آفرینش جهان یا جلوس راجه جدهشتر یا جلوس بکرماجیت یا جلوس بهجیانندن یا جلوس ناکا ارجن را سرآغاز تاریخ خود قرار میداده اند . از میان همهٔ این سرآغاز ها جلوس راجه بکرماجیت از همه بیشتر درمیان هند و یان محبوبیت دارد. موقع جلوس اکبر بزرگ (۹۶۳ه) از جلوس راجه بکرماجیت ۴۶۵۶ سال گذشته بود. این سال بنام بکرمی معروف است و تا کنون مورد استفادهٔ هندو هاست اسامی ماه های بکرمی بقرار زیر است :

چیت ، بیساک ، جیت، اسار ، ساون ، بهادون ، کنوار ، کاتک ، اگن ، پوس ، ماگه ، پهاگن.[3]

سال الهی (اکبری) : سالی است که یکی از شاهنشاهان تیموری شبه قارهٔ هند و پاکستان بنام جلال الدین محمد اکبر (۹۶۳-۱۰۱۴ه) احداث کرد.

چنانکه قبلاً اشاره نمودیم در قسمت اعظم شبه قاره مخصوصاً در مالوه و دهلی و توابع آن از دوران باستان سال بکرمی رواج داشته است. علاوه بر آن در بهار سال از جلوس لچهمن ، برادر کوچک رام چندر یکی از پیغمبران هنود ، شروع میشد و در دکن وگجرات سال سالباهن رواج داشت و در کوت کانگره سال از سال جلوس راجگان محلی آنجا آغاز میگشت.[4]

هنگام استقرار سلطنت مستقل اسلامی در این سر زمین توسط یکی از غلامان شهاب الدین غوری ، قطب الدین ایبک ، در سال ۶۰۲ه سال هجری قمری بعنوان سال رسمی سلطنت تازه بنیاد اسلامی اتخاذ گردید و احتمالاً تا روی کار آمدن تیموریان در ۹۳۲ه مدار کار بود چنانکه از تواریخی مانند تاج المآثر ، خزائن الفتوح، طبقات ناصری، تاریخ فیروز شاهی ، تاریخ مبارکشاهی ، تاریخ مخزن افغانی و امثال آنها که در ایندوره نوشته شد ، بر میاید.

۱- آریائیها در حدود هزار سال قبل از میلاد مسیح(ع) سیل آسا و موج در موج از راه ایران و افغانستان وارد شبه قارهٔ هند و پاکستان شدند.

۲- رک : تقی زاده ، گاه شماری ، ص ۸۳.

۳- رک : ابوالفضل ، آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۲۶۹.

۴- رک : محمد حسین آزاد ، دربار اکبری ، ص ۸۱۳.

سلطان قوی ظهیر الدین بابر در آغاز دورهٔ تیموریان هند و پاکستان (۹۳۲-۱۲۷۴ هـ) که در واقع دنبالهٔ تیموریان سمرقند و هرات[1] بود ، سالی را بعنوان سال رسمی اتخاذ نمود که در حدود ایران رائج بود. این سال همان سال ایلخانی بود که یکی از اصلاحاتش، الغ بیگ بن شاهرخ بن امیر تیمور، با اصلاحات جزئی بنام سال جدید گورکانی در قلمرو خود معمول ساخته بود و در آن زمان در قسمت اعظم ایران رواج داشت چنانکه خودش در شرح حال خود مینویسد :

«الغ بیگ مرزا به این رصد زیج گورکانی را نوشته که حال این زیج معمول است و بزیج دیگر عمل نکنند. ازین پیش زیج ایلخانی معمول بود که خواجه نصیر الدین در زمان هلاکو خان در مراغه رصد بسته بود» [2]

اکبر شاه ، نوهٔ بابر شاه ، باوجودیکه علاقهٔ او به هیئت و ستاره شناسی باندازهٔ پدرش همایون[3] نبود ، در سال ۹۹۳ هـ هیئت دانان و ریاضی دانان معروف کشور را بریاست میر فتح الله شیرازی[4] دور هم جمع کرد که برای عملی ساختن خواهش دیرینه اش سال تازه ای اختراع نمودند و آنرا مانند دین الهی[5] او سال الهی نامیدند. میر فتح الله شیرازی اساس این سال را بر اساس زیج جدید گورکانی نهاد و سال جلوس اکبر بزرگ (۹۶۲ هـ) را مبداء سال الهی قرارداد. مؤثق ترین اطلاعات دربارهٔ این سال اطلاعاتی است که ابوالفضل علامی ، وزیر معروف او ، در تألیف منیف خود ، آئین اکبری ، فراهم ساخته است. او در اینمورد مینویسد :

«از دیرباز سریرآرای اقبال بران بود که در آباد بوم هندوستان تازه سال

۱- شاه رخ پسر امیر تیمور بجای سمرقند (شوروی) هرات (افغانستان) را پایتخت سلطنت تیموری قرار داد که در سال ۹۱۱ هجری بدست شاه اسمعیل، مؤسس سلسلهٔ صفویان ایران ، افتاد و تقریباً بیست سال بعد از سقوط هرات یکی از اخلاف امیر تیمور، ظهیر الدین محمد بابر، در ۹۳۲ هـ در شبه قاره هند و پاکستان سلسلهٔ با شکوه تیموریان را بنیان گذاشت که بیش از سه قرن دوام داشت.

۲- رک : ظهیر الدین محمد بابر ، عبدالرحیم خانخانان ، توزک بابری ، چاپ بمبائی ، ص ۳۱.

۳- برای کسب اطلاع دربارهٔ علاقهٔ فوق العادهٔ همایون به هیئت رک به : قانون همایونی تألیف خواند میر.

۴- برای کسب اطلاع دربارهٔ میر فتح الله شیرازی رک به : دربار اکبری، ص ۶۷۳-۶۸۴.

۵- دین تازه ای بود که اکبر شاه بالتلفیق دادن ادیان مختلف شبه قاره بصورت مجموعه ای در آورده بود.

و مه بروی کار آید و دشواری بآسانی گراید. . . در نهصد و نود و دوی هلالی . . . یادگار پیشین حکماءگزیده دودمان دانش امیر فتح الله شیرازی در انجام این کار همت بست و بزیج جدید گورکانی اساس بر نهاد و اورنگ نشینی افسر خدیو را سر آغاز گرفت. . . سال و مه شمسی حقیقی شد وکبیسه از میان برافتاد و نام ماه و روز فارسی بحال خودگذاشتند و شمارهٔ روزهای ماه از بیست و نه تا سی و دو باشد و دو روز پسین را بروز شب نامزد ساختند»[۱]

در اینجا شایستهٔ تذکر است که چون مانند سال جلالی یا سال ملکشاهی در این سال مبدا تاریخ هجری راکنار گذاشته بودند سال الهی درمیان عموم مسلمانان مورد قبول واقع نشد و بعد از وفات اکبر بزرگ (۱۰۱٤هـ) مانند دین الهی او بزودی از بین رفت.

سال الهی (شاهجهانی) : شاهجهان نوه اکبر شاه نیز مانند پدر بزرگش به تاریخ و تاریخنویسی و معماری و امثال آنها به انجام دادن کارهائی که متضمن بقای نام و شهرت دوام بود ، علاقهٔ فوق العاده ای داشت و در اینمورد خواه نخواه از او پیروی میکرد مثلا بنا بخواهش او آرامگاه ممتاز محل (تاج محل) در مقابل آرامگاه همایون ، شاهجهان نامه در مقابل اکبر نامه و سال الهی شاهجهانی در مقابل سال الهی اکبر شاهی بوجود آورد. بنا به پیشنهاد پدرزن و وزیر خود ، آصف خان ، دستور داد که سال جدیدی بنام او وضع کنند. احتمال میرود که وضع کنندهٔ سال شاهجهانی فریدالدین مسعود بن ابراهیم دهلوی ، تهیه کنندهٔ زیج شاهجهانی[۲] ، بود. این سال شاهجهانی که مبدأ آن سال جلوس شاهجهان (۱۰۳۷هـ) بود مانند سال اکبری بر اساس محاسبات نجومی و ریاضی زیج جدید گورکانی یا زیج الغ بیگی تعیین شده بود. این سال شاهجهانی نیز مانند سال اکبری درمیان مردم شبه قارهٔ هند و پاکستان دوام پیدا نکرد.

سال محمد شاهی: از مطالعه تواریخ اصیل فارسی شبه قارهٔ هند و پاکستان برمیآید که در اینجا علاوه بریک سال اصلی یک سال فرعی نیز مورد استفادهٔ مردم عامه و مقامات دولتی بوده و این سال فرعی دوشادوش سال اصلی بکار میرفته است. منظور از سال فرعی سالی است که از سال جلوس پادشاهی تازه شروع و معمولاً تا سال قتل یا وفات یا خلع او از سلطنت خاتمه پیدا میکرد و با روی کارآمدن جانشینش از نو با نام پادشاه نوین شروع میشد و همینطور این قبیل سالهای مخصوص و محدود با آغاز و پایان

۱- رک : ابوالفضل ، آئین اکبری ، ج ۱ ، ص ۲۷۷-۲۷۸.
۲- زیجی است که منجم دربار شاهجهان ، فرید دهلوی ، در سال ۱۰۴۹هـ تهیه کرد. برای اطلاع بیشتری دربارهٔ زیج شاهجهانی و مولفش رک : عبدالحمید لاهوری ، پادشاه نامه ، ج ۱ ، ۹۷.

پادشاهی پادشاهان نو به نو شروع و ختم میگردید. البته بعضی از پادشاهان تیموری مانند اکبر بزرگ (۹۶۳-۱۰۱۴ه)، شاهجهان (۱۰۳۷-۱۰۶۷ه) و محمد شاه (۱۱۳۱-۱۱۶۱ه) در مورد ترویج سال جلوس خود اهتمام خاصی ورزیدند و در رواج نگهداشتن آن اقدامات لازم بعمل آوردند و آثار مستقل و پاینده ای مربوط به این سالها مانند تاریخ الفی[1] ، زیج شاهجهانی یا کارنامهٔ صاحبقران ثانی و زیج محمد شاهی از خود بیادگار گذاشتند.

مانند اسلاف ایرانی یعنی تیموریان ایران (۷۷۰-۹۱۱ه) تیموریان شبه قارهٔ هند و پاکستان (۹۳۲-۱۲۷۴ه) نیز علاقهٔ فوق العاده ای به علم هیئت وگاه شماری داشتند. از میان آنها نصیر الدین محمد همایون پسر ظهیر الدین محمد بابر از همه ممتاز بود.[2] پس از وفات همایون (۹۶۳ه) کسی که از میان آنها بیش از همه به این علم علاقه نشان داد محمد شاه تیموری (۱۱۳۱-۱۱۶۱ه) بود. در زمان او علاوه بر دهلی در شهرهای مختلف قلمرو او از قبیل جی پور، متهرا، بنارس و اجین رصد خانه ها احداث گردید که در آنها دانشمندان مسلمان و هندو و فرنگی کار میکردند و بسیاری از آثار عربی مربوط به علم هیئت را بفارسی ترجمه نمودند.[3] معروفترین هیئت دانان ایندوره راجه جی سنگه[4] بود که در نتیجهٔ تشریک مساعی با دانشمندان بومی و خارجی پس از مقابله با زیج گورکانی الغ بیگ و زیج دورهٔ اکبری ملا چاند و زیج شاهجهانی ملا فرید وغیره و مقایسه با اصول گاه شماری اروپائی زیج جدیدی بنام زیج محمد شاهی در سال ۱۱۴۰ه تهیه و به محمد شاه تقدیم نمود.

۱- علت تسمیه این بود که قرار بود این تاریخ شامل حوادث هزار سالهٔ جهان اسلامی بعد از هجرت پیغمبر(ص) باشد. از بعضی قرائن حس میشود که بمناسبت آغاز قرن یازدهم هجری بزعم خویش، اکبر شاه (۹۶۳-۱۰۱۴ه) میخواست سال او (سال الهی)، تاریخ هزار سال گذشته (تاریخ الفی) و کیش و آئین نو (دین الهی) را به آیندگان هدیه کند.

۲- تمام مؤرخین قدیم از علاقهٔ همایون به علم هیئت و ریاضی اعتراف نموده و ذوق او به این علم را ستوده اند مثلاً بدایونی مؤلف منتخب التواریخ (رک: ج ۱، ص ۴۶۷) میگوید: در علوم نجوم و هیئت و سایر علوم غریبه بی نظیر» و نیز نظام الدین هروی مؤلف طبقات اکبری (رک: ج ۲، ص ۱۸۴) میگوید: «در علم نجوم و ریاضی بی بدل بود».

۳- رک: صباح الدین، بزم تیموریه، ص ۳۱۴.

۴- برای کسب اطلاع بیشتری دربارهٔ راجه جی سنگه رک به: صمصام الدوله شاهنواز، مآثر الامرا، ج ۲، ص ۸۱.

محمد شاه غالباً بر اساس همین زیج جدید سال محمد شاهی را بنا نهاد و سال جلوس خود (۱۱۳۱ھ) را سر آغاز یا مبدأ این سال قرار داد. بسیار جای تعجب است که سال محمد شاهی برخلاف معمول مدتی مدید بعد از محمد شاه نیز درمیان مردم این سامان معمول بود چنانکه از عبارت آغاز یکی از نسخ خطی کتابخانهٔ دانشگاه پنجاب لاهور پیداست. این عبارت چنین است:

«استخراج تقویم آفتاب بتاریخ ۲۷ ماه صفر ۱۲۶۱ هجری مطابق با ۱۳۰ محمد شاهی»[1]

از بعض قرائن معلوم میشود که در دوره تیموریان هند و پاکستان (۹۳۲-۱۲۷۴ھ) سال هجری شمسی و سال هجری قمری هر دو معمول بود. در تواریخ ایندوره معمولاً هر دو سال همزمان با یکدیگر بچشم میخورد چنانکه از اقتباسات زیر ترک جهانگیری تالیف نور الدین محمد جهانگیر (۱۰۱۴-۱۰۳۷ھ) برمیاید:

«سنت پدرم این بود که هر سال دو مرتبه مطابق سال شمسی و سال قمری خود را وزن میفرمودند و شاهزادها را در همین سال شمسی بوزن در می آوردند»[2]

«عمر من به چهل و شش سال و چهار ماه شمسی و چهل و هفت سال و نه ماه قمری رسید»[3]

بظن قرین بیقین میتوان گفت که سال هجری شمسی بعد از دورهٔ اکبری یعنی از دورهٔ جهانگیری[4] (۱۰۱۴-۱۰۳۷ھ) بعد سال رسمی دولت تیموری شبه قاره و سال هجری قمری سال غیر رسمی یا سال مذهبی مسلمانان و سال بکرمی سال مذهبی هندویان[5] بود. همینطور مسیحیان[6] و پارسیان[7] این مملکت که ساحل شبه قارهٔ هند

۱- رک: نسخهٔ خطی دانشگاه پنجاب بعنوان نسخه جات تقویمات بالف وتهل داس (نقل از فهرست سید جمیل رضوی در شمارهٔ حاضر).

۲- رک: نورالدین محمد جهانگیر، توزک جهانگیری، ص ۵۶.

۳- رک: ایضاً، ص ۱۵۲.

۴- در ایندوره نفوذ فرهنگ و تمدن ایران در شبه قارهٔ هند و پاکستان باوج اعتلا رسید.

۵- مردمی که قبل از ورود مسلمانها در این شبه قاره زندگی میکردند.

۶- یعنی هلندی ها، پرتغالیها، فرانسوی ها و انگلیسی ها که بندرهای مهم شبه قاره را اداره میکردند.

۷- موقع حملهٔ اسکندر به ایران از آنجا فرار کرده و در نقاط ساحلی شبه قاره مستقر شده بودند.

و پاکستان و افغانستان بود ، بطور غیر رسمی و هنگام اعیاد و جشنهای ملی خود بترتیب سال مسیحی و سال زرتشتی یا سال فرس قدیم یا سال یزدگردی و اقلیت کوچکی از یهودیان سال یهودی یا سال موسوی را بکار میبردند.

خلاصه از استقرار دولت اسلامی در سال ۶۰۲ھ تا انقراض سلسلهٔ تیموریان و سقوط دهلی بدست انگلیسیان (۱۲۷۴ھ) سال هجری قمری همزمان با هجری شمسی بعنوان سال رسمی دولت بکار میرفت البته در بعضی از دوره ها مانند دورهٔ اکبری دورهٔ جهانگیری، دورهٔ شاهجهانی و دورهٔ محمد شاهی سالهائی مثل سال الهی (اکبری) سال شمسی ایرانی ، سال الهی (شاهجهانی) و سال محمد شاهی رواج بیشتری داشت. بعقیدهٔ راقم این سطور با افول کردن آفتاب اقتدار تیموریان بزرگ[1] (۹۳۲-۱۱۱۸ھ) آفتاب اقتدار سال هجری شمسی نیز بتدریج رو به افول نهاد و حتی در ادارات دولتی نیز سال هجری قمری منحصراً مورد استفاده قرار گرفت.

رواج سال مسیحی : بدبختانه بعلت ضعف و اضمحلالی که با گذشت زمان در طی قرون گذشته در سطوح مختلف درمیان مسلمانان شبه قاره ایجاد شده بود سلطنت با شکوه آنان که در ۶۰۲ھ توسط قطب الدین ایبک استقرار یافته و تا ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷م پا برجا بوده است ، از دست آنان بدر رفته بدست انگلیسی ها در آمد که بتدریج جای سال هلالی (هجری قمری) سال مسیحی را جایگزین آن ساختند.

پاکستان - وارث سنتهای فرهنگی سلطنت اسلامی شبه قارهٔ هند و پاکستان : خدا را شکر که مسلمانان شبه قارهٔ هند و پاکستان در نتیجهٔ رهبری دور بینانانهٔ راهبرانی مثل سید جمال الدین و علامه اقبال و قائداعظم و کوششهای مردانهٔ مردمان این سامان تقریباً نود سال پس از انقراض سلسلهٔ تیموریان هند و پاکستان در سال ۱۲۷۴ھ ق/۱۸۵۷م در سال ۱۳۶۶ھ ق/۱۹۴۷م از یوغ اسارت سیاسی انگلیسیان در آمدند و بعنوان وارث میراث فرهنگی و حافظ سنن و روایات دیرینهٔ دینی و سیاسی و اجتماعی مسلمانان دورهٔ سلطنت با شکوه هند اسلامی (۶۰۲-۱۲۷۴ھ ق/۱۲۰۶-۱۸۵۷م) بصورت یک کشور مستقل اسلامی پاکستان را بوجود آوردند تا بتوانند طبق برنامهٔ قائداعظم در آنجا مطابق با سنن و روایات ملی خود زندگی کنند.

فقدان تقویم ملی پاکستان : میهن عزیز ما خیلی وقت است که استقلال سیاسی را بدست آورده ولی بسیار جای تأسف است آنطوریکه باید و شاید در تحصیل استقلال فرهنگی و اجتماعی موفق نشده است . متأسفانه در پاکستان که در واقع دنباله و ضمیمهٔ سر

۱- نخستین شش پادشاه تیموری که عبارتند از : بابر ، همایون ، اکبر ، جهانگیر ، شاهجهان ، اورنگ زیب.

و روایات درخشان سلطنت عظم الشان مسلمانان شعبه قارهٔ هند و پاکستان است ، در گذشته هیچ دولت بطرزی بایسته و شایسته و بطور جدی به مسئله اتخاذ یک سال یا تقویم ملی که مانند سایر ملل جهان نمایشگر احساسات و عواطف ملت مسلمان پاکستان باشد ، اعتنائی ننموده است.

گرانبها ترین هدیه به قرن پانزدهم: در حال حاضر که ما در آستانهٔ وداع با قرن چهاردهم و وصل با قرن پانزوهم قرار گرفته ایم ، قرون گذشته را پشت سر میگذاریم و برای استقبال قرون آینده با جنب و جوش هرچه تمامتر و با آغوش باز پیش میرویم ، به دولت فعلی پاکستان که با احساسات افتخار ملی سرشار و برای تحقق بخشیدن به امیال و آرمانهای ملت و احیای روایات و سنتهای درخشان ملی و عملی ساختن خوابهای حال و اقبال و بهم نزدیک ساختن کشور های مختلف جهان اسلامی و اجرای دستورات خدا و فرمودات محبوب خدا ص بیقرار است ، ازین فرصت استفاده نموده با نهایت دلسوزی پیشنهاد میکنم که از ۱۴۰۱ هجری سال هجری قمری را سال رسمی دولت خدا داد پاکستان قرار بدهد و با از بین بردن سال تحمیلی (سال مسیحی) که در دورهٔ فترت نود ساله از طرف دولت استعماری مسیحیان (انگلیسیان) بر مسلمانان (فرمانروایان سابق) شبه قارهٔ هند و پاکستان نیز تحمیل شده بود ، مسلمانان پاکستان را مدیون و مرهون ... سازد.

بعقیده راقم این سطور دولت فعلی پاکستان با انجام دادن این کار فوق العاده مهم میتواند نه تنها اینکه پلی محکم میان گذشته و حال و حال و آیندهٔ مسلمانان شبه قارهٔ هند و پاکستان احداث نماید بلکه میتواند کشورهای اسلامی را بخود نزدیکتر سازد برای اینکه در قسمت اعظم جهان اسلامی سال هجری قمری مروج و معمول است. علاوه برآن اجرای سال هجری قمری از طرف دولت اسلام دوست پاکستان از آغاز قرن پانزدهم هجری که ماه به ماه و روز به روز و لحظه به لحظه نزدیکتر میشود نه فقط اینکه بهترین خراج عقیدت به نسلهای گذشته و گرانبها ترین هدیه به نسلهای آیندهٔ شبه قارهٔ هند و پاکستان بلکه شکران نعمتهای بی پایان و مایهٔ خوشنودی و استحسان خدای کریم و مهربان خواهد بود که در قرآن مجید میفرماید :

''اوست که گردانید آفتاب را روشنائی و ماه را روشنی و مقرر داشتش منزلها تا بدانید شمار سالها و حساب را. نیافرید خدا آن را مگر بحق. تفصیل میدهد آیتها را برای جمعی که بدانند. بدرستیکه در اختلاف شب و روز و آنچه آفرید خدا در آسمانها و زمین. هر آئینه آیتهاست از برای جمعی که میپرهیزند» [1]

۱- رک : سورهٔ یونس ، آیات : ۵-۶ (منقول از چاپ علمی ، تهران)

مطبوعاتِ شعبۂ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند

پہلی جلد ، مقدمہ ، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی

دوسری جلد ، عربی ادب ، مرتبہ سید فیاض محمود ، پروفیسر عبدالقیوم ۱۷/-

تیسری جلد ، فارسی ادب ، اول (۱۰۰۰ء-۱۵۲۶ء) مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر، ڈاکٹر وحید مرزا ۱۶/-

چوتھی جلد ، فارسی ادب ، دوم (۱۵۲۶-۱۷۰۷ء) مرتبہ مقبول بیگ بدخشانی ۳۰/-

پانچویں جلد ، فارسی ادب ، سوم (۱۷۰۷ء-۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ، سید وزیر الحسن عابدی ۲۴/-

چھٹی جلد ، اردو ادب ، اول (ابتدا سے ۱۷۰۷ء تک) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ۲۲/-

ساتویں جلد ، اردو ادب ، دوم (۱۷۰۷ء-۱۸۰۳ء) مرتبہ سید وقار عظیم ۱۸/-

آٹھویں جلد ، اردو ادب ، سوم (۱۸۰۳ء-۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۶/-

نویں جلد ، اردو ادب ، چہارم (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) مرتبہ سید فیاض محمود ، ڈاکٹر عبادت بریلوی ۲۳/-

دسویں جلد ، اردو ادب ، پنجم (۱۹۱۴ء-۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۲۷/-

گیارھویں جلد ، بنگالی ادب ، اول (۱۱۸۷ء-۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۸/-

بارھویں جلد ، بنگالی ادب ، دوم (۱۸۵۷ء-۱۹۷۰ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۷/-

تیرھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، اول (پشتو ، پنجابی ، سندھی) مرتبہ سید فیاض محمود ۲۲/-

چودھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، دوم (باقی سے لے کر براہوئی تک) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۸/-

پندرھویں جلد ، اشاریہ جلد اول ، اردو ادبیات

مرتبین : ڈاکٹر عبدالغنی ، رحمٰن ملک ، نادرہ زیدی

سولھویں جلد ، اشاریہ جلد دوم ، بنگالی ادبیات ،، ،،

سترھویں جلد ، اشاریہ جلد سوم ، علاقائی ادبیات ،، ،،

اٹھارھویں جلد ، اشاریہ جلد چہارم ، فارسی ادبیات ،، ،،

انیسویں جلد، اشاریہ جلد پنجم ، عربی ادبیات ،، ،،

ابوالکلام آزاد

سنۂ ہجری کا پس منظر اور اہمیت ؟

(محرم الحرام ۱۳۴۶ ہجری)

نئے ہجری سنۂ کا آغاز

آج جب کہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں ، محرم کی تیرہویں تاریخ ہے - پورے تیرہ دن اس واقعہ پر گزر چکے ہیں کہ پچھلا ہجری سال ختم ہو چکا اور نیا سال شروع ہو چکا ہے ، لیکن ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا جس نے غور کیا ہوگا کہ اس سالانہ اختتام و آغاز میں تاریخ عالم کے کیسے عظیم اور انقلاب انگیز واقعہ کی یاد پوشیدہ ہے ؟ وہ عظیم واقعہ جس کی یاد اوری سے بڑھ کر تاریخ اسلام کے کسی واقعہ میں بھی ہمارے لیے عبرت کی عظمت اور موعظت کی سر چشمگی نہیں تھی، مگر جس واقعہ سے بڑھ کر تاریخ اسلام کا کوئی واقعہ بھی ہماری یادداشت سے دور اور ہمارے دل کی اثر پذیریوں سے مہجور نہیں ہوگیا ہے !

جماعتی حافظہ اور اس کا مزاج

انفرادی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کے اخلاق اور سیرہ (کیریکٹر) کا اندازہ اس کے حافظہ کی افتاد سے کر لیا جا سکتا ہے - ایک نیک سیرہ آدمی کے حافظہ میں غیر ضروری اور بری باتوں کی یادداشت کے لیے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی لیکن ضروری اور اچھی باتیں وہ کبھی نہیں بھول سکتا - برخلاف اس کے ایک بد اخلاق آدمی کو کتنی ہی کارآمد اور اچھی باتیں سنائی جائیں لیکن اس کے حافظہ میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں نکلے گی - وہ صرف بیکار اور بری باتیں یاد رکھ سکتا ہے -

یہی حال جماعتوں اور قوموں کے دماغ کا بھی ہے - ان کے ادبار و تنزل کی ایک بہت بڑی نشانی یہ ہوتی ہے کہ جماعتی حافظہ کا مزاج بالکل الٹ جاتا ہے - جو باتیں یاد رکھنی چاہئیں ، وہ اس طرح بھلا دی جاتی ہیں کہ بار بار یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آتیں ، اور جو باتیں بھلا دینی چاہئیں ، وہ صرف یاد رکھی جاتی ہیں ، بلکہ ان کی یاد آوریوں کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بھلانے کی کتنی ہی کوششیں کی جائیں ، کبھی بھلائی نہیں جا سکیں ! صدر اول کے مسلمانوں کی مذہبی اور اجتماعی زندگی سے موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی کا مقابلہ کرو تو اس حقیقت کی سب سے

زیادہ واضح مثال سامنے آ جائے گی ۔ اس وقت مسلمان اٹھتے بیٹھتے جو باتیں یاد رکھا کرتے تھے ، آج کسی کو ان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اور جو باتیں آج کل کی بے شمار تقریروں ، تہواروں ، یادگاروں ، اور اجتماعوں کے ذریعہ یاد رکھی جاتی ہیں یہ اس وقت کے کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزری ہوں گی ۔ اس وقت ان کا حافظہ صرف وہی چیزیں یاد رکھنی چاہتا تھا ، جن کی یادداشت میں ان کی قومی زندگی کے لیے عبرت و موعظت تھی ۔ آج ہمارا حافظہ صرف وہی باتیں یاد رکھنی چاہتا ہے جن کی یادداشت میں قومی زندگی کے لیے غفلت و اعراض ہے ۔ وہ ان چیزوں کو بھول نہیں سکتے تھے جنھیں یاد رکھنا چاہیے ، ہم ان چیزوں کو بھلا نہیں سکتے جنھیں ہمیشہ کے لیے بھلا دینا چاہیے !

سارت مشرقة و سرت مغرّبا شتّان بین مشرق و مغرب !

واقعۂ ہجرہ

تاریخ عالم کا یہ عظیم واقعہ جس کی یاد سال کے اس اختتام و آغاز میں پوشیدہ ہے ، ہجرت نبوی کا واقعہ ہے ، کیونکہ پہلی محرم سے نیا اسلامی سال شروع ہوتا ہے اور اس کی بنیاد واقعہ ہجرت پر رکھی گئی ہے ۔ ہر سال جب ۳۰ ذوالحجہ کا دن ختم ہوتا اور پہلی محرم کا چاند طلوع ہوتا ہے ، تو وہ اس عظیم واقعہ کی یاد ہمارے دلوں میں تازہ کر دینی چاہتا ہے ، یہ فی الحقیقت اس واقعہ کی ایک جاری وقائم یادگار ہے !

یہ دنیا کی تمام یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہے بلکہ کمزوری کی فتح مندیوں کی یادگار ہے ۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار ہے، بے سرو سامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے ، یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں ہے محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہے ، یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہے جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا ، یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سرو سامان انسان کی روح ''ہجرہ'' نے فتح کیا تھا ! تم نے بدر کی جنگی فتح اور مکہ کے مسلح داخلہ کی شان و شوکت ہمیشہ یاد رکھی ہے ۔ لیکن تم نے مدینہ کی بے ہتھیار کی فتح فراموش کر دی ، حالانکہ تاریخ اسلام کی ساری آنے والی فتح مندیاں اسی اولیں فتح میں ایک بیج کی طرح پوشیدہ تھیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظاہری فتح مندیوں کے اعلان کا وقت آیا تھا ، تو اس وقت اسی معنوی فتح مندی کی یاد لوگوں کو دلائی گئی تھی : ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ : لا تحزن ، ان اللہ معنا ، فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا ، و جعل کلمۃ الذین کفروا السفلی ، و کلمۃ اللہ ھی العلیا ۔ واللہ عزیز حکیم ! (۹ : ۴۰)

تذکار محرم

اسی ہجری سنہ کے ساٹھویں برس کربلا کا حادثہ ظہور میں آیا ۔ یہ حادثہ اس درجہ المناک اور درد انگیز تھا اور اس کے سیاسی اثرات اس درجہ قوی اور وسیع تھے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی یاد ایک ماتمی یادگار کی حیثیت اختیار کرتی گئی ۔ یہاں تک کہ محرم کے ورود کی تمام یاد آوریاں صرف اسی حادثہ کے تذکرہ و تالم میں محدود ہوگئیں اور دوسرے تمام پہلو یک قلم فراموش کر دیے گئے ۔ اس میں شک نہیں کہ حادثہ کربلا کی المناکیاں اور عبرت انگیزیاں نا قابل فراموش ہیں لیکن ہمارے جماعتی ذہن و فکر کی یہ بہت بڑی غفلت ہوگی اگر اس حادثہ کے استغراق میں تذکرہ و اعتبار کے دوسرے پہلو فراموش کر دیے جائیں ۔ یہ سنہ ہجری کے ساٹھویں برس کے ایک واقعہ کی تذکار ہے ، لیکن خود سنہ ہجری کے پہلے برس کے تذکار سے کیوں چشم بصیرۃ بند کر لی جائے؟

سنہ ہجری کی ابتدا

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا کی متمدن قوموں میں متعدد سنہ جاری تھے ۔ زیادہ مشہور یہودی ، رومی اور ایرانی سنین تھے ۔ عرب جاہلیتہ کی اندرونی زندگی اس قدر متمدن نہیں تھی کہ حساب و کتاب کی کسی وسیع پیمانے پر ضرورت ہوتی ۔ اوقات و مواسم کی حفاظت اور یادداشت سے ملک کا کوئی مشہور واقعہ لے لیتے اور اسی سے وقت کا حساب لگا لیتے ۔ منجملہ سنین جاہلیتہ کے عام الفیل تھا یعنی شاہ حبش کے حجاز پر حملہ کرنے کا سال ؛ عرصہ تک یہی واقعہ عرب کے حساب و کتاب میں بطور سنہ کے مستعمل رہا ۔ ظہور اسلام کے بعد یہ اہمیت خود عہد اسلام کے واقعات نے لے لی ۔ صحابہؓ کرام کا قاعدہ تھا کہ عہد اسلامی کے واقعات میں سے کوئی ایک اہم واقعہ لے لیتے اور اسی سے حساب لگاتے ۔ ہجرہ مدینہ کے بعد ہی سورۂ حج کی وہ آیت نازل ہوئی تھی جس میں قتال کی اجازت دی گئی تھی : اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر (۲۲ : ۳۹) اس لیے کچھ دنوں تک یہی واقعہ بطور ایک سنہ کے مستعمل رہا ۔ لوگ اسے ''سنہ اذان'' سے تعبیر کرتے اور یہ تعبیر وقت کے ایک خاص عدد کی طرح یادداشت میں کام دیتی ۔ اسی طرح سورۂ براۃ کے نزول کے بعد ''سنہ براۃ'' کا بھی بول چال میں رواج رہا ۔ عہد نبوی کا آخری سنہ ''سنۃ الوداع'' تھا ۔ یعنی آنحضرتؐ (صلعم) کے آخری حج کا واقعہ جو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے مشہور ہوگیا اور ہجرہ کے دسویں سال پیش آیا تھا ۔ بعض روایات سے اس طرح کے متعدد سنوں کا پتہ چلتا ہے ؛ مثلاً سنہ التمحیص ؛ سنہ الترفئہ ؛ سنہ الزلزال ، سنہ الاستئناس ۔ بیرونی نے الآثار الباقیہ میں اس طرح کے دس سنوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔

آنحضرت (صلعم) کے وفات کے بعد کچھ عرصہ تک یہی حالت جاری رہی لیکن حضرت عمرؓ کی خلافت کا عہد شروع ہوا تو ممالک مفتوحہ کی وسعت اور دفاتر حکومت کے قیام سے حساب و کتاب کے معاملات زیادہ وسیع ہوئے اور ضرورت پیش آئی کہ سرکاری طور پر کوئی ایک سنہ قرار دے دیا جائے - چنانچہ اس معاملہ پر غور کیا گیا اور سنہ ہجری کا تقرر عمل میں آیا - اس وقت تک واقعۂ ہجرت پر سولہ برس گزر چکے تھے -

ضرورت کا احساس اور صحابہ کا مشورہ

سنہ ہجری کا تقرر کیوں کر عمل میں آیا ؟ کیوں حضرة عمرؓ اور تمام صحابہ کا ذہن اس طرف گیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا واقعۂ ہجرہ سے کی جائے ؟ یہ تاریخ اسلام کا ایک ضروری اور نتیجہ خیز مبحث تھا لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک نظر و فکر سے محروم رہا -

اس بارے میں متعدد روایتیں منقول ہیں - سب سے زیادہ مشہور روایت میمون بن مہران کی ہے جسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے - خلاصہ : اس کا یہ ہے کہ :

رفع الی عمر بن الخطاب صک محله شعبان فقال ای شعبان هو؟ اشعبان الذی نحن فیه ، اوالاتی ؟ ثم جمع وجوه الصحابه فقال ان الاموال قد کثرت و ما قسمنا منها غیر موقت ، فکیف التوصل الی ما یضبط به ذلک ؟ فقالوا یجب ان یعرف ذلک من الفرس فعندها استحضر عمر الهرمزان وساله عن ذلک ، فقال ان لنا حسابا نسمیه «ماه روز» فعربو الکلمه و قالوا «مورخ» ثم طلبوا وقتاً یجعلونه اولا لتاریخ دوله الاسلام ، واتفقوا علی ان یکون المبدء من سنه الهجرة (تاریخ کبیر ذهبی ، و تاریخ مصر مقریزی)

''ایک مرتبہ ایک کاغذ حضرت عمر کے سامنے پیش کیا گیا جس میں شعبان کا مہینہ درج تھا - حضرة عمر نے کہا شعبان سے مقصود کون سا شعبان ہے ؟ اس برس کا یا آیندہ برس کا ؟ پھر اپنے سربرآوردہ صحابہ کو جمع کیا اور ان سے کہا : اب حکومت کے مالی وسائل بہت زادہ وسیع ہو گئے ہیں اور جو کچھ ہم تقسیم کرتے ہیں وہ ایک ہی وقت میں ختم نہیں ہو جاتا ، اس لیے ضروری ہے کہ حساب و کتاب کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اوقات ٹھیک طور پر منضبط ہو سکیں - اس پر لوگوں نے کہا کہ ایرانیوں سے مشورہ کرنا چاہیے ان کے یہاں اس کے طریقے کیا تھے ؟ چنانچہ حضرہ عمرؓ نے ہرمزان کو بلایا - اس نے کہا ہمارے یہاں ایک حساب موجود ہے جسے ''ماہ روز'' کہتے ہیں - اسی ماہ روز کو عربی میں ''مورخ''

بنا لیا گیا - پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اسلامی حکومت کی تاریخ کے لیے جو سنہ اختیار کی جائے ، اس کی ابتدا کب سے ہو ؟ سب نے اتفاق کیا کہ ہجرہ کے برس سے کی جائے - چنانچہ ہجری سنہ قرار پایا'' -

ابن حبان نے قرہ بن خالد سے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے - اس میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے - خلاصہ اس کا یہ ہے کہ :

کان عند عمر عامل جاء من الیمن فقال العمرا ما تو رخون تکتبون فی سنہ کذا و کذا من شهر کذا کذا ؟ فاراد عمر و الناس ان یکتبوا من مبعث رسول اللہ صلعم ثم قالوا من عن و فاتہ، ثم ارادوا ان یکون ذلک من الھجرہ (تاریخ کبیر ذہبی و مقریزی جلد ۲)

''حضرت عمر کے پاس یمن سے ایک عامل آیا تھا - اس نے کہا لکھنے پڑھنے میں آپ لوگ تاریخ نہیں لکھتے - اس طرح کے فلاں بات فلاں سنہ میں اور سنہ کے فلاں مہینے میں ہوئی ؟ اس پر حضرہ عمرؓ اور آور لوگوں کو اس معاملہ کا خیال ہوا - پہلے انھوں نے ارادہ کیا کہ آنحضرہ کے مبعوث ہونے کے وقت سے سنہ کا حساب شروع کریں - پھر خیال ہوا کہ آپ کی وفات سے سروع کیا جائے - لیکن آخر میں یہ رائے قرار پائی کہ ہجرہ سے سنہ کا تقرر ہو -''

ان روایات کی مزید تشریح امام شعبی کی روایت سے ہوتی ہے جو محب طبری نے نقل کی ہے - خلاصہ اس کا یہ ہے کہ :

ان ابا موسی الاشعری کتب الی عمرانہ تاتینا منک کتب لیس لھا تاریخ و دکان عمر دون الدوا وین و وضع الاحرجہ و احتاج الی تاریخ ولم یحب التاریخات القدیمہ فجمع علیہ عند ذلک و استشار الناس فاتفقوا علی ان یکون المبدأ من الھجرہ (ریاض النضرہ)

''ابو موسیٰ اشعری نے حضرۃ عمر کو لکھا کہ آپ کی جانب سے ہمارے نام خطوط آتے ہیں مگر ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی ، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت عمر نے حکومت کے مختلف دفاتر قائم کر دیے تھے اور خراج کے اصول و قواعد طے پا گئے تھے ، اور اس لیے محسوس کر رہے تھے کہ ضبط اوقات کے لیے ایک خاص تاریخ قرار پا جائے - پرانی تاریخیں موجود تھیں لیکن وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ انھیں اختیار کریں - اب موسیٰ اشعری نے لکھا تو انھیں زیادہ توجہ ہوگئی - صحابہ کو جمع کر کے مشورہ کیا - مشورہ میں سب کی رائے یہی قرار پائی کہ ہجرہ کا واقعہ بنیاد ٹھہرا کر سنہ ہجری اختیار کیا جائے -''

ابو ہلال عسکری نے الاوائل میں اور مقریزی نے تاریخ میں حضرۃ سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ واقعۂ ہجرت سے سنہ شروع کرنے کی رائے حضرت علی علیہ السلام نے دی تھی ۔ وہ کہتے ہیں کہ :

جمع عمر الناس فسالھم من ای یوم یکتب التاریخ ؟ فقال علی بن ابی طالب من یوم ھاجر رسول اللہ صلعم و ترک مکہ ففعلہ عمر (کتاب الاوائل قلمی و مقریزی طبع ثانی جلد ۲ ، صفحہ ۵٦)

''جب حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا کس دن سے تاریخ کا حساب شروع کیا جائے ؟ تو حضرت علی نے فرمایا ۔ اس دن سے جس دن آن حضرت نے ہجرت کی اور مکہ سے مدینہ آئے'' ۔

یعقوبی نے بھی اسے منجملہ ان امور کے قرار دیا ہے جو حضرت علی کی رائے سے انجام پائے ۔ ١٦ھ کے واقعات میں لکھتا ہے :

و فیھا ارخ عمر الکتب و اراد ان یکتب التاریخ منذ مولد رسول اللہ ثم قال من المبعث ، فاشار علیہ علی بن ابی طالب ان یکتبہ من الھجرہ فکتبہ من الھجرہ (جلد ۲ : ١٦٦)

''اسی زمانہ میں حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لیے ایک تاریخ قرار دے دی جائے ۔ پہلے انھیں خیال ہوا آنحضرت کی ولادت سے شروع کریں ، پھر خیال کیا آپ کی بعثت کے واقعہ سے ابتدا کی جائے ، لیکن حضرت علی نے رائے دی کہ ہجرہ سے شروع کرنا چاہیے''

قومی سنہ کی ضرورت و اہمیت

ان روایات کے مطالعہ کے بعد ضروری ہے کہ بعض امور پر غور کیا جائے :

سب سے پہلی بات جو سامنے آتی ہے ، یہ ہے کہ حضرت عمر اور صحابہ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی کہ ایک نیا سنہ قرار دیا جائے ؟ امام شعبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر تاریخ کے تعین و امر کی ضرورت محسوس کر رہے تھے لیکن پسند نہیں کرتے تھے کہ دوسری قوموں کی تاریخ اختیار کریں ۔ پہلی روایت میں جس ہرمزان کو بلانے اور مشورہ کرنے کا ذکر ہے ، یہ خوزستان کا بادشاہ تھا اور مسلمان ہو کر مدینہ میں مقیم ہو گیا تھا ۔ حضرہ عمر کی مجالس شوریٰ میں اس کا بار بار ذکر آتا ہے (بلاذری و طبری وغیرہما) ۔ بیرونی لکھتا ہے کہ جب حضرت عمر نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے نہ صرف ایرانیوں کا طریقہ ہی بتلایا بلکہ رومیوں کے طریقہ کی بھی تشریح کی ۔ ایرانیوں کے یہاں کا آخری سنہ یزدگرد کا سنہ تھا اور رومیوں کا مشہور سنہ سکندر کی پیدائش سے شروع ہوتا تھا ۔ بعض

صحابہ کو خیال ہوا انھی دونوں میں سے کوئی سنہ اختیار کر لیا جائے، لیکن حضرت عمر اور آور لوگ اس سے متفق نہ ہوئے[1]۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے سنین مجمع صحابہ میں زیر بحث رہے اور بعضوں نے اسے اختیار کرنے کی رائے بھی دی، لیکن عام رجحان اسی طرف تھا کہ نیا سنہ مقرر کرنا چاہیے۔

اس حقیقت پر بھی نظر رہے کہ سنہ کی ضرورت اور استعمال کی بڑی جگہ حساب و کتاب کے دفاتر تھے اور حضرت عمر نے بہ اتفاق صحابہ، دفاتر کے لیے وہی زبانیں اختیار کر لی تھی جو بیشتر سے مفتوحہ ممالک میں رائج تھیں۔ ایران کے لیے فارسی، شام کے لیے سریانی اور مصر کے لیے قبطی تھی (مسعودی و بلاذری)۔ ظاہر ہے کہ جب دفاتر کے لیے ایران و شام کی زبانیں اختیار کر لی گئی تھیں تو قدرتی طور پر سنہ بھی وہی اختیار کر لینا تھا جو ان زبانوں کے حساب و کتاب میں رائج تھا اور اس کے قواعد بندھے چلے آتے تھے، لیکن حضرت عمر اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ ایران و روم اور مصر کی زبانیں اختیار کر لیں مگر سنہ اپنا قائم کرنا چاہا۔ غور کرنا چاہیے، اس اجتناب کی علت کیا تھی؟

یہ علت تو قطعاً نہیں ہو سکتی کہ صحابہ کرام محض قومی تعصب اور تنگ دلی کی بنا پر دوسری قوموں کی اچھی اور کارآمد باتوں سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ اولاً تو اس بارے میں خود اسلامی احکام کا یہ حال ہے کہ رکاوٹ کی جگہ صریح ترغیب دی گئی ہے۔ ثانیاً اس عہد کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے تعصبات کو اس وقت کے مسلمانوں کی ذہنیت میں کوئی جگہ نہیں ملی تھی۔ وہ دنیا کے تمام علمی و تمدنی ذخیرہ کو خواہ کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتا ہو، اپنا قومی ورثہ سمجھتے تھے۔ خود اسی عہد میں حضرت عمر نے بے شمار معاملات میں غیر قوموں کے علمی اور تمدنی اصول معلوم کیے ہیں اور ان میں جو باتیں کارآمد اور ضروری نظر آئی ہیں بلاتامل اختیار کر لی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا معاملہ پیش آیا، وہ ایرانیوں، رومیوں اور مصریوں کو بہ اصرار طلب کراتے اور ان سے مشورہ لیتے۔ دفاتر حکومت کی تقسیم' خراج و محصول کا

۱۔ بیرونی نے یہ تفصیل میمون بن مہران کی روایت کے سلسلہ ہی میں لکھی ہے اور اس کے الفاظ روایت مندرجہ متن سے مختلف ہیں۔ چونکہ اس نے کوئی تخریج درج نہیں کی تھی اس لیے حسب اصول فن روایت اس سے اساسی استدلال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے ہم نے اوپر کی روایتوں میں اسے شامل نہیں کیا۔
(الآثار الباقیہ، صفحہ ۳۰)

تعین ، اراضی کی پیمائش اور تشخیص ، خزانہ کا قیام ، حساب و کتاب کے اصول و قواعد اور اسی طرح کے بہت سے معاملات ہیں جن میں ایرانی اور رومی قواعد کا تتبع کیا گیا ۔ فقہ کا ایک اہم باب فرائض ہے یعنی ورثہ کے اصول و قواعد ، چونکہ اس کا تعلق فن حساب سے ہے اس لیے حضرت عمر نے چاہا اس کے قواعد کی ترتیب و درستگی کے لیے ایک ماہر حساب سے مدد لی جائے ۔ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس غرض سے ایک رومی مسیحی مدینہ میں طلب کیا گیا تھا ۔ طلبی کے فرمان میں والی شام کو جو الفاظ لکھے تھے وہ یہ ہیں : ”ابعث لنا بروحی یقیم لنا حساب فرائضنا“ ۔ ایک رومی کو بھیج دو تا کہ ہمارے فرائض کا حساب استوار کر دے (صراط مستقیم ، حافظ ابن تیمیہ) ۔ جب حضرت عمر کو فرائض جیسے شرعی مسئلہ کے حساب میں ایک رومی عیسائی سے مدد لینا ناگوار نہ ہوا تو ظاہر ہے کہ ایرانی یا رومی سنن کے اختیار کر لینے میں قومی تعصب کیوں مانع ہوتا جس کا تعلق صرف حساب و تاریخ سے ہے ؟ پس یقیناً کوئی دوسری ہی علت ہونی چاہیے جس کی وجہ سے انھوں نے ایرانی اور رومی سنن جیسے مدون و رائج سنہ چھوڑ دیے اور ایک نیا سنہ از سر نو قائم کیا ۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم اور تربیت نے صحابہؓ کرام کا دماغ جس سانچے میں ڈھال دیا تھا وہ ایسا سانچا تھا جس میں کوئی دوسرے درجہ کا خیال سما ہی نہیں سکتا تھا ۔ وہ صرف اول درجہ کے خیالات کے لیے تھا ۔ بہت ممکن ہے کہ دنیا کے تمدنی علوم و فنون کے رائج ہونے کی وجہ سے وہ کوئی بات علمی طریقوں اور مصطلحہ لفظوں میں نہ ادا کر سکتے ہوں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اوقات وہ ایک بات کی علت اس شکل و صورت میں نہ دیکھتے ہوں جس صورت میں آج دنیا دیکھ رہی ہے ۔ لیکن ان کی طبیعت کی افتاد اور ذہنیت کی روش کچھ اس طرح کی بن گئی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ پر سوچ بچار کرتے تھے تو خواہ علت و موجب سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں ، لیکن دماغ جاتا اسی طرف تھا جو علم و حکمت کے رو سے بہتر اور بلند سے بلند پہلو ہو سکتے ہیں ۔ یہی معنی ہیں انبیاء کرام کے مقام ”تزکیہ“ کے کہ ”و یزکیھم و یعلم الکتاب والحکمۃ (٦٢ : ٢“) یعنی دل و دماغ کی اس طرح تربیت کر دی جاتی ہے کہ ایک موزوں اور مستقیم سانچا ڈھل جاتا ہے ۔ اب جب کبھی کوئی ٹیڑھی چیز اس میں رکھی جائے گی وہ قبول ہی نہیں کرے گا ، صرف سیدھی اور موزوں چیزیں ہی اس میں سما سکتی ہیں !

اسلام کی تربیت نے صحابہ کے دل و دماغ میں قومی شرف و خودداری کی روح پھونک دی تھی ۔ قومی زندگی کی بنیادیں جن اینٹوں پر استوار ہوتی ہیں ان میں سے ایک ایک اینٹ کے لیے ان کے اندر ہیجان اور لگاؤ تھا ۔ اگرچہ وہ لفظوں اور تعبیروں

نہیں بیان نہ کر سکیں ۔ جب حضرت عمر نے سنہ اور تاریخ کی ضرورت محسوس
و اگرچہ متمدن اقوام کے سنین رائج و مستعمل تھے ، لیکن ان کی طبیعت ان
ف مائل نہ ہو سکی ۔ اس لیے کہ ایسا کرنا نہ صرف قومی شرف خودداری کے
، تھا بلکہ قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ کھو دینی تھی ۔

قومی زندگی کی بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے ۔
وم اپنا قومی سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی ۔
کا سنہ اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے ۔ یہ اس کی قومی زندگی کی
ت قائم رکھتا اور صفحۂ عالم پر اس کے اقبال و عروج کا عنوان ثبت کر دیتا
یہ قومی زندگی کے ظہور و عروج کی ایک جاری و قائم یادگار ہے ۔ ہر طرح کی
یں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی ۔ کیونکہ سورج کے طلوع و غروب اور
کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ
اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے ۔ آج آگسٹس، بکرماجیت ، جلال الدین ، ملک
اور اکبر اعظم کے نام ان کے سنین کے اندر ہر روز ہمارے سامنے آتے ہیں ، اور
حافظہ ان سے گردن نہیں موڑ سکتا !

ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک ایسا اہم معاملہ حضرت عمر اور صحابہ کے
، آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ کرتا ۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام کی دماغی
ت غلط ہو جاتی ۔ کچھ ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس احساس کی کوئی
ہ و تعلیل بھی کی ہو ۔ نتائج ، تعبیر اور تعلیل سے نہیں بلکہ فعل صحیح سے پیدا
ۃ ہیں ۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اندر اس کے خلاف میلان پیدا نہ کر سکے ۔
وجود غیر قوموں کی ہر طرح کی علمی و تمدنی چیزیں قبول کر لینے کے ان کا
بول نہ کر سکے ۔ خود بخود ان کی طبیعت کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سنہ سب
الگ اور ایسا ہونا چاہیے جس کی بنیاد اپنی تاریخ کے کسی قومی واقعہ پر ہو
ں نے اپنے دفتروں کے لیے ایرانیوں اور رومیوں کی زبان لے لی ، ان کے حساب و
ب کے قواعد قبول کر لیے ، ان کے حساب کی مصطلحات اور اشارات سے بھی
نہیں کیا ، لیکن سنہ اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہو سکے ۔ یہ قومی زندگی کی
ی اینٹوں میں سے ایک اینٹ تھی ، اس لیے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو اور
ہی ہاتھ سے رکھی جائے ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اسلام نے جو دہریت
ی پیدا کر دی تھی اسے یہی کرنا تھا !

رین کی تعلیل و توجیہ

افسوس ہے کہ صدر اول کے مسلمانوں کی تاریخ کا چہرہ ، متاخرین کی نقاشیوں

سے اپنے اصلی خال و خط کھو چکا ہے ۔ ہر عہد کا مورخ دراصل اسی عہد کی دماغی
آب و ہوا کا مخلوق ہوتا ہے ، اس لیے سلف کے واقعات کی تصویر کھینچتے ہوئے
اسی رنگ و روغن سے کام لیتا ہے جو اس کے عہد کی آب و ہوا مہیا کر سکتی ہے ۔
اسلام کی حقیقی اجتماعی زندگی کا اصلی دور صحابہؓ کرام کے عہد پر ختم ہوگیا اور
اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ، اس دور کی معنوی خصوصیات مفقود ہوتی
گئیں ۔ متاخرین اہل نظر و علم کا زمانہ آیا تو یہ وہ وقت تھا جب صدر اول کی
دماغی آب و ہوا کی جگہ بالکل ایک مختلف قسم کی فضا نشو و نما پا چکی تھی ۔ اس
لیے ان مصنفوں نے جب اس عہد کے حالات پر قلم اٹھایا ، یا تو بجائے اس کے کہ اس
عہد کا ذوق و مزاج پیدا کر کے اس کا مطالعہ کرتے ، اپنے عہد کے پیدا شدہ ذوق
کے رنگ میں اس کی ہر بات رنگ ڈالی ۔ تاریخ ہی پر موقوف نہیں ہے ہر گوشہ
تک اس معاملہ کے اثرات پہنچے حتیٰ کہ فقہ و احکام تک کا گوشہ اس سے محفوظ
نہ رہ سکا ۔ اگر عہد صحابہ سے لے کر آخری عہد تدوین کتب تک کی کتابیں مسلسل
موجود ہوتیں اور صدیوں کی ترتیب کے ساتھ ان پر نظر ڈالی جا سکتی تو صاف
نظر آ جاتا کہ صدر اول کے واقعات و معاملات بعد کے ہر عہد میں نئے نئے لباس
بدلتے آئے ہیں اور ان کی تعبیر و الفاظ کی جزئیات میں ہر عہد کی ذہنی خصوصیات
کا پرتو موجود ہے ، مثلاً اگر تیرہ صدیوں کی تیرہ مسلسل تاریخیں موجود ہوتیں
تو انھیں رکھ کر بتلا سکیے کہ صدر اول کے ایک ہی واقعہ نے اپنی جزئیات و
صورت میں کس طرح تیرہ مختلف لباس بدل لیے ہیں ؟

بطور مثال کے اسی واقعہ پر نظر ڈالی جائے : امام شعبی کی روایت میں صاف
موجود ہے "و لم یحب التاریخات القدیمہ" یعنی حضرت عمر ایک تاریخ کے تعین
کی ضرورت محسوس کر رہے تھے مگر پسند نہیں کرتے تھے کہ قدیم تاریخیں اختیار
کریں ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دوسری قوم کی تاریخ کا اختیار کرنا
پسند نہیں کرتے تھے اور یہ معاملہ ان کی نظر میں ایسا تھا جس کے لیے ضرورت
تھی کہ مسلمانوں کی ایک قومی تاریخ قرار دی جائے ، لیکن بعد کے مورخین نے
اپنے ذوق و میلان طبع کے مطابق اس کی توجیہیں شروع کر دیں ۔ واقعہ کی اصلی
علت پر تو نظر نہیں گئی نئے نئے معنی پہنانے لگے ۔
میں یہاں صرف دو عہدوں کی دو مختلف نظروں کا ذکر کروں گا :

علامہ مقریزی نے نویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی بے نظیر تاریخ مصر
لکھی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں حضرت عمر اور صحابہ نے ایرانی اور رومی تاریخ پسند
نہیں کی ، کیونکہ دونوں کے حساب میں کبیسہ تھا (یعنی دورۂ ارضی کی کسر
پوری کرنے کے لیے چند سالوں کے بعد مہینوں سے دنوں میں کمی بیشی ، جس

طرح کہ تقویم گریگوری میں ہر چوتھے سال ایک دن کی کمی کر دی گئی ہے)
چونکہ اسلام نے ''نسئی'' سے روکا تھا اور کبیسہ پر ''نسئی'' کا شبہ ہو سکتا تھا
اس لیے مناسب نہ تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ مورخ موصوف کو یہ دور از
کار دقیقہ سنجی اس لیے کرنی پڑی کہ قومی تقویم کی ضرورت و اہمیت کے لیے ان
کے ذہن میں کوئی جگہ نہ تھی اور چونکہ اور کوئی معقول تعلیل سمجھ میں نہیں
آئی اس لیے ناچار ''نسئی'' کی شرعی ممانعت کی وادی میں پہنچ گئے، حالانکہ کسی
اعتبار سے بھی یہ تعلیل لائق اعتنا نہیں۔ اول تو یہ ان روایات کے خلاف ہے جو اوپر
گزر چکیں، کیونکہ ان میں تمام قدیم تقویموں کی ناپسندیدگی کا ذکر ہے، نہ کہ کسی
خاص تقویم کا۔ ثانیاً ''نسئی'' مصطلحہ جاہلیتہ اور ''کبیسہ'' مصطلحہ حساب قطعاً
دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس ''نسئی'' کو اسلام نے روکا اور قرآن نے کفر کی زیادتی
سے تعبیر کیا، وہ یقیناً قمری مہینوں کی طبعی ترتیب کو اس طرح درہم برہم کر
دیتا تھا کہ کبھی شعبان، محرم بن جاتا تھا اور کبھی رمضان، ذوالحج قرار دیا
جاتا تھا اور جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اعمال و طاعات کے معین اوقات الٹ پلٹ ہو
جاتے تھے اور ان کے تقرر و تعین کی اہمیت و مصلحت باقی نہیں رہتی تھی، لیکن
''کبیسہ'' بالکل ایک دوسری چیز ہے۔ اس کا مقصد دوسرا ہے، اور اس کے اجراء
کے نتائج دوسرے ہیں۔ اس کا کوئی اثر اس طرح کا مرتب نہیں ہوتا۔ وہ محض اس
لئے ہے کہ سال بھر کے تین سو ساٹھ دن قرار دے دینے کے بعد جو کسر رہ جاتی
ہے اسے کچھ عرصہ کے بعد پورا کر دیا جائے تاکہ زیادہ مدت گزرنے کے بعد
مہینوں اور برسوں کا فرق نہ بن جائے۔ پس کسی طرح بھی یہ بات تسلیم نہیں کی
جا سکتی کہ حضرت عمر اور اکابر صحابہ ''نسئی'' کی حقیقت سے اس درجہ بے خبر
تھے کہ تقویم کے کبیسہ کو بھی ''نسئی'' سمجھ لیتے، یا انہیں ''کبیسہ'' پر ''نسئی''
کا شبہ ہو سکتا۔

یہ نویں صدی کی ابتدا تھی۔ لیکن سو برس کے بعد یعنی ہزارویں صدی کے
اوائل میں یہی واقعہ ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی
سے تقویم و سنین کے متعلق ایک سوال کیا گیا تھا۔ اس کے جواب میں انھوں نے
ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر اور صحابہ کرام نے رومی
اور ایرانی سنہ اختیار کرنے سے اس لیے اجتناب کیا کہ یہ عیسائیوں اور مجوسیوں
کا سنہ تھا اور اسلام نے انہیں روک دیا تھا کہ کفار کا طور طریقہ اختیار کر کے
اس کے رواج و قبولیت کا باعث نہ ہوں۔ اب غور کرو بات کہاں سے کہاں تک
پہنچ گئی؟ کجا کفار کے طور طریقہ سے اجتناب کا معاملہ اور کجا یہ معاملہ جو
حساب و کتاب کے ایک علمی اصول و قواعد کا معاملہ ہے! حافظ موصوف نے یہ

تعلیل کرتے ہوئے عہد فاروقی کی آدھی تاریخ فراموش کر دی ۔ اگر اس قسم کے معاملات میں غیر قوموں سے اخذ و استفادہ جائز نہ ہوتا تو حضرت عمر بے شمار معاملات میں ایران و روم کے قدیم انتظامات اور تمدنی طریقوں سے فائدہ اٹھانا کیوں جائز رکھتے ؟ یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام کو غیر قوموں کی بہت سی باتوں سے احتساب تھا ۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتوں کو روکا اور عدم اتباع و تشبہ پر زور دیا ، مگر وہ باتیں دوسری ہیں ، ان کا محل دوسرا ہے ، مقصد دوسرا ہے اور اثرات دوسرے ہیں ۔ اس معاملہ سے اسے کیا تعلق ؟"

واقعہ ہجرت کا اختصاص

اس جملہ معترضہ نے بہت طول کھینچا ۔ بہرحال اس معاملہ میں پہلی بات جو قابل غور تھی وہ قومی سنہ کا تقرر اور اس کی اہمیت کا احساس تھا ۔ بغیر کسی دور دراز توجیہہ کے اختیار کیے ، یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت عمر اور اکابر کی اس پہلو پر نظر تھی ۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ قومی زندگی کی تقویم کے لیے قومی سنہ ضروری ہے اور اس لیے چاہیے کہ یہ باہر سے نہ لیا جائے ۔ اندر ہی تیار کیا جائے ۔

اس کے بعد دوسرا اہم نقطۂ نظر ، واقعۂ ہجرہ کا اختصاص ہے ۔ اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ سنہ کی ابتدا قرار دینے کے لیے جس قدر بھی سامنے کی چیزیں ہو سکتی تھیں ان میں سے کسی چیز کا طرف ان کی نگاہ نہ گئی ۔ ہجرہ کا واقعہ جو آغاز اسلام کی بے سروسامانیوں اور کمزوریوں کا یاد تازہ کرتا تھا اختیار کیا ، آخر اس کی علت کیا تھی ؟

(بہتر ہے کہ یہ مبحث آئندہ مجلس پر ملتوی رکھا جائے ۔ آج کی مجلس مقصد سے زیادہ طولانی ہو چکی ہے ۔ ممکن ہے کہ ایک ہی نشست کی اتنی طوالت بعض طبائع پر شاق گزر رہی ہو ۔)

★ ★ ★

پچھلی تحریر میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ حضرۃ عمر اور مجمع صحابہ ۔ ایک نئے سنہ کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ قومی زندگی کے قیام و تکمیل کے لیے قومی سنہ کی ضرورت تھی اور اسلام کی تعلیم و تربیت نے ان کی قومی ذہنیت جو مزاج پیدا کر دیا تھا اس کا مقتضیٰ یہی تھا کہ اس ضرورت کی کھٹک طبیعتوں میں پیدا ہوئی ۔ لیکن اس کے بعد معاملہ کا سب سے ضروری سوال سامنے آتا ہے سوال یہ ہے کہ قومی سنہ قرار دینے کے لیے سامنے کی جتنی چیزیں بھی ہو سکتی تھیں ، ان میں سے کوئی چیز جو بہ ظاہر اس غرض کے لیے کوئی مناسبت نہیں رکھتی

ان کے سامنے آ گئی اور اس پر سب کا اتفاق ہوگیا ۔ آخر اس کی علت کیا ہے ؟

مسلمانوں کا قومی سنہ قرار دینے کے لیے قدرتی طور پر جو چیزیں سامنے کی تھیں وہ اسلام کا ظہور تھا ۔ داعی اسلام کی پیدائش تھی ، نزول وحی کی ابتدا تھی ، بدر کی تاریخی فتح تھی ، مکہ کا فتحمندانہ داخلہ تھا ، حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جو اسلام کی ظاہری اور معنوی تکمیل و فتح کا آخری اعلان تھا ۔ لیکن ان تمام واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی اختیار نہیں کیا گیا ۔ ہجرۃ مدینہ کی طرف نظر گئی جو نہ تو کسی پیدائش کا جشن ہے ، نہ کسی ظہور کی سوکت ، نہ کسی جنگ کی فتح ہے ، نہ کسی غلبہ و تسلط کا شادیانہ ، بلکہ اس زمانہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب آغاز اسلام کی بے سرو سامانیاں اور ناکامیاں اس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ داعی اسلام کے لیے اپنے وطن میں زندگی بسر کرنا بھی نا ممکن ہو گیا تھا ۔ بیچارگی اور مظلومیت کی انتہا تھی کہ اپنا وطن ، اپنا گھر ، اپنے عزیز و اقارب اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر ، صرف ایک رفیق غمگسار کے ساتھ ، رات کی تاریکی میں ، رہسپار دست غربت ہوا تھا !

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس قسم کے معاملات میں قدرتی طور پر دوسری قوموں کے نمونے سامنے آیا کرتے ہیں ۔ حضرت عمر اور صحابہ کے سامنے بھی یہ نمونے موجود تھے لیکن وہ ان کی تقلید پر آمادہ نہ ہو سکے اور انھوں نے بالکل ایک دوسری ہی راہ اختیار کی ۔

دنیا کے قومی سنین

قومی سنہ ، دراصل قوم کی پیدایش اور عروج و اقبال کی تاریخ ہوتا ہے ۔ اس کے ذریعہ قومیں اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ اہم اور بنیادی واقعہ یاد رکھنا چاہتی ہیں ۔ اس کا دور ہر بارہ مہینے کے بعد ختم ہوتا اور از سر نو شروع ہوتا ہے اور اس طرح سال نو کی مسرتوں کے ساتھ اس کی تاریخی روایات کی شادمانیاں بھی تازہ ہو جاتی ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر سنہ رائج ہوئے سب کی بنیاد کسی ایسے واقعہ پر نظر آتی ہے جس سے کسی قومی فتح و اقبال کا آغاز ہوا ہے ۔ چونکہ اس طرح کا آغاز عموماً کسی بڑے انسان کی پیدائش سے ہوا ہے یا کسی بڑے بادشاہ کی تخت نشینی سے ، یا کسی بڑی جنگ کی فتح اور کسی نئی سر زمین کے قبضہ و تسلط سے ، اس لیے دنیا کے اکثر سنوں کی ابتدا مشاہیر و اکابر کی پیدایش اور تخت نشینی ہی سے ہوئی ہے ۔ بیرونی نے آثار الباقیہ نامی کتاب صرف سنین و تواریخ کے موضوع پر لکھی ہے اور اس درجہ سے لکھی ہے کہ آج بھی اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی جا سکتی ، وہ دنیا کے تمام سنین کا استقصا کر کے لکھتا ہے

"قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیان حکومت و مذاہب کی پیدایش ، بادشاہوں کی تخت نشینی ، انبیا کی بعثت ، ملکوں کی فتح و تسخیر ، سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادث عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتداء کیا کرتے ہیں" -

قدیم سنوں میں بابلی ، یہودی ، رومی ، مسیحی ، ہندوستانی ، اور ایرانی سنین سب سے زیادہ مشہور و مستعمل رہے ہیں - ان سب کی ابتدا کسی ایسے ہی واقعہ سے ہوئی ہے - بابلی سنہ کی بنیاد بخت نصر اول کی پیدایش پر رکھی گئی تھی کیونکہ اس کے ظہور سے بابل کی عظمت کا آغاز ہوا - یہودیوں نے پہلے مصر سے خروج کے واقعہ پر سنہ کی بنیاد رکھی تھی کیونکہ اسی واقعہ سے ان کی قومی آزادی کا دور شروع ہوتا تھا پھر جب فلسطین میں یہودی حکومت قائم ہو گئی تو حضرت سلیمان کی تخت نشینی سے بھی سنہ کا حساب کرنے لگے ، پھر ہیکل کی بربادی کے بعد جب دوبارہ تعمیر کا واقعہ ظہور میں آیا تو چونکہ اس سے یہودیوں کے اجتماع وطنی کا نیا دور شروع ہوتا تھا اس لیے اس کی یادآوری کے جذبہ نے تاریخ و سنہ کی صورت اختیار کر لی - رومیوں کا سب سے زیادہ مشہور سنہ اسکندری سنہ ہے جو سکندر فاتح کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے - پھر آگسٹس کی پیدایش سے نیا سنہ شروع ہوا جس کی فتح مندیوں نے رومی عظمت کا نیا دور شروع کر دیا تھا مسیحی سنہ کا تو نام ہی میلادی سنہ ہے یعنی اس کی ابتدا حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدایش کے واقعہ پر رکھی ہے -

ہندوستان میں جہاں ہر گروہ کے لیے الگ الگ زبان اور الگ الگ پیشہ قرار دیا گیا تھا وہاں مختلف حلقوں کے لیے مختلف سنہ بھی قرار پا گئے تھے - جوتشیوں نے اپنے حساب کے لیے خاص جوتسی سنہ قرار دیا تھا - عوام اپنی یادداشت کے لیے الگ سنہ رکھتے تھے - حکومتوں اور بادشاہوں کے سنہ ان کے لیے مخصوص تھے ، مگر ان سب کی بنیاد کسی نہ کسی ایسے ہی واقعہ پر تھی - آخری سنہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا اور آج تک مستعمل ہے ، بکرماجیتی سنہ ہے اور راجہ بکرماجیت سے شروع ہوتا ہے - ایرانیوں میں بھی جس قدر سنہ رائج ہوئے سب کی ابتداء پیدائش ، تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کا واقعہ ہے - اس رسم کی کہ ہر بادشاہ پچھلا سنہ منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سنہ جاری کرے اور اسے سنہ جلوس کہا جائے ، ایرانیوں نے بنیاد ڈالی - مسلمانوں اور ایرانیوں میں جب جنگ ہوئی ہے تو ایران کا سرکاری سنہ یزدگرد آخری فرماں روائے ایران کا سنہ جلوس تھا -

حضرة عمر کا تردد

ان روایات سے جو پچھلی تحریریں درج ہو چکی ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو بھی ابتدا میں یہی خیال ہوا تھا کہ آں حضرت (صلعم) کی پیدایش یا بعثت کے وقت سے سنہ کی ابتداء کی جائے ۔ سعید بن مسیب اور یعقوبی کی روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علی سے مشورہ کیا تو ان کی رائے یہ ہوئی کہ واقعہٗ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہیے ۔ یہ بات آپ کے دل میں اتر گئی اور صحابہ بھی اس سے متفق ہو گئے ۔ ابن سہران کی روایت میں ہے کہ مبدء تاریخ کے بارے میں حسب معمول صحابہ سے مشورہ کیا تھا ، مختلف رائیں لوگوں نے دیں ۔ بالآخر سب اس پر متفق ہوگئے کہ واقعہٗ ہجرة سے ابتدا کی جائے : فاتفقوا علی ان یکون المبدء من الھجرہ ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ پر اچھی طرح غور و فکر کیا گیا تھا اور ہر طرح کی رائیں ظاہر ہوئی تھیں ۔ چونکہ سامنے کی صاف بات یہی تھی کہ آنحضرت کی ولادت یا بعثت سے تاریخ شروع کی جائے جو ظہور اسلام کی اصلی بنیاد ہے ، اس لیے حضرت عمر کا خیال ابتدا میں اسی طرف گیا ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کوئی بات اس میں ایسی تھی کہ آپ کی طبیعت کو اس پر انشراح نہیں ہوتا تھا ، متردد تھے ، بات قرینہ کی تھی لیکن دل میں بیٹھتی نہ تھی ۔ بالآخر مزید مشورہ کیا اور حضرت علی علیہ السلام نے رائے دی کہ واقعہٗ ہجرت سے ابتدا کرنی چاہیے ۔ یہ رائے اتنی بہتر اور جچی تلی تھی کہ فوراً حضرت عمر کے دل میں اتر گئی اور تمام اکابر صحابہ بھی اس پر متفق ہوگئے ۔ گویا ایک بھولی ہوئی بات تھی جو سب کے حافظہ میں تازہ ہوگئی ۔ اب معلوم کرنا چاہیے کہ واقعہ ہجرہ کی وہ کون سی مناسبت تھی جس نے حضرت علی کو (کہ مدینہ نبوت کے باب اور حکمت و سنتہ رسالت کے محرم اسرار تھے) اس طرف توجہ دلائی ؟ اور پھر وہ کون سی ایسی مشہور و معلوم خصوصیت تھی جس کی وجہ سے اتنی دور کی بات تمام اکابر صحابہ کے فہم میں فوراً در آئی اور اس طرح تسلیم کر لی گئی جیسے ایک مسلم اور طے شدہ بات ہو ؟

واقعہٗ ہجرة صحابہ کے نظر میں

ہاں ، آج ہمارے لیے (کہ اسلام کے صدر اول کا دماغ اور روح دونوں کھو چکے ہیں) یہ بات کتنی ہی تعجب انگیز ہو مگر صحابہٗ کرام کے لیے جو اسلام کے بخشے ہوئے دل اور اس کے بنائے ہوئے دماغ ، دونوں کے مالک تھے ، یہ بات اتنی صاف ، اتنی کھلی ہوئی اور اس طرح جانی بوجھی ہوئی تھی کہ اس کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا ہی کافی تھا ۔ داعی اسلام کے تزکیہ و تربیت اور درس کتاب و حکمت نے ان کے اندر ایک ایسا صالح مزاج پیدا کر دیا تھا کہ کوئی بات خواہ کتنی

ہی سامنے کی اور مقبول و معمول کیوں نہ ہو لیکن اگر حقیقت اور دانائی کی گہرائیوں سے ذرا بھی ہٹی ہوئی ہوتی تھی تو فوراً ان کی طبیعت میں کھٹک پیدا ہو جاتی تھی اور پھر جمتی تھی تو اسی وقت جب اصلی اور کامل چیز سامنے آ جاتی تھی ۔ تم ان لوگوں کی نیکیاں اور پاکیاں ہمیشہ یاد رکھتے ہو ، لیکن تم نے ان کے علم و دانائی کی گہرائیاں بھلا دی ہیں ، حالانکہ صرف ان کے دل ہی زیادہ نیک نہ تھے بلکہ ان کی دانائی و حکمت بھی سب سے زیادہ گہری تھی۔ جیسا کہ خود انھی میں سے ایک حقیقت شناس انسان نے کہا تھا : اولائک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کانوا افضل ھذہ الامہ و ابرھا قلوباً ، و اعمقھا علماً ، و اقلھا تکلفھا ، اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ ولا قامۃ دینہ (عن عبداللہ ابن مسعود ، رواہ الداری)

اس بارے میں قوموں کا طریقہ ان کے سامنے آیا اور خود انھیں بھی یہ بات صاف دکھائی دی کہ داعی اسلام کی پیدائش یا بعثت کو اپنی قومی تاریخ کی بنیاد ٹھہرائیں ، لیکن چونکہ یہ بات اس معیار نظر سے ہٹی ہوئی تھی جو اس طرح کے معاملات میں اسلام نے قائم کیا تھا ، اس لیے نہایت واضح اور نمایاں ہونے پر بھی ان کی طبیعت کو مطمئن نہ کر سکی ۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ کوئی دوسری بات ہونی چاہیے ۔ وہ دوسری بات کیا تھی ؟ ہجرت مدینہ کا واقعہ ۔ جوں ہی یہ بات سامنے آئی ، سب کے دلوں نے قبول کر لی ۔ تاریخ کا یہ مبداء دنیا کی تمام تاریخوں اور قومی یادگاروں کے خلاف تھا ۔ صرف خلاف ہی نہ تھا بلکہ صریح الٹا تھا ۔ دنیا کی تمام قومیں فتح و اقبال سے اپنی تاریخ شروع کرتی ہیں انھوں نے بیچارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی ۔ دنیا کی تمام قوموں نے چاہا اپنے ظہور کی سب سے بڑی فتح یاد رکھیں ۔ دنیا کی تمام قوموں کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کی قومی تاریخ اس وقت سے شروع ہوئی ، جب ان کی تاریخ کا سب سے بڑا انسان پیدا ہوا اور اس نے جنگ و قتال کے میدانوں میں فتح حاصل کی ۔ لیکن ان کا فیصلہ یہ تھا کہ قومی تاریخ کی ابتدا اس دن سے ہوئی ، جب بڑے انسان کی نہیں بلکہ سب سے بڑے عمل کی پیدائش ہوئی اور جنگ کے میدانوں میں نہیں بلکہ صبر و استقامت کے میدانوں میں فتح حاصل ہوئی ۔ دنیا کی تمام قوموں کا یقین تھا کہ ان کی طاقت و شوکت کی بنیاد اس وقت پڑی جب انھوں نے ملکوں اور سلطنتوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کا یقین یہ تھا کہ طاقت و شوکت کا دروازہ اس دن کھلا جب ملکوں پر انھوں نے قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا ملک و وطن بھی ترک کر دیا ۔ بلاشبہ ان کی یہ سمجھ دنیا کی ساری قوموں سے الٹی سمجھ تھی ، لیکن اس سمجھ سے عین مطابق تھی جو اسلام کی تربیت نے ان کے اندر پیدا کر دی تھی ، وہ اپنی اجتماعی زندگی کی تعمیر قوموں کی تقلید سے نہیں بلکہ اسلام کی روح فکر و عمل سے کرتی

چاہتے تھے -

مصیبت یہ ہے کہ دنیا معنی سے زیادہ لفظ کی اور روح سے زیادہ جسم کی پرستار ہے - وہ پھل ڈھونڈتی ہے لیکن تخم کی جستجو نہیں کرتی ، وہ منارۂ محراب کی بلندیاں اور خوشنمائیاں دیکھتی ہے لیکن زیر زمین بنیادوں کے لیے نگاہ نہیں رکھتی ، صحابہ کرام نے جب پیدائش و بعثت کے واقعات عظیمہ ترک کر کے ہجرہ کا واقعہ انتخاب کیا تو ان کی نظر بھی پیدائش و ظہور ، فتح و اقبال اور جشن و کامرانی ہی پر تھی وہ کچھ نا کامی و نامرادی کے طلب گار نہ تھے - البتہ وہ فتح و اقبال کی صورت اور برگ و بار نہیں دیکھتے تھے ، حقیقت اور تخم و اساس پر نظر رکھتے تھے - ان پر یہ حقیقت کھل چکی تھی کہ اسلام کی پیدائش و ظہور اور فتح و اقبال کی اصلی بنیاد ان واقعات میں نہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں ، ہجرت مدینہ اور اس کے اعمال و حقائق میں ہے - اس لیے جو اہمیت دنیا کی نگاہیں پیدائش ، بعثت ، بدر اور فتح مکہ کو دیتی تھیں وہ ان کی نظروں میں ہجرۃ مدینہ کو حاصل تھی -

ہجرۃ نبوی کی حقیقت

لیکن واقعہ ہجرۃ کیا تھا ؟ وہ ایک ہی واقعہ نہ تھا بے شمار اعمال و وقائع کا مجموعہ تھا - ایک لمحہ کے لیے اس کی حقیقت پر بھی غور کر لینا چاہیے -

اسلام کے ظہور کی تاریخ دراصل دو بڑے اور اصولی عہدوں میں منقسم ہے ' ایک عہد ، مکہ کی زندگی اور اعمال کا ہے ، دوسرا ، مدینہ کے قیام اور اعمال کا - پہلا آنحضرت (صلعم) کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور ہجرہ پر ختم ہو جاتا ہے - اس کی ابتدا غار حراء کے اعتکاف سے ہوتی ہے اور تکمیل غار ثور کے انزوا پر - دوسرا ہجرہ سے شروع ہوتا ہے اور حجۃ الوداع پر ختم ہو جاتا ہے - اس کی ابتدا مدینہ کی فتح سے ہوئی اور تکمیل مکہ کی فتح پر -

دنیا کی نظروں میں اسلام کے ظہور و اقبال کا اصلی دور ، دوسرا دور تھا - کیونکہ اسی دور میں اسلام کی پہلی غربت ختم ہوئی اور ظاہری طاقت و حشمت کا سروسامان شروع ہوا - بدر کی جنگی فتح ہتھیاروں کی پہلی فتح تھی - مکہ کی فتح ، عرب کی فتح کا اعلان عام تھا - لیکن خود اسلام کی نظروں میں اس کی زندگی کا اصلی دور ، دوسرا نہیں پہلا تھا - وہ دیکھتا تھا کہ اس کی ساری قوتوں کی بنیادیں دوسرے میں نہیں پہلے دور میں استوار ہوئی ہیں - بلاشبہ بدر کے ہتھیاروں نے اپنی غیر مسخر طاقت کا دنیا میں اعلان کر دیا لیکن جو ہاتھ ان ہتھیاروں کے قبضوں پر جمے تھے ، ان کی طاقتیں کس میدان میں تیار ہوئی تھیں ؟ بلاشبہ مکہ کی فتح عرب کی فیصلہ کن فتح تھی لیکن اگر مدینہ کی فتح ظہور میں نہ آتی تو مکہ کی فتح کی راہ کیوں کر کھلتی ؟ یہ سچ ہے کہ مکہ ہتھیاروں سے فتح ہوا ، لیکن مدینہ

ہتھیاروں سے نہیں بلکہ ہجرت نور آمر کے دور کے اعمال سے فتح ہوا تھا - پس دوسرے دور میں جسم کتنا ہی طاقتور ہوگیا ہو لیکن اس کی روح پہلے ہی دور میں ڈھونڈھنی چاہیے !

پہلا دور ختم تھا دوسرا اس کے برگ و بار تھے ، پہلا دور بنیاد تھی دوسرا ستون و محراب تھا ، پہلا نسوو نما کا عہد تھا دوسرا ظہور وانفجار کا ، پہلا معنی و حقیقت تھا دوسرا صورت و اظہار ، پہلا روح تھا دوسرا جسم ، پہلے نے پیدا کیا درست کیا اور مستعد کر دیا ، دوسرے نے قدم اٹھایا ، آگے بڑھا اور فتح و تسخیر کا اعلان کر دیا - دوسرے کا ظہور کتنا ہی شاندار ہو لیکن اولین بنیاد و استعداد کی عظمت پہلے ہی کو حاصل ہے !

استعداد داخلی و خارجی

وجود اور زندگی کے ہر گوشہ کے لیے خدا کا قانون وجود ایک ہی ہے - تم اس کے کسے ہی مختلف نام رکھ دو ، مگر وہ خود ایک سے زیادہ نہیں ہے - اب ایک لمحہ کے لیے ٹھہرو اور غور کرو کہ تخلیق و تکمیل وجود کے لیے خدا کا قانون حیات کیا ہے :

فرد کی طرح جماعت کا بھی وجود ہے - عالم صورت کی طرح عالم معنوی بھی اپنی ہستی رکھتا ہے ، لیکن کوئی چیز ہو تخلیق و تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے دو مختلف دروں سے گزرے - پہلا دور ''استعداد داخلی'' کا ہے دوسرا ''استعداد خارجی'' کا - ضروری ہے کہ پہلے اندر کی استعداد وجود میں آئے ، اور ضروری ہے کہ اندر کی استعداد کی تکمیل کے ساتھ ہی باہر کی استعداد بھی اس کے اندر پیدا ہو جائے -

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے مثال کی ضرورت ہے - خدا کی رحمت و ربوبیت نے تمام کائنات ہستی کو بخشش کا خزانہ اور فیضان عام کی بارش بنا رکھا ہے - زندگی اور وجود کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سے ہر چیز موجود ہے اور اس کی موجودگی صرف اس لیے ہے تا کہ استعداد کو ڈھونڈے ، صلاحیت کو پا لے اور استعمال کو فعل سے اور انجذاب کو جذب سے مالا مال کر دے - سورج روز آسمان پر چمکتا ہے ، ستارے ہمیشہ زمین کی طرف جھانکتے ہیں ، ہوائیں یکساں کرہ جوی سے چلتی ہیں ، بادلوں کی رفتار میں کبھی رکاوٹ نہیں پڑتی ، سورج کی کرنیں سمندروں کو کھینچنے اور پانی میں ذخیرے جمع کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتیں ، زمین کی سطح اپنے سارے خزانے لیے ہوئے موجود ہے ، خاک کے ذروں میں سے ہر ذرہ اپنا خاصہ اور اپنی تاثیر رکھتا ہے ، موسموں کی تبدیلی اور

لیل و نہار کی گردش بھی اپنے مقصد اور حکمت سے باہر نہیں - یہ اور اسی طرح کی تمام ان گنت اور بیحد و حساب چیزیں :

و ان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا (۱۴ : ۳۴)

اور اگر تم خدا کی نعمتیں اور بخشائشیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی تمہارا اندازہ احاطہ نہیں کر سکتا !

قوتوں کا خزانہ اور بخشایشوں اور ربوبیتوں کا فیضان عام ہے اور اپنی مجموعی صورت میں کائنات ہستی کی وہ «خارجی استعداد» ہے جو وجود کے لیے خلق و تسویہ کا سامان مہیا کرتی اور ہمیشہ اُس کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہے ، لیکن خارج کی اس استعداد سے صرف وہی اشیاء فائدہ اٹھا سکتی اور اپنے حصہ کی بخشش پا سکتی ہیں جن کے اندر خود اُن کے ''اندر کی استعداد'' وجود میں آ گئی ہے - یہ اندرونی استعداد باہر کے کارخانۂ استعداد کی تاثیر کے لیے بہ منزلۂ انفعال ہے - جب تک انفعال کا لب سوال وا نہ ہوگا ، فعل و تاثیر کا جواب فیضان حرکت میں نہیں آ سکتا !

دہقان ایک بیج اٹھاتا ہے اور زمین کے حوالے کر دیتا ہے - اب دیکھو ، اس ایک بیج کے بار آور ہونے کے لیے قدرت الٰہی نے کس طرح اپنا تمام کارخانۂ ہستی مہیا کر دیا ہے ؟ سورج منتظر ہے کہ اپنی گرمی اس کے لیے وقف کر دے ، بادل طیار ہیں کہ اپنے ذخیروں کا منہ کھول دیں - زمین مستعد ہے کہ اپنی آغوش اُس کے لیے وا کر دے ؛ لیکن اس تمام کارخانۂ بخشش سے وہ جبھی فائدہ اٹھا سکتا ہے جب کہ خود اُس کے اندر کی استعداد صحیح و صالح ہو- اگر ایسا نہیں ہے، تو پھر یہ تمام کارخانۂ بخشش و نوال اُس کے لیے بیکار ہوگا - سورج اپنا دہکتا ہوا تنور رکھنے پر بھی اسے گرم نہ کر سکے گا ، بادل اگر اپنا تمام ذخیرۂ آب ختم کر ڈالے ، جب بھی اُسے زندگی کی رطوبت کا ایک قطرہ نہیں ملے گا !

پھر ایک صالح بیج جب زمین میں اپنی جگہ بنا لیتا ہے تو اُس کے اندر کی استعداد ظاہر ہوتی ہے اور اندر ہی اندر پکنے اور بڑھنے لگتی ہے - اُس وقت وہ ایک چھوٹا سا وجود ہوتا ہے جس کے اندر باریک ذروں اور ریشوں کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی لیکن انہیں ذروں اور ریشوں کے اندر اُس کی آنے والی ہستی کی ساری بڑائیاں اور عظمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں - حتیٰ کہ کہا جا سکتا ہے ایک عظیم اور تناور درخت کی ساری ٹہنیاں اور پتے اور اس کے ہزاروں پھول اور پھل انہیں ذروں اور باریک ریشوں کے اندر موجود ہوتے ہیں - وہ بتدریج نشو و نما پاتا ہے اور یکے بعد دیگرے تخلیق و تسویہ کے مختلف درجوں سے گزرتا ہے - پھر جب یہ سب

کچھ ہو سکتا ہے ، تو وہ وقت آ جاتا ہے جب زمین کی سطح چاک ہوتی ہے اور اُس کی پہلی ساخ باہر نکلتی ہے ۔ جھانکتی و اُبھرتا ہے اور کائنات فطرہ کے جس کارخانہ فیضان سے زمین کے اندر اکتساب فیض کر رہا تھا اب اُس سے زمین کی سطح پر بخشش ونوال حاصل کرنے لگتا ہے ۔ اُس وقت تم دیکھتے ہو کہ عالم نباتات کا یہ جوان نوخاستہ سرو قد کھڑا ہے اور کارخانہ فطرہ کے ہر سامان سے زندگی اور قوت کا مطالبہ کر رہا ہے ۔ اب تم اُس کی ہستی کا اعتراف کرتے ہو لیکن تم بھول جاتے ہو کہ باہر کی استعداد اُس کے لیے جو کچھ بہم پہنچا رہی ہے یہ دراصل اُسی استعداد کا جواب اور نتیجہ ہے جو زمین کے اندر اُس کی داخلی طبیعت نے پیدا کر لی تھی !

عالم حیوانات میں دیکھو تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے ۔ حیوان اور انسان کا جو وجود عالم ہستی میں قدم رکھتا ہے ، اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی مراحل طے کرتا ہے ، دراصل یہ وہی وجود ہے جو پہلے خود اپنی ہستی کے اندر نشو و تکمیل کی مراحل طے کر چکا ہے ۔ اگر اُس کی داخلی استعداد کا دور صحت اور قوت کے ساتھ ختم نہ ہوتا تو اس کی خارجی استعداد کا یہ دور وجود ہی میں نہ آتا ۔ وہ پہلے شکم مادر میں جنس کا ابتدائی مادہ تھا ۔ پھر اندر ہی اندر بڑھنے اور پھیلنے لگا ، بہ تدریج تخلیق و تسویہ کی مختلف منزلیں وجود میں آئیں ۔ پہلے چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے جنھوں نے ایک جونک کی سی شکل اختیار کر لی ۔ پھر یہ جونک بڑھتے بڑھتے گوشت کا ایک لتھڑا بن گئی ، لتھڑے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بننا شروع ہوا اور ڈھانچے پر گوشت پوست کا غلاف چڑھ گیا، پھر گوشت اور ہڈیوں کا یہی مجموعہ نظم و تناسب کے ایک ایسے سانچے میں ڈھل گیا کہ شکل و شبیہ کی تمام باریکیاں اور خال و خط کی ساری دلاویزیاں مکمل ہوگئیں ۔ پھر جب اندر ہی اندر تکمیل و تسویہ کے یہ تمام مراتب طے ہوگئے، تو یہ وجود اس قابل ہوا کہ شکم مادر سے باہر قدم نکالے اور ہم نے دیکھا کہ خلقت اور ہستی کا ایک زندہ اور مستعد وجود تمہارے سامنے ہے :

ثم انشاناہ خلقا اخر ، فتبارک اللہ احسن الخالقین ! (۲۳ : ۱۴)

بہرحال دنیا میں ہر چیز کی تخلیق و تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس میں کارخانہ فیضان فطرہ سے اکتساب فیض کی صحیح استعداد پیدا ہو اور اس استعداد کے ظہور کا پہلا محل اندرونی ہے دوسرا بیرونی ۔ جب تک کوئی چیز اپنے اس پہلے دور میں صحیح استعداد پیدا نہیں کر لے گی دوسرے دور کی استعداد پیدا نہیں کر سکتی ۔ خارج کے نشو و نما کے لیے داخل کا نشو و نما ، بمنزلہ سبب و علت ہے ۔ جب تک سبب موجود نہ ہوگا ، نتائج ظہور میں نہیں آئیں گے ۔

جماعت کی داخلی استعداد

فرد اور جماعت دونوں کا ایک ہی حال ہے ۔ یہ افراد و اشیاء کی مثالیں نہیں ۔ اسی کو جماعتوں اور قوموں پر بھی منطبق کرو ۔ اشیاء و افراد کی طرح ''جماعت'' بھی پیدا ہوا کرتی ہے ۔ اس کی تخلیق ، نشو و نما اور ترقی و تکمیل کے لیے بعینہ وہی قوانین ہیں جو اشیاء و افراد کے لیے ہیں ۔ جس طرح فطرة الٰہی کی ربوبیت نے مخلوقات کی زندگی اور نشو و نما کے لیے اپنی بخشایشوں کے بادل زمین پر پھیلا دیے ہیں ۔ ہر شے زندگی دینے والی ہر شے پرورش کرنے والی ، اور ہر شے وجود و کمال تک لیجانے والی ہے ، ٹھیک اسی طرح ''جماعت'' اور ''اُمت'' کے ظہور و نشوء کے لیے بھی ہر طرح کی بخشائشوں اور ہر طرح کی فیض رسانیوں کا سامان مہیا کر دیا ہے ۔ ربوبیت اس کے ظہور کا انتظار کرتی اور بخایش فطرہ اس کے قدم اٹھانے کی راہ تکتی ہے ۔ لیکن جس طرح افراد و اشیاء کے لیے فطرہ کا تمام سامان فیض صرف اسی حالت میں مفید ہو سکتا ہے جب کہ خود ان کے اندر صحیح و صالح استعداد موجود ہو ۔ اسی طرح ''جماعت'' کا مولود بھی وقت کے فیضان اور قومی و مرزبومی ماحول کی بخشایشوں سے اسی حالت میں فائدہ اٹھا سکتا ہے جب کہ خود اس کے اندر اکتساب و انفعال کی صحیح استعداد موجود ہو ۔ پھر جس طرح اس استعداد کی تکمیل کے پہلا مرحلہ داخلی ہے دوسرا خارجی ، اسی طرح جماعتوں اور قوموں کی مزاجی استعداد کے لیے بھی پہلا مرحلہ داخلی ہے دوسرا خارجی ۔ کوئی جماعت ، کوئی قوم ، انسان کی کوئی ہیئت اجتماعیہ ، کش مکش حیات کی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتی ، اگر پہلے ایک تخم اور جنین کی طرح اپنی داخلی استعداد کی منزل طے نہیں کر لیتی ۔ اس کی داخلی تخلیق و تکمیل کا بھی ایک معین وقت اور وقت کی معین مقدار ہے ۔ اگر ایک جماعت وجود و کمال کا دورا درجہ حاصل کرنا چاہتی ہے تو ناگزیر ہے کہ پہلے داخلی استعداد کی تکمیل کا وقت بسر کر لے ، اس کے بعد خارج کے اعمال و فتوح کا دروازہ خود بخود اس پر کھل جائے گا ، کیونکہ خارج کی تمام کامرانیاں اس کی داخلی استعداد کی تکمیل کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہیں ۔

جس طرح اشیاء و افراد کے جسم کی داخلی استعداد کا دار و مدار ان کے اندر ہی اندر نشو و نما پانے اور اندر ہی اندر پکنے پر ہے ، اسی طرح فرد اور جماعت کی دماغی اور اخلاقی استعداد کا دار و مدار ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت پر ہے جسے قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں ''تزکیہ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ ''تزکیۂ اخلاق و نفس'' سے مقصود یہ ہے کہ ایک جماعت کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جس طرح کے ذہن و مزاج کی ضرورت ہے وہ اس کے ایک ایک فرد کے اندر پیدا

کر دیا جائے اور اس رسوخ و نفوذ کے ساتھ پیدا کر دیا جائے ، گویا ایک آہنی قالب لیکر ان میں سے ہر فرد کا دل و دماغ اُس میں ڈھال دیا گیا ہے - جس طرح عالم اجسام میں جسم کی بہتر خلقت اور بہتر نشو و نما ، طاقت و برتری کا موجب ہوتی ہے ، اُسی طرح قوموں اور جماعتوں کے لیے اُن کے افراد کا اخلاق اور اخلاق کی بہتر قسم اور بہتر نشو و نما جماعتی طاقت اور برتری کا باعث ہوتی ہے - یہی اخلاق ''جماعت'' کی زندگی کی اصلی استعداد ہے - اسی استعداد سے وہ سب کچھ پاتی ہیں اور بغیر اس استعداد کے کچھ بھی نہیں کر سکتیں - تزکیۂ نفوس کا عمل یہی استعداد پیدا کرتا ہے - اسی کی تولید و تکمیل ، جماعتوں اور قوموں کی ''داخلی'' استعداد'' ہے -

''جماعت'' کی داخلی استعداد کے لیے جس ذہنی و اخلاقی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے ، وہ اگرچہ فرداً فرداً ہر فرد جماعت سے تعلق رکھتی ہے لیکن اُس کا سارا زور ''جماعتی ذہن و اخلاق'' کی طرف ہوتا ہے - یعنی وہ جماعت کے لیے ذہن و اخلاق کا ایک خاص مزاج پیدا کر دینا چاہتی ہے - چونکہ یہ مزاج پیدا نہیں ہو سکتا جب تک جماعت کا ہر فرد اپنا انفرادی ذہن و اخلاق معدوم کر کے جماعتی مزاج پیدا نہ کر لے ، اس لیے وہ ذہن و عمل کا ایک خاص سانچا ڈھال لیتی ہے اور پھر تمام افراد کا ذہن و اخلاق اسی میں ڈھالنا شروع کر دیتی ہے- یہاں تک کہ تمام افراد کی ذہنی و اخلاقی خصوصیات ایک ہی انداز اور روش کی ہو جاتی ہیں اور اپنے بیشمار انفرادی اختلافات رکھتے ہوئے بھی ذہن و اخلاق کی طبیعت میں یک قلم تماثل اور تشابہ پیدا ہو جاتا ہے- اُن کی خواہشیں یکساں نہیں ہو سکتیں اور یکساں نہیں ہوتیں، اُن کی طبیعتوں کی عام روش ایک طرح نہیں ہو سکتی اور ایک طرح کی نہیں ہوتی ، وہ اپنی سمجھ میں اپنی رائے میں ، اپنی زندگی و معیشت کے تمام معاملات میں ایک نہیں ہو جا سکتے اور ایک نہیں ہو جاتے لیکن وہ ذہن و عمل کی اُن ساری باتوں میں جو جماعتی زندگی کی بنیادیں اور اخلاق و سیرت کی فضیلت کا معیار ہیں اس طرح یکساں اور ایک رنگ و عمل ہو جاتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے سب کے اندر ایک ہی دماغ کام کر رہا ہے اور سب کے اندر ایک ہی روح بول رہی ہے -

یہ موقعہ نہیں ہے کہ اطناب سے کام لیا جائے ، ورنہ ضرورت تھی کہ ان اخلاق و خصائص میں سے ایک ایک چیز کی شرح و تفصیل کی جاتی ، اور واضح کیا جاتا کہ قرآن و سنہ نے جماعتی طبیعت کے کیا کیا بنیادی اوصاف بتلائے ہیں ، اور اس کی داخلی استعداد کے ارکان و مبانی کیا کیا ہیں ؟

بہرحال اشیاء افراد کی طرح جماعات و اقوام میں بھی زندگی کی اصلی سرچشمگ

کی داخلی استعداد میں پنہاں ہوتی ہے نہ کہ خارجی اعمال میں ، کیونکہ خارج
اعمال اس سے زیادہ نہیں ہیں کہ داخلی استعداد کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں ۔

دور داخلی استعداد کا دور تھا

ظہور اسلام کا پہلا دور جو بعثت سے شروع ہو کر ہجرہ پر ختم ہوا اور جس
نقطہ تکمیل ہجرہ کا معاملہ تھا ، دراصل جماعت کی داخلی استعداد کا دور تھا ۔ اور
لیے ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں اور کامرانیوں کا مبدء بھی دور تھا ، نہ کہ
ی زندگی کا دوسرا دور ۔ بلاشبہ دنیا کی ظاہربیں نگاہوں میں یہ دور مصیبتوں کا دور
بے چارگیوں اور درماندگیوں کا تسلسل تھا لیکن باطن امت مسلمہ کی ہر
ے والی فتحمندی اسی کی مصیبتوں اور کلفتوں کے اندر نشوونما پا رہی تھی ۔ یہی
ستیں تھیں جو ''جماعت'' کے ذہن و اخلاق کے لیے تعلیم و تربیت کا مدرسہ اور
دینہ نفوس و ارواح کا امتحان گاہ بنیں ۔ بدر کے فتح مند اسی کے اندر سمو لیے
ہے تھے ، فتح مکہ کے کامران اسی کے اندر بن اور ڈھل رہے تھے ۔ انتہا یہی نہیں
ہ یرموک اور قادسیہ کی پیدایش بھی اسی کی آزمایشوں اور خود فروشیوں میں ہو
ی تھی ۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس جہاد کو تو صرف جہاد کہا جو
ی زندگی میں اسلحہ جنگ سے کرنا پڑا تھا لیکن نفس و اخلاق کے تزکیہ و
یت کا جو جہاد اس پہلے دور میں ہو رہا تھا ، اسے ''جہاد کبیر'' سے تعبیر کیا ۔
ونکہ فی الحقیقت بڑا جہاد یہی جہاد تھا : فلا تطع الکافرین و جاھدھم بہ جھاداً
بیرا (۲۵ : ۵۳)

بالاتفاق سورۂ فرقان مکی ہے ۔ مکی زندگی میں جس بڑے جہاد کا حکم دیا گیا
ظاہر ہے کہ وہ قتال کا جہاد نہ تھا ۔ صبر و استقامت اور عزم و ثبات کا جہاد
اور انھی اوصاف میں جماعت کی داخلی استعداد کی اصلی بنیادیں تھیں ۔

رۃ تکمیل کار کا اعلان تھی

ہجرہ کا واقعہ اس دور کی مصیبتوں کی انتہا تھا ، اس لیے اس کی برکتوں اور
ندیوں کی بھی آخری تکمیل تھا ۔ صحابہ کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ تھے ۔ اور
یونکر بے خبر ہو سکتے تھے جبکہ ان کی دماغی تربیت کی اصلی روح اسی معاملہ
، منحصر تھی ؟ پس جب یہ سوال سامنے آیا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کس واقعہ سے
جائے ؟ تو انھیں کسی ایسے واقعہ کی جستجو ہوئی جو امت کے قیام و اقبال کا
ی سرچشمہ ہو ۔ آنحضرت کی پیدایش کا واقعہ یقیناً سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس
تذکار میں شخصیت سامنے آتی تھی شخصیت کا عمل سامنے نہیں آتا تھا ۔ بعثت
واقعہ بھی سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن وہ معاملہ کی ابتدا تھی ، انتہا و تکمیل نہ

تھی - بدر کی جنگ اور مکہ کی فتح ، عظیم واقعات تھے لیکن وہ اسلام کی فتح و اقبال کی بنیاد نہ تھے - کسی دوسری بنیاد کے نتائج و ثمرات تھے- یہ تمام واقعات ان کے سامنے آئے ، لیکن ان میں سے کسی پر بھی طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں -

بالآخر جب ہجرہ کا واقعہ سامنے آ گیا ، تو سب کے دلوں نے قبول کر لیا ، کیونکہ انہیں یاد آ گیا اسلام کے ظہور و عروج کا مبداء حقیقی اسی واقعہ میں پوشیدہ ہے - اور اس لیے یہی واقعہ ہے جسے اسلامی تاریخ کا مبدء بننا چاہیے -

ہجرہ مدینہ کی فتح تھی

اور پھر یہ حقیقت کس درجہ واضح ہو جاتی ہے جب اس پہلو پر نظر ڈالی جائے کہ ظہور اسلام کی تمام فتح مندیوں میں سب سے پہلی فتح مدینہ کی فتح تھی اور اس کی تکمیل ہجرہ ہی کے واقعہ سے ہوئی - تمہیں مدینہ کے ساتھ ''فتح'' کا لفظ سن کر تعجب ہوا ہوگا کیونکہ تم صرف اسی فتح کے شناسا ہو جو جنگ کے میدانوں میں حاصل کی جاتی ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ میدان جنگ کی فتح سے بھی بڑھ کر دلوں کی آبادیوں اور روحوں کی اقلیموں کی فتح ہے ، اور اسی فتح سے میدان جنگ ، جنگ کی فتح مندیاں بھی حاصل ہوتی ہیں - عین اس وقت جبکہ اسلام کا داعی اپنے وطن اور اہل وطن کی شقاوتوں سے مایوس ہو گیا تھا باشندگان یثرب کی ایک جماعت پہنچتی ہے اور رات کی تاریکی میں پوشیدہ ہوکر اپنی روح کا ایمان اور دل کی اطاعت پیش کرتی ہے - اس وقت دنیوی جاہ و جلال کا نام و نشان نہیں ہوتا ، شوکت و سلطان کی ہیبت و جبروت کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا - سرتاسر غربت اور بے کسی کی بے سرو سامانیاں اور عہد مصائب و محن کی درماندگیاں ہوتی ہیں - لیکن پھر بھی یثرب کی پوری آبادی اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور ایمان کے ایسے جوش اور عشق و اطاعت کی ایسی خود فروشیوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے طیار ہو جاتی ہے جو تاریخ عالم کے کسی بڑے سے بڑے فاتح اور شہنشاہ کو بھی میسر نہ آئی ہوگی - قیس بن صرمہ انصاری نے کیسے سچے اور دلنشیں لفظوں میں اہل مدینہ کے جوش و خروش ایمانی کی تصویر کھینچی ہے ؟ و کان عبداللہ ابن عباس یختلف الیہ و یتحفظ منہ ھذہ الابیات :

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ	یذکر لو یلقی حبیباً مواتیا
و یعرض فی اھل المواسم نفسہ	فلم یر من یؤوی و لم یر داعیا
فلما اتانا و استقرت بہ النوی	واصبح مسرورا بطیبۃ راضیا
واصبح لا یخشی ظلامۃ ظالم	بعید ولا یخشی من الناس باغیا
بذلنا الاموال من جل مالنا	و انفسنا عندالوغی والتاسیا

لغادی الذی عادی من الناس کلهم　جمیعاً، وان کان الحبیب مصافیا
و نعلم ان اللہ لا رب غیرہ　وان کتاب اللہ اصبح ھادیا !

دلوں اور روحوں کی اس فتح و تسخیر سے بڑھ کر بھی اور کوئی فتح ہو سکتی تھی ؟ لیکن یہ فتح کیوں کر ہوئی ؟ دور ہجرۃ کے آلام و محن میں اس کا آغاز ہوا اور ہجرہ نے اس فتح کی تکمیل کر دی !

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے واقعہ ہجرۃ کا ذکر اس طریقہ پر کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بے سرو سامانی و غربت کے اس عمل ہی میں فتح و نصرت الٰہی کی سب سے بڑی معنویت پوسیدہ تھی :

ثانی اثنین اذ ھما فی الغار ، اذ یقول لصاحبہ : لا تحزن ، ان اللہ معنا ! فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروھا ، و جعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ و کلمۃ اللہ ھی العلیا ، واللہ عزیز حکیم (۹ : ۴۰)

''غار کے دو ساتھیوں میں سے جب ایک نے دوسرے سے کہا ۔ غم و رنج نہ کرو یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے ، اور اس کی مشیت و حکمت ہمارے لیے فتح و نصرت کی راہ بازکرنے والی ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ خدا نے اپنی تسکین و طمانیت اس پر اتار دی اور فتح و نصرت کے ایسے لسکروں سے اس کی مدد کی جنھیں دنیا کی ظاہربیں اور حقیقت سے نا آسنا آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان سرکشوں کی بات جو انکار کرتے تھے ، ہمیشہ کے لیے پست ہو گئی اور کلمۂ حق ہی کو سربلندی اور کامیابی حاصل ہوئی'' ۔

یہ آیت سورۂ برأہ کی ہے ۔ سورۂ برأہ بالاتفاق اس وقت نازل ہوئی ہے جب اسلام کی ظاہری فتحمندیاں تکمیل تک پہنچ چکی تھیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تمام فتح مندیوں کے ظہور کے بعد بھی اس کی ضرورت باقی تھی کہ واقعہ ہجرہ کی فتح مندی یاد دلائی جائے ۔

(الہلال ۱۵ جولائی ۱۹۲۷ء ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء)

مطبوعات ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱- اصطلاحات معاشیات	۱۰/-
۲- اصطلاحات نفسیات	۱۰/-
۳- اصطلاحات اطلاقی نفسیات	۱۰/-
۴- اضافت کا نظریہ خصوصی ، از جناب خالد لطیف میر	۱۶/-
۵- سوئی گیس اور اس کا مصرف ، ڈاکٹر محمد نذیر رومانی	۱۵/-
۶- ہم رتبی کیمیا ، ڈاکٹر محمد ظفر اقبال ، ڈاکٹر نصیر احمد	۱۰/-
۷- فولاد سازی ، ڈاکٹر فضل کریم و آئی ایچ خان	۱۸/-
۸- نظریہ گروپ ، از جناب عبدالحمید	۱۴/-
۹- تسونی مادے ، از ڈاکٹر ایم ۔ اے عظیم	۳/۵۰
۱۰- حد ، از ڈاکٹر ایم ۔ اے عظیم	۳/۵۰
۱۱- ایٹم کی ساخت ، از ڈاکٹر شفیق حسین	۱۲/-
۱۲- شماریاتی میکانیات ، از ڈاکٹر عبدالبصر پال	۱۰/-
۱۳- مرکزائی کیمیا ، از ڈاکٹر ظفر اقبال	۱۵/-
۱۴- دوہری ٹیکنالوجی ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-
۱۵- مرکزائی اشعاع اور زراعت میں ان کی اہمیت ، از ڈاکٹر احمد سعید بھٹی	۱۰/-
۱۶- عادت اور سیاروی حرکت ، از ڈاکٹر عبدالبصر پال	۱۲/-
۱۷- صنعتی معاشیات ، از پروفیسر ڈاکٹر سی اے قادر	۱۰/-
۱۸- قاموس نباتات ، از جناب وہاب اختر عزیز	۱۵/-
۱۹- علم اہرائس آبادی کے تکنیکی پیمانے ، از جناب مظہر حسن	۱۲/-
۲۰- کیمیائی بند و ساخت ، از ڈاکٹر محمد ظفر اقبال	۱۴/-
۲۱- ویکٹر اور ٹینسر ، جناب خالد لطیف میر	۲۵/-
۲۲- پاکستان کی معدنی دولت ، از جناب ذوالفقار احمد	۲۲/
۲۳- کھادیں اور ان کے استعمالات ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-

ملنے کا پتہ :

سیلز ڈپو ، پنجاب یونیورسٹی ، اولڈ کیمپس ، لاہور

ابوالفضل علامی

مختصری دربارهٔ تقاویم و زیجات

(اقتباس از آیین اکبری)

سر رشتهٔ داد و ستد بی ماه و روز از دست برود و از فرامشی و ناراستی شورش آویزه برخیزد. ازان رو هر گروهی چاره بر سگالد و سر آغازی بر نهد. چون سگالش آموزش درستی و افزایش آسانی است کهن تاریخ برداشتن و نو آئین بر نهادن ناگزیر جهانبانی. بنابرین اورنگ نشین اقبال [در] سال بیست و نهم الهی بتازه ساختن آن سراستان ملک و مال را آبیاری نمود و گلشن سرای دولت را سرسبز و شاداب گردانید.

پای بند ساختن سوانح بزمان معین را پارسی ماه روز گویند. تازی آنرا به مورخ بر گردانید و تاریخ ازان زبان زد روزگار. برخی عربی سمرند از اراخ (بکسر همزه) گاو وحشی. باب تفعیل برای زدودن آید. چون نادانی[1] هنگام ساخته کاسته گردد بدین نام اختصاص گرفت. چندی مقلوب تأخیر[2] اندیشند و آن نسبت دادن آخرین وقت باشد باولین زمان و طائفه ای آخر وقت دانند که حادثه بدو انجامد. گویند فلانی تاریخ قوم خود است یعنی شرف دودمان بدو نهایت پذیرد. در عرف روزی معین است که زمان سپس را بدو نسبت دهند و سر آغازی بدو قرار گیرد و ازین رو آنرا[3] روزی برگیرند که بسترگ سانحه روشناس باشد چون کیش پیدائی و اورنگ نسینی و جوش طوفانی و زمین لرزه. بسخت تکاپو و یاوری بخت و دوام نیایش و آزمون روزگاران و فروغ پذیری خرد و ایمنی زمان و فراهم آمدن دانش منشان دوربین و گوناگون ساسانی خاصه ریاضی و ایزدی توفیق رصد بر ساخته. شگرف خانهای زیر و بالا و دگرگونگی روزنها و زینها در بلند زمین کم غبار اساس یافت و بمیانجی آن و نیروی آلات چون ذات الحلق و ذات السعبتین و ذات الثقبتین و ربع مجیب و اصطرلاب و کره و جز آن اختر شناسی و چهره بر افروخت و شمارهٔ افلاک و جلی ستارگان و اندازهٔ حرکات در طول و عرض و دوری از یکدیگر و از زمین و بزرگی و کوچکی اجرام و مانند آن هویدائی گرفت. این کار سترگ بی اقبال روز افزون فرمانروای دادگر و فراوان توجهٔ او صورت نگیرد. فراهم آمدن دانا دلان آزاد خاطر تنها بافزونی خواسته دست

۱- [ض د] دوانی ۲- [د] داریخ ؟ ۳- [د] آن روز را

...عهد و خرد نامهای باستانی و دستور العمل پیشینیان بی سخت کوشش اورنگ نشین
...نگ نیابد و با این همه سی سال باید که بر یک دورهٔ هفت سیاره آگهی شود. هرچند
زمانه دراز و کوشش فراوان کار شایسته تر.

درین کنون دیر پر آشوب بسا کس را توفیق یاوری نمود و بدین کار لختی
...ی دستی یافت چنانچه ارشمیدس[1] و ارسطرخس و ابرخس بمصر که درین سال جهلم
...ی هزار و هفتصد و شصت و نه سال ازو سپری شده ، بطلمیوس[2] باسکندریه هزار
و چهار صد و ده و چندی میشود و مامون خلیفه در بغداد هفتصد و نود سال گذشت
...مد بن علی و خالد بن عبدالملک المروزی بدمشق هفتصد و شصت و چهار سال بسر
آ... و حاکمی و ابن اعلم در بغداد پیش ازین بهفتصد و دوازده سال رصد اساس
نهادند و ناتمام ماند ، بتافی برده شش صد و پنجاه و چهار سال ، خواجه نصیر طوسی
در مراغه تبریز سیصد و شصت و دو سال شمسی میگذرد و میرزا الغ بیگ در
سمرقند صد و پنجاه و شش سال سپری شد و گزیده ترین در شمرند. رصد بتازی زمان
...ار و مستراق سپس جمعی که در خاص خانها چشم بر راه سناسانی اختر دارند و
...وهش حال آن نمایند و آنچه بدین طرز برگیرند و از علوی حقائق آگهی پذیرفته
جدول در آورند و بقید کتابت باز دارند آنرا زیج گویند و او معرب زیگ است بپارسی
ر... پانی ... که نقشبندان را قانونی است در بافتن نقسین[3] پارچه. همان طرز زیج
د... منوری است منجم را در سناخت فلکی اوضاع و خطوط و جداول در طول و عرض
...ان ریسمانها ماند. گویند معرب زه است از فراوان احتیاج که در شناسا پوشیده
نیست. وتر[4] هر قوس را در برابر آن نهاده اند و آنرا بدین نام خوانند و برخی فارسی
...انگارند یعنی رجهٔ[5] بنا. چنانچه او بدست آویز آن از راسی عمارت آگهی پذیرد
ا... س شناس بدین دستور درستی پروهد.

فراوان مردم ازان یادگاری گذاشته ، زیج ماجور ترک ، زیج ابرخس ، زیج بطلیموس ،
زیج فیثاغورس ، زیج زردشت ، زیج ثاون اسکندرانی[6] ، زیج ساماط[7] یونانی ،
زیج ثابت بن قره ، زیج حسام بن سنان[8] ، زیج ثابت بن موسیل ، زیج محمد[9] بن جابر

۱- ص د ارشمیدش   ۲- همچنین در [ا]، در دیگر نسخه بطلیموس

۳- ف س نقسین. در [ض د] نیست. ۰ ۱] نقشی.

۴- [ض د و نیز هر قوس

۵- س ف ، رجه ۰ [ض د] رشته   ۶- [ض د] اسکندری

۷- [د ساماط   ۸- [س ف ا] شبان

۹- در ناموس احمد

سانی ، زیج احمد بن عبدالله جبا[1] ، زیج ابو ریحان ، زیج خالد بن عبدالملک ، زیج یحیی بن منصور ، زیج حامد[2] مروورودی ، زیج مغیثی ، زیج شرق[3] ، زیج ابوالوفا بورحانی[4] ، زیج جامع کیا کوشیار ، زیج بالغ کیا کوشیار ، زیج عضدی کیا کوشیار زیج سلیمان بن محمد[5] ، زیج ابو حامد انصاری ، زیج صفایح ، زیج ابوالفرح شیرازی ، زیج مجموع ، زیج مختار ، زیج ابوالحسن طوسی ، زیج احمد بن اسحق سرحسی ، زیج غراری ، زیج هارونی ، زیج ادوار قرانات ، زیج یعقوب بن طاؤس ، زیج خوارزمی ، زیج یوستی ، زیج وافی ، زیج جوز[6] هرین ، زیج سمعانی ، زیج ابن سحره[7]، زیج ابوالفضل ماساذه[8] ، زیج عاصمی ، زیج کبیر ابو معشر ، زیج سند بن علی ، زیج ابن اعلم ، زیج شهریاران، زیج اوکند ، زیج ابن صوفی ، زیج سهلان کشی ، زیج اهوازی[9] ، زیج عروس ابی جعفر دوشنجی[10] ، زیج ابوالفتح ، زیج عکه راهی[11]، زیج قانون مسعودی[12]، زیج معتبر سنجری ، زیج وجیز معتبر ، زیج احمد عبدالجلیل سنجری ، زیج محمد حاسب طبری ، زیج عدنی ، زیج طیلسانی ، زیج اصابعی ، زیج کرمانی ، زیج سلطان علی خوارزمی ، زیج فاخر[13] علی نسمی[14]، زیج علائی شیروانی، زیج راهری[15]، زیج مستوفی، زیج منتخب یزدی ، زیج ابو رضای یزدی ، زیج قیدوره ، زیج اکملی ، زیج ناصری ، زیج ملخص ، زیج دستور ، زیج مرکب ، زیج مقلمه[16] ، زیج عصا ، زیج شتسمله[17] : زیج حاصل ، زیج خطائی ، زیج دیلمی ، زیج مفرد[18] محمد بن ایوب، زیج کامل ابو رشید ، زیج جمشیدی ، زیج گورگانی.

و آنچه سال بسال از زیج جزئی حرکات و شخصی اوضاع برنویسند **تقویم** خوانند و آن در اصل خواهش اختر باشد از سر آغاز حمل تا جای معین از فلک البروج بتوالی

۱- همچنین در [ه]. [س ف ا] حسا. [و] احسا. [ض د] احبار

۲- [ص] حامد بن مروورودی

۳- [س ف و] شرقی

۴- [ف ا وض] نورخانی

۵- در [د] نیست

۶- [د] حور هرین [و] حوهرین

۷- [ف] سبحره [ا] سحره

۸- [د] ماشا [ض] داساذه

۹- [ش ف ا] اسوازی

۱۰- [د] فوسنجی

۱۱- [ش و] راهی [د] راعی

۱۲- [س] معبودی

۱۳- [ش د] فاجر

۱۴- [ض] لیثی [د] لشی

۱۵- [ض د] زاهدی [ع] زاهری [ا] راهی

۱۶- [ش ع] مقلم. [د] مقله

۱۷- [ه] ستسله با شستله. در [س] بی نقطه. [ض] نستله. ف ا و د] سبله [ع] نقطه

۱۸- در [ض] نیست. [د] زیج مفرد [ا] زیج محمد بن ایوب

و هندی زبان پهره خوانند (بفتح بای فارسی وسکون تای فوقانی وفتح را و های مکتوب) و هندی حکم ساماتی اختر را بگذارش قدسی نفوس پندارد. مردم زاد از صفائی گوهر و شایستگی اندیشه و گزیدگی کردار و گزارش جان و تن بپایه ای رسد که نقوش کونی و الهی کلی و جزئی علوی و سفلی آینده و گذشته در نشستگاه خاطر او پیدائی گیرد. از شهریاران دلی و دانش اورائی به پژوهندگان سعادت منش در آموزند و اینان پای بند خامه در سپارند. آن بخجسته را سدهانت (بکسر سین و فتح دال مشدد و های خفی والف و نون خفی و تای فوقانی). بامداد امروز نه نامه ازان شگرفی روزگار برگزارد، برهم سدهانت (فتح با و سکون را و های خفی و میم)، سورج سدهانت (بفتح سین و سکون واو و فتح را و سکون جیم)، سوم سدهانت (بضم سین و سکون واو و فتح میم)، برهسپت سدهانت (بکسر با و را و فتح ها و سکون سین و فتح بای فارسی و کسر تای فوقانی) برگذارده بزرها و آفتاب و ماه و مشتری و آغاز هر چهار پس دور و فراوان اعتبار دارند خاصه دونی اول، گرگ سدهانت (بفتح کاف فارسی و سکون را و فتح کاف فارسی)، نارد سدهانت (بنون و الف و فتح را و دال)، پارا سر سدهانت (ببای فارسی و الف و را و الف و فتح سین و سکون را) پلست سدهانت (بضم بای فارسی و فتح لام و سکون سین و فتح تای فوقانی)، بسسته سدهانت (بفتح با و کسر سین منقوطهٔ اول و سکون سین دوم و فتح تای فوقانی هندی و های خفی) و این پنج گزارش مردم زاد انگارند. ناشناسندگان زبان بنظاره نشایند و چنان پندارند از رصدی اوضاع الهی نامه راز را نهفته اند و بروشی که داها بسکرد وا نموده لیکن دوربین انصاف گرا سر باز نزنند خامه که نیکوان آراسته ظاهر و باطن چندین لک سال یکی پس از دیگری در یک نمط بر گذارند.

و برد هندسه سمانه روز که دستمایهٔ تاریخ بود بر دو گونه بود. حقیقی و آن در توران و اختر از نیمروز تا نیمروز دیگر و در خطا و ایغور از نیم شب تا نیم شب و عامه از ساده تا سادگاه و هندی حکم در جگموت (پایان خاور) از آغاز طلوع تا طلوع دیگر و در رومک (منتهای باختر زمین) از غروب تا غروب، و در لنکا (نهایت جنوب) از نیم شب تا نیم شب و در دهلی دیار همین شماره روند، و در سده پور (پایان شمال) از نیمروز تا نیمروز. وسطی (و آنرا اصطلاحی نیز گویند) مقدار یک دورهٔ فلک اعظم با سیر وسطی شمس دران. برای کارآسانی همگی زمان گردش آفتاب را در گرفته اند و در ایام دوره برابر بخش نموده و خارج قسمت را وسطی هر روزه پندارند لیکن چون مدت دور مختلف یافته اند دران سر دگر گونگی پدید آید، ربع ثانی پنجاه و نه دقیقه و هشت ثانیه و هشت ثالثه و چهل و شش رابعه و پنجاه و شش خامسه و چهارده سادسه برگویند و ایلخانی دقیقه و ثانیه همان لیکن نوزده ثالثه و چهل و چهار رابعه و

ده خامسه و سی و هفت سادسه برگذارد و جدید گورگانی با خواجه تا ثالثه یکسان شمارد لیکن سی و هفت رابعه و چهل و سه خامسه گوید، پس بطلیموس در مجسطی اگرچه در دقیقه و ثانیه موافق لیکن هفده ثالثه و سیزده رابعه و دوازده خامسه و سی و یک سادسه نویسد و همچنین گوناگون گذارش کهن نامها بار خواند. همانا از تفاوت آگهی و دگرگونگی آلات دوئی بر خیزد. مدار سال گردش و فصول بر آفتاب نهاده اند. از هنگام جدائی از نقطهٔ معین تا باز گشت بدان یک سال نامند و زمان بودن او در یک برج شمسی ماه و دوری ماه از وضع معین با خورشید چون اجتماع یا استقبال تا حز ان تا باز گردیدن بدو قمری ماه و چون دوازده دور ماه نزدیک بیک دور آفتاب است انرا سال قمری در شمارند. پس هر یکی از سال و ماه شمسی و قمری بود و هر کدام ازین دو حقیقی که دران سیر معتبر بود نه شمارهٔ ایام و وسطی که درو روز شمارند نه بست گردش و هندی دانا سال را چهار گونه بسان ماه برگذارد و هر کدام را بکاری بر افزایند.

چون از روز و شب و سال و ماه که دستمایهٔ تاریخ بود لختی گذارش یافت چندی از نسبین تاریخ برمینویسد و داستان را سیراب میگرداند.

تاریخ هند

آغاز از آفرینش برها برگیرند و هر روز او سر تاریخ بود. گویند چون هفتاد[1] کلپ (بفتح کاف و سکون لام و بای فارسی) سپری گردد چهار جگ باشد و همگی مدت آن یک من (چهل و سه لک و بیست هزار سال) پدید آید و آن فرزند خواهش برها است و آفرینش را دستیار. چهارده من تا یک روز او پدیدار گردند و درین روز که سر آغاز پنجاه و یکم سال او است شش من گذشته و از هفتم بیست و هفت کلپ سپری شده و از بیست و هستم سه جگ بسر آمد و از چهارم چهار هزار و هفتصد سال در سرآغاز این جگ راجه جدهشتهر (ضم جیم و کسر دال و های خفی و سکون شین منقوطه و کسر تای فوقانی هندی و های حطی و فتح را) همگی جهان را برگشاد و بسراپای تاریخ فرا رسیده فرمان روائی خویش را سر آغاز گردانید و درین سال چهلم الهی چهار هزار و سش صد و نود و سش سال ازو گذشته. سه هزار و چهل و چهار سال روائی داشت. سپس بکرماجیت از اورنگ نشینی خویش بر گرفت و کار گیتی بر مردم آسان ساخت. صد و سی و پنج سال فرمان روائی کرد و درین سال هزار و سش صد و پنجاه و دو سال سپری شد. گویند سالباهن نام جوانی به نیروی معنوی

---

[1] - در هفتاد و یک

حمره دستی ظاهر یافت و در آوردگاه آن راجه را دستگیر گردانید. چون گرفتار خان سکری نسرد نوازش فرموده از خواهش باز پرسید. پاسخ گذارد اگرچه همگی عزیمت دمخ ناشمنی و پرستش دادار بهمال ایکن این آرزو در سر که از جرائد روزگار تاریخ من سترده شود. آمده پذیرش یافت. اگرچه تاریخ خویش درمیان آورد لیکن آن را از روائی باز نداشت[1] و امروز هزار و پانصد و هفده سال ازو گذشت و پندارند که هرده هزار سال روائی یابد و سپس راجه بجیابهنندن (بکسر با و جیم و یای تحتانی و الف و کسر با و های خفی و فتح نون و نون خفی و فتح دال و نون) از جلوس خویش تاریخ نو بر سازد و ده هزار سال بماند و سپس ناکا ارجن مسند آرا گردد. هشتصد و بیست و یک سال باشد و این سپس را برگزیده انگارند و ساکا (سین و الف وکاف و الف) خوانند وزینه سر آغاز ها فراوان بود و هر کدام را سنبت (بفتح سین و سکون نون و فتح بای فارسی و دی فوقانی گویند) (و چون ساکاهن پدید آمد تاریخ بکرماجیت از ساکا سپت نام گرفت) و سپس سر آغاز است. جگ شود و ازان تاریخ نو برگیرند.

و هندی حکم ماه و سال را چهار گونه داند سورماس (بفتح سین و سکون واو و را و میم و الف و سین) : بودن آفتاب در یک[2] برج و هر سال سیصد و شصت و پنج روز و پانزده گهری و سی پل و بیست و دو نیم پل. چاندرماس (بجیم فارسی و الف و نون خفی و سکون دال و را) : از پروا تا اماوس سال سیصد و پنجاه و چهار روز و بیست و دو گهری و یک پل. از حمل آغاز نهند و اساس این ماه بر سی تت (بدو تای فوقانی. نخستین مکسور دوم ساکن و های خفی) باشد ماه از اجتماع چون دوری آرد هر دوازده درجه را یکی ازان بر شمرند و از درنگ و شتاب ماه در گهریهای هر تت بی تفاوت رود. از شصت و پنج افزون و از پنجاه و چهار کم نبود. اول را پروا (بفتح بای فارسی و کسر را و واو و الف) نامند، دوم دوج (بضم دال و سکون واو و جیم)، سوم تیج (بکسر تای فوقانی و سکون یای تحتانی و جیم)، چهارم چوته (بفتح جیم فارسی و سکون واو و فتح تای فوقانی و های خفی)، پنجم پنچمین (بفتح بای فارسی و نون خفی و فتح جیم فارسی و کسر میم و سکون یای تحتانی و نون خفی)، ششم چهته (بفتح جیم فارسی و های خفی و سکون تای فوقانی هندی و های خفی)، هفتم سپتمین (بفتح سین و سکون بای فارسی و فتح تای فوقانی و کسر میم و سکون یای تحتانی و نون خفی)، هشتم اشتمین (بفتح همزه و سکون شین منقوطه و فتح تای فوقانی هندی و کسر میم و سکون یای تحتانی و نون خفی)، نهم نومین (بفتح نون و سکون واو و کسر میم و سکون سین و کسر میم و سکون یای تحتانی و نون خفی)، دهم دسمین (بفتح دال و سکون سین و کسر میم و سکون یای

۱- [ص د] باز داشت ۲- [د] در بروج و هر سال

تحتانی و نون خفی)، یازدهم **ایکادسی** (بکسر همزهٔ مجهول و سکون یای تحتانی و کاف و یا و سکون دال و کسر سین و سکون یای تحتانی)، دوازدهم **دوادسی** بضم دال و واو الف و سکون دال و کسر سین و سکون یای تحتانی)، سیزدهم ترودسی (بکسر تای فوقانی و ضم را و سکون واو وفتح دال و کسر سین و سکون یای تحتانی)، چهاردهم چودس (بفتح جیم فارسی و سکون واو و فتح دال و سکون سین)، پانزدهم **پورنماسی** (بضم بای فارسی و سکون واو و را و نون و میم و الف و کسر سین و سکون یای تحتانی) و از شانزدهم تا بیست و نهم بدین نامها بترتیب برخوانند تا چهاردم و جز سی ام را **اماوس** (بفتح همزه و میم و الف و فتح واو و سکون سین) گویند. از پروا اول تا پانزدهم را **شکل** پچه (بضم شین منقوطه و سکون کاف و فتح لام و بای فارسی و جیم مشدد و های خفی) نامند و نصف دیگر را **کشن** پچه (بکسر کاف و سکون شین منقوطه و نون) خوانند. جمعی آغاز ماه را از اول کشن پچه گیرند و در تقاویم بیشتر سال شمسی آورند و ماه قمری و چون سال قمری از شمسی ده روز و پنجاه و سه گهری و بیست و نه پل و بیست و دو نم پل کم باشد بحرکت وسطی پس از دو سال و هشت ماه و پانزده روز و سی گهری ازین کسر یک ماه فراهم آید و بحرکت تقویمی از سه سال زیاده و دو سال و یک ماه کم نباشد. بشمارهٔ نخستین در یکی از دوازده ماه این کسور فراهم آید و دران سال همان ماه را دوباره گیرند و در پسین حساب در هر ماه شمسی که دو اجتماع شود و آن ناگزیر از چت تا کنوار باشد و جز این هفت ماه افزوده نگردد. آنرا **ادهک ماه** (بفتح همزه و کسر دال و های خفی و سکون کاف) گویند و عامه **ماه لوند** نامند.

ساون ماس (بسین و الف و فتح واو و سکون نون): از هر روزی که خواهند آغاز نهند تا سی روز بانجام رسد. سالی سیصد و شصت روز.

نچهتر ماس (بفتح نون و جیم فارسی و های خفی و سکون تای فوقانی مشدد و سکون[۱] را) از هر منزلی که ماه ازو درگذرد و باز بدو پیوندد و ماه بیست و هفت روز و سالی سیصد و بیست و چهار روز.

فصول را شش برشمارند و هر یک را **رت** (بکسر را و ضم تای فوقانی) نامند. بودن خورشید در ماهی و بره **بسنت** (بفتح با و سین و نون خفی و فتح تای فوقانی) گویند معتدل. در گاو[۲] و دو پیکر **گرنکهم** (بکسر کاف فارسی و را و سکون یای تحتانی و فتح کاف و های خفی و سکون میم) گرم. در خرچنگ و شیر **برکها** (بفتح با و سکون را و فتح کاف و های خفی و الف) هنگام بارش. در خوشه و ترازو سرد

۱- همچنین در هر نسخه ۲- در [ض د] نیست.

(بفتح سین و را و سکون دال) زمان سپری شدن باران و در آمدن زمستان. به کردم و کهان هیمنت (بکسر مجهول ها و سکون یای تحتانی و فتح میم و نون خفی و تای فوقانی) زمستان. به برشاله و دلو مسر (بدو سین منقوطهٔ مکسور و فتح را) میان سرما و معتدل و نیز سال را سه بخش بر سازند. هر یک را کال (بکاف و الف و لام) خوانند و آغاز از بهار آن شود. چهار ماه گرما را دهپ کال (بضم دال و های خفی و سکون بای فارسی و کاف و الف و لام) گویند و چار ماه بارش را برکها کال (بفتح با و سکون را و فتح کاف و های خفی و الف) و چهار ماه سرما را سیت کال (بکسر سین و سکون یای تحتانی و فتح تای فوقانی) و در معظم معمورهٔ هندوستان افزون از سه فصل شمارا نبود: حوت حمل ثور جوزا گرما، سرطان اسد سنبله میزان باران، عقرب قوس جدی دلو زمستان

و سال شمسی را دو بخش گردانند از حمل تا آخر سنبله اتر گول (بضم همزه و فتح تای فوقانی مشدد و سکون را و ضم کاف فارسی و سکون واو و لام) نامند شمالی منطقهٔ البروج. از اول میزان تا آخر حوت را دکهن گول (بفتح دال و کسر کاف مشدد و های خفی و نون) خوانند جنوبی آن و نیز از اول جدی تا آخر جوزا را اتراین (بضم همزه و فتح تای فوقانی مشدد و را و الف و کسر یای تحتانی و سکون نون) نامند آفتاب رو بشمال نهد و از اول سرطان تا آخر قوس دچهناین (بفتح دال و کسر جیم فارسی مشدد و های خفی و نون و الف و کسر یای تحتانی و فتح نون) و چند جنوب رویه رود. فراوان کار خاصه فرو شدن در نخستین قسم گزیده شمرند.

و شبانه روز را شصت بخش برابر کرده اند و هر یک را گهری نامند (بفتح کاف فارسی و های خفی و کسر تای فوقانی هندی و سکون یای تحتانی) و بعرف زبان گهری (بفتح کاف فارسی و های خفی و کسر را و سکون یای تحتانی) و هر گهری را نیز شصت حصه قسمت کنند و هر یک را پل (بفتح بای فارسی و لام) خوانند و پل را نیز همچنان بخش کرده اند و هر کدام را باری (بنون و الف و کسر را و سکون یای تحتانی) گویند و بپل نیز (بکسر با و فتح بای فارسی و لام) خوانند و هر باری بمقدار یک نفس کشیدن آدمی معتدل المزاج که بی دویدن و خشمناکی و مانند آن باشد. آدمی تندرست سیصد و شصت نفس در یک گهری بر آرد و در شبانروز بیست و یک هزار و ششصد بر کشد و برخی چنان برگذارند نفسی که برآید آنرا سواس (بضم سین و واو و الف و سین) نامند و آنچه در آید آنرا پرسواس (بفتح بای فارسی و سکون را) و هر دو را یک پران (بفتح بای فارسی و را و الف و نون) خوانند و شش پران را یک پل (بفتح بای فارسی و سکون لام) و شصت پل را یک گهری. نجومی ساعت که بیست و چهارم بخش شبانروز است اندازهٔ دو و نیم گهری است. هر یکی

ـب و روز را چهار قسم برسازند. هر قسم را پهر (بفتح فارسی و سکون ها و را) گویند و هر پهر برابر نباشد.

تاریخ خطائی

سر آغاز از گیهان آفرینش بر سازند و بزعم ایشان تا امسال هشت هزار و هشت صد و هشتاد و چهار ون (بفتح واو و سکون نون) و شصت سال سپری شده و هر ونی ده هزار سال بندارند باپندگی عالم سیصد هزار ون بود و نزد برخی سیصد و شصت هزار. سال شمسی حقیقی و ماه قمری حقیقی برگیرند و آغاز سال از میانهٔ دلو کنند. محی الدین مغربی از شانزدهم درجه برگذارد و برخی از شانزدهم تا هردهم. شبانروز را بر دوازده چاغ[1] بخش کرده اند و هر یک را بهشت که و هر کدام را نامی بر نهاده اند و نیز بده هزار فنگ[2] بخش کنند و در[3] سال سه خویش سه دور دارند ، سانگ[4] ون ، جونگ ون ، خاون. هر یکی شصت سال و هر سال آنرا بدو نام گردانند و گردش دور بر ده و دوازده بود نخستین در سال و روز بکار برند و پس دران و اجزای روز و از ترکیب این[5] دو دور دور ستین[6] بر سازند و تفصیلها بر نهند.

تاریخ ترکی

ایغوری نیز گویند. بسان پیشین است لیکن دور این جز بر دوازده نگردد. سالها و روزها بدانسان شمارند و برخی زیجات چنان بر گذارد که دور ایشان برده نیز[7] گردد و سر آغاز سال پیدائی نگرفت. ابو ریحان گوید که ترکان نه عدد بر سالهای ناقصهٔ رومی افزایند و بر دوازده قسمت کنند ، آنچه بماند از سال موش آغاز نهند بهر جانوری که رسد سال وی بود لیکن به ترازوی آزمون سنجیدگی ندارد و یک سال کمی دارد. همانا مراد آنست که آنچه باقی ماند بحیوانات دهند و از موش گرفته بهر جانوری که رسد نام آن اعتبار[8] کنند. هر چند آغاز معلوم نگردد لیکن ازین حساب لختی شناسائی بدست آوند که کدام سال است ازین[9] دور و چه نام دارد و اگر هفت سال بر تاریخ ناقصهٔ ملکی افزایند و دوازده دوازده طرح کنند از سال موش گرفته بهر جانور که رسد

۱- اه ض جاغ. [ف ش] جا

۲- [د و] فنک و در برهان پنگ نوشته

۳- [ه ض د ع] و در سال خودش

۴- [س ف و] سانک

۵- [ع] این دو دو دور ستین

۶- [ش] سیمین ؟. [ض ه ا و] ستین

۷- [ض د] پز.

۸- [ض د] اختیار.

۹- در [ش] نیست. [د] ازین دو وجه نام دارد.

سال آن باشد و این درست آید بدین ترتیب سیچقان (بکسر سین و سکون یای تحتانی و جیم و قاف و الف و نون) موش ، اود (بضم همزه و سکون واو و دال) گاو ، پارس (بای فارسی و الف و سکون را و فتح سین) پلنگ، توشقان (بفتح تای فوقانی و کسر واو و سکون شین منقوط و قاف و الف و نون) خرگوش، لوی (بضم مجهول لام و سکون واو و یای تحتانی نسبت مکسور دوم ساکن) نهنگ، یلان (بدو یای تحتانی اول مکسور ثانی ساکن و لام و الف و نون) مار ، یونت (بضم یای تحتانی و سکون واو و نون حتی و سکون تای فوقانی) اسب ، قو (بضم قاف و سکون واو) گوسفند بیچ (بکسر با و سکون یای تحتانی و جیم فارسی) بوزنه ، تخاقو (بفتح تای فوقانی و خای منقوطه و الف و ضم قاف و سکون واو) مرغ ، ایت (بکسر همزه و سکون یای تحتانی و تای فوقانی) سگ ، تنکوز (بفتح تای فوقانی و نون خفی و ضم کاف و سکون واو و زای منقوطه) خوک. در انجام هر یک لفظ ایل که بمعنی سال است بر افزایند.

تاریخ منجم

آغاز از آفرینش گیرند و گویند دران هنگام همگی سیاره در اول حمل بود. سال شمسی دانند و شمارهٔ او درین سال یک لک و هشتاد و چهار هزار و شش صد و نود و سی سال نوشته.

تاریخ ادم

آغاز از پیدائی او گیرند. سال شمسی و ماه قمری. درین سال بگذارش زیج ایلخانی و دیگر گذرا ئهان پنج هزار و سیصد و پنجاه و سه سال شمسی شود و برخی اهل کتاب شش هزار و سیصد و چهل و شش سال شمسی بر گذارند و چندی شش هزار و نهصد و سی و هشت سال شمسی. جمعی شش هزار و نهصد و بیست سال شمسی و آنچه از نامه اندوزان نصاری شنوده شد شش هزار و هفت صد و نود و سه سال.

تاریخ یهود

آغاز از آفرینش آدم گیرند. سال شمسی حقیقی و ماه قمری اصطلاحی. شمارهٔ ماه و روز تازی لیکن بحسب امر اوسط و سالها بر دو گونه بود بسیط که درو کبیسه نباشد و معبور که درو اعتبار کنند و مانند هندیان در سه سال یک ماه افزایند.

تاریخ طوفان

سر آغاز ازان حادثه گیرند. سال شمسی حقیقی و ماه[۱] قمری حقیقی و اول سال از حمل گیرند و ابو معشر بلخی اوساط کواکب برین تاریخ نهاده و درین سال چهار

۱- این حمله در اد نیست.

هزار و شش صد و نود و شش سال گذشته.

تاریخ بخت نصر

اول از عنفوان[1] فرماندهی خویش تازه تاریخی درمیان آورد. سال شمسی اصطلاحی. سیصد و شصت و پنج روز بی کسر و[2] ماه نیز نزد انسان هر یکی سی روز و پنج روز در آخر سال افزایند و بطلمیوس در مجسطی حرکات سیاره را برین تاریخ نهاده. دو هزار و سیصد و چهل و یک سال ازو سپری شده.

تاریخ فیلپس

فیلبس و فیلقس نیز خوانند. او مشهور بسکندر ماقدونی است. آغاز از فروشدن او گرفته اند. سال و ماه شمسی اصطلاحی. ثاون اسکندرانی اصول اوساط کواکب در زیج ثاون و بطلمیوس برخی ارصاد در مجسطی برین نهاده. هزار و نهصد و هفده سال گذشته.

تاریخ قبطی

سر آغاز از پسین هنگام[2]. بتانی بر گوید سال شمسی اصطلاحی سیصد و شصت و پنج روز بی کسر. زیج سلطانی چنان سراید سال و ماه او سان رومی است و همچنان کبائس دارد لیکن کبیسهٔ قبطی بسس ماه پیشی گیرد از کبیسهٔ رومی.

تاریخ رومی

سال و ماه شمسی اصطلاحی. سیصد و شصت و پنج روز و چهار یک را بی کم و بیش یک سال بر شمارند و در ارصاد مشهور کسر زاید کمتر از ربع است. نزد بطلمیوس دوازده دقیقه و چهل و هشت ثانیه. برصد ایلخانی دقیقه همان و ثانیه سی و دو و ثالثه سی. بارصاد خطائیان دقیقه همان و سی و شش ثانیه و پنجاه و هفت ثالثه. برصد جدید گورگانی دقیقه بد انسان و سی و سه ثانیه و برصد مغربی دوازده دقیقه. برصد بتانی سیزده دقیقه و سی و شش ثانیه. محی الدین مغربی گوید ببرخی ارصاد روم آن کسر افزون از ربع است و بلختی کمتر از ربع و ازین رو بامر اوسط ربع گرفتند. و طائفه بر آنکه اهل روم آن کسر را برصد ربع تمام یافته اند. پس سال شمسی حقیقی دانند و ملا علی قوشچی بر وجه عستس نیز حقیقی برنگارد و سرآغاز این از فروشدن اسکندر ثانی ذوالقرنین است لیکن پس از دوازده سال قرار گرفت و برخی بر آنند که در سال هفتم از اورنگ نشینی او از مقدونیه که بنگاه اوست برای تسخیر ملک برآمد و این تاریخ بر نهاد و محی الدین مغربی بر آنکه عنفوان این تاریخ از

۱- در [ض د] نیست. [ه] تاریخ بخت نصر اول از عنفوان.

۲- این جمله در [ه] نیست.

اورنگ نشینی سولوقس است که انطاکیه بنا نهادهٔ اوست. جهودی[1] و سریانی این تارخ بکار بردی. گویند اسکندر فیلقوس چون از یونان بگشایش فارس میرفت [او را] بر بیت‌المقدس گذر افتاد. دانسوران یهود شام را طلب داشته فرمود تارخ موسیٰ برانداخته از زمان ما گیرند. پاسخ دادند که پیشینیان نگهداشت یک تارخ زیاده از هزار سال نکرده اند و امسال تارخ ما بهزار میرسد ، از سال آینده فرمایش کار بسته آید و چنان کردند و آن بیست و هفتم سال از عمر سکندر بود. برخی برانند که تارخ در روم عبرانی است. کوشیار در زیج جامع گوید تارخ رومی و سریانی دگرگونگی ندارد مگر نام ماهها[2] و سر سال سریانیان اول تشرین الاول. پیشتر بشماره در چهارم درجهٔ میزان بود اکنون بیاردهم[3] و نزد رومیان آن زمان اول کانون ثانی است و آن در نزدیکی بیستم درجهٔ جدی است و بتانی این تارخ را از فیلفوس پدر اسکندر ذوالقرنین گوید لیکن برای بلند نامی نام خود گردانید و اصول اوساط در زیج خود برین تارخ نهاده. هزار و نهصد و پنج سال می شود.

تارخ اغسطوس[4]

نخستین فرمان روای قیاصره است. ولادت عیسی در زمان اوست. سر آغاز از جلوس او گیرند. سال رومی و ماه قبطی. آخرین ماه را سی و پنج روز گیرند و در سال کبیسه سی و شش و ازان هزار و ششصد و بیست و سه سال سپری شده.

تارخ نصاریٰ

سرآغاز ولادت عیسی. سال سیصد و شصت و پنج روز و پنج ساعت بسان روم. پس از چهار سال در آخر ماه دوم یک روز افزایند و ابتدای شبانه روز از نیم شب گیرند و عرب آسا همه را نام بر گویند[5] و آغاز از یکشنبه کنند و سر سال برخی اول جدی گیرند و طائفه ای هشتم درجهٔ او.

تارخ انطونیس[6] رومی

از اورنگ نشینی اوست. سال رومی و ماه قبطی. بطلمیوس مواضع ثوابت را در مجسطی برین تارخ نهاده و ازو هزار و چهار صد و پنجاه و هفت سال.

تارخ قلطیانوس[7] رومی

فرمانده ترسائی است از عنفوان فرمانروائی او بر گرفته اند. سال رومی و ماه

١- [ه] جهودی. ٢- [ض د] مگر نامها.

٣- [ه] بپانزدهم. ٤- [ش] اقسطس.

٥- [ش] بر گیرند ف ٔ گیرند. ٦- [ض د] انطیوخس ؟

٧- [د] دقلطیانوس.

قطعی. هزار و ده سال گذشت.

تاریخ هجری

عرب را پیش از اسلام گوناگون تاریخ بود چون تاریخ بنای کعبه و ریاست عمر بن ربیعه (در جزیرهٔ حجاز بت پرستی ازو بنیاد شد) و تا عام الفیل این تاریخ روانی داشت. سپس سانحهٔ پیل را سر آغاز گردانیدند. هر قومی از عرب که ایشان را واقعهٔ بزرگ دست دادی آنرا سر سال بر ساختی. در زمان پیغمبر این رشته درتائی (؟) نداشت. از هنگام هجرت هر سالی را نامی نهاده بودند چنانچه آن سال را سال اذن گفتندی یعنی دستوری یافتن بر آمدن از مکه بمدینه و سال دوم را سال امر گفتندی یعنی فرمایش بآویزش ناگروندگان[۱] و چون نوبت بدوم خلیفه رسید ابو موسی اشعری حاکم یمن عرضهٔ داشت. از بارگاه والا نوشتها آمد و بماه شعبان مقید. دریافته نمیشود کدام شعبان است. خلیفه دانش پیشگان را فراهم آورد. برخی یهود تاریخ خود [را] درمیان آوردند و حکم هرمزان[۲] گفت عجم را حسابی است که ماه روز گویند و آنرا برگذارد و چون در هر دو کبیسه بود و نیروی حساب کمتر نپذیرفت و آغاز تاریخ از هجرت برگرفت و ماه بطور اینان از دیدن هلال پس از غروب تمام از نیر اعظم تا رویت دیگر و از سی روز زیاده و از بیست و نه کمتر نباشد و گاه چهار ماه بپهم سی روز شود و سه ماه بیست و نه و اهل حساب رویت را از نظر انداخته ماه قمری بر دو گونه ساخته اند حقیقی و آن از هنگام دوری ماه از وضع معین با آفتاب چون اجتماع یا استقبال یا جز آن تا باز بدان رسد و اصطلاحی. چون حرکات قمر مختلف باشد و ضبط آن دشوار و همچنان احساس سکلها پس حرکت وسطی قرار دادند و لختی کار آسان شد و آن در زیج جدید بیست و نه روز و دوازده ساعت و چهل و چهار دقیقه. ضابطه آنست هر کسری که از نصف افزاید یکی اعتبار کنند و چون زیاده از نصف بود ماه محرم سی روز گیرند و ماه دوم بیست و نه و همچنین تا آخر. پس ذی حجه بیست و نه باشد در سال غیر کبیسه و مدت سال قمری وسطی سیصد و پنجاه و چهار روز و هشت ساعت و چهل و هشت دقیقه. از شمسی اصطلاحی بده روز و بیست و یک ساعت و دوازده دقیقه کم باشد. میرزا الغ بیگ زیج جدید را برین تاریخ اساس نهاد. هزار و دو سال گذشت.

تاریخ یزدجرد

این[۳] شهریار اپرویز[۴] بن هرمز بن انوشیروان. سر آغاز آن از اورنگ آرائی جمشید.

۱- [ش] ناگرویدگان.
۲- [ض د] هرمزن.
۳- در [ش ٤] نیست.
٤- همچنین در [ہ]. [ش] پرویز [ف ا ض د ٤] بن پرویز.

پس ازو، هر فرماندهی از جلوس خود تازه ساختی و یزدجرد نیز از تخت نشینی خود نو
ارداید. سال رومی آسا لیکن آن کسر زند را فراهم آوردی تا در هر صد و بیست
سال یک ماه با نام رسمدی و آن سال را سیزده ماه گرفتی. نخست بر فروردین افزودی
و نام آن بر خواندی و دوم بار بر اردی بهشت و همچنان و چون بنام یزد جرد آن
تاریخ تازگی گرفت و کار او بنا کامی سپری شد سررشتهٔ کبیسه از دست برفت و سال
و ماه شمسی اصطلاحی. نهصد و سصت و سه سال گذشت.

تاریخ ملکی

جلالی نیز خوانند. دران زمان تاریخ فرس بکار بردی. از گسیختن رشتهٔ کبیسه
آغاز سالها دگرگون شدی. بکوشش سلطان جلال الدین ملک شاه سلجوقی عمر خیام و
برخی از دانشوران این تاریخ بر آوردند.[1] مبدأ سال از تحویل حمل قرار گرفت. سال و ماه
حقیقی لیکن امروز ماه اصطلاحی معمول. هر ماه را سی سی گیرند و در آخر اسفندارمذ
پنج یا شش روز افزایند. پانصد و شانزده سال سپری شد.

تاریخ خانی

از آغاز اورنگ نشینی غازان خان مبنی[2] بر زیج ایلخانی. سال و ماه شمسی حقیقی.
پیشتر ازین وضع دفاتر قلمرو بتاریخ هجری بود و قمری سال روائی داشت و ازین
رهگذر شگرف ستمی راه می یافت زیرا که سی و یک سال قمری سی سال شمسی
میشود و بزرگ گزندی بکشاورز رسیدی چه خواستن خراج بر سالهای قمری بود و
مدار دخل بر شمسی. آنرا بر انداخته بدین تاریخ معدلت افزود. نام ماهها همان ترکی
است با فزایش لفظ خانی. دویست و نود و سه سال گذشت.

تاریخ الهی

از دیر باز سریر آرای[3] اقبال بران بود که در آباد بوم هندوستان تازه سال و مه
بروی کار آید و دشواری بآسانی گراید. و نیز از تاریخ هجری که از ناکامی آ گهی
بخشد سرگرانی داشتند لیکن از انبوهی کوتاه بینان کار نشناس که روائی تاریخ را
ناگزیر دین پندارند شاهنشاه مدارا پژوه پیوند دلها گرامی شمرده اندیشه بیرون
نمی فرستاد. هر چند بر انصاف منشان روزگار پیدا که این نقد چار سوی معامله دانی را
با گوهر شمع تاب دین چه نسبت و این سلسلهٔ پیوندی صورت را با یکتائی رشتهٔ
حقیقت چه انباری لیکن جهان غبار[4] آمای ناشناسائی. دانندگان از دابستان گریختن

۱- [ض د] برگزیده. [ه] بر گیرند. ۲- [ض د] مبتنی است [ض ج] رای سریرآرای.
۳- [ه] غبار آمائی. ۴- [ض د] کج حرفان.

رواه از باز خواست شتر تن در زده. در نهصد و نود و دوی هلالی از فروغ خرد والا
دراع آگهی افروزش دیگر یافت و سترگ روشنائی جهانیان را فرو گرفت. سعادت
بسیجان حق‌گرای سر از بالین ناکامی برگرفتند و کج* حروفان غنوده رای به
بعولهٔ ناروائی بر نشستند. درین بسیج شاهنشاهی بروی روزگار افتاد. یادگار پیشین
حکما گزیدهٔ دودمان دانش امیر فتح الله شیرازی در انجام این کار همت بست و در زیج
جدید گورگانی اساس بر نهاد و اورنگ نشینی افسر خدیو را سر آغاز گرفت.
شکوه والای ظاهر که بگیتی خداوند کرامت شده بدین گزیده کار بسند بود خاصه که
پیشوائی جهان معنی فراهم شده باشد و برای آگهی بندگان سعادت منش بذات قدسی
نسبت دادند و نوید جاوید روائی رسانیدند. سال و ماه شمسی حقیقی شد و کبیسه از
میان در افتاد و نام ماه و روز فارسی بحال خود گذاشتند و شمارهٔ روزهای ماه از بیست
و نه تا سی و دو دانند و دو روز پسین را دروز و شب نامزد ساختند.

نام ماههای هر تاریخ در جدول بر نگاشت و آسانی افزود

تاریخ	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
تاریخ قبطی	ماهوری	ابیفی[15]	باونی[14]	ماخون[13]	فرموتی	فاذوت	ماخیر	طوبی	خواف	اثور	فاوف[12]	توته
تاریخ بطلس	مسری	ابیب	بونه	بشنس[11]	رموده	برمهات	امشیر[10]	طوبه	کیهک	اثور[9]	بابه	توت
تاریخ بخت نصر	مسری	ابیب	بونه	بشنس[11]	برموده	برمهات	امشیر[10]	طوبه	کیهک	اثور[9]	بابه	توت
تاریخ طوفان												
تاریخ جهودان	ایلول	اب[8]	تموز	سیوان[7]	ایر[6]	نیسن	آزار[5]	سفط[4]	طبث	کسلیو[3]	مرجشوان[2]	تسری
تاریخ آدم												
تاریخ احکامیان												
تاریخ ایغور	ختشابات آی	اونرنچ آی	اونزنچ آی	توقسنچ آی	سکسنچ آی	یتنچ آی	التینچ آی	بیشنچ آی	دردنچ آی	اوجنچ آی	ایکندی آی	آرام آی
ماههای خطائی	سروه	سی ابوه	شیوه	کیوه	باوه	جیوه	نووه	اووه	هروه	ساموه	زروه	جنوه
ماههای تاریخ هندی	بهاگن	ماگه	پوس	اگهن	کاتک	کنوار	بهادون	ساون	اساڑه	جیته	بیساکه	چیت

۱- همچنین در [ه ک س]. [د ع] حفابات. [اصطلاحات الفنون] چغساباط. [ض] اون ایکنج آی (یعنی ماه دوازدهم). در دیگر نسخه نقطه نیست و در هر نسخه ترتیب ماهها مختلف است.

۲- [ه ف ع] مرحسوان. [ض] مرحستوان. [د] مرحسوان.

۳- همچنین در [د]. در نسخها پسلیو.

۴- [ض د] شباط.

۵- [ف ض د] آرار.

۶- [د] ایار.

۷- [د] سیوان.

۸- [د] آب.

۹- [ض د] هاتور.

۱۰- [ض د] مشیر.

۱۱- [ض د] بشنس.

۱۲- در نسخها فارق یا فاروق یا قارق.

۱۳- [د] فاخون.

۱۴- [د] فاونی.

۱۵- در نسخها ابیقی.

تاریخ الهی	تاریخ خانی	تاریخ ملکی	تاریخ یزدجرد	تاریخ هجری	تاریخ قلطیانس	تاریخ اطونیس	تاریخ نصارا	تاریخ اسکندر رومی
فروردین ماه الهی	آرام آی خانی	فروردین ماه جلالی	فروردین ماه قدیمی	محرم	همان نامهای ماههای تاریخ بخت نصر که گذشت		شنیرو[1]	تشرین الاول
اردی بهشت ماه الهی	ایکندی آی خانی	اردی بهشت ماه جلالی	اردی بهشت ماه قدیمی	صفر			فبریرو	تشرین الاخر
خرداد ماه الهی	اوچنج آی خانی	خرداد ماه جلالی	خرداد ماه قدیمی	ربیع الاول			مارسو	کانون الاول
تیر ماه الهی	تورتنج آی خانی	تیر ماه جلالی	تیر ماه قدیمی	ربیع الاخر			ابریل	کانون الاحر
امرداد ماه الهی	بیشنج آی خانی	امرداد ماه جلالی	امرداد ماه قدیمی	جماد الاول[2]			مایو	شباط
شهریور ماه الهی	التینج آی خانی	شهریورماه جلالی	شهریورماه قدیمی	جماد الاخر[2]			شونیو	آزار
مهر ماه الهی	یتینج آی خانی	مهر ماه جلالی	مهر ماه قدیمی	رجب			شولیو	نیسان
آبان ماه الهی	سکسنج آی خانی	آبان ماه جلالی	آبان ماه قدیمی	شعبان			اگوستو	ایار
آذر ماه الهی	طوقسنج آی خانی	آذر ماه جلالی	آذر ماه قدیمی	رمضان			ستمبرو	حزیران
دی ماه الهی	اونج آی خانی	دی ماه جلالی	دی ماه قدیمی	شوال			اویتوبرو	تموز
بهمن ماه الهی	اونبرنج آی خانی	بهمن ماه جلالی	بهمن ماه قدیمی	ذی قعده			نوونبرو	آب
اسفندار مذ ماه الهی	حقسابات آی خانی	اسفندارمذ ماه جلالی	اسفندارمذ ماه قدیمی	ذی حجه			دیزنبرو	ایلول

۱- نامهای ماهها موافق زبان پرتگال است. [ض] نامهای انگلیسیه نگاشته و در نسخها شنیر و فبریر ومایور نوشته.

۲- همچنان در [ه]. [ش ف ۱] جمادی الاول. جمادی الآخر. [ض د] جمادی الاول. الثانی.

سوانح روزگار که پای بند سال و مه شده در اوراق جای گیرد عام تاریخ بر شمارند و دانندہ را مؤرخ گویند و اسفار این سناسائی هند و خطا و فرنگ و جهود و دیگر امم فراوان دارند و در احمدی کیش نخستین کسی که در حجاز بدین پرداخت محمد بن اسحق بود. پس وهب بن منبه، واقدی، اصمعی، طبری، ابو عبدالله مسلم بن قتیبه، اعثم کوفی محمد مقنع[1]، حکیم علی مسکویه، فخر الدین محمد بن ابی داؤد[2]، سلیمان بناکتی، ابوالفرج عماد الدین بن کثیر، مقدسی، ابو حنیفهٔ دینوری، محمد بن عبدالله مسعودی، ابن خلکان، یافعی، ابو نصر عتبی و در عجم فردوسی طوسی، ابوالحسن بیهقی، ابوالحسن مؤلف تاریخ خسروی، خواجه ابوالفضل بیهقی، عباس بن مصعب، احمد بن سیار، ابو اسحق[3] بزاز، محمد بلخی، ابوالقاسم کعبی ابوالحسن فارسی، صدر الدین محمد خداوند تاج المآثر، ابو عبدالله منهاج جرجانی[4] (طبقات ناصری ازوست) امیر الدین عراقی، ابوالقاسم کاشی[5] مؤلف زبده، خواجه[6] ابوالفضل مصنف کتاب خزن البلاغه[7] و فضائل الملوک، عطاء الدین جوینی برادر خواجه شمس الدین صاحب دیوان (تاریخ جهانگشا برنگاشت) احمد الله مستوفی قزوینی، قاضی نظام[8] بیضاوی، خواجه رشید طبیب، حافظ آبرو و دیگر سخن پردازان حقیقت گذار.

و نیز از دیرباز سوانح حال را بسر آغازی پیوند بخشند و بشمارهٔ سنین یکان لفظی یا مصرعی و جز آن پدید آرند و آن را نیز تاریخ گویند چنانچه در جلوس شاهنشاهی نصرت اکبر و نام نحس. یافته اند و پیشینان کم می‌پرداختند چنانچه در باب بورسینا گذارش رفته.

قطعه

حجت الحق ابو[9] علی سینا — در شجع [٣٧٣] آمد از عدم بوجود

در شصا [٣٩١] کل علم حاصل کرد — در تکز [٤٢٧] کرد این جهان پدرود

(آئین اکبری، دفتر سوم، ص ٢٦٥ تا ٢٨٠)

١- [ض د] مقنع و در دیگر نسخها مقنع بالنون و همچنین در تاریخ روضة الصفا که از مقدمهٔ آن ابوالفضل نامهای مؤرخان عرب و عجم را بترتیب نقل کرده.

٢- همچنین در هر نسخه و در اکثر کتب تواریخ ابی‌سلیمان داؤد نوشته. ٣- [ه] بزاز بمعجمتین.

٤- همچنین در هر نسخه و نیز در روضة الصفا. و در تاریخ فیروز شاهی الجوزجانی بزیادت واو. و در طبقات ناصری الجوزجانی بزای معجمه.

٥- در روضة الصفا کاشی نوشته. [ه] کاشغی.

٦- روضة الصفا: خواجه ابوالفضل عبدالله بن ابو نصر «او احمد بن علی المنکال صاحب کتاب مخزن البلاغة و فضائل الملوک و علاء الدین الملک الجوینی برادر الخ.»

٧- [ض د] بلاغه عطاء الملوک علاء الدین جوینی.»

٨- [روضة الصفا] قاضی ناصر الدین بیضاوی مصنف نظام التواریخ. [ض د] قاضی نظام الدین بیضاوی.»

٩- [د] بو. ١٠- [ض د] آن.

تألیف : ناشناس

تحقیق : دکتر آفتاب اصغر*

زیج مظفر شاهی

پیشگفتار

زیج کلمه ایست که معانی گوناگون دارد و فرهنگ نویسان قدیم و جدید آن را چندین جور معنی کرده اند مثلاً بنا بگفتهٔ ناظم الاطبا طپش قلب ، آلتی از آلات جنگ یا موزه را زیج میگویند. بعقیدهٔ صاحب فرهنگ عمید زیج بمعنی چست و چابک و آدم خوش طبع است و صاحب فرهنگ رشیدی آنرا نوعی از انگور نازک میپندارد. بعضی از فرهنگ نویسان ریسمان مخصوص بنّایان و طرح بافندگان را هم زیج میگویند. اشتینگاس[1] نیز از فرهنگ نویسان فوق الذکر تائید میکند. البته کلمهٔ زیج معنی خاصی هم دارد که در این مقدمه مورد نظر نگارنده است.

زیج که در واقع معرب زیگ است بمعنای معروفتر و رایجتر کتابی است که بکمک آن منجّمان و ستاره شناسان از احوال و حرکات افلاک و کواکب پی میبرند[2] یا علمی است که از اصول و احکام نجوم و هیئت بحث میکند[3] یا قانونی است مربوط به ستاره شناسی که توسط آن اوضاع ستارگان و سیارگان و خطوط طولی و عرضی و حرکات کواکب را معلوم میکنند[4] یا جدولی است که بوسیلهٔ آن از احوال و حرکات سیّارات معرفت سیابند[5] و مقصود ازان استخراج تقویم[6] است.

این حقیقت روشنتر از آفتاب است که مسلمانان در دورهٔ اعتلای خود نه تنها در علوم انسانی بلکه در علوم طبیعی نیز جهان و جهانیان را مدیون و مرهون احسان خود ساختند و در سایر زمینه های دانش انسانی دانشمندان جهان باستان را پست سر نداستند. ازانجمله علوم باستانی یکی علم هیئت است که هندسه و ریاضی از شاخه های

---

* استاد یار ، قسمت فارسی ، دانشگاه پنجاب ، لاهور

۱- Steingass
۲- برهان قاطع
۳- غیاث اللغات
٤- انند راج
٥- فرهنگ معین
٦- حساب روز ها و ماه ها

مهم آن بشمار میروند. هیئت دانان و ستاره شناسان مسلمان از همان ابتدا کار احداث رصد خانها و تهیهٔ زیج را که اساسی ترین کارهای مربوط به علم هیئت محسوب میشوند بی اندازه مورد علاقه و توجه قرار داشتند.

فرهنگ و تمدن درخشان اسلامی در دورهٔ عباسی (۱۳۲-۶۵۶ه) باوج اعلا رسید. در ایندوره بساط کهنهٔ فرهنگ تمام ملتهای باستانی از قبیل مصری و ایرانی و یونانی و هندوستانی و امثال آنها بر چیده و بمصداق «سخن نو آر که نو را حلاوتی است دگر» بساطی تازهٔ فرهنگی گسترانیده شد. مصری ها ، آشوری ها ، بابلی ها ، ایرانی ها ، یونانی ها و رومی ها با گذشت زمان بتدریج با از دست دادن برتری سیاسی برتری فرهنگی را نیز از دست دادند و یکی پس از دیگری برای اندک زمانی روی صحنهٔ تاریخ نقش خود را بد یا خوب بازی کردند و پشت پردهٔ ضخیم قرون و اعصار ناپدید شدند. در آخر همهٔ آنها مسلمانان با ایمان عرب که کسب دانش را جزو ایمانی می انگاشتند و توسعه دادن فرهنگ اسلامی را وظیفهٔ وجدانی میپنداشتند همزمان با برتری سیاسی زمام امور فرهنگی جهان را نیز بدست آوردند و در نتیجهٔ آن پیشوائی و امامت ملل جهان را بعهده گرفتند.

در این عصر طلائی یعنی در دورهٔ عباسی پیش از آنکه در زمینه های مختلف علم و دانش آثار مستقلی بمعرض وجود بیایند ، چنانکه در مورد ملل دیگر جهان نیز معمول و مرسوم است ، نهضت عظیم و زبردست ترجمه برپا گردید زیرا ترجمه بمنزلهٔ پلی است میان فرهنگ یک ملت و فرهنگ ملت دیگر و بهترین وسیله ایست برای بهم پیوستگی و درهم آمیختگی تمدن ملتین. در تمام ایندوره بالعموم و در دورهٔ منصور (۱۳۶-۱۵۸ه) و دورهٔ مامون (۱۹۸-۲۰۸ه) بالخصوص بسیاری از شاهکار های علمی و ادبی زبانهای عبرانی ، سریانی ، قبطی ، پهلوی یونانی ، لاتینی ، سانسکریت و امثال آنها جامهٔ عربی پوشید و در نتیجه فرهنگ عربی یا بعبارت دیگر فرهنگ اسلامی جامعتر و غنی تر گردید. در همین دوره بود که بعضی از زیجات معروف پهلوی ، سانسکریت و یونانی بعربی منتقل شدند. این نوع زیجات بترتیب عبارتند از : زیج شهریار[2] زیج سوری سدهانت[3] و زیج بطلیموس[4]. در اینجا شایستهٔ تذکر است که اول الذکر و ثانی الذکر با عهد مامون و انتشار طریقهٔ بطلیموس مدار کار بوده اند. علاوه بر این

۱- ساختمانی که از آنجا ستاره شناسان با آلات مخصوص حرکات ستارگان را مشاهده میکنند.

۲- زیک شتر و ایار. زیجی که در دورهٔ قبل از اسلام در ایران رواج داشت.

۳- زیج هندی که به امر منصور خلیفهٔ عباسی فزاری آنرا بعربی ترجمه کرد.

۴- زیج رومی یا زیج یونانی که در زمان مامون بعربی ترجمه گردید.

تراجم در ایندوره زیجهائی مستقل و اصیل مانند زیج خوارزمی[1] و زیج ممتحن[2] نیز بظهور رسیدند.

در عهد مامون الرشید و اخلافش سلسله های ملی پادشاهان مستقل و نیمه مستقل از قبیل طاهریان (۲۰۵-۲۵۹ه) ، صفاریان (۲۵۳-۲۹۰ه) ، سامانیان (۲۶۱-۳۸۹ه) و امثال آنها در ایران روی کار آمدند که تحت سرپرستی و حمایت آنها فارسی همزمان با عربی بصورت زبان دوم فرهنگی مسلمانان جهان مخصوصاً مسلمانان غیر عرب در آمد. نویسندگان و سخنوران ایرانی که با حمایت پادشاهان خود برخوردار و با احساسات ملی سرشار بودند با جنب و جوش هر چه تمامتر دست به تألیفات فارسی زدند. بالخصوص در دورهٔ سامانی که دورهٔ احیای علوم و ادبیات و فرهنگ و تمدن ایرانی بشمار میرود ، فارسی نویسان نامداری بظهور رسیدند که در اینجا مجال ذکر آنها و آثار آنها نداریم. ابو معشر بلخی[3] که در حدود چهل کتاب در علم نجوم و هیئت تألیف کرده بود علاوه بر رسایل عربی در زمینهٔ هیئت و نجوم رساله ای بفارسی نیز بنام «رساله در اتصال کواکب و قرانات» از خود بجای گذاشت.

بعد از دورهٔ سامانی مهمترین و پرمحصولترین دورهٔ پیشرفت و گسترش فرهنگ اسلامی یا فرهنگ ایرانی دورهٔ غزنوی (۳۵۱-۵۸۳) بوده است. ایندوره بر اثر حملات پیاپی سلطان محمود غزنوی و استقرار دولت غزنوی در پاکستان فعلی نه تنها سیاست بلکه علوم و ادبیات شبه قارهٔ هند و پاکستان را نیز فوق العاده تحت تأثیر قرار داد. در واقع فرهنگ هند اسلامی ضمیمهٔ فرهنگ درخشان دورهٔ غزنوی بود. در ایندوره نابغه و هیئت دانی بزرگ مانند ابو ریحان البیرونی بپا خاست و چندین کتاب ارزندهٔ عربی و فارسی در زمینهٔ هیئت و نجوم از خود بیادگار گذاشت که ازانجمله قانون مسعودی[4] ، التفهیم لاوائل صناعة التنجیم ، الاستیعاب فی صنعة الاسطرلاب ، الآثار الباقیه ، کتاب الاستخراج الاوتار فی الدائره ، تحقیق ماللهند و امثال آنها شهرت جهانی دارند. اینگونه آثار او در آثار مربوط به هیئت و نجوم که در زمانهای بعدی در جهان اسلامی بالعموم و در شبه قارهٔ هند و پاکستان بالخصوص بوجود آمدند تأثیر بسزائی گذاشتند.

۱- زیجی که محمد بن موسی خوارزمی آنرا در زمان مامون ترتیب داد.
۲- توسط یحیی بن ابی منصور بامر مامون مرتب گردید.
۳- جعفر بن محمد عمر معروف به ابو معشر از منجمان و ریاضی دانان قرن سوم هجری و صاحب «المواليد والادوار والالوف»
٤- کتابی بود در هیئت و نجوم که بیرونی آنرا باسم مسعود بن محمود غزنوی موسوم ساخت.

از میان سلاطین سلجوقی سلطان ملکشاه (۴۶۵-۴۸۵ه) و پسرش سلطان سنجر (۵۱۲-۵۵۲ه) به علم هیئت علاقهٔ وافری داشتند و در نتیجه ریاضی دانان و منجمان بزرگ مانند عمر خیام نیشاپوری ، ابوبکر محمد بن احمد مروزی ، عبدالرحمن خازنی ، ابوالعباس لوکری، ابوالحسن علی بن زید بیهقی و امثال آنها در زمان آنها بپا خاستند. هیئت دانان و منجمان این دوره دو زیج معروف بنام زیج ملکشاهی[1] و زیج سنجری[2] را به جهانیان عرضه دادند که بعدها برای آیندگان بصورت نمونه و سرمشق در آمدند.

در نتیجهٔ یورش تاتار به ایران (۶۱۶ه) در ابتدا به فرهنگ و تمدن اسلامی لطمهٔ بزرگی وارد آمد و مراکز بزرگ فرهنگی مثل بلخ و بخارا ، سمرقند و نیشاپور و مرو و امثال آنها زیر و رو شدند ولی خوشبختانه بعد ها بر اثر حلقه بگوش اسلام شدن اخلاف چنگیز و هلاکو خود آنها پاسبان فرهنگ اسلامی گردیدند و با جوش و حرارت عجیبی به نشر و توسعهٔ سنن درخشان آن کوشیدند. هلاکو خان ، نوهٔ چنگیز خان و مؤسس سلسلهٔ ایلخانیان ، علاقهٔ شدیدی به علم هیئت داشت. دانشمند و هیئت دان بزرگ دورهٔ ایلخانی ، خواجه نصیرالدین طوسی[3] بدستور هلاکو خان (۶۵۱-۶۶۳ه) رصد خانهٔ بزرگی در مراغه تأسیس نمود و زیجی بنام زیج ایلخانی تهیه کرد که مدار عمل زیج سازان ادوار بعدی قرار گرفت.

مقارن باحملهٔ چنگیز خان (۶۱۶ه) به ایران مدتی دستخوش هرج و مرج سیاسی و اجتماعی و فرهنگی ماند و در آنجا همه گونه فعالیتهای فرهنگی متوقف گردید ولی خوشبختانه چندی پیش از حملهٔ سیل آسای تاتاریان خون آشام در سال ۶۰۲ه توسط یکی از غلامان سلطان محمد غوری ، سلطنت قطب الدین ایبک ، سلطنت با شکوه و مستقل مسلمانان در شبه قارهٔ هند و پاکستان تأسیس گشت گویا آفتاب سلطه و اقتدار مسلمانان در آنسامان اول و دربن سامان طلوع کرد.

سلطنت تازه بنیاد اسلامی در شبه قارهٔ هند و پاکستان ملجا و ماوای صدها ارباب دانش و بینش و اصحاب فضل و کمال گردید. سلاطین دانش دوست و معارف پرور دهلی[4] از قبیل قطب الدین ایبک، شمس الدین التتمش، ناصر الدین محمود، غیاث الدین

۱- زیجی که بفرمان سلطان جلال الدین ملکشاه سلجوقی توسط عمر خیام و همکارانش تهیه گردید.

۲- ابو الفتح عبدالرحمن خازنی آنرا بنام سلطان سنجر بن ملکشاه سلجوقی تنظیم کرد.

۳- آثار مربوط به هیئت او عبارتند از : تحریر مجسطی ، تذکرهٔ نصیریه و سی فصل در نجوم -

۴- دورهٔ قبل از تیموریان (۶۰۲-۹۳۲ه) را دورهٔ سلطنت دهلی یا دورهٔ سلاطین دهلی←

بلبن ، علاء الدین خلجی و فیروز تغلق وغیره آنها را در ظل حمایت و پشتیبانی خود پرورانیدند و مورد تشویق و ترغیب قرار دادند.

دورهٔ سلطنت سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲-۶۰۷ھ) بقدری کوتاه بود که باوجود علاقهٔ شدید خود به نشر و ترویج فرهنگ نتوانست بطرز بایسته و شایسته به این امر خطیر پردازد.

نخستین کسی از سلاطین دهلی که به این کار همت گماشت سلطان شمس الدین التتمس (۶۰۷/۶۳۳ھ) بود. مؤلف طبقات ناصری دربارهٔ بذل و بخشش و سرپرستی او از ارباب علم و دانش چنین مینویسد :

«از اول عهد دولت و طلوع صبح مملکت در استجماع علمای با نام و سادات کرام و ملوک و امرا و صدور کبرا زیادت از هزار لک هر سال بذل فرمود ... این سهر بکثرت انعامات و شمول کرامات آن پادشاه دیندار محط رجال آفاق گشت» [۱]

مؤلف بزم مملوکیه بنقل از تاریخ فیروز شاهی تألیف ضیاء الدین برنی نوشته است که بنا به کثرت ارباب فضل و کمال دربارش شبیه به دربار محمود و سنجر بنظر میآمد[۲] بدستور او ترجمهٔ فارسی سرّ مکتوم فی مخاطبات النجوم[۳] تألیف فخرالدین رازی بعمل آمد و بنام او و پسرش سلطان رکن الدین فیروز معنون گردید.

سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۴-۶۶۴ھ) نیز مانند پدرش سلطان شمس الدین التتمش اصحاب علم و دانش را خیلی دوست داشت چنانکه فرشته میگوید :

«صلحا و علما را دوست داشتی» [۴]

یکی از علمای عهد ناصری ، محمود بن عمر ، زیجی بنام زیج ناصری تهیه کرد که بعضی از نسخ خطی آن تاکنون وجود دارد.[۵]

سلطان معروف خانوادهٔ تغلق ، سلطان فیروز تغلق ، نیز به علم هیئت خیلی

← میگویند که عبارتند از سلاطین غلامان (۶۰۲-۶۸۹ھ) ، سلاطین خلجی (۶۸۹-۷۲۰ھ) ، سلاطین تغلق (۷۲۰-۸۱۷ھ) سلاطین سادات (۸۱۷-۸۵۵ھ) و سلاطین لودهی (۸۵۵-۹۳۲ھ)

۱- رک : صباح الدین عبدالرحمن ، بزم مملوکیه ، ص ۹۴

۲- رک : ایضاً ، ص ۹۵

۳- رک : استوری ، ادبیات فارسی ، جلد مربوط به ستاره شناسی ، ص ۵۰

۴- رک : محمد قاسم فرشته ، تاریخ فرشته ، ج ۱ ، ص ۷۱

۵- برای کسب اطلاع دربارهٔ نسخ خطی آن رک : استوری ، ص ۵۲

علاقه مند بود. بنا بخواهش او عبدالعزیز بن شمس یکی از زیجات معروف سانسکریت بنام براهی سنگیتا[1] یا زیج برامهر را بفارسی ترجمه کرد.[2]

از میان پادشاهان محلی شبه قاره که پیش از تأسیس سلطنت تیموری در نواحی مختلف کوس استقلال میزدند، بعضی ها به علم هیئت علاقه داشتند مثلاً کتابی بنام زیج انتخابی یا رساله در استخراج تقویم از زیج منتخب به محمود شاه خلجی، پادشاه مالوه، منسوب است. بنا بگفتهٔ ریو پادشاه مذکور در فوق شرحی بر زیج ایلخانی تألیف نصیر الدین طوسی نوشته بود.[3]

با روی کار آمدن ظهیر الدین تیموری[4] در سال ۹۳۲ھ درخشانترین دورهٔ تاریخ هند اسلامی آغاز گردید. سلسلهٔ تیموریان هند و پاکستان (۹۳۲ھ/۱۲۷۴) در واقع دنبالهٔ سلسلهٔ تیموریان ایران (۷۷۱-۹۱۱ھ) بود و فرهنگ ایندوره مقام و مرتبهٔ ضمیمهٔ فرهنگ آندوره را داشت.

اغلب پادشاهان ایندوره علاقه به هیئت و نجوم را از الغ بیگ[5] بارث گرفته بودند. علاوه بر الغ بیگ بسیاری دیگر از اسلاف بابر مانند ابراهیم سلطان[6]، سکندر ابن عمر شیخ[7]، معز الدین بن الغ بیگ[8]، ابوالقاسم بابر[9] و سلطان ابو سعید[10] نیز به

۱- Barahi Sanghita

۲- رک: استوری، ص ۳۸ ۳- ایضاً، ص ۷۱

۴- نسب بابر از پنج واسطه به امیر تیمور میرسید.

۵- نوهٔ امیر تیمور و یکی از اسلاف بابر که در سمرقند بنای رصد خانه نهاد و با ترمیم و اضافه در زیج ایلخانی، زیج جدید سلطانی یا زیج گورکانی یا زیج خاقانی را تنظیم نمود. این زیج برای هیئت دانان و منجمان ایران و شبه قارهٔ هند و پاکستان بصورت نمونه و سرمشق در آمد.

۶- اثر مربوط به ستاره شناسی بنام «تحفة السلطان فی اسباب العرفان» بنام ابراهیم سلطان بن شاهرخ بن امیر تیمور معنون گردید.

۷- غیاث الدین جمشید کاشانی کتابی بنام «مختصر در علم هیئت» در پیشگاه سکندر بن عمر شیخ بن امیر تیمور تقدیم کرد.

۸- حسین بن الحسین خوارزمی رساله ای بنام «نزهت الملوک فی هیئت الافلاک» برای معز الدین بن الغ بیگ نوشت.

۹- رکن الدین آملی برای ابوالقاسم بابر بن شاهرخ کتابی در هیئت بنام «پنجاه باب سلطانی» نوشت.

۱۰- شمس الدین محمد زعی بعنوان زیج شمس المنجم یا شرح زیج ایلخانی به سلطان ابو سعید تقدیم کرد.

هیئت و نجوم خیلی علاقه داشتند.

مؤسس سلسله تیموریان هند و پاکستان، ظهیر الدین بابر (۹۳۲-۹۳۷ه)، اگر اجل مهلتش میداد، ممکن بود رصد خانه ای تأسیس مینمود یا زیجی درست میکرد ولی متأسفانه آنطوریکه باید و شاید بر اوضاع مسلط هم نشده بود که رخت از جهان بر بست البته علاقهٔ او به هیئت از اقتباس زیر خاطرات او کاملاً مشهود است:

«غالباً سمت قبلهٔ این مسجد را بطریق منجمین عمل کرده اند. عمارت عالی دیگر در دامنهٔ پشتهٔ کوهک رصد است که آلت زیج نوشتن است. سه آشیانه است. الغ بیگ میرزا با این رصد زیج گورکانی را نوشته که حال این زیج معمول است و بزیج دیگر عمل کم کنند. ازین پیش زیج ایلخانی معمول بود که خواجه نصیر الدین در زمان هلاکو خان در مراغه نیز رصد بسته بود. غالباً در عالم هفت هشت رصد بیش بسته نشد. ازانجمله مامون خلیفه یک رصد بسته بود که زیج مامونی بر آن نوشته اند. یکی بطلیموس هم رصد بسته. یکی در هندوستان در زمان بکرماجیت هندو دراجین و دهار که از ملک مالوه است و حالا مندو مشهور است رصد ساخته بودند که حالا معمول هندوان آن زیج است. از بستن این یک هزار پانصد و هشتاد و چهار سال است. این زیج نظر بزیجهای دیگر ناقص تر است».[1]

نصیر الدین همایون (۹۳۷-۹٤۷، ۹٦۲-۹٦۳ه) که سر آمد هیئت دانان روزگار بود بواسطهٔ ذوق و علاقهٔ فوق العادهٔ خود به هیئت و نجوم حتی سلطان الغ بیگ را هم تحت الشعاع قرار داد. او در این علم بقدری ممارست ورزید که بدرجهٔ استادی رسید چنانکه صاحب مآثر الامرأ در ضمن صحبت دربارهٔ مولانا نورالدین ترخان نوری به این امر اشاره مینماید:

«گاهی بادشاه ازو استفادهٔ علوم میکرد و گاهی او علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب همایونی که درین فن مهارت تمام داشت استفاضه مینمود»[2]

همینطور عبدالقادر بدایونی[3]، نظام الدین هروی[4] و ابوالفضل[5] هیئت دوستی و ستاره شناسی او را بسیار ستوده اند، علاقهٔ او به این علم بحدی رسیده بود که حتی

۱- اقتباس از بابر نامه (چاپ بمبئی)، ص ۳۱

۲- رک: صمصام الدوله شاهنواز، مآثر الامرأ، ج ۱، ص ٤۷۸.

۳- رک: عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، ج ۱، ص ٤٦۷.

٤- خواجه نظام هروی، طبقات اکبری، ج ۲، ص ۱۸٤.

۵- ابوالفضل علامی، اکبر نامه، ج ۲، ص ۲۲۱.

در زمان نابسامانی و سرگردانی نیز آنی از استادان هیئت دان خود یعنی از علامه الیاس اردبیلی و شیخ ابوالقاسم جرجانی جدا نمیشد و در حال آوارگی نیز از آنها درس هیئت میگرفت و هر وقت به شهری تازه میرفت دنبال آلات هیئت میگشت[1]. اصطرلاب مخصوصی نیز اختراع نموده بود که بنام «اصطرلاب همایونی» بود[2]. مثل اینکه زندگی خود را وقف هیئت دانی و ستاره شناسی ساخته بود. بالاخره جان خود را نیز فدای خدمت به این علم کرد و بر اثر سقوط از بالای رصد خانه جانش را به جان آفرین سپرد. در دورهٔ همایونی بعلت علاقهٔ فوق العادهٔ همایون آثار متعددی در زمینهٔ هیئت و نجوم بوجود آمد که معروفترین آنها شرح رسالهٔ قوشجی از مصلح الدین لاری است[3].

جلال الدین اکبر (۹۶۳-۱۰۱۴ ه) مانند پدرش همایون هیئت دان که نبود ولی با هیئت علاقهٔ زیادی داشت. در زمان او منجم و هیئت دان بزرگی مثل میر فتح الله شیرازی بنا بخواهش او زیج جدید تهیه کرد و سال الهی اکبر شاهی نیز اختراع نمود بعلاوه بفرمان او یکی از آثار معتبر نجوم بنام تاجک توسط مکمل خان گجراتی سانسکریت به فارسی[4] و زیج میرزائی توسط میر فتح الله شیرازی و بعضی دیگر دانشمندان هندو و مسلمان از فارسی به سانسکریت ترجمه گردید[5]

نورالدین جهانگیر (۱۰۱۴-۱۰۳۷ ه) به هیئت و نجوم بقدری علاقه مند بود که در امور مختلف همیشه به اهل تنجیم متوسل میشد چنانکه از بعضی از بیانات زیر ا پیداست :

«درین سال که ابتدای شانزدهم سال قمری بود از سن فرزند خرم جوتگیان منجمان بعرض رسانیدند که فی الجمله گرانی طالع در سال مذکور واقع است مزاجش نیز از اعتدال منحرف گشته بود»[6]

«جوتک رای منجم که در مهارت فن نجوم از پیش قدمان این طائفه است . . . بمن عرض کرده بود که از زائچهٔ طالع شاهزاده چنین استخراج شده که تا سه چار ماه در ایشان گران است . . . چون مکرر احکام او بصحت پیوسته

۱- صباح الدین عبدالرحمن ، بزم تیموریه ، ص ۴۸.
۲- ایضاً ، ص ۴۹.
۳- نسخه ای ازان در کتابخانهٔ دانشگاه پنجاب لاهور موجود است.
۴- رک : بزم تیموریه ، ص ۶۵.
۵- رک : ابوالفضل علامی ، آئین اکبری ، ص ۸۶.
۶- نور الدین جهانگیر ، توزک جهانگیری ، ص ۵۶.

. . . یک چشم ازان نونهال چمن اقبال غافل نبودم»[1]

از بعضی از سکه های او نیز علاقهٔ او به علم هیئت و نجوم مشهود است که دارای نقشهای بروج دوازده گانهٔ فلک میباشند[2].

شهاب الدین شاهجهان (۱۰۳۷-۱۰۶۷ه) نیز تشویق و حمایت زیاد از هیئت دانان زمان بعمل آورد. بدستور او ، منجم دربار او ، فریدالدین مسعود بن ابراهیم دهلوی ، زیج شاهجهانی[3] یا کارنامهٔ صاحبقران ثانی را تهیه کرد و تاریخی تازه بنام تاریخ الهی شاهجهانی نیز اختراع نمود. علاوه بر تقاویم و زیجات اهل تنجیم ایندوره تحت سرپرستی یا برای جلب رضایت او آثار زیادی عرضه دادند که شاهد صادق علاقهٔ او به این علم میباشند. معروفترین اینگونه آثار ایندوره عبارتند از: سراج الاستخراج تألیف فرید دهلوی ، مجمع الفضائل تألیف محمد فاضل و سبع سماوات تألیف شیخ فتح الله فتحی و ترجمهٔ صور الکواکب لطف الله مهندس.

محی الدین اورنگ زیب (۱۰۶۷-۱۱۱۸ه) اگرچه بیشتر به نویسندگان آثار دینی و فقهی مانند فتاوای عالمگیری را مورد تشویق قرار میداد باوجود آن در عهد سلطنت او نیز بعضی از آثار مربوط به علم هیئت و نجوم از قبیل عقول عشره تألیف محمد ابراری امّی[4] و تقویم لطفی تألیف لطف الله مهندس بظهور رسید.

در دورهٔ انحطاط تیموریان هند و پاکستان (۱۱۱۸-۱۲۷٤ه) نیز اغلب پادشاهان به هیئت و نجوم علاقه داشتند ولی علاقهٔ محمد شاه (۱۱۳۰-۱۱٦۰ه) از همه بیشتر بود. بدستور او راجه جی سنگ[5] تحت نظارت خیرالله مهندس در شهرهائی مثل دهلی ، متهرا ، اجین و بنارس رصد خانه ها احداث نمود و زیجی جدید با ترمیم و اضافه بر اساس زیج الغ بیگ یا زیج خاقانی یا زیج گورکانی بنام زیج محمد شاهی تهیه نمود. بعلاوه در ایندوره آثار قابل ملاحظه ای راجع به ستاره شناسی برشتهٔ تحریر درآمدند که معروفترین آنها عبارتند از: تحریر التحریر ، شرح زیج محمد شاهی ، السبع الثوابت.

۱- رک : نور الدین جهانگیر ، توزک جهانگیری ، ص ۳۰۷.

۲- رک : ایضاً ، ص ۲۲۹.

۳- فرید دهلوی در سال ۱۰٤۰ه بدستور شاهجهان این زیج را بر اساس زیج الغ بیگ تنظیم نمود.

٤- رک : ڈاکٹر نور الحسن انصاری ، فارسی ادب بعهد اورنگ زیب ، ص ۱٤٥.

٥- راجه جی سنگ که از امرای نامدار بود بدستور محمد شاه تیموری با استفاده از زیجهای موجود زیجی تازه اختراع نمود. (برای اطلاعات بیشتر دربارهٔ او رک : مآثر الامرأ ، ج ۲ ، ص ۸۱)

غیر از آثار مذکور در فوق در ادوار مختلف در اطراف و اکناف شبه قاره زیجات و تقاویم و آثار مربوط به هیئت و نجوم بتعداد زیادی نوشته شده است که برای تکمیل فایده در زیر فقط به ذکر اسامی بعضی از آنها اکتفا میشود. این قبیل آثار متفرق عبارتند از :

هدایت النجوم منسوب به نصیرالدین حیدر[1] ، زیج رصد السیار ، رساله در اسطرلاب تألیف عبدالرحیم فخری[2] ، زیج میر عالمی ، زیج اشکی ، زیج بهادر خانی ، انیس الاحباب فی بیان مسائل اسطرلاب : اصطلاحات التقویم ، زیج نظامی ، تسهیل زیج محمد شاهی ، زیج محمد شاهی ، حاشیه در شرح بیست باب در معرفت اسطرلاب ، رساله در هیئت تألیف علی حزین لاهیجی ، انوارالنجوم ، زبر جد.[3]

در شبه قارهٔ هند و پاکستان در دورهٔ اسلامی (۶۰۲-۱۲۷۴ھ) بدون اغراق صدها کتاب راجع به علم هیئت و ستاره شناسی و تقویم و زیج و آلات مربوط بد ملکیات برشتهٔ نگارش در آمده وکتابخانه های شخصی و دولتی این سامان مشحون وملو از نسخ خطی این قبیل آثار اند. در فوق بمصداق «مشتی از خروار و اندکی از بسیار» فقط به ذکر بعضی از آنها اکتفا شده است.

یکی از هزاران هزار اینگونه نسخ خطی فارسی نسخهٔ منحصر بفرد[4] «زیج مظفرشاهی» است که در صفحات آینده بمناسبت آغاز قرن پانزدهم هجری قمری متن آن اولین بار با تسبیح و تصحیح و تحشیه بفرمائش دانشمند ارجمند سردبیر دانش پژوه و مجلهٔ تحقیق چاپ و منتشر میگردد.

این نسخه جزوی از مجموعه ای از نسخ خطی است که در کلکسیون شیرانی کتابخانهٔ دانشگاه پنجاب لاهور تحت شماره ۱/۶۲۶۱ وجود دارد و شامل اوراق ۱۵ الی ۴۱ الی میباشد. فاقد نام کاتب است البته باحتمال قوی نام کاتب آن گل محمد است که نسخهٔ بعدی این مجموعه را استنساخ نموده است. خیلی مغلوط و مغشوش است و از غلطهای املائی که بتعداد زیادی دارد پیداست که کاتبش آدم کم سوادی بوده است. اندازهٔ آن ۲۲ × ۱۲ سم و هر صفحهٔ آن دارای ۱۵ سطر بخط نستعلیق عادی میباشد.

۱- پادشاه اوده

۲- به ابراهیم عادل شاه ، یکی از پادشاهان هند جنوبی ، تقدیم شد.

۳- برای سلطان تیپو نوشته شد.

۴- هر گونه سعی بعمل آورده شده است که نسخهٔ دیگری ازان بدست بیاید ولی در فهرستهای معروف از قبیل استوری ، اته ، ریو و امثال آنها سراغی ازان بدست نیامده است.

سر لوحه اش منقش و مزین با نقش و نگار است و عناوین آن با جوهر قرمز نوشته شده است. نسخهٔ کاملی است و خوشبختانه اول و آخر این کهنه کتاب افتاده نیست. ترقیمهٔ آن سال کتابت ندارد ولی از جنس کاغذ و طرز املا و روش خط برمیآید که متعلق به قرن سیزدهم هجری است.

مصنف آن در هیچ جای تصنیف خود از خود اسم نبرده است بنا برین نمیتوان چیزی با قطع و یقین دربارهٔ وی گفت. فقط آنچه که میتوان درباره اش اذعان نمود اینست که او با سلطان مظفر شاه معاصر بود زیرا او خودش در مقدمه در اینمورد اشاره نموده است :

«در عهد سلطان المظفر شاه منجمان و حکمأ هند این زیج را از هجرت رسول صلی الله علیه وسلم تارخ بستند»[۱]

بعقیدهٔ مرتب فهرست مخطوطات شیرانی منظورش از سلطان المظفر شاه احتمالاً سلطان مظفر شاه گجراتی است چنانکه در مورد زمان تألیف آن نوشته است :

«در زمان سلطان مظفر شاه (۹۱۷-۹۳۲هـ) که شاید حاکم گجرات بوده»[۲]

بنده هم دربارهٔ معاصر بودن مؤلف با سلطان مظفر گجراتی بنا بدلائلی که دارم با مشارٌ الیه موافق هستم. البته در اینجا باید اضافه کنم که از میان سلاطین محلی گجرات سه نفر باسم مظفر شاه موسوم بوده اندکه عبارتند از :

۱- وجیه الملک مظفر شاه اول (۸۱٤-۸۹٤هـ)

۲- مظفر شاه دوم بن محمود شاه بیکره (۹۱۷-۹۳۲هـ)

۳- مظفر شاه سوم بن احمد شاه دوم (۹٦۸-۱۰۰۰هـ)

بظن قرین بیقین منظور مؤلف کتاب حاضر از سلطان المظفر شاه ، سلطان مظفر شاه دوم است که خیلی دانش دوست و چندی پیش از فتح ظهیرالدین بابر بر سلطان ابراهیم لودهی در جنگ پانی پت در سال ۹۳۲ هجری فوت کرده بود چنانکه بابر در خاطرات خود درباره اش اشاره نموده است.

«در گجرات سلطان مظفر بود. چند روزی پیشتر از فتح ابراهیم از عالم نقل کرد. بسیار متشرع پادشاهی بود. طالب علمی هم داشت. حدیث مطالعه میکرد و دایم مصحف کتابت میکرد»[۳]

۱- رک به : مقدمهٔ زیج مظفر شاهی ، ص ۱

۲- رک : دکتر محمد بشیر حسین ، فهرست مخطوطات شیرانی ، ج ۳ ، ص ۵۲۸

۳- رک : ظهیرالدین بابر ، بابر نامه ، چاپ بمبائی ، ص ۱۸۹

ابو تراب ولی درباره اش چنین نوشته است :

«زمانی که فردوس مکانی بابر بادشاه با سلطان ابراهیم ولد سلطان سکندر جنگ کرد و فتح هند نمود شش ماه پیشتر از آن در همان سال خدایگان رحیم سلطان مظفر پدر سلطان بهادر رحلت نمود»[۱]

عبدالله محمد بن عمر المکی در تاریخ گجرات خود که بزبان عربی است دربارهٔ سال جلوسش نوشته است :

«جلس ابوالنصر مظفر شاه بن محمود علی سریر السلطنه فی الساعه الثالثه من لیله الثنا لیله من شهور رمضان سنه سبع عشر و تسعمائه و فی یوم الجمعه»[۲]

مؤلف زیج مظفر شاهی در خلال اوراق و سطور آن این اسم را نیاورده است لکه بعقیدهٔ راقم این سطور محقق ارجمند و گرانمایه و دانشمند بلند پایهٔ شبه قاره و صاحب اصلی این نسخه ، حافظ محمود شیرانی ، با در نظر داشتن موضوع و شاه معاصر مؤلف ا را باسم زیج مظفر شاهی موسوم ساخته و تهیه کنندهٔ فهرست مخطوطات شیرانی نیز این اسم را قبول داشته است. بنده هم اسم معروفتر و بهتر آن را قبول دارم ولی در اینجا نباید نا گفته نماند که اسم واقعی و اصلی این زیج «الشمس والقمر» است که صراحةً در ترقیمه بصورت «کار تمام شد الشمس والقمر» یعنی کار الشمس والقمر تمام شد ، آمده است چنانکه رسمی مرسوم و عادتی معمول آنزمان بوده است.

تا آنجائیکه تاریخ تألیف آن تعلق دارد نه یاد داشتی از علامه شیرانی در دست است و نه اطلاعی از فهرست مخطوطات شیرانی بدست میرسد. بنده یقین دارم که آیهٔ مبارکهٔ الشمس والقمر بحسبان[۳] (شمس و قمر بحسابند) که کلمات معنی بخش و قابل توجه «باید دانستن» بآن اضافه شده و هم در دیباچه و هم در ترقیمه آمده است تاریخ تألیف این زیج را در بردارد که از روی حساب جمل ۹۳۱ھ یعنی یکسال یا چند ماه قبل از وفات سلطان مظفر شاه دوم (۹۳۲ھ) میباشد. ناگفته نماند که در متن اصلی بجای «بحسبان» کلمهٔ «مسخرات» آمده است. معلوم است که این سهو کاتب است که کلمه ای از آیهٔ سورهٔ اعراف[۴] را با آیهٔ سورهٔ رحمن قاطی کرده است.

برای اینکه این نسخه ، تا آنجائیکه نگارنده اطلاع دارد ، منحصر بفرد بوده و نسخهٔ بدل آن در دست نبوده است ، در صفحات آینده ازان تصحیح قیاسی بعمل آورده

۱- رک : شاه ابو تراب ولی ، تاریخ گجرات ، ص ۲

۲- رک : عبدالله محمد بن عمر المکی ، تاریخ گجرات ، ص ۹۷

۳- سورهٔ رحمن ، آیه : ۵

٤- والشمس والقمر و النجوم مسخرات بامره.

شده است. لغات و عبارات درست در متن و غلط در حاشیه آمده است. معنی و مفهوم اصطلاحات و تعبیرات مربوط به هیئت و نجوم که بزبان هندی بوده ، بزبان انگلیسی و فارسی ، در پاورق داده شده است. مختصر این که باوجود محدودیتهای نگارنده یعنی کم اطلاعی از علم هیئت و زبان هندی ، حد اکثر سعی بعمل آورده است که متن تنقیح و تصحیح شدهٔ آن برای خوانندگان بیش از بیش قابل استفاده باشد.

باوجودیکه یقین دارم این خدمت حقیر فرهنگی بانظار دانشمندان هیئت دان و هندی خوان نقائص بسیار دارد ، چون با صمیمیت تمام و حسن نیت انجام گرفته است بمصداق «چیزی بودن از نبودن بهتر است» باین امیدکه روزی دانشمندی با اطلاع تر وکنجکاو تر این کار ناقص را کامل میگرداند، در حالیکه قرن چهاردهم نزدیک است بپایان برسد ، این رساله را بعنوان هدیهٔ ناقابلی با نهایت صدق دل به علاقه مندان این موضوع و دانشجویان قرن پانزدهم تقدیم میکنم.

در پایان وظیفهٔ وجدانی خود میدانم که از استاد بزرگوارم ، جناب پروفسور دکتر وحید قریشی ، سردبیر مجلهٔ تحقیق و رئیس فاکولتهٔ علوم اسلامی و خاور شناسی دانشگاه پنجاب لاهور که راهنمائی و تشویق و ترغیب مداوم و خالصانهٔ ایشان باعث انجام این کار دشوار شد و نیز از دوست مهربان و هیئت دان و استاد هندی ، جناب دکتر خواجه محمد زکریا که در حل بسیاری از مشکلات فنی با کمال خوشخوئی و گشاده روئی بمن معاونت و معاضدت نمودند ، صمیمانه تشکر نمایم.

آفتاب اصغر

یکم ماه رمضان المبارک سال ۱٤۰۰ هجری قمری

زیج مظفر شاهی

حمد بیحد و ثنای بیعد مر حکیمی را که یؤتی الحکمة من یشا[۱] کلام قدرت اوست و قادری که نه فلک بی ستون معلق بقدرت خود داشت و صانعی که قندیل تزئین[۲] در سلسلهٔ صنع خود آویخت[۳] و کمال کواکب بیاراست[٤] و لقد زینا[٥] السما الدنیا بمصابیح بر مثبت کواکب[٦] قوله تعالی الشمس والقمر بحسبان[۷] بیافرید آفتاب و مهتاب و برجها و منزلهای معلوم بمقدار معین بر ایشان اوقات و ساعات و ایام و هفته و ماه و سال (تا) بشناسند و در ایشان منافع بسیار است. آفتاب چراغ روز است و اگر آفتاب[۸] نبودی هیچ میوه رنگ نگرفتی[۹] و اگر مشتری نبودی هیچ میوه را مزه نشدی. اصل آنکه آفتاب را صباغ[۱۰] گردانیدم و مهتاب را رنگرز (؟) شما گردانیدم و باد را مشاطهٔ شما ساختم تا نعمت مرا شکر گویید[۱۱] (و) رفع حاجات [؟] خویش[۱۲] کنید در معرفت حکمت جل جلاله و عم نواله.

و در عهد سلطان المظفر شاه منجمان[۱۳] (و) حکماً هند[۱٤] این زیج را از هجرت رسول صلی الله علیه وسلم تاریخ بسنند (و) بده باب تمام کردند :

باب اول : در ابتداء زیج[۱٥]
باب دوم : شمس
باب سیوم : قمر
باب چهارم : مریخ
باب پنجم : عطارد
باب ششم : مشتری
باب هفتم : زهره
باب هشتم : زحل

۱- تونیی الحکمه من تشا
۲- تترین
۳- او بخت
٤- بسیار امست
٥- رتنا
٦- اکواکب
۷- بحسبان
۸- اساب
۹- انک کمرفت
۱۰- طاخ
۱۱- کوئند
۱۲- ونش
۱۳- منجان
۱٤- هند حکما
۱٥- ویح

باب نهم : رأس ذنب[1]
باب دهم : تفاربق[2]

باب اول : در ابتداء زیج

اول از سنه هجرت رسول صلی الله علیه وسلم بگیرد که چند سال است. از جمع آن پانصد و ده ۵۱۰ سال نقصان کند. هر چه باقی ماند ابتداء در زیج[3] ممنون باشد. آن رقم را با یکهزار و هفت ۱۰۰۷ ضرب کند. بعده سیصد و چهل و نه دیگر ضم کند و بعد هشتصد طرح کند و آنچه باقی باشد او را نوشته بدارد که یادگار است و آن[4] یافت مذکور را هفت گان طرح کند. هر چه باقی ماند درمیان باقی شس دیگر ضم کند و اگر (از) طرح دادن هیچ[5] نماند بعده، شش دیگر ضم کند و اگر از شش ضم کردن از هفت زیاده باشد هفت را باز نقصان کند. هر چه باقی ماند همون نوروز شود. اگر یک ماند یکشنبه و اگر دو ماند دو شنبه و اگر سه ماند سه شنبه. تا هفت روز [۳] همون طور حساب کند نوروز یافته شود و از طرح هشتصد که باقیمانده است آنرا درمیان هشتصد نقصان کند تا رقم سده[6] شده یابد و باین سده تمامی‌شمار است.

باب دوم : شمس[7]

فصل اول : چون دهروۀ[8] آفتاب بخواهد که آفتاب رقم بندد و سورج[9] اودی[10] دهوه کند آن سده[11] که هست او را نویسد و با یک صد و هشت طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری[12] است و آنچه باقی مانده است او را باشصت ضرب داده و باز یک صد و هشت طرح کند. هر چه یابد آن پل[13] باشد و این گهری و پل را نوشته بدارد[14] و نام این سورج اودی دهواست[15]. باین تمام کار است.
فصل دوم : هر وقت که سورج نوشته کنند و دهرده را ضم کنند تا سته[16] مقدار

۱- ذنب
۲- تفاربخ
۳- دریج
۴- وهان
۵- لیج
۶- سلوه
۷- باب الشمس
۸- Pole : قطب ، مدار
۹- خورشید یا شمس
۱۰- Purple : ارغوانی
۱۱- Siddah : بدست آمده
۱۲- مقیاس زمان ، یک جزء از ۲۴ جزء شبانروز که عبارت از شش ساعت است
۱۳- یک شصتم گهری
۱۴- نوشت بدارد
۱۵- دائره
۱۶- Satta ، مجموع

اندرون برج بگیرد و برجی که حال باشد اندرون نیز آن[1] مقدار که روز گذشته باشد آن روز بگیرد. برجها را نیز روز کرده بگیرد. بعده یکجا کند و اگر از حمل دن گنی[2] شمارد یک عدد ضم کند و اگر از ثور شمارد دو عدد ضم کند و اگر از جوزا شمارد سه عدد ضم کند و اگر از سرطان شمارد چهار عدد ضم کند و اگر از اسد شمارد پنج (عدد) ضم کند و اگر از جدی شمارد پنج عدد ضم کند و اگر از دلو شمارد پنج عدد ضم کند و اگر از حوت شمارد [ع] پنج عدد ضم کند. بعده همه را جمع کند و شش است[3] است. پس دو برج را یک دب[4] است و اگر دو برج را شمار کند یک را نقصان کند و اگر هشت برج را شمار کند چهار را نقصان کند و اگر ده برج را شمار کند پنج عدد نقصان کند و اگر دوازده برج را شمار کند شش را نقصان کند بعده بشمارد. بهرام روز[5] را که دن گنی کرده باشند درست آید و اگر درست نیاید طور دیگر هم است. بدین نوع[6] در حمل پنج ضم بکند و به[7] ثور دو عدد و به جوزا سه عدد ضم کند و سرطان پنج عدد و باسد هفت عدد و به سنبله نه عدد ضم کند و از میزان تاحوت ده عدد ضم کند که درست شمار دن گنی کرده آید و بعده با هفت طرح کند. اگر یک ماند روز یک شنبه و اگر دو ماند دو شنبه و اگر سه ماند سه شنبه و همین طور اگر شش ماند جمعه و اگر هفت ماند شنبه و از نوروز روز نارائن[8] شمار کند بعده درست آید.

فصل سوم: چون خواهد که بداند تحویل آفتاب در کدام برج است و چند درجه و دقیقه و چند ثانیه منقطع کرده است سبست کند[9] یعنی صحیح کند. هر کدام روز دن گنی شمار کند. بعده دن گنی را با هفت ضرب کند. هر چه جمع شود آن همه روز شوند. درمیان این روز [د] دهوا آفتاب ضم کند و سه گهری و بیست و سه پل ایسانراست. این پل را هم درمیان پل ها ضم کند مدهم[10] شود. بعده این مدهم را دو جا بنویسد. یکی را با یک صد طرح کند. هر چه که یابد آن[11] درجهٔ گذشته باشد. باقی درجهٔ حال باشد. اگر یک صد یابد یک درجه و اگر دو صد یابد دو درجه و اگر سه صد یابد سه درجه. همین قیاس همه را بداند. درجهٔ گذشته را درمیان درجهٔ حال نقصان کند. هر چه که اضافه باشد باین صد باقی ضرب کند[12] یا کهند[13] اول از روز.

۱- اندیران
۲- روز شماری
۳- Ast: غروب خورسید یا ستاره ای.
۴- رب
۵- بهرام روز، روز ستارهٔ مریخ
۶- بد این نوع
۷- از
۸- خدای خدایان
۹- شبسته کند
۱۰- Maddham: میانجی، متوسط
۱۱- بائدان
۱۲- چرب کند
۱۳- تفریق، منها

هم گهری و هم پل یابد. بعده، یک صد طرح کند. هر چه که اول یابد این یافت را دومی جا ضم کند تنبه شود. کهندهٔ[1] سی و شش[2] منزلها اینست :

٢ ٥، ٣ ٩، ٤ ١٢، ٥ ١٤، ٦ ١٦، ٧ ١٧، ٨ ١٩، ٩ ٢١، ١٠ ٢٤
١١ ٢٧، ١٢ ٣١، ١٣ ٣٦، ١٤ ٤٣، ١٥ ٤٩، ١٦ ٥٧، ١٧ ٦٥، ١٨ ٧٥،
١٩ ٨٤، ٢٠ ٩٤، ٢١ ١٠٣، ٢٢ ١١٢، ٢٣ ١٢١، ٢٤ ١٢٨، ٢٥ ١٣٥،
٢٦ ١٤١، ٢٧ ١٤٥، ٢٨ صفر، ٢٩ ١، ٣٠ ١، ٣١ ١، ٣٢ ١، ٣٣ ١،
٣٤ ١، ٣٥ ١، ٣٦ ٢

فصل چهارم : [٦] دریافتن تحویل آفتاب که چند برج و چند درجه و دقیقه و ثانیه منقطع کرده این است: سورج سپشمه یعنی مکمل آفتاب نویسد و با دو صد و بیست و پنج طرح کند برج یابد و باقی را با سی ضرب کند باز با دو صد و بیست و پنج طرح کند. باقی هر چه بدان درجها یابد (آن را) با شصت ضرب کند و با دو صد و بیست و پنج طرح کند دقیقه یابد.

فصل پنجم : چون بخواهد بداند که آفتاب در کدام منازل است مکمل آفتاب را عدد بنویسد و با یک صد طرح کند و هر مقدار که صد ها یابد منازل گذشته یابد و هر چه که باقی ماند آن منازل حال باشد.

فصل ششم : چون بخواهد که سورج در نکهتر[3] پیستر کی خواهد آمد چنان کند که آن باقی (که) از طرح یکصد مانده باشد آنرا درمیان یکصد و ؟ نقصان کند. هر چه از نقصان کردن باقی ماند آنرا پل کند که از ضرب سصت پرمیس[4] پل باشد. بان نیز[5] هم بندد و هر چه که جمع شود نوسته بدارد و بعده، سورج را بهکت[6] که شصت است آنرا با شصت ضرب کند[7]. چهار صد و بیست شود. هر چه باقی از صد ماند آنرا نیز پل کرده با چهار صد و بیست طرح کند که هر چه اول یابد آن روز می شود[8] و باقی را باز [٧] با شصت ضرب کند و باز با چهار صد و بیست طرح کند. هر چه یابد گهری باشد و باز با شصت ضرب کند و با چهار صد و بیست طرح کند. هر چه که یابد آن پل شود. بعده، بداند که اینقدر روز و اینقدر گهری و پل گذشته آفتاب در نچهتر[9] دیگر خواهد رفت.

فصل هفتم : جون بخواهد (بداند که از) انتقال آفتاب چند روز گذشته است آن

۱- تفصیل
۲- بیست و شش
۳- Nakhatr : نکهتر، منزل.
٤- ؟
٥- ؟
٦- سیر آفتاب
۷- ضرب شصت کند
۸- روزی شود
۹- منزل

باقی (را) که از طرح یک صد مانده است درمیان یک صد مذکور نقصان کرده[1] همون را پل کند از ضرب شصت و اگر پرمیش[2] پل باشد نیز ضم کند. بعده‌ٔ با چهار صد و بیست طرح کند. هر چه که اول یابد همان مقدار روز شود و باقی را با شصت ضرب کند و باز با چهار صد و بیست طرح کند. هر چه یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند و باز با چهار صد و بیست طرح کند. هر چه یابد آن پل باشد. بعده‌ٔ بداند که این قدر روز و گهری و پل گذشته است.

فصل هشتم : چون بخواهد (بداند) که (از) انتقال آفتاب چند روز گذشته اند مکمل آفتاب[3] بنویسد و با دو صد و بیست و پنج طرح کند. هر چه که اول یابد همان مقدار روز (از) انتقال آفتاب[4] [۸] گذشته باشد و آن باقی ماندهٔ مذکور را درمیان دو صد و بیست و پنج نقصان کند. هر چه که باقی ماند آنرا با پهکت سورج طرح کند و پهکت سیر آفتاب را گویند (و آفتاب) روزانه[5] هفت پل سیر دارد. هر چه که یابد آن[6] روز باشد و باقی را با شصت ضرب کند و باز با هفت طرح کند. هر چه یابد آن گهری شود و باقی را با سیصد ضرب کند پل یابد. بعده‌ٔ بداند که این قدر روز و گهری و پل گذشته آفتاب[7] پیشتر خواهد رفت.

باب سوم : قمر[8]

فصل اول: (دهوهٔ مهتاب) چون بخواهد که قمر را دهوه کند شاستر (را) با یکهزار ضرب کند و هر چه جمع شود درمیان جمع مذکور ده ازان نقصان کند و هر چه که باقی ماند آنرا دو جا بنویسد و یکی را با دو صد و چهل طرح کند و هر چه از طرح اول یابد آن گهری شود و باقی را با شصت ضرب کند و باز با دو صد و چهل طرح کند آنچه یابد[10] آن پل شود و این [۹] پل را درمیان دو جا که نوشته داشته بود همان آن نقصان کند. هر چه که بماند این را با دو هزار و هفتصد طرح کند. هر چه که حاصل آید آن کار بیست و آنچه باقی ماند او را نوشته بدارد و ایضاً بعده سده نویسد و درمیان سدهٔ مذکور پنجاه دیگر ضم کند. هر چه که جمع شود آنرا با شصت ضرب کند. هر چه که جمع شود این را با هشتاد و یک طرح کند. هر چه که طرح باقی بیاید[11] آنرا با شصت ضرب کند. هر چه جمع شود باز هشتاد و یک طرح کند

۱- کند
۲- پیش
۳- آفتاب مکمل
٤- اقبات
۵- روزینه
٦- بایدان
۷- گذشته است آفتاب
۸- باب القمر
۹- ساستر مانکهتر از
۱۰- باند
۱۱- ایضاً

هر چه که حاصل آید آن[1] پل شود و این گهری و پل بآن[2] باقی که از دو هزار و هفتصد مانده بود و درمیان آن باقی مذکور ضم کند. این را قمر[3] مدهم دهوا گویند. این دهوه را نوشته بدارد که باین کاری است.

فصل دوم : (کیندر قمر) چون بخواهد که مهتاب کیندر[4] کند باز شاستر[5] نویسد و با یازده ضرب کند. هر چه که جمع شود درمیان این چهار دیگر ضم کند و هر حه که جمع شود آنرا با چهل و سه طرح کند. هر چه که از طرح کیندر یابد بآن کار نیست و آنچه باقی ماند آنرا با شصت ضرب کند. هر چه که جمع شود درمیان باقی سی و دو دیگر ضم کند و اگر باقی [۱۰] هیچ نماند همون سی و دو را دو جا بنویسد و یکی را با هفتصد طرح کند و اگر طرح نشرد بعده' پل کند از ضرب شصت و باز با هفتصد طرح کند. هر چه که یابد آن پل شود و این گهری و پل یافته شود و آن را درمیان آن دومی جا که نوشته داشته بود درمیان آن ضم کند. هر چه که جمع شود نوشته بدارد. ایضاً بعده' سده را بنویسد و با هشت طرح کند. هر چه که حاصل آید از طرح باید آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند. هر چه که جمع شود باز هست طرح کند پل یابد و آن گهری و پل را درمیان آنچه نوشته است ضم کند و باز این را نوشته بدارد. ایضاً آن شاستر را نویسد و با بیست طرح کند. هر چه یابد آن گهری شود. باقی را با شصت ضرب کند و با بیست طرح کند. آنچه یابد پل شود و این گهری و پل را درمیان آن (چه که) نوشته داشته است ضم کند و هر چه که جمع شود نوسته بدارد. باین کار است. نام این کیندر قمر است.

فصل سوم : (سپشت دهوا قمر) چون بخواهد که اوچه دهروه قمر کند این صور (کند) : اول کیندر قمر را عدد که هست نویسد و بعد آنرا با یازده ضرب کند. هر چه جمع شود آنرا با یکصد و بیست و پنج طرح کند [۱۱] آنچه که از طرح حاصل آید گهری شود و باقی را با شصت ضرب کند (و) با یکصد و بیست و پنج طرح کند پل شود و این یافت مذکور را درمیان مده دهوا قمر که هست نقصان کند و آنچه باقی باشد آنرا او چه[6] قمر دهروه گویند. این هر سه قمر دهوه تمام شدند. اول : مده[7] دهوه ، دوم : کیندر دهوه ، سیوم : اوچه دهوه ، علحده ها نوشته دارد.

فصل چهارم : (سپشت قمر) هرگن[8] بنویسد و با نود ضرب کند و هر چه جمع شود درمیان این اوچه دهوه ضم کند و یا بعده' دو هزار و چهار صد و پنجاه

۱- اُندان
۲- بان
۳- نام این قمر
۴- مرکز ، قطب
۵- قانون ، قاعده ، ضابطه
۶- Zenith : سمت الرأس ، بالا ترین
۷- وسطی
۸- Har-gan : رقم هندسی

و هفت طرح کند و نوشته بدارد و هر چه یابد بآن کار نیست و این باق (را که) نام سپشت[1] قمر است نوشته بدارد. باز هرگن نویسد و با یکصد و بیست و پنج طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باق را با شصت ضرب کند. هر چه که یابد آن پل شود و آن گهری را درمیان سپشت قمر ضم کند (و) نوشته بدارد.

فصل پنجم : (کیندر قمر) هرگن بنویسد و با یکصد ضرب نماید. هر چه که جمع شود درمیان جمع مذکور دهروه کیندر ضم کند. هر چه که جمع شود او را با دو هزار و هفتصد و پنجاه و شش طرح کند. هر چه که باقی ماند نام این کیندر قمر است. این را نوشته بدارد [١٣] باز هرگن بنویسد پل یابد. این گهری و پل را درمیان کیندر ضم کند. ایضاً این کیندر را با یکصد طرح کند. هر چه یابد کهندهٔ گذشته[2] یابد و باق حال کهند[3] و رقم کهند گذشته را درمیان اوچه[4] قمر ضم کند. در قمر کهند حال را درمیان یکدیگر نقصان کند. هر چه اضافه ماند نام کهند انتر[5] (دارد) و باق حال کهند را باین کهند انتر ضرب کند و با یکصد و (؟) طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری شود و باق را با شصت ضرب کند پل یابد و این گهری و پل را درمیان اوچه قمر ضم کند. نام صحیح شنبه شود[6]. کهندها یعنی منازل[7] بیست و هشت است که اینست :

١ ١، ٢ ١، ٣ ٣، ٤ ٦، ٥ ١٠، ٦ ١٦، ٧ ٤٤، ٨ ٣٥، ٩ ٤٦، ١٠ ٦٠،
١١ ٧٥، ١٢ ٩١، ١٣ ١٠٨، ١٤ ١٢٦، ١٥ ١٤٣، ١٦ ١٥٩، ١٧ ١٦٥،
١٨ ١٩٠، ١٩ ٢٠٢، ٢٠ ٢١٣، ٢١ ٢٢٢، ٢٢ ٢٣٠، ٢٣ ٢٣٥، ٢٤ ٢٣٩،
٢٥ ٢٤١، ٢٦ ٢٤٣، ٢٧ ٢٤٣، ٢٨ صفر.

فصل ششم : (در بیان تهته[8] یعنی تاریخ) : چون بخواهد که تهته بدر کند اول پهکت[9] قمر را نود مده کند پهکت است. در این پهکت قمر را کهنده [١٣] نیز ضم کند و بعده قمر را سپشت پهکت شود. این (را) نوشته بدارد که به این کار است. ایضاً بعده سپشت سورج نویسد [و] درمیان همدیگر نقصان کند و اگر سپشت قمر کم باشد و سپشت شمس زیاد باشد بعده درمیان سپشت قمر دو هزار و هفتصد را دیگر ضم کند. بعده سپشت شمس را نقصان کند. آنچه باقی ماند آنرا با نود طرح کند. هر چه یابد همان تهتهٔ گذشته یابد و آنچه باق (ماند) تهتهٔ حال. بعد پانزده دیگر نقصان

١- صورت ظاهری
٢- منزل گذشته
٣- منزل فعلی
٤- بلند ترین نقطه
٥- داخلی ، درونی
٦- شنبه شود
٧- منزلها
٨- درمیان تهته
٩- Phakat : سیر

کند تا درست شود پهکت و هوکت (؟) هر دو.

فصل هفتم : چون بخواهد که تهته را گهری بدر کند این طور کند : آن باق که از نود مانده باشد آنرا درمیان نود کم کند و هر چه که از کم کردن باق ماند آنرا پل کند و از شصت بیش پل را نیز ضم کند. هر چه جمع شود بعده سبشت مر پهکت است. درمیان آن هفت نقصان کند و هر چه که باق ماند با همین طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باق را باز با شصت ضرب کند و باز همین طرح کند پل ماند.

فصل هشتم : چون بخواهد که تهتهٔ گذشته را گهری کند این طور کند که آن باق که از طرح کردن نود مانده بود آنرا پل کند و [۱۶] اگر پیش پل باشد نیز ضم کند. هر چه که جمع شود او را که با مده پهکت است هفت نقصان کند. هر چه که باق ماند همین طرح کند. هر چه اول ماند آن گهری و باق را با شصت ضرب کند و با مضهار[1] طرح کند پل یابد.

فصل نهم[2] : (در یافتن منازل) : چون[3] بخواهد که منازل در یابد که امروز قمر در کدام[4] منازل است سپشتهٔ قمر را عدد بنویسد و با یک صد طرح کند. هر چه یابد آن منازل گذشته یابد و باق منزل حال باشد. ایضاً اگر منازل حال را گهری کند آن[5] باق که ازان در صد مانده باشد درمیان صد نقصان کند. هر چه باق ماند (با) شصت ضرب کند پل باشد و با پهکت قمر طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری شود و باق را با شصت ضرب کند. باز همین طرح کند پل یابد.

فصل دهم[6]: درمیان برج دو درجه و دقیقه و ثانیه چون بخواهد که در یابد آن برج گذشته یابد و باق که از دو صد و بیست و پنج طرح کند هر چه یابد آنرا با سی ضرب کند و باز دو صد و بیست و پنج طرح کند. هر چه که یابد آن چه گذشته و هر چه باق ماند[7] آنرا با شصت ضرب کند و باز [۱۵] که صد و بیست و پنج طرح کند هر چه ماند دقیقه و باق را با شصت ضرب کند و با همین طرح ثانیه[8] یابد.

باب چهارم : مریخ[9]

فصل اول[10] : چون خواهد که دهوای[11] مریخ کند اول شاستر را[12] نویسد و با

۱- آخرین نقطه
۲- ن ل : ندارد
۳- خون
۴- ادو کهدام
۵- کندان
۶- ن ل : ندارد
۷- هر قاق ماند
۸- منایه
۹- ن ل : ندارد
۱۰- ایضاً
۱۱- لوهوا
۱۲- ستر

شصت و سی و هشت ضرب کند. هر چه جمع شود درمیان آن سی و یک دیگر ضم کند و هر چه که جمع شود نوشته ندارد. بعدهٔ شاستر دو مرتبه نویسد و پنجاه و چهار طرح کند. هر چه که جمع شود این را و این روز، گهری و پل را درمیان[1] اولین که نوشته داشته است ضم کند. هر چه که جمع شود این را با یک هزار و صد طرح[2] کند. هر چه که از صد طرح یابد آن (را) کار نبندد[3]. هر چه که باقی یابد همون دهروهٔ مریخ شود.

فصل دوم : (مدهم[4] مریخ) چون بخواهد که مریخ را مدهم[5] کند اول هرگن نویسد. هر کدام روز که بخواهد هر کس را با هفت ضرب کند و با چهار طرح کند. هر چه که اول یابد آن روز باشد و باز آن گهری و هر چه که باقی ماند آنرا با شصت ضرب کند و باز با چهار طرح کند پل (یابد) و این گهری و پل را نوشته ندارد و باز هرگن نویسد و با شصت طرح کند. هر چه که اول [۱۹] (یابد) آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند. باز با سه صد طرح کند پل یابد و این گهری و پل را درمیان آن گهری ها که نوشته مانده است نقصان کند. هر چه که باقی ماند درمیان آن دهروهٔ مریخ ضم کند مدهم شود.

فصل سوم[6] : (درمیان سیکهر مریخ) چون بخواهد که مریخ را شیکهر کند اول هرگن نویسد و با ده ضرب کند. هر چه که جمع شود آنرا دو جا نویسد. از یکی هفده[7] نقصان کند و اگر نشود نکند. بعده با هفتاد طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری شود و باقی (را) باز با شصت ضرب کند و باز با هفتاد طرح کند پل یابد و این گهری و پل را درمیان دو جا که نوشته مانده است[8] نقصان کند و هر چه که از نقصان کردن باقی ماند آنرا با سه طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری باشد و باقی را با شصت ضرب کند. باز با سه[9] طرح کند پل یابد و این گهری و پل را که یافت هر سه کره[10] را شیکهر شود. یکی زحل و دوم مشتری و سوم مریخ و این شیکهر را نوشته ندارد که باین کار است و همین یافت حرف[11] عطارد و زهره را مدهم شود بهمین مدهم شبه[12] شود [۱۷]

۱- درمیان

۲- یکراره وجه صد طرح

۳- نبست

۴- برهم

۵- ز امدهم

۶- ن ا : ندارد

۷- هفت ده

۸- ماند است

۹- یا سه

۱۰- بر سه کره

۱۱- یافت را حرف

۱۲- مرهم شینه

فصل چهارم[1] : (در بیان کیندر مریخ) چون بخواهد که مریخ را کیندر کند اول مدهم[2] مریخ (را) دو جای بنویسد. در یکی هشتصد دیگر[3] ضم کند. بعد از ضم کردن بیند[4] اگر از هشتصد[5] زیاده باشد بعد از یکهزار و دو[6] نقصان کردن ببیند که وهن[7] است یا رن[8] و وهن و رن را آنطور بداند و اگر از هشتصد زیاده[9] باشد وهن است[10] نویسد و اگر از ششصد کم باشد رن[11] است. بعده، آن احتیاط کند که غلط نشود. بعده، با یکصد طرح کند. هر چه یابد مده کهنده[12] همان است. گذشته و باقی حال کهنده زیاده (را) وهن کند و اگر پس کیندر[13] کم باشد رن کند. بعده، درمیان یکدیگر نقصان کند. هر چه اضافه بماند آن کهنده[14] را انتر[15] گویند. باین کهنده انتر (با) صد و باقی ضرب (کند) هم گهری و هم پل (یابد) و باز با صد طرح کند. هر چه که یابد آن گهری (و) باقی را با شصت ضرب کند. باز با طرح صد[16] پل یابد و اگر وهن باشد یا رن بعده، با هفده ضرب کند پل یابد. اگر پل زیاده باشد بعده، با شصت طرح کند (و) درمیان گهری ضم کند بعد گهری را با ده طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند و با ده طرح کند پل یابد و این گهری و پل را (که) درمیان مده گردا گرد وهن باشد ضم کند و اگر رن باشد نقصان کند و بعده، از نقصان کردن و یا ضم کردن هر چه شود نام این کیندر[17] را نوشته ندارد و بعده، هر پنج کره[18] را مده کهنده (یابد و آن) این هست :

۱۱۱ ، ۱۹۲ ، ۲۳۳ ، ۱۹٤ ، ۱۱۵

فصل پنجم[19] (در بیان سپشتهٔ مریخ) : چون بخواهد که مریخ را سپشته کند این کیندر را دو جا نویسد[20]. در یکی کیندر مذکور شیکهر مریخ که اول نوشته مانده است کیندر نقصان کند و اگر کیندر کم باشد و شیکهر زیاد باشد آن شیکهر را درمیان (و) بعده یکهزار و دو صد درمیان کیندر دیگر ضم و بعده، درمیان کیندر شیکهر را نقصان کند و بعد از نقصان کردن اگر پانصد باقی بماند پس بداند که مریخ

۱- ن ۱ : ندارد
۲- مرهم
۳- دیکر
٤- بد نبد
٥- که از شصد
٦- بعده یکهزار دو
۷- Vahan : اضافه ، جمع
۸- Minus : Rin ، منها ، تفریق
۹- از شصد و اکر زیاده
۱۰- وهن ست
۱۱- زن
۱۲- منزل وسطی
۱۳- کنبد
۱٤- کنند
۱۵- ستبر
۱٦- صد طرح
۱۷- کیذر
۱۸- در پنج کره
۱۹- ن ۱ : ندارد
۲۰- نوشت

در رجعت است و اگر پانصد کم ماند بداندکه در رجعت نیست. ایضاً هر چه که باق کیندر مانده است ببیند. اگر از سیصد یک گهری و یا یک پل زیاده باشد بعده[۱] کیندر را وهن کرده نوشته ندارد. (اگر) از شصت زیادت باشد گهری و یا پل درمیان یکهزار و شصت [و] نقصان کند و اگر از شصت کم باشد نقصان نکند همون را بنویسد و با یکصد طرح کند. هر چه یابد حروف کهندهٔ گذشته باشد. در هفت کهندهٔ باق حال را با کهندهٔ انتر ضرب کند. هم گهری و هم پل (یابد). باز با صد طرح کند. هر چه اول یابد گهری[۲] و باق را با شصت ضرب کند. باز با صد طرح کند پل یابد و این گهری و پل احتیاط کند که در حروف کهند وهن است یا رن. بعد از وهن و رن کردن همین حروف را[۳] درمیان کیندر ضم کند سپشتهٔ مریخ[۴] شود. ایضاً اگر شیکهر را (از) درمیان کیندر[۵] نقصان کردن پنج[۶] کهند ماند پس بداند که مریخ در رجعت است و باق را با سه ضرب کند هم گهری و هم پل (یابد). باز با یکصد طرح کند. هر چه که یابد در پنجم کهند ضم کرده سود.[۷] این حروف کهند ششم را ضم کند و اگر هفت کهنده شود حروف[۸] هفت کهنده ضم کند. بعده مریخ رجعت سپشته[۹] شود و هفت کهند مذکور اینست[۱۰] :

۱ ۴۴۲، ۱۱۷۲، ۱۱۰۳، ۱۳۳۴، ۱۴۲۵، ۲۷۶، ۵۷۷

همان مقدار که صدها شود برج گذشته و باق [۰۲] برج حال باشد

فصل سئم[۱۱] **:** اگر خواهد که مریخ را در یابد که در برج دیگر کی خواهد آمد اینطور کند : مریخ را سپشته[۱۲] کند. امروز و فردا را از هم[۱۳] دیگری نقصان کند. هر چه اضافه ماند آن کهند انتر شود و این (را) نوشته ندارد که پیشتر درکار است[۱۴]. ایضاً مریخ سپشته[۱۵] بنویسد و با یکصد طرح کند. هر چه اول یابد آن برج گذشته یابد و هر چه[۱۶] باق مانده باشد ازان باق را از میان صد[۱۷] نقصان کند. هر چه از نقصان کردن باق ماند آنرا پل کند و پیش[۱۸] هم پل ضم کند و سپشتهٔ مریخ آنروز که روز

۱- اسہر
۲- گهی
۳- حروف
۴- شیشهٔ مریخ
۵- کیندر
۶- هیچ
۷- کنده شود
۸- حرف
۹- شپبه
۱۰- مذکور نیست
۱۱- ن ل : ندارد
۱۲- شیسه
۱۳- امروز را فردا هم
۱۴- پیشرکار است
۱۵- شبسه
۱۶- هر که
۱۷- درمیان صد
۱۸- پش

را هم پل کند باین اینرا طرح کند. هر چه که اول یابد آن روز باشد و بعده باقی را
با شصت ضرب کند. بعده' همون پل طرح کند. باز هر چه یابد آن گهری باشد
و باقی را با شصت ضرب کند. بعده' همون پل را طرح کند پل یابد و بعده' بداند
که اینقدر گهری و پل گذشته در برج دیگر خواهد آمد.

فصل هفتم[۱] : ایضاً اگر بخواهد که مریخ را برج و درجه و دقیقه و ثانیه در یابد
اینطور کند : سپشتهٔ مریخ بنویسد و با یکصد طرح کند. هر چه که اول یابد آن
بروج و باقی را با سی ضرب (کند). هر چه یابد درجه و باز [۲۱] با شصت ضرب
(کند) ثانیه[۲] یابد و هر پنج سیاره را از همین طریق مریخ (؟) کند تا بروج و درجه
و دقیقه و ثانیه در آید.

فصل هشتم[۳]: ایضاً اگر بخواهد خمسهٔ متحیره[٤] را منازل در یابد باید (با) ؟ ضرب
کند و هر چه جمع شود آنرا با چهار طرح کند. هر چه که از طرح یابد باز آنرا با
یکصد طرح کند. هر چه که یابد منازل گذشته و باقی منازل حال آن تیهرتاس[٥] شود.

فصل نهم[٦]: ایضاً اگر بخواهد که مریخ را رجعت[۷] بداند اینطور کند : آنروز که
کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن ششصد بماند[۸] و یا یک گهری یا یک پل کم
باشد. بعده بهان ششصد بداند همون سی و شش روز گذشته باشد از[۹] رجعت و بعده
اینطور بداند که بعد از سی و شش روز[۱۰] بیشتر در راه خواهد آمد و هفتاد (و) دو روز
هم رجعت شود.

فصل دهم[۱۱]: ایضاً اگر بخواهد که مریخ را طلوع و غروب بداند آنروز که از
کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن یکهزار و دو صد از[۱۲] دور فلک تمام گذشته بود
بعده' بداند که مریخ غروب شده شصت روز شده است و بعده بداند که
شصت روز بیشتر طلوع خواهد شد. یکهزار (و) دو صد را مها چکر[۱۳] گویند. ازان
روز که نیم چکر شود اینچنین روز ها مها چکر شود و ماه سیزدهم[۱٤]. اما بعد از چهار
چکر سیزدهم[۱۵] [۲۲] ماه نیم چکر شود خواهد دو سه روز کم یا زیاده - کار مریخ
تمام شد.

۱- ن ۱ : ندارد
۲- ثانیه
۳- ن ۱ : ندارد
٤- خمسه مبحره
۵- کذا فی الاصل
٦- ن ۱ : ندارد
۷- از جمعیت
۸- بماند
۹- با بندار
۱۰- زور
۱۱- ن ۱ : ندارد
۱۲- یکزار که دو صد اند که
۱۳- Maha-Chakkar : دور بزرگ
۱٤- و ماه سیزدهم ماه
۱۵- سردهم

باب پنجم : عطارد[1]

فصل اول : چون بخواهد که عطارد اوچه دهروه کند[2] اول شاستر[3] بنویسد با دو صد ضرب کند. هر چه که جمع شود آنرا دو جا نویسد و یکی را با دو ضرب ک و هر چه که جمع شود آنرا با صد و بانزده[4] طرح کند و هر چه که جمع شود آ گهری و باقی را با شصت ضرب و با یکصد و پانزده طرح کند پل یابد. درمیان ا گهری و پل دو صد و شصت و شش دیگر ضم کند و هر چه که جمع شود درمیا آن دو جا که نوشته داشته است این گهریهاء[5] نقصان کند و هر چه که باقی ما آنرا با یکهزار (و) دو صد طرح کند. هر چه که از طرح یابد بآن کار نیست و هر . که باقی ماند همونرا عطارد اوچه دهروه گویند. اگر از دو صد زیاده باشد طرح ک و اگر (از) یکهزار (و) دو صد کم باشد بعده، همون عطارد دهوا شود. این را نوش ندارد که یادگار است.

فصل دوم[6]: (در بیان شیگهر عطارد) اگر خواهد که عطارد شیگهر ک اینطور کند : اول هرگن بنویسد. هرگن را با هستاد و هشت طرح کند. هر چه د بماند (با) آن کار است و آنچه بماند[7] باینکار نیست و هر چه باقی بمانده باشد آنرا سهصد ۲۳ ضرب کند و بعده، با بیست (و) دو طرح کند پل یابد. آن گهری و ب (را) با شصت ضرب کند و با بیست و دو طرح کند پل یابد و آنچه یافته باشد درمیا این گهری با دهروهٔ عطارد که نوشته داشته است ضم کند. نام این عطارد شیگ است نوشته بماند که باین کار است.

فصل سوم[8]: (در بیان مدهم عطارد) اگر بخواهد که زهره و عطارد را مد کند اینطور کند : اول هرگن بنویسد، با ده[9] ضرب کند و هر چه[10] که جمع شد آنرا دو جا[11] بنویسد. در یک جا هفده نقصان کند و اگر نشود نکند. بعده، با هف طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند و باز با هف طرح کند پل یابد و این گهری و پل را درمیان دو جای که نوشته مانده است ضر کند و باز با هفتاد طرح کرده[12] نقصان کند. هر چه ماند آنرا با سه طرح کند.

۱- ا ن : ندارد
۲- او چه دهو کند
۳- ساستز
۴- پابزده
۵- گهریهای
۶- ا ن : ندارد
۷- باید
۸- ن ا : ندارد
۹- زیاده
۱۰- هرج
۱۱- دو جای
۱۲- کند

چه که اول یابد آن گهری و باقی (را) با شصت ضرب کند. باز با سه طرح کند پل یابد. آن گهری و با هر چه که این شود گهری و پل یابد. همین حروف مدهم عطارد و مدهم زهره شود و زحل و مشتری و مریخ. این هر سه را شیکهر[3] شود.

فصل چهارم[2] : (در بیان کیندر عطارد) اگر بخواهد که کیندو عطارد (معلوم) کند اینطور کند[3] : هر کدام روز اول شیکهر عطارد نوشته بماند و بعده' مدهم را (در) دو جا (بنویسد). در یکجا مدهم مذکور را پانصد دیگر ضم کند. اگر از ششصد زیاده باشد از میان یکهزار (و) دو صد نقصان کند. اگر از ششصد کم باشد نقصان نکند همونرا بنویسد و با یکصد طرح کند. هر چه یابد مده کهنده گذشته یابد و باقی حین کهندهٔ گذشته را و کهندهٔ حال (را) از میان یکدیگر نقصان کنند. هر چه اضافه سود آن کهندهٔ انتر باشد و این کهنده انتر را[4] احتیاط کنند. اگر وهن باشد ضم کند و اگر رن باشد کم کند. از میان[5] حروف کهنده بعده' با هفت ضرب کند. هم گهری و هم پل (یابد). بعده' با ده طرح کرده[6] هر چه که یابد درمیان[7] کهنده ضم کند. نام این کهنده عطارد است. این را نوشته بدارد که پیشتر درکار است[8].

فصل پنجم[9] : (در بیان سپشته عطارد) چون بخواهد که سپشته کند این کیندر را در دو جا بنویسد. در یک جا شیکهر را نقصان کند. اگر نقصان کرده نشود بعده' یکهزار و دو صد دیگر ضم کند. اگر (از) ششصد زیاده شود [۲۵] وهن کرده نوشته بدارد. اگر از ششصد کم باشد رن کرده نوشته بدارد. بعده' وهن و رن کرده با یکصد طرح کند. هر چه که اول یابد هفتم کهنده یابد و باقی کهندهٔ مذکور حال باشد و کهندهٔ گذشته و کهندهٔ حال را از میان یکدیگر نقصان (کند) هر چه اضافه ماند کهندهٔ انتر سود و این کهند انتر باقی را با صد ضرب (کند). هم گهری و هم پل (یابد). بعده' با صد طرح کند پل یابد. بعده' گهری و پل را درمیان کیندر ضم کند و یا کم کند تا صحیح سپشته شود بابت عطارد و هفت کهنده اینست :

۱۹۷، ۳۷۹، ۵۳۵، ۷۹٤، ۷۱۳، ۱۳۲، ۷۱

فصل ششم[10] : ایضاً (اگر) بخواهد که عطارد را رجعت بداند اینطور کند : آنروز که (از) کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن ششصد بماند و یا یک گهری و یک پل کم باشد بعده' همون ششصد بداند همون دوازده روز گذشته باشد از رجعت و

۱- Shekher : قله ، اوج

۲- ن ۋ : ندارد

۳- کشد

٤- کهنده را انتر

۵- درمیان

٦- کنده

۷- در متن اسامی تکراری است

۸- کار است

۹- ن ۋ : ندارد

۱۰- ن ۋ : ایضاً

بعده، اینطور بداند که بعد او دوازده روز بیشتر در راه خود خواهد بود و بیست و چهارم هم رجعت شود.

فصل هفتم : (در بیان طلوع و غروب عطارد)، ایضا اگر بخواهد عطارد را طلوع و غروب بداند آنروز [۲۶] که از کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن یک هزار و دو صد[۲] بماند بداند که دور فلک تمام گشت. بعده، بداند که عطارد غروب شده شانزده روز شده است و بعده بداند که شانزده روز بیشتر طلوع خواهد شد. یکهزار (و) دو صد را مهاه[۳] چکر گویند و ششصد را نیم جکر[٤] گویند دویم ماه اما بعده، از مهاچکر دویم ماه نیم چکر خواهد شد. دو سه روز زیاده یا کم. کار عطارد تمام شد.[٥] والله اعلم

باب ششم : مشتری[٦]

فصل اول : (در بیان دهوای مشتری[٧]) چون خواهد که مشتری را دهوا کند ساستر را با یکصد ضرب (کند) و هر چه که جمع شود آنرا دو جا بنویسد. یک جا با نود طرح (کند). هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند. باز با نود طرح کند پل یابد و این گهری و پل را نوشته بدارد. بعده دویمی جا ضم کند. باز ان شاستر بنویسد و با بیست[٨] طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند. باز با بیست طرح کند پل یابد. درمیان این گهریها یکصد و بیست و دو دیگر ضم کند. هر چه جمع شود با یکهزار (و) دو صد طرح (کند). هر چه که یابد بآن کار نیست و هر چه که باقی بماند (با) همون کار است [۲۷] اگر یک هزار (و) دو صد چیزی که باشد بعد همون دهروه شود. او را نوشته بدارد که باین کار است.

فصل دوم[٩] : (دربیان شیکهر) چون بخواهد که مشتری شیکهر کند اینطور کند که اول هرگن را بنویسد (و) با ده ضرب کند. هر چه که جمع شود درمیان جمع مذکور همده نقصان کند. اگر نقصان نشود نقصان نکند. بعده دو جا بنویسد و یکی را با هفتاد طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری را و باقی (را) با شصت ضرب کند. باز هفتاد طرح کند پل یابد و این گهری و پل درمیان آن دویمی جا که نوشته است نقصان کند و هر چه از نقصان کردن باقی بماند آنرا با سه طرح کند. هر چه اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند. باز سه طرح کند پل یابد و این گهری

۱- ن ۱ : ندارد ۲- و یک هزار دو صد ۳- بزرگ
٤- دور ٥- باشد تمام شد
٦- ن ۱ : ندارد ۷- ایضاً
۸- کابیست ۹- ن ۱ : ندارد

و پل که یافته است نام همین شیکهر است ، نوشته بدارد.

فصل سوم[1] : (در بیان مدهم مشتری) چون بخواهد که مشتری را مدهم کند اول هرگن بنویسد و با سه ضرب کند. هر چه که جمع شود آنرا با ده طرح کند. هر چه که اول باشد آن گهری را و باقی را با شصت ضرب کند. باز با ده[2] طرح کند [۲۸] پل یابد و این گهری و پل را نوشته بدارد و بعده[5] باز هرگن بنویسد[3] و هرگن را با چهل و چهار طرح کند پل یابد و این گهری و پل را درمیان اولین که نوشته مانده (است) نقصان کند. هر چه باقی مانده (است به) دهروهٔ مشتری ضم کند. نام (آن) مدهم مشتری است (و آنرا) نوشته بدارد.

فصل چهارم[4] : (در بیان کیندر) چون خواهد که مشتری کیندر کند اول شیکهر نوشته بماند. بعده مدهم (را) دو جا بنویسد و درمیان مدهم یکی ششصد دیگر ضم کند. بعده ببیند که وهن است یا رن. اگر از ششصد زیاده باشد وهن است و اگر کم باشد رن است. اگر از ششصد زیاده باشد درمیان یک هزار (و) دو صد نقصان کند. پس اول وهن کند. بعده درمیان یکهزار (و) دو صد نقصان کند. هر چه باقی ماند (آنرا) با یکصد طرح کند. اگر یک هزار (و) دو صد زیاده باشد یکهزار (و) دو صد نقصان کند. بعد از[5] کم کردن اگر از ششصد زیاده باشد وهن کند و اگر از ششصد کم باشد رن کند بابت مریخ (؟) ضم کند[6] [۲۹] بعده با یکصد طرح کند. هر چه که اول یابد مده کهندهٔ گذشته یابد و باقی حال کهنده و حال کهنده و کهنده گذشته را درمیان یکدیگر نقصان کند. هر چه که اضافه ماند نام آن کهندهٔ انتر شود و این کهندهٔ انتر باقی را با صد ضرب (کند) هم گهری است[7] و هم پل. باز با صد طرح کند[8] پل یابد. هم گهری و هم پل (یابد) باز با یکصد طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را (با) شصت ضرب کند. باز با صد طرح کند پل یابد و این گهری و پل درمیان حروف اگر وهن باشد ضم کند و اگر رن باشد کم کند. بعد از وهن و رن هر چه باشد آنرا با شصت[9] ضرب کند هم گهری و هم پل ((یابد)). باز با ده طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب (کند) باز با ده طرح (کند) پل یابد. این گهری و پل را درمیان مدهم ضم کند تا کیندر شود.

۱- ن و : ندارد
۲- بار ناده
۳- بنویسند
۴- ن و : ندارد
۵- نعده
۶- فهم کند
۷- گهرهست
۸- با صدح کند
۹- هشت

فصل پنجم[1]: (در بیان سپشته)[2] چون بخواهد که مشتری سپشته (کند) این کیندر را دو جا نویسد و یک جای شیکهر کم کند و اگر شیکهر کم نشود یکهزار (و) دو صد دیگر درمیان کیندر ضم کند و باز شیکهر را نقصان کند و اگر از شش صد زیاده باشد وهن شود و اگر کم باشد رن سود و این وهن و رن ضم کند. بعده، با یکصد طرح کند. هر چه که اول یابد همان کهندهٔ گذشته یابد و باقی حال کهند و باقی صد با کهندهٔ اثتر ضرب کند [۳٤] هم گهری و هم پل [یابد]. بعده وهن و رن را احتیاط کند و بعد از احتیاط کردن ضم نکند و اگر کم باشد کم کند.[3] بابت مشتری هفت کهنده اینست :

۱۹۷، ۱۹۶، ۲۳۵، ۳۹٤، ۳۸۳، ۳۵۲، ۱۹۱

فصل ششم[4] : (در بیان رجعت مشتری) ایضاً اگر بخواهد که مشتری را رجعت بداند اینطور بکند. آنروز که کیندر[5] درمیان شیکهر نقصان کرده ششصد بماند یک گهری و یک پل کم شده. بعده همان ششصد بداند. همون پنجاه (و) شش روز گذشته باشد از رجعت. بعده اینطور بداند که از پنجاه و شش روز بیشتر در راه خواهد آمد و یکصد (و) دوازده روز هم رجعت شود.

فصل هفتم (در بیان طلوع و غروب مشتری[6]) : ایضاً اگر بخواهد که مشتری را طلوع و غروب بداند آنروز که (از) کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن یکهزار (و) دو صد بماند و بداند که دور فلک تمام گشت و بعده، بداند که مشتری غروب شده است و بداند که شانزده[7] روز شده است و بعده، بداند که شانزده روز بیشتر طلوع خواهد شد. یک هزار و دو صد (را) مها چکر گویند و ششصد را نیم چکر گویند[8]. اران روز که نیم روز چکر باشد از همون روز باز[9] مها چکر شود ماه هفتم اما بعد از[10] مها چکر ۳۵ بهم ماه نیم چکر شود. دو سه (روز) کم یا زیاده[11] کار مشتری تمام شد. والله اعلم

باب هفتم : زهره[12]

فصل اول (در بیان[13] دهروهٔ زهره) : چون بخواهد[14] زهره را دهروه[15] کنه اول

۱- ن ۱ : ندارد ۲- اسپسه انکه ۳- نکند
٤- ن ۱ : ندارد ۵- کیند ٦- ن ۱ : ندارد
۷- سانزده ۸- کوسیند ۹- رور نار
۱۰- در بعده از ۱۱- و زیاده ۱۲- ن ۱ : ندارد
۱۳- ایضاً ۱٤- بخواهد ۱۵- ده روز

استر بنویسد (و) با هفتصد و پنجاه ضرب کند و آنچه مضروب شود[1] درمیان این
صد و پنجاه و نه دیگر ضم کند. هر چه جمع شود نوشته بدارد. بعده[4] باز شاستر[2]
ویسد و با یکصد ضرب کند و هر چه که جمع شود آنرا با یکصد و شصت و یک
رح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با شصت ضرب کند و باز با یکصد
شصت و یک طرح کند پل یابد و هر چه از این وپل[3] یافته باشد درمیان دومی جا که
وشته است درمیان آن ضم کند و هر چه که جمع شود بعده[4] ببیند اگر یکهزار و دو
صد زیاده باشد آنرا با یکهزار و دو صد طرح کند و هر چه که باقی بماند همون دهروا
بود. اگر (از) یکهزار و دو صد چیزی کم باشد بعده همان دهروهٔ زهره باشد.

فصل دوم[4] : (در بیان مدهم زهره) اگر بخواهد[5] که زهره را مدهم کند اول
هرگن بنویسد و با ده ضرب[6] کند هر چه جمع شود درمیان این هفده نقصان (کند)
و اگر نشود نکند. بعده این را دو جا نویسد. یک جا[7] [۳۷] را با هفتاد طرح کند.
هر چه اول یابد آن روز باشد و باقی را با شصت ضرب کند. باز با هفتاد طرح کند
گهری یابد. بعده ازان پل و این روز ، گهری و پل را در دومی جا[8] که نوشته مانده
است نقصان کند. هر چه باقی ماند آنرا با سه طرح کند. هر چه که اول یابد آن
روز و باقی را با شصت ضرب کند و باز با سه طرح کند گهری یابد و باقی را با شصت
ضرب کند و باز سه طرح کند. هر چه یافته شود از روز و گهری و پل آن مدهم
زهره باشد ، نوشته بدارد.

فصل سوم[9] (در بیان شیکهر زهره) : چون بخواهد شیکهر کند اول هرگن بنویسد
و با چهار ضرب کند و هر چه جمع شود آن را دو جا بنویسد و یک جا با سه طرح
کند. هر چه اول یابد آن روز و باقی را با شصت ضرب کند. باز با سه طرح کند گهری
یابد. هر چه که جمع شود نوشته بدارد. باز هرگن بنویسد و با یکصد و چهل طرح کند.
هر چه که اول بماند آن روز باشد و باقی را با شصت ضرب کند گهری یابد و باز پل
و این مجموع را در دویمی[10] جای که نوشته مانده است[11] درمیان آن ضم کند و هر
چه جمع شود درمیان این جمع مذکور دهروهٔ [۳۸] زهره را ضم کند. نام این شیکهر
هست. این را بعده نوشته بدارد.

فصل چهارم[12] : (در بیان کیندر زهره) اول شیکهر نوشته بماند. بعده مدهم را

۱- در متن اساسی مکرر آمده است
۲- ساسته
۳- وپل یا بپل : یک شصتم پل
۴- ن ل : ندارد
۵- چند بخواهد
۶- صب
۷- مکرر آمده است
۸- دویمی جای
۹- ن ل : ندارد
۱۰- راد رودیمی
۱۱- بماند
۱۲- ن ل : ندارد

دو جای بنویسد. در یک جای نهصد دیگر ضم کند بابت مریخ (؟). اگر از ششصد زیاده باشد بعده بداند که وهن شده است و بعد از وهن و رن کردن با یک صد طرح کند. هر چه که مده کهنده گذشته باشد و باقی حال کهنده این حروف حال کهنده نوشته بماند[۱]. بعده باقی یکصد را با کهندهٔ انتر ضرب کند. هم روز و هم گهری و هم پل یابد و باز با صد طرح کند گهری یابد و باز پل. این روز و گهری و پل را اگر در حروف مده کهنده ضم کردن باشد ضم کند و اگر کم کردن باشد کم کند. حصول کمی و زیادتی را با سه ضرب کند، هم روز و هم پل (یابد). بعده با ده طرح کند. هرچه که اول یابد آن روز و باقی را با شصت ضرب کند. باز با ده طرح کند گهری یابد و باز پل. اگر وهن شده باشد ضم کند و اگر رن باشد کم کند درمیان کیندر. نام این کیندر زهره باشد، نوشته ندارد.

فصل پنجم[۲]: (در بیان سپشتهٔ زهره) چون بخواهد که (زهره را) سپشته کند [۳۸ این کیندر را دو جا بنویسد. در یک جا شیکهر نقصان کند. اگر شیکهر نقصان نشود درمیان کیندر یک هزار و دو صد دیگر ضم کند. بعده شیکهر را کم کند و بعد از کم کردن احتیاط کند. اگر از ششصد زیاده شود وهن باشد و اگر کم باشد رن شود. فهمیده نوشته ندارد. بعده با یکصد طرح کند. هر چه یابد کهندهٔ گذشته باشد و باقی حال کهندهٔ زهره هفت است، بیشتر خواهد آمد و حال کهنده را حروف نوشته بماند و باقی یک صد را با کهندهٔ انتر ضرب کند. هم روز و هم گهری و هم پل (یابد) باز با صد طرح کند. هر چه که اول یابد آن روز و باقی را با شصت ضرب (و) باز با صد طرح کند گهری یابد و باز پل و این مجموع را احتیاط کند. اگر وهن باشد ضم کند و اگر رن باشد کم کند و حروف هفت کهندهٔ زهره اینست:

۱ ۲ ۴۲، ۱ ۸۱، ۳ ۱۲۰، ۴ ۱۴۴، ۵ ۱۴۸، ۶ ۳۷، ؟ ؟.

فصل ششم: (در بیان رجعت زهره)[۳] ایضاً اگر بخواهد که زهره را رجعت بداند اینطور کند: آن روز که کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن ششصد بماند بداند که بیست و چهار روز گذشته باشد (از) آن رجعت و بعد از بیست و چهار روز بیشتر در راه [۴۰ خود خواهد آمد و چهل و هشت روز نیم رجعت شود.

فصل هفتم: (در بیان غروب زهره)[۴] ایضاً اگر بخواهد که زهره را غروب بداند آنروز که کیندر درمیان سیکهر نقصان کردن یکهزار (و) دو صد بماند پس بداند که دور فلک تمام گشت. بعده زهره غروب شده است بداند که سی و هفت روز شده است. بعد از سی و هفت روز بیشتر[۵] طلوع خواهد شد. یکهزار و دو صد را مهاچکر

۱- بماند
۲- ن ا: ندارد
۳- ایضاً
۴- ایضاً
۵- دیگر بیشتر

گویند و ششصد را نیم چکر گویند. از آن روز باز که نیم جکر شود از همون روز باز مهاچکر شود ماه دهم اما[1] بعد از مهاچکر نهم ماه نیم چکر شود. خواه دو سه روز کم یا زیاده. کار زهره تمام شد.

باب هشتم : زحل[2]

فصل اول : (در بیان دهوای زحل[3]) چون بخواهد که زحل را دهوا کند اول ساستر بنویسد و (با) چهل ضرب کند. هر چه که جمع شود ازان پانصد[4] و نود و چهار دیگر ضم کند. هر چه جمع شود نوشته بدارد و بعده باز شاستر بنویسد و با ده ضرب کند. هر چه که جمع شود او را با چهار طرح کند. هر چه که جمع (شود) آن روز باشد و باقی را با شصت ضرب کند و باز با چهار طرح کند گهری یابد و این را (با) شصت ضرب کند و باز با چهار طرح کند پل یابد و این مجموع را در دو جا [۴۱] که نوشته مانده است ضم کند. هر چه که جمع شود ببینند که اگر یکهزار و دو صد زیاده شده باشد یکهزار و دو صد طرح کند. هر چه که حاصل شود داو کار بیست و آنچه باقی ماند همون درکار است. این دهوای زحل را نوشته بدارد.

فصل دوم[5] : (در بیان شیگهر زحل) اول هرگن بنویسد و با ده ضرب کند. هر چه که جمع شود درمیان این هفده نقصان کند و اگر نشود نکند. بعده این (را در) دو جا بنویسد. یک جا را با هفتاد طرح کند. هر چه که اول باشد آن روز (و) باقی را (با) شصت ضرب کند. باز هفتاد طرح کند گهری یابد و باز پل. این مجموع را در دو جا که نوشته مانده است از میان آن نقصان کند. هر چه که باقی ماند آنرا با سه طرح کند. هرچه که اول یابد آن روز (و) باقی (را) با شصت ضرب کند و باز با سه طرح کند گهری یابد و باز پل و نام این شیگهر زحل است.

فصل سوم : (در بیان مدهم زحل[6]) جون بخواهد که مدهم زحل بنویسد اول هرگن بنویسد و با نه طرح کند. هر چه که اول یابد آن روز (و) باقی (را) با شصت ضرب کند و باز با نه طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باز پل و درمیان این مجموع دهوای زحل ضم کند مدهم شود ، نوشته بدارد.

فصل چهارم : (در بیان [۴۲] کیندر زحل[7]) اول شیگهر نوشته بماند[8]. بعده مدهم را دو جا بنویسد و در یک جا مدهم چهار دیگر ضم کند بابت کار کهند[9]. اگر از

۱- امان ۲- ن ل : ندارد ۳- ایضاً
۴- بایصد ۵- ن ل : نه‌ارد
۶- ایضاً ۷- ایضاً
۸- نماند ۹- کنند

ششصد زیاده بماند وهن است و اگر کم باشد رن است. بعده درمیان یک هزار و دو صد اگر کم کرده باشد باز با یکصد طرح کند. هر چه یابد مده کهندهٔ گذشته و باقی این حروف نوشته ندارد و باقی صد را با کهندهٔ انتر ضرب کند ، هم روز (و) هم (گهری) و هم پل (یابد) باز با صد طرح کند. هر چه یابد روز و باقی را با شصت ضرب کند باز با صد طرح کند گهری یابد و این را احتیاط کند. اگر در حروف مده دهنده وهن[1] است دهن کند و اگر رن است آن (را) کم کند. هر چه شود با دوازده ضرب کند. باز با ده طرح کند. روز ، گهری و پل یابد و این را درمیان مدهم اگر وهن باشد ضم کند و اگر رن باشد کم کند. هرچه باشد نام این کیندر زحل است ، نوشته ندارد.

فصل پنجم[2] : (در بیان سشتهٔ زحل) چون بخواهد که سپشته کند کیندر را در دو جا بنویسد و در یک جا شیکهر نقصان (کند). اگر نقصان نشود درمیان کیندر یکهزار و دو صد دیگر ضم[3] کند. بعد از کم کردن ببیند اگر از ششصد زیاده [۴۳] شود وهن کند[4] و اگر کم باشد رن کند. بعده هر کدام که شود نام او نوشته ندارد و بعده با یکصد طرح کند. هرچه که یابد از هفت کهندهٔ گذشته یابد و باقی حال کهنده. باقی از یکصد طرح دادن که مانده است آن باقی را با کهندهٔ انتر ضرب کند. هم روز، هم گهری و هم پل (یابد). بعده باز با یکصد طرح کند. هرچه که اول یابد آن روز و باقی (را) با شصت ضرب کند. باز با صد طرح کند. هرچه یابد آن گهری و باز پل (یابد) این را احتیاط کند. اگر وهن باشد ضم کند و اگر رن باشد کم کند و حروف هفت کهنده اینست :

۱ ۱۰ ۲ ۱۷ ۳ ۲۰ ٤ ۱٤ ۵ ۱۲ ٦ ۸ ۷ ٤

فصل ششم : (دربیان رجعت زحل[5]) ایضاً اگر بخواهد که زحل را رجعت بداند آنروز که از کیندر درمیان شیکهر نقصان کردن ششصد بماند. پس بداند که شصت (و) هفت روز گذشته باشد از رجعت. بعد از شصت و هفت روز بیشتر در راه خود خواهد آمد یکصد و سی و چهار روز هم رجعت (شود)

فصل هفتم (در بیان طلوع و غروب زحل[6]) : ایضاً اگر بخواهد که زحل را طلوع و غروب بداند آنروز کیندر درمیان شیکهر نقصان کند یکهزار بماند که دور فلک تمام شده است و زحل [٤۵] غروب شده بداند که بیست و یک روز شده است و بعد از بیست و یکروز[7] بیشتر طلوع خواهد شد. ازان روز که نیم چکر باشد از همان روز

۱- اگر وهن ۲- ن ا : ندارد ۳- ضم دیگر ٤- کن
۵- ن ا : ندارد ٦- ایضاً ۷- بیست یکهزار

ز مها چکر شود ماه ششم. اما بعد از مها چکر ششم ماه نیم چکر شود. کار زحل تمام
د. والله اعلم.

باب نهم : رأس و ذنب[۱]

فصل اول : (دربیان دهروای راس[۲]) چون بخواهد که دهروای رأس بدر کند
ل شاستر بنویسد و با پنج ضرب کند. هرچه جمع شود درمیان آن بیست و هفت
یگر ضم کند و با نود و سه طرح کند. هر چه که حاصل شود بآن کار نیست و هر چه
که[۳] باقی ماند آنرا با شصت ضرب کند. هر چه جمع شود او را دو جا بنویسد. یک جا
ا با سی و یک طرح کند. هر چه اول یابد آن روز و باقی را با شصت ضرب کند. باز
ا سی و یک طرح کند گهری یابد و باز پل یابد و به اینها که یافته است[٤] سی دیگر
م کند. در ایام هر چه که جمع شود در دومی جا[٥] این را کم کرده نوشته بدارد.

فصل دوم : (دربیان دهروای راس[٦]) ایضاً شاستر بنویسد و با شانزده طرح کند
رحه که اول یابد آن روز و باقی با شصت ضرب کند. باز با شانرده طرح کند. گهری
ابد و باز پل و این همه را درمیان آن (چه که) نوشته مانده است ضم کند دهروۂ
أس شود. این را نوشته بدارد [٤٤]

فصل سوم : (دربیان سپشتۂ ذنب)[۷] اول سپشتۂ رأس بنویسد. بعده درمیان
پستۂ رأس دو هزار و هفتصد را نصف دیگر ضم کند سپشتۂ ذنب شود.

فصل چهارم : (در بیان یافتن برج[۸]) ایضاً شمس و قمر را با هشت ضرب کند
حمسۂ متحیره[۹] را با هیرده ضرب کند و آنچه مضروب سود آنرا با شصت ضرب
کند[۱۰] و هرچه حاصل آید آنرا با سی طرح کند. هر جه یابد برج گذسته باشد. باق
رحه و دقیقه و ثانیه.

فصل پنجم : (دربیان ظل بلدی[۱۱]) ایضا ظل بلدی سایۂ خط استوا را[۱۲] گویند.
ر هندوی این (را) پل پربها[۱۳] خوانند و این در[۱٤] هر دیاری مختلف باشد و در این

۱- ن ا : ندارد
۲- ایضاً
۳- که هرچه که
٤- و اینها یافته است
۵- دویمی جای
٦- ن ا : ندارد
۷- ایضاً
۸- ایضا
۹- حمنۂ مخبره
۱۰- کند کند
۱۱- ن ا : ندارد
۱۲- با را
۱۳- درخشان ، تابان
۱٤- این را در

دیار شش اصبع[1] کم دانگی مشیمرند.

فصل ششم : (دربیان طلوع سهیل[2]) برای دانستن طلوع سهیل ستاره (؟) را در بیست و پنج ضرب کند و آنچه مضروب شود نهصد قانون برو افزایند هانروز که طلوع[3] اطهر ایشر[4] است آفتاب بدان برج[5] رسد. این شب طلوع سهیل ستاره باشد و غروب [۴۵] ستارهٔ مذکور یکهزار و سیصد و پنجاه درجه که نیم دور است نقصان کنند غروب باشد.

فصل هفتم : (در بیان تعدیل[6]) در معرفت تعدیل آنها درون[7] ایام شمسی سهیل شمالی[8] و جنوبی و عدد ایام برای قسمت خورشید ظل بلد را در سه جا بنویسد و جای اول را با ده ضرب کند و جای دوم[9] را در هشت ضرب کند و جای سوم[10] را باز با ده[11] (ضرب) کند و ثلث ازان بستاند و این هرسه قطعه را[12] نوشته بدارد. قسمت آفتاب را گویند و در هر شصت سال نگیرد و در ایام شمسی همیشه زیاد میکنند. (در) هندوی این را راس گویند[13]. برای جمع کردن هر کدام را روز اطهر ایسر آفتاب را از حوتل بمعه برجها اگر از سه برج کم باشد همان بماند و اگر زیاده باشد از سه و یا از شش برج[14] سس باز نقصان کند و اگر از نه زیاده باشد درمیان دوازده کم کند. هرچه یابد از سوم کهنده[15] گذشته یابد و (با) باقی کهندهٔ حال ضرب کند. باز با سی طرح کند و خارج بگیرد و پانزده طرح (کرده) عدد دیگر ضم نکند. از حمل تا سنبله و از میزان تا حوت (؟) نقصان کند و بعده آنرا دو حندان کند[16]. هرچه جمع (شود) در هندوی آن را مان گویند.[17]

باب دهم : تفاریق[18]

فصل اول : (در [۴۶] بیان کسوف و خسوف) چون بخواهد که خسوف ماه در یابد آفتاب سسنه را دو چندان کند و بعده هر چه نهند پونون[19] گهری باشد و گهری مذکور را با چهار طرح کند. هر چه که اول یابد آن گهری و باقی را با ششصد ضرب

۱- شش اصابع ۲- ن ۱ : ندارد ۳- بلوع
۴- Ishar : ایشر ، خدا ۵- سمع ۶- ن ۱ : ندارد
۷- تعدیل انها ردر رن ۸- بمیل شمالی ۹- دویم
۱۰- سویم ۱۱- با زیاده ۱۲- خطورا
۱۳- را اس گویند ۱۴- شش بروح ۱۵- سیویم کهنده
۱۶- در حیدان ۱۷- در هندون مان گویند
۱۸- ن ۱ : ندارد ۱۹- Full Moon : Punon ، بدر

. و باز با چهار طرح کند پل یابد و این پل را[1] درمیان آفتاب سپشته[2] دو چندان کند.

فصل دوم : (در بیان سپشتهٔ رأس)[3] ایضاً بعده (اگر بخواهد) رأس را سپشته کند اور کند. اول هرگن بنویسد و همون پونون هرگن[4] را با هشت ضرب کند و با ده طرح . هرچه که اول یابد آن روز و باقی را با شصت ضرب کند و باز با ده طرح کند گهری . و باز همچون کند پل یابد و درمیان این مجموع دهروهٔ رأس تمام ضمیم کنند. بعده تهٔ رأس کنند و این سپشتهٔ رأس را درمیان آفتاب سپشته دو چندان ضم کند و بعد از کردن هر چه که جمع شود آنرا با هفتصد و دوازده[5] طرح کند. هر چه که یابد نام جام (؟) است و اگر پنج[6] بیابد جانب شمال بگردد و اگر سه جانب جنوب گر چهار ماند جانب شمال و اینطور طرفها را بداند.

فصل سوم: (در بیان سپشتهٔ سیر)[7] ایضاً هر چه که از طرح دو هزار و هفتصد ماند آنرا درمیان دو هزار و هفتصد نقصان کند و بعد از نقصان [٤٨] کردن هر دامی که کم بماند همون عمل کند و نام این شاستر[8] دو جا بنویسد و یکجا را ده طرح کند پل یابد و این گهری و پل یافته را درمیان دومی جا نقصان کند و این سپشته سیر است. نوشته بدارد.

فصل چهارم : (در بیان مان رأس)[9] ایضاً همون پونون را سپشته بکت[10] کند میان بکت مذکور نقصان کند. بعده این مان قمر شود. باز همین مان قمر را (با) ن زباده ضرب کند (بعده) با چهار طرح کند. هر چه که یابد نام این مان رأس شود.

فصل پنجم (در بیان مان جوگ)[11] : ایضاً مان قمر را و مان رأس هر دو را[12] مع کند. هر چه که جمع شود نام این مان[13] جوگ و این مان جوگ را با دو طرح ند. هر چه اول یابد نام این نصف مان جوگ شود.

فصل ششم (در بیان قمر رأس)[14] : ایضاً سپسته سیر را درمیان نصف مان وگ[15] نقصان کند و اگر نقصان نشود بعده بداند که خسوف خواهد شد و هر چه

۱- و پل
۲- ن ا : ندارد
۳- اسپسته
۴- هر کن
۵- دوازده و هفتصد
۶- سح
۷- ن ا : ندارد
۸- سسز
۹- ن ا : ندارد
۱۰- تصحیح وقت
۱۱- ن ا : ندارد
۱۲- را هر دو
۱۳- قطر
۱۴- ن ا : ندارد
۱۵- نزدیک شدن دو ستارهٔ سعد مانند مشتری و زهره در یک برج

(از) نقصان کردن باقی ماند نام این قمر رأس است. پس می باید که این قمر رأس[1] را دو جا بنویسد و جای اول را در شش ضرب کند و در جای دوم[2] پنجاه دیگر ضم کند. بعده این هر دو را پل کند و جائی که[3] پنجاه ضم کرده است همون طرح کند و [۴۸] دومی جا[4] را هر چه که از طرح اول یابد گهری (و) باز پل یابد و این گهری و پل را نام استروه[5] گویند. بعده بداند که از یافت این سه گهری و پلی دو چندان خسوف خواهد شد.

فصل هفتم[6] : ایضاً چون بخواهد که چند بسوه[7] خسوف خواهد شد. آن قمر راس[8] را با بیست ضرب کند. هر چه که جمع شود آنرا با مان[9] طرح کند. هر چه که از طرح یابد همان مقدار بسوه خسوف شود.

فصل هشتم : ایضاً گهری و پونون[10] مذکور را سه جای بنویسد. درمیان او اسپرس[11] نقصان کند و درمیان آخر همین استروه[12] ضم کند. نام اول سپرش[13] و دوم را نام مدء[14] و سیوم را نام منوجه[15].

فصل نهم[16] : دیگر چون بخواهد که جوک را یکشر سپشته[17] چند روز است[18] هر دو را ضم کند و بعده، از صد طرح کند گهری یابد و بیست و هفت جوک بر پشت ممارل می نویسد و جوک مذکور اینست : (دیکنه پریت ای کهنان سوبهاگیه[19] سوبهن[20] اب کند شکرمان دهرت سول کند برده و هروه و باکهنات ماکن تحیر سود و باق پات و ریان برکها سوسنده ساوه بر شکل برهم اسد زیبهی).[21]

فصل دهم[22] : دیگر در دانستن سنکرات[23] که کدام روز خواهد شد بعد از چند گهری و چند پل اول این [۴۹] سلوک یکساله و دهر انگ[24] (را) یک جا کرده سه دفعه

۱- قمر کراس ۲- جای دویم ۳- جای که
۴- دویمی جای ۵- ؟ ۶- ن ا : ندارد
۷- مقیاس پیمایش ۸- قمر کراس ۹- قطر
۱۰- ماه چهاردهم ۱۱- ؟ ۱۲- ؟
۱۳- رابطه ، اختلاط ۱۴- میانه ۱۵- ؟
۱۶- ن ا : ندارد ۱۷- ؟ ۱۸- امبسته سورج
۱۹- سوبها که ۲۰- سوبهن
۲۱- مفهوم کلی عباراتیکه ممزوجی از هندی و فارسی است و توی پرانتز آمده است بر تصحیح کننده ، باوجود مراجعه به لغتنامه های مستند هندی ، روشن نشده است.
۲۲- ن ا : ندارد ۲۳- ورود خورسید از یک برج به برج دیگر
۲۴- سلوکه یکساله و هرانگ (انگ، حصه ، قسمت)

م[۱] کند. دفعهٔ اول روز ، دفعهٔ دوم گهری و دفعهٔ سوم[۲] پل از هفت زیاده باشدو
روز پس هفت طرح کند و از یکشنبه شمار کند روز و اگر گهریها از شصت زیاده
ید طرح کند. همین قیاس بیاید و دهر انگ[۳] دوازده برج اینست :
حمل ، ثور ، جوزا ، سرطان ، اسد ، سنبله ، میزان ، عقرب ، قوس ، جدی ،
و ، حوت و سلوک مذکور اینست. دیگر ازین سلوک[٤] هر سنکرات بدر می آید.[٥]
طور که در روز یک روز ضم کند و در تهته[٦] یازده ضم کند، در گهری پانزده ضم کند
در پل سی و یک ضم کند و اگر سنکرات حال بدر کند (یا) اگر سنکرات سالهای
شته بدر کند همه جا هم[۷] سال گذشته یابد (و) دیگر دهر انگ منازلها بدر می آید
ه آفتاب در کدام[۸] روز و چند گهری و چند پل گذشته خواهد آمد. اینست : «سنی
ر بی کرتکان روز سنی[۹] موکر ادهران سندیس پکهه سهلکیها پکها بوربان پهالکی
سب چیز آن سوانی بساکها آنرا دهان چشا مولان بوربان کهاره اشترا کهاره سرون
شتا پنکها پوریا بهدر پرا [۰ ٥] اوترا بهدر پدار بوسی پنج» [۱۰] همین سلوک[۱۱] در
هر انگ اینجا هم کار می آید یعنی این سلوک اینست که درمیان ساکه[۱۲] یکهزار و
ر صد و هفتاد و هفت دور کند و آنچه باقی باشد او را با (؟) ضرب کند. هر چه
مع شود باز با (؟) طرح کند. هر چه یابد پایان[۱۳] صفر ماند و با شصت ضرب کند.
ز همان طرح کند. هر چه یابد (با) پایان هر سه دفعه[۱٤] نهد.

فصل یازدهم[۱۵] : ایضاً آنچه یک جا نوشته مانده است نود درمیان آن یافت ضم
کند. هر چه یابد با (؟) طرح کند. هر چه یابد نگاهدارد و باز با شصت ضرب کند.
عده یافت دوم را ضم کند و باز با (؟) طرح کند. هر چه یابد نگاهدارد و باز با شصت
رب کند. بعده یافت مرتبهٔ سوم را ضم کند و باز با (؟) طرح کند. هر چه ؟ دفعه
گاهدارد مثلاً برین ترتیب دیگر یافتن و پس آفتاب انتر یابد که از جدول بلاد طلب
کند مثلاً برین ترتیب که تهانیسر[۱٦] چهل و یک[۱۷] کروه[۱۸] است شهر لاهور. هر
هر[۱۹] را بآن قدر شمار کند و چهارم حصه بگیرد. باز آنرا با شصت و دو طرح کند روز

۱- مکه ۲- دفع سوم ۳- قسمت زمین
٤- سکوک ٥- ندولی اید ٦- تارخ
۷- کم ۸- در فلان کدام
۹- Saturday ، Saturn's day ، سنی وار. روز زحل ، روز شنبه.
۱۰- کذا فی الاصل ۱۱- اشلوک ۱۲- Saka' Era, Epoch ، مبدأ تاریخ
۱۳- پاپان ۱٤- دفع ۱۵- ن ل : ندارد
۱٦- یعنی استهان ایشور (بعقیدهٔ هنود محل اقامت خدا). یکی از شهر های مقدس هنود.
۱۷- یک و چهل
۱۸- مقیاس مسافت قریب سه کیلومتر ۱۹- بر شهر ار

یابد و باقی را با شش ضرب کند. باز با شصت و دو طرح کند. هر چه یابد آن گهری شود. هر چه باقی ماند آنرا با شصت ضرب کند باز همون کند [۵۱] پل یابد.

فصل دوازدهم[۱] : ایضاً بابت قمر چهارم حصهٔ مذکور را با هفتاد طرح کند روز یابد و باقی را با نود ضرب کند. باز با هفتاد طرح کند گهری یابد و آنچه باقی باشد آنرا با شصت ضرب کند. باز با همون طرح کند پل یابد.

فصل سیزدهم[۲] : (در معرفت بیرون آوردن تفاوت[۳] شهرین). بهندوی دیش انتر[۴] خوانند. از برای صم رصد کواکب خمسهٔ متحیره[۵] اول فرسنگ مذکور بگیرد. بعده وسط سیر یک روزهٔ کواکب علوی. ازان پنجگانه[۶] که خواهد بگیرد با فرسنج مذکور ضرب کند بمعه کسر و با شصت ضرب کرده[۷] دقیقه و ثانیه کند و دقیقه را بیوم رساند. بعدهٔ هفتاد و پنج عدد و خارج قسمت طرح دقیقه ستاند با ثانیه. پس بشصت ضرب کند و (با) طرح مذکور کواکب سفلی را بسرعت سیر[۸] یک روزه بگیرد[۹] و همون عمل مذکور نماید و برای رأس و ذنب ذکر مذکور با یکصد طرح کند روز و گهری و پل یابد.

فصل چهاردهم[۱۰]: برای دانستن تفاوت شهرین[۱۱] و بهر دیاری که خواهند بیرون آورند[۱۲] بباید دانست[۱۳] که مثلاً اجین[۱۴] از شهر لاهور پانصد کروه و چهارم حصهٔ مذکور که[۱۵] بالا گفته شد دیش انتر[۱۶] باشد. بعدهٔ با پانصد و پنجاه طرح کند و خارج بستاند[۱۷] و بطرف شمال پنج[۱۸] عدد نقصان کند و بطرف جنوب افزاید. هر چه که جمع شود آنرا بهندوی[۱۹] پل (میگویند) و برای دانستن ستارهٔ سهیل بکار آید و از وی روزینه[۲۰] حاصل شود.

کار تمام شد ، الشمس و القمر. مسخرات باید دانستن و الحساب. تمت تمام شد.

۱- ن ا : ندارد

۲- ایضاً

۳- تفاوت

۴- فاصله میان دو ناحیه

۵- خمسه مقهر

۶- هیجگانه

۷- کفت

۸- بسر

۹- بگیرد د

۱۰- ن ا : قطعهٔ هشتم

۱۱- شہرین

۱۲- آورد

۱۳- یابد دانست

۱۴- یکی از شهرهای باستانی هند

۱۵- چهارم حصه که مذکور که

۱۶- لش انتر

۱۷- بستانند

۱۸- تسبح

۱۹- بهدوی

۲۰- روزنیه

تحقیق : الدکتور ظهور احمد اظهر*

شرح الأحاديث الأربعين للمنذری

المقدمة

(١)

هذا الكتاب الغر الذى أتيح لنا أن نقدمه للراغبين فى احياء التراث العربى الاسلامى القديم انما هو نتيجة لساعات قضيناها بين الكتب العربية المخطوطة التى تحتفظ بها مكتبة جامعة بنجاب بلاهور فعثرنا على مجموعة غالية تضم الكتب والرسائل المخطوطه الثمينة بما فيها الخصائص الصغرى للسيوطى و عصمة الأنبياء للشيخ مخدوم الملک عبدالله السلطانپورى و كتاب ترتيب السلوک الى ملک الملوک للشيخ بحرق الحضرمى و رسائله الثلاثه الاخرى فاعتزمنا على القيام باحياء المجموعه كلها اذ وجدناها تشتمل على التراث العربى الغالى الذى لم يطبع بعد فبدأنا العمل باذن الله حتى فرغنا من هذه المجموعة و لم يبق منها الا الكتاب الوحيد الذى يسمى «هداية الانسان لفضل طاعه الامام و العدل والاحسان» لمؤلف مجهول والذى هو شرح و تخريج لاربعين حديثا جمعها الامام زكى الدين المنذرى المصرى رحمه الله ، فدرسنا المخطوطه من ألفها الى يائها فاتضح لنا بأنه عمل مفيد و سعى مشكور يليق بالعنايه والاهتمام ثم بحثنا عن اسم الكتاب او مخطوطه فى مكان آخر و ذلک بالرجوع الى فهارس[1] الكتب الجديده منها والقديمه المخطوطة منها والمطبوعه فلم نعثر على مخطوط الكتاب ولا على اسمه فى أى مكان مما جعلنا نفكر فى اهماله والاعراض عن احيائه ولكننا غيرنا أخيرا رأينا فلم نر من المناسب أن نخرج المجموعه كلها و نهمل كتابا واحدا منها و هو يتعلق بموضوع الحديث النبوى و أنه شرح و تخريج لاربعين حديثا جمعها الحافظ الشهير والامام الكبير أبو محمد زكى الدين المنذرى المصرى ، رحمه الله ، و سماها أربعون حديثا فى فضل اصطناع المعروف بين المسلمين و قضاء حوائجهم و هى رسالة صغيره ولكنها هامه ولها نسخ مخطوطه فى عديد من مكتبات العالم و قد طبعت بمصر -

---

* استاد مشارک اللغه العربيه جامعه بنجاب

١- وقد فحصنا كلها غير المجلد الاول من فهرس الكتب خانه الخديويه و هو الذى ينقص مكتبه جامعة بنجاب

أما هذا الشرح فهو شرح مفيد جدا و ملئ بالمعلومات الجمة والمعارف الغزيره وقد كتب بأسلوب أدبي جميل مما يدل على مكانة المؤلف في معارف الحديث وعلو كعبه في الأساليب الانشائية و قدرته على التعبير الادبي الجميل كما أنه يجعلنا نرجح بأنه عربي و من تلاميذ الامام المنذري أو من تلاميذ تلاميذه و لعل هذا ما جعله لايذكر اسمه ويخفيه ايمانا و احتسابا على دأب الكثيرين من المحدثين والعلماء الذين تناولوا مجامع الاربعين شرحا و تعليقا أو تخريجا واسنادا كالاربعين النوويه وغيرها فلم يذكروا أسمائهم في شروحهم[1] -

(۲)

و أما المنذري فهو الامام العلامه الحافظ السند زكي‌الدين أبو محمد عبدالعظيم بن عبدالقوي بن عبدالله بن سلامه بن سعد بن سعيد المنذري الشامي المصري الشافعي الذي ولد سنه احدى وثمانين و خمسمائه و أصله من الشام[2] و قيل ان أصله و مولده بالشام[3]، وقرأ القرآن على الشيخ أبي عبدالله الارتاحي و تفقه على الشيخ أبي القاسم عبدالرحمن بن محمد القرشي ابن الوراق و تأدب على أبي الحسين بن يحي النحوي و ممن سمع الحديث الشيخ عبدالمجيد بن زهير و الشيخ ابراهم بن البتيت و الشيخ محمد بن سعيد المأموني والشيخ المطهر بن ابي بكر البيهقي و الحافظ ربيعه اليمني والشيخ أبو الجود غياث بن فارس والحافظ علي ابن المفضل المقدسي و به تخرج و هو شيخه[4] -

ثم رحل في طلب الحديث وعني به حتى فاق اهل زمانه و زار مراكز الحديث في العواصم الثقافيه فسمع الحديث بمكه و دمشق و حران والرها والاسكندريه و ممن سمع بمكه الشيخ يونس الهاشمي والشيخ أبو عبدالله ابن البنا و بدمشق من عمر بن طبرزد و محمد بن وهب بن الفربي والخضر بن كامل[5] -

و كان المنذري اماما في الحديث و شيخه بمصر مده طويله و كانت اليه الرحله والوفاده في زمانه و ولي مشيخه دار الحديث الكامليه وانقطع بها نحوا من عشرين عاما مكبا على العلم والافاده و كان لا يخرج من الكامليه الا لصلاة الجمعه حتى أنه كان له ولد نجيب محدث فاضل توفاه الله في حياته فصلى عليه الشيخ داخل المدرسه و شيعه الى بابها ثم دمعت عيناه و قال: أودعتك يا ولدي الله وفارقه[6]، وكان، قبل

۱- كشف الظنون ص ۱۳۱ - ۲- شذرات الذهب ۵ : ۲۷۷ -
۳- البدايه والنهايه ۱۳ : ۲۱۲ - ۴- فوات الوفيات ۱ : ۲۹۶ -
۵- نفس المرجع -
۶- شذرات الذهب ۵ : ۲۷۷ والبدايه والنهاية ۱۳ : ۲۱۲ ، و طبقات الشافعيه ۵ : ۱۰۹ و فوات الوفيات ۱ : ۲۹۶ -

أن يتولى مسيخة الكاملية ، يدرس بالجامع الظافرى بالقاهرة و ممن استفاد منه و تخرج عليه الحافظ أبو محمد الدمياطى و أبوالحسين اليونيني و إسماعيل بن عساكر و علم‌الدين الدواداری و الشریف عزالدین و امام المتأخرين تقى الدين ابن دقيق العيد و خلق كثير[1] -

و للمنذرى مؤلفات قيمه و جلها فى الحديث و علومه فمنها الترغيب والترهيب و هو مطبوع متداول فى مجلدين و هو كتاب قيم نفيس فى موضوعه و مختصر مسلم و مختصر سنن أبى داود و هوأحسن اختصارا من مختصر مسلم ويسمى المجتبى والتكمله لوفيات النقلة و شرح التنبيه و أربعون حديثا فى اصطناع المعروف بين‌المسلمين و قضاء حوائجهم[2] -

و له اليد الطولى فى علوم اللغه والفقه والتاريخ الى جانب الحديث النبوى و معارفه و كان نقيا ورعا للغايه و له فى ذلک وقائع تذكر فمن ذلک مارواه تلميذه الشيخ ابو محمد الدمياطى أنه خرج المنذرى مره من الحمام و قد أخذ منه حرها فما أمكنه المشى فاستلقى على الطريق الى جانب حانوت فقال له الدمياطى : يا سيدى ! أنا أقعدک على مسطبه الحانوت وكان الحانوت مغلقا فقال و هو فى تلک الشده بغير اذن صاحبه كيف يكون ؟ و مارضى بذلک[3] و يقول عنه السبكى : ترتجى الرحمه بذكره و يستنزل رضا الرحمن بدعائه ، وكان رحمه‌الله قد أوتى بالمكيال الاوفى من الورع والتقوى[4] -

أ.١ الحديث النبوى فقد كان المنذرى رحمه الله أحفظ أهل زمانه و كان له القدم الراسخة فى معرفه صحيح الحديث و سقيمه و الخبره باحكام الحديث والدرايه بغريبه و علله و اعرابه و اختلاف اسانيده و متونه و كان يحفظ اسماء الرجال حفظ مفرط الذكاء عظيمه و يقال ان الشيخ الشريف عزالدين بن عبدالسلام كان يسمع الحديث قليلا بدمشق فلما دخل القاهره بطل ذلک و صار يحضر مجلس الشيخ المنذرى و يسمع عليه فى جملة من يسمع ولا يسمع[5] -

و كان الشيخ المنذرى من العلماء الشعراء وله شعر لا بأس به فمما يروى من شعره قوله :

اعمل لنفسک صالحا لا تحتفل　　بظهور قيل فى الانام و قال
فالخلق لايرجى اجتماع قلوبهم　　لابد من مثن عليک وقالى

وتوفى الشيخ المنذرى فى الرابع من ذى القعده سنه ٦٥٦ه وهى سنه المصيبه

١- نفس المراجع -　　٢- نفس المراجع
٣- طبقات الشافعيه ٥ : ١٠٩ -　　٤- نفس المرجع ص ١٠٨ -
٥- طبقات الشافعية ٥ : ١٠٩

للامه الاسلاميه حيث نزلت بهم نازله التتارالكفار و ذلک فی عهدالخليفه العبا
أبو احمد عبدالشهيد المستعصم بن الم تنصر ، و دفن الشيخ بسفح جبل المقطم[1] ـ

و للعلماء العابرين والاعلام المصنفين ثناء علىالامام المنذری و يستحسن من ذا
ما قاله الحافظ شمس‌الدين الذهبی : لم يكن فی زمانه احفظ منه ! وقال الشيخ
ناصرالدين : وكان حافظا كبيرا حجه ثقه عمده ـ و قال الشريف عزالدين : و كان ع
المطير فی معرفه علم الحديث على اختلاف فنونه عالما بصحيحه و سقيمه و معلول
طرقه ، متبحرا فی معرفه أحكامه و معانيه و مشكله ، قيما بمعرفه غريبه و اعرابه واختلا
ألفاظه ، ماهرا فی معرفه رواته و جرحهم و تعديلهم و وفياتهم و مواليد هم و اخبار
اماما حجه ثبتا ورعا متحريا فيما يقوله متثبتا فيما يرويه ! و يقول ابن الاثير : له ا
الطولى فی اللغه والفقه والتاريخ وكان ثقه حجه متحريا زاهدا ـ

(٣)

و قبل ان ننهی كلمتنا يجدر بنا أن نقف قليلا عند فكرة أربعين حديثا فی الاس
لنعرف أساسها و بدايتها و تطورها و ندرس بعض الاثار الخالده والثمار الباقية ، تا
الفكره القويه التی سببت المآت من المجاميع والرسائل باللغه العربية واللغات الاسلا
الاخرى كالفارسيه والتركيه والاردويه والبنجابيه وغيرها من اللغات التی تحدث ولات
تتحدث بها الامم الاسلاميه ـ

أما الاسباب الاساسية فهی تنحصر فی سببين اثنين أما بقية الاسباب فهی فر
منها وتبع لها فالسبب الاول فی ذلک هو الحديث النبوی الذی ضعفه جهابذة ال
والفن و هو : من حفظ على أمتی أربعين حديثا من أمر دينها بعثه الله فی زمرة الفق
العلماء و يؤيده و يعضده الاحاديث الصحيحه فمنها ماقاله النبی صلى الله عليه وسل
بلغوا عنی ولو آيه ، وغير ذلک من الأحاديث النبوية الاخرى ـ و أما السبب ال
فهو العدد اربعون نفسه الذی ورد ذكره فی القرآن و الحديث فی مواضع كثيرة ف
الايات القرآنيه قوله تعالى فی سوره البقرة : و إذ واعدنا موسى اربعين ليلة و فی المائ
قال فانها محرمه عليهم اربعين سنه و فی الاعراف و واعدنا موسى ثلاثين ليلة و أتممن
بعشر و فی الاحقاف : حتى اذا بلغ اشده و بلغ اربعين سنه ، و من الاحاديث النبويه ا
جاء فيها عدد الاربعين قوله صلى الله عليه وسلم : مابين النفختين اربعون و قول
فيقوم على جنازته اربعون رجلا و قوله : اقرأ القرآن فی اربعين ، و بعث رسول
صلى الله عليه وسلم لاربعين سنه ، و كانت النفساء تجلس على عهد رسول الله ارب
يوما و على هذا فقدكان عدد الاربعين له تأثير كبير فی نفوس الامة الاسلامية و

١- نفس المرجع

م ى عنايتهم و اهتمامهم باربعين حديثا و يقول صديقنا الاستاذ الكبير عبدالقادر قره حان : و اثرت فى تطور فكرة الاربعين حديثا ، القيمة الدينية والتاريخية التقايدية التى تعطيها الاقوام السامية والطورانية و خاصة فى العالم الاسلامى للعدد اربعين[١] !

أما الحوافز والاهداف التى جعلت المسلمين يهتمون بجمع و تأليف أربعين حديثا كثيره فمنهم من رغب فى نيل الشفاعة النبوية والمغفره والنجاه و منهم من جمعها رغبه فى الدعاء الصالح والذكر الجميل أوخدمة الامة الاسلامية كما آن البعض منهم قدقام جمع اربعين حديثا ليحقق مقدرته فى علم الحديث والادب العربى او يثير الاعجاب والتقدير و يحصل على الجائزه ويتوصل الى الاكرام والانعام من الامراء والحكام وغير ذالک[٢] ـ

و قد بدأت حركة جمع الاربعين حديثا فى القرن الثانى الهجرى على يد الامام عبدالله بن المبارک رحمه الله ثم تطورت حتى بلغت قمتها فى عصر الامام النووى الذى ألف رسالته الشهيره فى أربعين حديثا و حظيت بالقبول والتلقى عندالمسلمين فوق المتصور و العلماء المسلمين شروح و تعليقات على هذه الرسلة فى اللغات المختلفة الى جانب اللغه العربيه و يتجاوز عددها المئة ثم تطورت هذه الحركه و تتابع العلماء يجمعون الاربعينات آو يشرحونها بالعربية واللغات الاخرى آويترجمونها اليها آو ينظمونهابها ـ

الفارسية : الفارسيه هى اولى اللغات الاسلاميه التى ألف بها المسلمون فى شتى الموضوعات الى جانب الاربعين حديثا ، فبدأ المسلمون الفرس يؤلفون الرسائل فى چهل حديث او أربعين حديثا و تمتاز هذه الرسائل بالطابع الدينى والادبى و خاصة فى فضائل الامام علىرض و مناقبه و بلغت هذه الحركه قمتها بالشيخ حسين واعظ كاشفى ثم بدأت التراجم و الشروح والنظم بالفارسية[٣] .

التركية : وقد أسهب الكلام وأتى بالعجائب فى الموضوع صديقنا الكريم و استاذنا الكبير الدكتور عبدالقادر قرحان حيث آلف كتابا قيما مستقلا عن الاربعين حديثا عندالاتراک و قال انهم كانوا اكثراهتماما بالناحية الادبيه و تمتازمصنفاتهم بالطابع الدينى و التدريسى من امثال الشيخ جمال الدين الاقسرايى و ابن كمال باشا و طاش كبرى زاده وغيرهم «ومنذ القرن الرابع عشر الميلادى الى النصف الاول من الثامن عشر تطورت تراجم الاربعين حديثا و شروحها بالتركية حتى ان كل شاعر كبير من شعراء الاتراک الكبار كان يعتبر فى عصره ترتيب اربعين حديثا ضربا من اللذة والواجب او ضرورة

١- أربعون حديثا ، ص ١٣

٢- اربعون حديث فى الادب التركى ص ١٥ الى ١٦ .   ٣- نفس المرجع.

يستدعيها العرف السائغ فى العصر الذى يعيش فيه . . . . و من اجل هذا كان لكثير من شعرائنا الكبار كمواتى و فضولى و خاقانى و نابى و تائب و منيف مصنفات فى الاربعين حديثا و من جهة ثانية أن ذكر امثال حزينى و اصولى و نوعى و عاشق جلبى و عالى و رحمتى فى القرن السادس عشر ، و أمثال كفه لى فيضى و ابن طاش كبرى زاده و محمد كمال الدين اوتجى زاده محمد و آنقره لى اسماعيل رسوخى فى القرن السابع عشر ، و امثال اسحاق خواجه سى احمد و بروسه لى اسماعيل حقى و مستقيم زاده سعدالدين فى القرن الثامن عشر وغير هؤلاء من مشاهير الاشخاص الى جانب الاولين يسهل علينا القول هذا الموضوع وقوة نفوذه[١] -

الاربعينات فى شبه القارة : أما المسلمون فى شبه القارة الباكستانية البنغلاديشية الهندية فقد اهتموا ، على شاكلة اخوانهم الاتراك ، اهتماما كبيرا ولهم الاربعينات[٢] من جمع و شرح و ترجمة بالفارسية والاردوية وأشهرها الاربعين للسيد على بن الشهاب الحسنى الهمدانى و الشيخ محمد بن يوسف الحسينى الدهلوى والشيخ خواجكى بن شمس الدين الحسينى والاربعين فى أبواب علوم الدين للشيخ عبدالحق الدهلوى المحدث والاربعين للشيخ احمد بن عبدالاحد العمرى السرهندى امام الطريقة المجددية والاربعين للامبراطور محى الدين محمد عالمگير قبل جلوسه على سرير الملك و بعده و ترجمها الى الفارسية و على عليها والاربعين للشيخ ولى الله الدهلوى المحدث والاربعين فى فضائل الحج والعمرة للشيخ اسحاق بن افضل العمرى والاربعين فى مناقب الخلفاء الراشدين للسيد على كبير بن على جعفر الحسينى الاله آبادى والاربعين للشيخ عبدالباسط الصديقى القنوجى والاربعين فى رد الشرك والبدعة للشيخ اولاد حسن البخارى القنوجى والاربعين لابنه السيد صديق حسن القنوجى فى فضائل الحج والعمرة.

و من هذه الاربعينات الاربعين فى معجزات سيدالمرسلين للشيخ صبغة الله المدراسى و لابنه الشيخ احمد المدراسى والمفتى عناية احمد الكاكوروى والاربعين من مرويات سيدالمجتهدين للشيخ ادريس بن عبدالعلى والاربعين لاشاعة مراسم الدين للشيخ قادر بخش والاربعين فى شفاعة سيد المحبوبين للشيخ احمد رضا خان البريلوى والاربعين من مرويات الامام أبى حنيفة للشيخ حسن محمد الهندى والاربعين فى المهديين للشيخ ولاية على العظيم آبادى و نعم المعين فى الاربعين للشيخ عبدالله بن محمد الكوركپورى والاربعين فى مسائل الدين للشيخ محمد شاه السهروردى وألفه فى تائيد الحنفية مع الشرح العربى -

---

١- نفس المرجع -

٢- الثقافة الاسلامية فى الهند ص ١٤٨ .

المتن

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على شمول فضله و نعمته ، و جميل احسانه و عظم منته ، حمدا يوجب مزيد من رضوانه و رحمته ، و عفوه و كرمه و مغفرته ، و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ، شهادة مقر بوحدانيته و ربوبيته ، و اشهد ان سيدنا محمدا عبده و رسوله المصطفى من (خليقته[1])، صلى الله عليه و آله و صحبه و عترته ، و على متبعى سنته اهل اجابته و دعوته ، و سلم تسليما كثيرا دائما ابدا.

اما بعد : فان الاحاديث الاربعين التى انتخبها الشيخ الامام العلامة زكى الدين عبدالعظم المنذرى ، رحمه الله فى اصطناع المعروف الى المسلمين و قضاء حوائج الملهوفين ، مما يجب الوقوف عليها والانقياد اليها ، و قد شاع ذكرها و حلا للسامعين وردها و طاب لاهل المعروف نشرها و قد كثر من الطلاب فى هذا الزمان الاعتبار بها والنظر فى معانيها ، فوقعت منهم بالموقع الاسنى والحظ الاعلى ، و هى حقيقة بان يتحلى المؤمن بها و ينقاد المسلم اليها ، خصوصاً من خصه الله بشمول نعمته ، و عمه احسانه و مزيد منته.

غير أن الشيخ ، رضى الله عنه ، لم يبين فيها من خرجها ولا من أى الكتب استحسنها و انتخبها ، فاردت تخريجها للطلاب طلبا لمشاركته فى الثواب و تقربا الى رب الارباب من غير ان اتعرض الى تضعيف حديث او تصحيحه ولا معرفة (سنده[2]) ولا ترجيحه.

ثم لما تأملت قوله[3] (تعالى) : ان الله يأمر بالعدل والاحسان و ايتاء ذى القربى و ينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى ، يعظكم لعلكم تذكرون و جدتها[4] قد اشتملت على امرين عظمين جليلين و هما الامر بمكارم الاخلاق و معاليها والنهى عن سفسافها و مدانيها ، كما جاء ذلک عن قتادة و غيره من ائمة السلف ، و لذلک قال ابن مسعود. انها اجمع آية فى كتاب الله جل و علا ، من خير و شر[5].

و كانت هذه الاحاديث قد اشتملت على جمل من الاحسان ، احببت أن اضيف الى ذلک طرفا من العدل ليكون لهذا التأليف حظ من هذه الاية الكريمة ، فجعلته مستملا

١- الاصل : خلقيته محرفا. ٢- الاصل : سنه و هو خطأ.
٣- القران الكريم (١٦ : ٩٠). ٤- الاصل وحرتها
٥- و راجع روح المعانى ١٤ : ٢١٧

على بابين : الباب الاول فى الحكم بالعدل و بيان فضل الامام العادل و ما يجب من تعظيمه و حقه على رعيته و طاعتهم له و دعائهم له : الباب الثانى فيما وضعنا الكتاب بسببه و هو تخريج الاحاديث ، و ربما اضم اليها ماينا سبها لتكثر الفائدة.

فان قلت : الاية الكريمة قد اشتملت على ستة امور ، و هى : ثلاثة امر الله بها ، و ثلاثة نهى عنها ، فلم اقتصرت على البابين و خصصت الكلام فى مقامين ، قلت : لان الاربعة الاخر داخلة فى الامرين (فان[1]) اداء الواجبات و ترك المنهيات كلها مندرجة فى العدل ، و جميع (الرتب[2]) والمقامات السنية والاخلاق الرضية مندرجة فى الاحسان و ايتاء ذى القربى مندرج فى الاحسان ، والنهى عن الفحشاء والمنكر والبغى مندرج فى العدل ، فاقتصرنا على هذين البابين لذلك ، و طلبا للاختصار ، و الا فالاية الكريمة لو اقتصينا ما من الله به علينا فيها من الفهم والاستنباط ، لطال ذلك على الناظرين ، والله تعالى يجعله خالصا (لوجهه) موجبا (لرضائه) و عفوه انه قريب مجيب ، و سميته : هداية الانسان لفضل طاعة الامام والعدل والاحسان.

الباب الاول

فى الحكم بالعدل و بيان فضل الامام العادل و ما يجب من تعظيمه و حقه على رعيته و طاعتهم له و فيه فصلان.

الفصل الاول

فى بيان فضله : رويت فى صحيحى[3] البخارى و مسلم من حديث ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سبعة يظلهم الله فى ظله يوم لا ظل الا ظله امام عادل و شاب نشأ فى عبادة الله عزوجل و رجل قلبه معلق بالمسجد و رجلان تحابا فى الله اجتمعا على ذلك و تفرقا عليه و رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتى لا تعلم شماله ما تنفق يمينه و رجل ذكر الله خاليا ففاضت عيناه و رجل دعته امرأة ذات منصب و جمال الى نفسها فقال انى اخاف الله.

روينا من طرق ابى نعيم عن ابى هريرة رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال لعمل الامام العادل فى رعيته يوما واحدا افضل من عمل العابد فى اهله مئة عام او خمسين عاما و من حديث ابن سيرين عن ابى هريرة يرفعه الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال عدل ساعة خيرمن عبادة ستين سنة و قال مسروق لان أقضى يوما عن احب الى من أن اغزو سنة فى سبيل الله . . .

١- سقطت والصواب اثباتها. ٢- و فى الاصل : القرب و هو تحريف.

٣- البخارى ٤ : ٣٩٩ ، مسلم ٣ : ٩٣ و عبارة المتن تختلف عندهما.

و قال الحسن البصری رضی‌الله عنه جنات عدن : و ما أدراک ما جنات عدن : قصر من ذهب لا یدخله الا نبی او صدیق او شهید او حکم عدل یرفع به صوته.

و روینا فی سنن ابی داود من حدیث ابی هریرة[1] قال : ثلاثه لا ترد دعوتهم : الامام العادل والصائم حین یفطر و دعوه المظلوم تحمل علی العمام و تفتح لها أبواب السماء.

و روینا من طریق ابن جریر بسنده عن عمر بن الخطاب رضی‌الله عنه انه قال لکعب اخبرنی عن جنه عدن. قال : یا امیرالمومنین لایسکنها الا نبی او صدیق شهید او امام عادل قال عمر : والله ما أنا نبی و قد صدقت رسول الله علیه وسلم و اما امام عادل فانی ارجو ان لا أجور ، و اما الشهاده فانی لی بها. قال الحسن : فجعله الله صدیقا شهیدا حکما عدلا.

و روینا عن طریق الحافظ ابی نعیم بسنده عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : ان فی الجنه قصرا له خمسه آلاف باب لا یدخله ولا یسکنه الا نبی او صدیق او شهید او امام عادل.

و روینا فی صحیح مسلم[2] عن حدیث عیاض بن حماز ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : اهل الجنه ثلاثه : ذو سلطان مقسط متصدق موفق و رجل رحیم القلب لکل ذی قربی و غیرهم و فقیر عفیف متعفف ذوعیال. و روینا فی صحیح[3] مسلم عن حدیث بن عمر أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال : المقسطون عندالله یوم القیمة علی منابر من نور عن یمین الرحمن و کلتا یدیه یمین ، الذین یعدلون فی حکمهم و اهلهم و ما و لوا.

و عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ان أحب الناس الی الله عزوجل یوم القیمه و اقرب منه مجلسا امام عادل و ان أبغضهم الی الله عزوجل یوم القیمه و اشدهم عذابا امام جائر.

و کتب بعض عمال عمر بن عبدالعزیز یشکو الیه من خراب مدینه فسأله مالا یرمها به فکتب عمر الیه قد فهمت کتابک فاذا قرأت کتابی فحصنها بالعدل و نق طرقها من الظلم فانه مرمتها والسلام.

و قیل لبعض الملوک ای العروأقوی فقال العدل و یقال ان الحاصل من خراج سواد العراق فی زمن امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی الله عنه کان مئه الف و سبعه و ثلاثین الف فلم یزل یتناقص حتی صارفی زمن الحجاج ثمانیه عشر الف الف فلما

۱- والحدیث عند ابی داود فی سننه ۲ : ۸۱ والترمذی فی جامعه ۲ : ۱۸۱ طبعه دهلی باختلاف یسیر فی اللفظ.

۲- ۸ : ۱۵۹.

۳- ٦ : ۷ باختلاف یسیر فی اللفظ.

ولی عمر بن عبدالعزیز ارتفع فی السنه الاولیا الی ثلاثین الف الف و فی السنه الثانیة ستین الف الف و قیل اکثر فقال : ان عشت للمعنه الی ما کان فی ایام امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی الله عنه فمات فی تلک السنه.

و یقال من کلام کسری : لا ملک الا بالجند ولا جند الا بالمال ولا مال الا من البلاد ولا بلاد الا بالرعایا ولا رعایا الا بالعدل.

و قد روی عن علی بن ابی طالب کرم الله وجهه فی هذا المعنی ماهو أتم و أبلغ لفظا قال : العلم حدیقه سیاجها الشریعة والشریعه سلطان تجب له الطاعة والطاعه سیاسه یقوم بها الملک والملک راع یفصل الجیش والجیش اعوان یکفلهم المال والمال رزق یجمعه الرعیه والرعیه سواد یستعبدهم العدل والعدل اساس یقوم به العالم.

و یقال وقف یهودی لعبد الملک بن مروان فقال یا امیر المومنین ان بعض خواصک ظلمنی فانصفنی منه و اذقنی حلاوه العدل فاعرض عنه ثم وقف له ثانیا فلم یفد ووقف له مره ثالثه و قال : یا امیرالمومنین انا نجد فی التوراة المنزلة علی موسی کلیم الله ان الامام لایکون شریکا فی ظلم احد حتی یرفع الیه فاذا رفع الیه ذالک و لم یزله فقد شرکه فی الظلم والجور فلما سمع عبدالملک ذالک فزع و بعث فی الحال الی من ظلمه فعزله و اخذ حق الیهودی منه. و ینبغی للامام ان یتلو دائما و یتذکر قوله تعالی : الذین ان مکناهم فی الارض اقاموالصلوه و آتوا الزکوه و آمروا بالمعروف و نهوا عن المنکر ولله عاقبة الاموره و فی الامر بالمعروف ایجاد المصالح و فی النهی عن المنکر درء المفاسد فمن ولاه الله تعالی علی خلقه احق بالعمل بهذه الکلمات الاربع.

و قال محمد بن کعب القرظی و قد سأله عمر بن عبدالعزیز عن النجاه والاخلاص فی ولایه امورالمسلمین ان أردت النجاه غدا فاجعل کبیر القوم عندک ابا و عد اوسطهم اخا و اصغرهم ولدا فاکرم اباک و احسن الی اخیک و تحنن[٣] علی ولدک.

الفصل الثانی فیما یجب عن تعظیمه و حقه علی رعیته.

اعلم : ان اشرف الولایات و اعظمها و اجل المناصب و اکرمها ولایة امور المسلمین موضوعة لخلافة النبوه فی حراسه الدین و سیاسة الدنیا فالقیام بها من اعظم القربات و اعظم المثوبات و ثمرتها سلامه الدین و حفظ منهج المسلمین و تمکینهم من

١- و فی عیون الاخبار ١ : ١٣ ان عامله علی حمص کتب الیه : ان مدینة حمص قد تهدم حصنها فان رأی امیر المومنین ان یاذن لی فی اصلاحه ! فکتب الیه عمر : اما بعد فحصنها بالعدل والسلام !

٢- القرآن الکریم (٢٢ : ٤١).

٣- و فی الاصل تختن والتصویب من مناقب عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی ، ص ١٢

العلم والعمل و بیده الارزاق و دفع المظالم الی غیر ذالک من الامور التی یعم و یعظم قدرها مالا یقوم به غیرالامام.

و شرح ذالک ان الله تعالی خلق دارین : دارالدنیا و دارالاخرة و بالسلطان العادل قیام الدارین و به ینتفع العباد والبلاد و علی قدرالنعمة تکون المنة : الاتری ان الانبیاء علیهم الصلاة والسلام اعم خلق الله تعالی نفعا و اجل العالمین قدرا لانهم تعاطوا اصلاح الخلائق و اخراجهم من الظلمت الی النور فکذالک سلطان الله فی الارض هو قائم بخلافة النبوة فی اصلاح الخلق و دعائهم الی رضی الرحمن و باقامة دینهم و تقویم اودهم و لیس فوق السلطان العادل منزله الا نبی مرسل او ملک مقرب.

و قد قیل مثله کمثل الغیث[1] الذی هو سقی الله تعالی و برکاته و حیاه الارض و من علیها و مثله ایضا کمثل الریاح التی یرسلها الله تعالی نشرابین یدی رحمته فیسوق به السحاب و یجعلها لقاحا للثمرات و روحا للعباد یتنسمون فیها و یجری بها میاههم و تتقد بها نیرانهم و نسیر بها فی البحر فلکهم.

و مثله ایضا مثل اللیل الذی جعله الله سکنا و لباسا و نوما و راحه و مثله ایضا کمثل النهار الذی جعله الله ضیاء و انتشارا و لما کان هذا مثاله و بوجوده تم للعالم نظامه امر الله تعالی بطاعته فی کتابه و علی لسان نبیه : فقال تعالی[2] : یا ایها الذین آمنوا اطیعوا الله و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم.

و روینا فی صحیح البخاری[3] عن جریر بن عبدالله قال بایعت رسول الله علی شهاده ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و اقام الصلوه و ایتاء الذکوه والسمع والطاعه والنصح لکل مسلم و فی البخاری و مسلم[4] من حدیث ابی هریره عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من اطاعنی فقد اطاع الله و من عصانی فقد عصی الله و من اطاع امیری فقد اطاعنی و من عصی امیری فقد عصانی.

وسئل کعب عن السلطان فقال[5] : ظل الله فی ارضه ناصحه اهتدی و من غشه ضل و عن ابی هریرة رضی الله عنه : قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من تعظم جلال الله اکرام الامام العادل و عن انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : السلطان ظل الله فی الارض فمن نصحه و دعاله اهتدی و من غشه و دعا علیه ضل[6].

۱- والاصل : سعی الله تعالی برکات و حیات الارض و هو تحریف.
۲- القرآن الکریم (٤ : ٥٩).
۳- البخاری ۱ : ۲۳ باختلاف اللفظ.
٤- البخاری ٤ : ۳۸٤ و مسلم ٦ : ۱۳
٥- الاصل فقالب محرفا.
٦- و فی الاصل : ظل و هو غلط.

و عن حذیفه قال لا تسبوا السلطان فانه ظل الله فی الارض به یقوم الحق و یظهر الدین و به یدفع الله الظلم و به یهلک الفاسقین. و قال عبدالله بن المبارک :

الله یدفع بالسلطان معضلة   عن دیننا رحمة منه و دینانا
لولا الائمه لم تأمن لنا سبل   و کان اضعفنا نهباًلأ قوانا

و روی الحافظ ابو نعیم عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه. قال قلت یا رسول الله: اخبرنی عن السلطان الذی ذلت له الرقاب و خضعت[1] له الاجساد ما هو ؟ قال هو ظل الله فی الارض ان احسنوا فلهم الاجر و علیکم الشکر و ان اساؤ و فعلیکم الصبر و علیهم الامر لاتحملنکم اسائته علی ان تخرجوا من طاعته فان الذل فی طاعة الله خیر من خلود النار ولولاهم ما اصلح الناس.

و قال الفضیل بن عیاض رضی الله عنه : لو ان لی دعوه مستجابه ما صیرتها الا فی الامام العادل لانی لوجعلتها لنفسی لم تجاوزنی و لو جعلتها للامام کان صلاح الامام صلاح العباد و البلاد.

و قال ایضا رضی الله عنه : النظر الی وجه الامام العادل عبادة ، و قد روینا فی الاحادیث الصحاح التی بلغت حدالتواتر او کادت ان تبلغه امرالنبی صلی الله علیه وسلم بالسمع والطاعه لولی امرومناصحته و محبته والدعاء له مالو ذکرناه لطال الکلام.

و لکن اعلم ارشدک الله و ایای الی الاتباع و جنبنا النفع والاهتداء[2] ان من قواعد الشریعه المطهرة والمله الحنیفیة المحرره : ان طاعة الائمه فرض علی کل الرعیة و ان طاعه السلطان مقرونه بطاعه الرحمن و ان طاعه السلطان تؤلف شمل الدین و تنظم امرالمسلمین و ان عصیان السلطان یهدم ارکان المله و ان ارفع منازل السعادة طاعه السلطان و ان طاعه السلطان عصمه من کل فتنه و نجاه من کل شبهة و ان طاعة السلطان عصمه لمن لجاء الیها و حرز لمن دخل فیها و بطاعه السلاطین تقام الحدود و تؤدی الفرائض و تحقن الدماء و تأمن السبل و ما احسن ما قالت العلماء : طاعة السلطان هدی لمن استضاء بنورها و موئل لمن حافظ علیها و ان الخارج من طاعة السلطان منقطع العصمه بری من الذمه و ان طاعه السلطان حبل الله المتین و دینه القویم و جنته الواقیة و ان الخروج منها خروج من انس الطاعه الی وحشة المعصی و من أسر غش السلطان ذل و زل و من اخلص له المحبه والنصح حل من الدین والدنیا فی ارفع محل.

و قد روینا فی الاحادیث الصحاح امرالنبی صلی الله علیه وسلم بالسمع والطاعه لولی الامرو مناصحته و محبته والدعاء مالو ذکرناه لکان ربما مله الناظر او سامه

۱- الاصل : و خضت   ۲- الاصل : الابتداع

كما تقدم فاقتصرنا على ما اوردنا و اكتفينا بما بيناه.

الفصل الثانی[1]

«فی تخریج الاحادیث و ذکر ما انضم الیها مما یناسبها»

دیث الاول : عن انس رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : الخلق
ال الله فاحب خلقه الیه انفعهم لعیاله : قلت رواه البزار والطبرانی فی معجمه و
ل الله فقراء الله والخلق کلهم فقراء الله تعالی و هوالذی یعولهم و یشهد لهذا
ما روینا من مسند الشهاب عن عبدالله بن عباس رضی الله عنهما عن النبی
علیه وسلم انه قال : خیرالناس أنفعهم للناس.

دیث الثانی : عن کثیر بن عبدالله بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیه عن جده
، رسول الله صلی الله علیه وسلم : ان لله عباداً خلقهم لحوائجُ الناس آلی علی
، لایعذبهم بالنار فاذا کان یوم القیمة وضعت لهم منابر من نور یحدثون الله تعالی
، فی الحجاب.

ـ : رواه ابن حبان فی غیر صحیحه و قال ان النبی صلی الله علیه وسلم قال
تعالی من خلقه وجوها خلقهم لحوائجُ الناس یرغبون فی الاخرة و یعدون الجود
، الله یحب مکارم الاخلاق.

حدیث الثالث عن ابن عمر رضی الله عنها قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
عز و جل خلقا خلقهم لحوائجُ الناس یفزع الیهم الناس فی حوائجهم : اولئک
، غدا من عذاب الله تعالی.

ـ رواه ابو نعیم و القضاعی فی مسند الشهاب ویشهد لهذا الحدیث مارویناه عن
اس رضی الله عنها : قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من سعی
لمسلم فی حاجة فقضیت له اولم تقض غفرالله له ما تقدم من ذنبه و ما تاخر و
له براءه من النار و براءة عن النفاق.

لحدیث الرابع عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهم قال : قال رسول الله علی الله
سلم من قضی لاخیه حاجة کنت واقفاعند میزانه فان رجح والا شفعت له.

لت : رواه ابو نعیم فی الحلیة و هذا ثواب عظیم قد تفضل الله به لمن قضی لاخیه
، حاجه و قد روینا فی کتاب الذریه الطاهرة للدولابی[4] عن الحسین بن علی بن ابی

لذا الاصل والصواب الباب الثانی فقد قسم الکتاب الی بابین و قد مضی الاول
صلیه الاول والثانی فهذا هوالباب الثانی فی تخریج الاحادیث.

ی الاصل : الله ٣- و فی الاصل : الله.

عبارة الاصل : فی الکتاب الذریه الطاهرة للدوابی و هو ابو بشر محمد بن احمد
دولابی المحدث المتوفی ٣١٠ھ و ترجمه عند الحاج خلیفه ص ٨٢٧ و ابن خلکان
: ٦٤٢.

طالب رضی الله عنهم قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من یدع معونة أ
المسلم بالسعی فی حاجته قضیت له اولم تقض الا ابتلی بمعونة من یاثم فیه ولا أجر
فانظرالی هذا الوعید ما اشده و معنی قوله صلی الله علیه وسلم قضیت له اولم تق
ان العبد اذا ترک معونة اخیه حصل له هذا الوعید و ان قضی الله حاجة ذالک الر
فالسعید من وفقه الله الی ذالک و الشقی من لم یسلک هذه المسالک.

الحدیث الخامس عن علی بن ابی طالب کرم الله وجهه قال قال رسول الله صلی ا
علیه وسلم من مشی فی عون اخیه و منفعته فله ثواب المجاهدین فی سبیل الله.

قلت و یقرب من ذالک ما رویناه فی مکارم الاخلاق لابی بکر الخرائطی[1] عن ا
رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من مشی فی حاجة اخیه المس
کتب الله له بکل خطوة سبعین حسنة و کفر عنه سبعین سیئة فان قضیت حاجته
یدیه خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه فان مات فی خلال ذالک دخل الجنة بغیر حسا

الحدیث السادس: عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی ا
علیه وسلم من کان وصله لاخیه المسلم الی ذی سلطان فی منفعة براء تیسرعسرا اعا
الله علی اجازه الصراط یوم دحض الاقدام.

قلت رواه الطبرانی المقدسی فی احادیث الشهاب

الحدیث السابع و عن انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی ا
علیه وسلم من قضی لاخیه حاجه کان کمن خدم الله عمره.

قلت رواه البخاری فی التاریخ الکبیر و یقرب من هذا الحدیث مارویناه بطرق حسا
عن بن عمر و ابی هریره رضی الله عنهما قالا سمعنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یقو
من مشی فی حاجة اخیه المسلم حتی یتبثها اظله الله تعالی بخمسة و سبعین الف ملک
یدعون له و تصلون علیه ان کان صباحا حتی یمسی و ان کان مساءاً حتی یصبح و
یرفع قدما الا کتب له حسنه ولا یضع قدما الا محیت عنه سیئه.

الحدیث الثامن: عن ابی سعیدنا الخدری رضی الله عنه: قال قال رسول الله صلی ا

١- و هو ابوبکر محمد بن جعفر السامری الخرائطی المتوفی ٣٢٧ھ، شذرات ٢
٣٠٩.

٢- الجامع الصحیح لمسلم ٨: ١٨، ٢٢.

ه وسلم لایری احد من اخیه عورة فلیسترها الا ادخله الله الجنة، قلت رواه الطبرانی
ا من حدیث عقبة بن عامر الجهنی انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من
ی عورة اخیه فسترها کان کمن احیا موؤدة من قبرها.

الحدیث التاسع : عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
فرج عن مؤمن کربة خرج الله عنه کربة و من ستر علی مؤمن ستر الله عورته
یزال الله فی عونه مادام فی عون اخیه.

قلت رواه ابن ابی الدنیا فی اصطناع المعروف و مسلم فی حدیث طویل[1] سیأتی -
رویناه فی کتاب مکارم الاخلاق عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من
ان مسلما کان الله فی عون ذلک المعین.

الحدیث العاشر : عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه
سلم من فرج عن مؤمن کربه جعل الله له شعلتین من نور یستضیی بضوئها عالم
یحصیه الا رب العالمین. قلت رواه الطبرانی فی الاوسط.

الحدیث الحادی عشر : عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله
عليه وسلم من مشی مع اخیه فی حاجة فناصحه فیها جعل الله بینه و بین النار سبع[2]
خنادق ما بین الخندق ما بین السماء والارض.

قلت رواه ابو نعیم و ابن ابی الدنیا و قد روینا مثل هذا الثواب لمن اطعم مسلما
حتی یشبع او سقاه حتی یروی من طریق الطبرانی عن عبدالله بن عمر عن النبی صلی الله
علیه وسلم قال من اطعم اخاه حتی یشبعه و سقاه حتی یرویه بعده الله من النار سبع
خنادق مابین کل خندقین مسیرة خمسماه عام.

الحدیث الثانی عشر : عن مسلمه بن مخلد قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
من ستر مسلما ستره الله عز و جل فی الدنیا و الاخرة و من فک عن مکروب کربة
فک الله عز و جل عنه کربة من کرب یوم القیمة و من کان فی حاجة اخیه کان الله
فی حاجته.

قلت رواه الطبرانی و روی مسلم[3] معناه. و روینا بالاسانید المعمول بها عن ابی
بن کعب قال مربی رسول الله صلی الله علیه وسلم و معی رجل فقال لی یا ابی : من
هذا الرجل الذی معک. قلت غریم لی و انا الازمه قال فاحسن الیه یا ابی ثم مضی
رسول الله صلی الله علیه وسلم لحاجه ثم انصرف علی ولیس معی الرجل فقال یا ابی ما
فعل غریمک و اخوک قلت : و ما عسی ان یفعل یا رسول الله ترکت ثلث مالی علیه

١- و قد مر تخریجه. ٢- الاصل سعی خنادق.
٣- راجع البخاری ٢ : ٩٨ و مسلم ٨ : ٢١.

لله و ترکت الثلث الثانی لرسول الله و ترکت الباقی لمساعدته اباه علی وحدانیته
رحمک الله یا ابی ثلاث مرات بهذا امرنا. ثم قال یا ابی ان الله جعل المعروف وجوه
من خلقه حبب الیهم فعاله و یسر علی طلاب المعروف طلبه الیهم ویسر الیهم اعطا
فهم کالغیث یرسله الله عز و جل الی الارض الجدبة فیحییها و یحیی بها اهلها
و ان الله جعل للمعروف اعداء من خلقه بغض الیهم المعروف و بغض علیهم فعاله
خطر علی طلاب المعروف طلبه الیهم و خطر علیهم اعطاؤه اياهم فهم کالغیث یحبسه
الله عز و جل عن الارض الجدبة فیهلک الله عز و جل بحبسه الارض و اهلها کذا
رواه الطبرانی.

الحدیث الثالث عشر : عن ابن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم ان لله[1] عبادا اختصهم بالنعم لمنافع العباد یقرها فیهم ما بذلوها فاذا منعوها
حولها منهم و جعلها فی غیرهم.

قلت رواه ابو نعیم الطبرانی رویناه من طریق الطبرانی باسناد جید عن ابن عباس
رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من عبد انعم الله علیه نعمة
فاسبغها علیه ثم جعل حوائج الناس الیه فتبرم فقد عرض تلک النعمة للزوال.

الحدیث الرابع عشر : عن انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم من اصاف مؤمنا او حامله فی شیی من حوائجه کان حقا علی الله ان یخدمه
وصیفا فی الجنة.

قلت رواه ابویعلی الموصلی و روینا فی صحیح[2] مسلم رضی الله عنه من حدیث
ابی هریره ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الله جل و علا یقول یوم القیمه یا ابن
آدم مرضت فلم تعدنی قال یا رب کیف اعودک و انت رب العالمین قال اما علمت ان
عبدی فلانا مرض فلم تعده اما علمت انک لوعدته لوجدتنی عنده. و یا ابن آدم
استطعمتک فلم تطعمنی قال یا رب کیف اطعمک و انت رب العالمین قال اما علمت
ان عبدی فلانا استطعمک فلم تطعمه اما علمت انک لواطعمته لوجدت ذالک عندی
یا ابن آدم استسقیتک فلم تسقنی قال یا رب کیف اسقیک و انت رب العالمین قال
استسقاک عبدی فلان فلم تسقه اما علمت انک لواسقیته لوجدت ذالک عندی

الحدیث الخامس عشر : عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله
علیه وسلم من نفس عن اخیه کربة من کرب الدنیا نفس الله عنه کربة من کرب
یوم القیمه و من ستر الله علیه فی الدنیا و الاخرة و الله تعالی فی عون العبد ما کان
العبد فی عون اخیه و من سلک طریقا یلتمس فیها علما یسر الله له طریقا الی الجنة

١- الاصل : ان الله عبادا.
٢- فی کتاب البر.

ماجلس قوم فی مسجد يتلون كتاب الله و يند ارسونه بينهم الا نزلت عليهم[١] السكينه و حفهم الملائكة و من ابطأبه عمله لم يسرع به نسبه.

قلت رواه مسلم فی صحيحه[٢] و روينا فی صحيح البخاری و مسلم من حديث ابی موسی الاشعری عن النبی صلی الله عليه وسلم انه قال علی كل مسلم صدقة قالوا يا رسول الله ارايت ان لم يجد قال يعمل بيده فينفع نفسه و يتصدق. قال ارايت ان لم يفعل قال يعين ذا الحاجة الملهوف قالوا ارايت ان لم يفعل قال يأمر بالمعروف قالوا ارايت ان لم يفعل قال يمسک عن الشرفانها له[٣] صدقة.

الحديث السادس عشر : عن عمرو بن مرة و كانت له صحبة انه قال لمعاويه رضی الله عنه انی سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول ايما وال او قاض اغلق ا به دون ذوی الحاجات و الخلة و المسكنة اغلق بابه دون حاجته و خلته و مسكنته.

قلت رواه الترمذی و احمد و رواه ابو داود عن عمرو بن مرة قال دخلت علی معاوية فقال ما انعمنا بک يا فلان وهی كلمة تقولها العرب فقلت حديث اخبرک به سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول من ولاه الله شيئاً من امور المسلمين فاحتجب دون حاجتهم و خلتهم و فقرهم احتجب الله عنه دون حاجته و خلته و فقره يوم القيمة[٤]. قال فجعل معاوية رجلاً علی حوائج الناس ، و الخله بالفتح الحاجة و قوله ما أنعمنا بک هو بهمزة مفتوحة و معناه ما جاء بک و ما الذی حملک الينا و انما يقال ذالک للذی يفرح به و بلقائه كانه يقول ما الذی افرحنا بک و انعمنا بلقائک و من ذالک قولهم فی التحية انعم صباحاً.

الحديث السابع عشر : عن أبی بردة عن ابی موسی الاشعری رضی الله عنه قال قال رسول‌الله صلی الله عليه وسلم اذا جاءنی طالب حاجة فاشفعواله كی توجروا و يقضی الله علی لسان نبيه ماشاء قلت رواه البخاری و مسلم[٥] بلفظ اشفعوا و قد قال الله تعالی فی كتابه العزيز[٦] من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها والتنكير فی النصيب للتعظيم ای نصيب عظيم خطير.

وروينا فی مكارم الاخلاق للخرايطی عن معاوية بن أبی سفيان ان رسول‌الله صلی‌الله عليه وسلم قال اشفعوا الی فتؤجروا.

واعلم انه ينبغی للشافع أن يجتنب من يأخذ علی شفاعته جعلا من هدية يهديها المشفوع له او منفعة يجرها الی نفسه فان الهديه للشافع من السحت الذی ذمه الله تعالی

١- الاصل : تبينهم. ٢- ٨ : ١٨.

٣- البخاری ٢ : ٩٨ و مسلم ٨ : ١٨ ، ٢١.

٤- ابو داود ٣ : ١٣٥ طبعة مصر، و الترمذی ١ : ١٧٩ طبعه ديوبند. باختلاف اللفظ.

٥- البخاری ١ : ٣٦٢ و مسلم ٨ : ٣٧ - ٦- القرآن الكريم (٤ : ٨٥) -

فی کتابه العزیز کما نقل عن عمر وعلی و ابن مسعود وابن عباس و مسروق رضی الله عنهم فی قوله تعالی[۱] : سمعون للکذب اکالون للسحت نزلت فی الیهود و کانوا یسمعون ممن یکذب عندهم ویأخذون الرشوه ممن یحکمون له والهدیه ممن یشفعون فیه فنزلت هذه الایه الکریمه .

و قال جماعه من المفسرین : السحت خمسه عشر : الرشوه ، و مهرالبغی ، وحلوان الکاهن ، و ثمن الکلب ، والرد والخمر ، والخنزیر ، والمیتة والدم و عسب الفحل ، واجر النائحه ، والمغنیه ، والساحر ، و اجر مصورالتماثیل[۲] وهدیه الشافع ، وسمی هذا سحتاً لانه یسحت الطاعات أوالبرکه من المال اوالدین أوالمروه بمعنی یهلکها قال الله تعالی[۳] لاتفتروا علی الله الکذب فیسحتکم بعذابه ای یستأصلکم ۔

فانظر کیف جعل الهدیه للشافع من السحت الذی ذم الله الیهود علیه عافانا الله من ذالک ووقانا سبل المهالک . و روینا فی سنن ابی داؤد[۴] عن ابی امامه رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من شفع لاخیه شفاعه فأهدی له هدیة علیها فقبلها فقد اتی بابا عظیما من ابواب الربا فهذا و عید شدید :

وقد قال الله تعالی[۵] فی حق اکل الربا الذین یأکلون الربا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس فنعوذ بالله من ذالک و ینبغی لولی الامر نصره الله و نصربه الدین واعانه علی القیام بمصالح المسلمین أن یأمرأهل الخیر والصلاح یشفعو عنده و یظهر لهم السرور بذالک اقتداء برسول الله صلی الله علیه وسلم فانه کان یأمر الصحابه رضی الله عنهم بذالک فیقول اشفعوا الی کما بیناه فی الروایة و قد شرع لناذالک لیسأل ولاه الامور من بعده بذالک ونسلک هذه المسالک.

الحدیث الثامن عشر : عن أنس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من أغاث ملهوفا کتب الله له ثلاثا و سبعین حسنه واحده منها یصلح الله بها آخرته و دنیاه والباقی فی الدرجات. قلت رواه ابویعلی والبزار.

وروینا عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس من نفس ابن آدم الا و علیه صدقه فی کل یوم تطلع فیه الشمس قیل یا رسول الله من این لنا صدقه نتصدق بها فقال ان ابواب الخیر لکثیره والتسبیح والتحمید والتهلیل والامر بالمعروف والنهی عن المنکر و تمیط الاذی عن الطریق و تسمع الاصم وتهدی الاعمی وتدل المستدل علی حاجته و تسعی شد ساقیک مع اللهفان المستغیث و تحمل شد ذراعیک

۱- القرآن الکریم (۵ : ۷۲).
۲- و راجع روح المعانی ۶ : ۱۴۰.
۳- القرآن الکریم (۲۰ : ۶۱).
۴- ۳ : ۲۹۲ طبعة مصر.
۵- القرآن الکریم (۲ : ۲۷۶).

مع الضعيف فهذا كله صدقة منك على نفسك رواه ابو حاتم واخرج الترمذى معناه[1].

الحديث التاسع عشر : عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله يحب اغاثة اللهفان : قلت رواه البزار وابويعلى والطبرانى.

الحديث العشرون : عن ابن عباس رضى الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل معروف صدقة والدال على الخير كفاعله والله يحب اغاثة اللهفان. قلت : رواه الدار قطنى فى المستجاد وابن ابى الدنيا وقد روينا فى مكارم الاخلاق عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لوجرت الصدقة على سبعين ألف كان أجر آخرهم مثل أجر أولهم.

الحديث الحادى والعشرون : عن جابر بن عبدالله رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم ان من موجبات المغفرة ادخالك السرور على اخيك المسلم اشباع جوعه و تنفيس كربه قلت رواه الحارث[2] بن اسامة فى مسنده.

الحديث الثانى والعشرون : عن ابى هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من فرج عن اخيه المؤمن كربة من كرب الدنيا فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيمة و من ستر على مسلم ستر الله عليه فى الدنيا والاخرة والله عزوجل فى عون العبد مادام العبد فى عون أخيه قلت رواه مسلم[3].

الحديث الثالث والعشرون : عن ابن عمر رضى الله عنهما ان النبى صلى الله عليه وسلم قال المسلم اخو المسلم لايظلمه ولايسلمه و من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته و من فرج عن مسلم كربة من كرب الدنيا فرج الله عنه كربة من كرب يوم القيمة و من ستر على مسلم ستر الله فى الدنيا والاخرة قلت رواه البخارى[4].

الحديث الرابع والعشرون : عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اغاث ملهوفا كتب الله له ثلاثا وسبعين مغفرة واحدة منها صلاح امره كله وثنتان وسبعون له درجات يوم القيمة.

قلت هذا هو الحديث الثامن عشر ليس فيها الا تبديل الحسنة بالمغفرة والمعانى فيها متفقة وقد تقدم انه رواه البزار و ابويعلى. وقد روينا عن ابى[5] عمرو ابى هريرة رضى الله عنهما قالا سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من مشى فى حاجة اخيه

١- الترمذى ٢ : ١٧
٢- كذا و هو الحارث بن محمد المعروف بابن ابى اسامة المتوفى ٢٨٢ه صاحب المسند.
٣- ٨ : ١٨ ، ٢١ ، باختلاف فى اللفظ. ٤- ٢ : ٩٨ وقدم.
٥- كذا الاصل والصواب ابن عمر رضى الله عنهما.

اظله الله تعالیٰ بخمسه وسبعین الف ملک حتی یفرغ فاذا فرغ کتب الله له اجر حجه و عمره.

الحدیث الخامس والعشرون : عن ابی هریرة رضی‌الله عنه قال قال رجل یا رسول الله صلی‌الله علیه وسلم ای العمل افضل قال ان تدخل علی اخیک المسلم سروراً اوتقضی عنه دیناً او تطعمه خبزاً.

قلت رواه الطبرانی فی مکارم الاخلاق وقد رویناه عن ابی سعید الخدری رضی‌الله عنه ان رسول‌الله صلی‌الله علیه وسلم قال ان أبدال آمتی لم یدخلوا الجنة بالاعمال ولکن دخلوها برحمه عزوجل و سخاوه النفس و سلامه الصدر والرحمة بجمیع المسلمین.

الحدیث السادس والعشرون : عن سمرة بن جندب رضی الله عنه قال قال رسول‌الله صلی‌الله علیه وسلم افضل الصدقة صدقه اللسان قیل یا رسول الله صلی‌الله علیه وسلم وما صدقه اللسان قال الشفاعه تفک بها الاسیر و تحقن بها الدم و تجری بها المعروف الی اخیک و ترفع عنه کریهته.

قلت رواه الطبرانی فی مکارم الاخلاق ویشهد بهذا الحدیث ما روینا فی اصطناع المعروف للخرائطی[1] عن سمره بن جندب رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من صدقه افضل من صدقه اللسان قالوا و کیف ذالک یا رسول الله قال الشفاعه تحقن بها الدم و تجری بها النفقة الی آخرو تدفع بها المکروه عن آخر.

الحدیث السابع والعشرون : عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی‌الله علیه وسلم قال اذا عادالمسلم اخاه او زاره فی الله یقول الله عزوجل طبت وطاب ممشاک و تبوأت فی الجنه منزلا.

قلت اخرجه ابن ماجه والترمذی[2] و ابو حاتم والبغوی وقد روینا فی الترمذی (عن) علی رضی الله عنه انه قال سمعت رسول‌الله صلی الله علیه وسلم یقول ما من مسلم یعود مسلماً غدوه الا صلی علیه سبعون الف ملک حتی یمسی ولا یعود مساء ا صلی علیه سبعون الف ملک حتی یصبح وکان له خریف فی‌الجنة قوله وکان له خریف فی‌الجنه یعنی یستوجب الجنه و مخارفها.

الحدیث الثامن والعشرون : عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی‌الله علیه وسلم المؤمن مرآة المؤمن ، اخو المؤمن حیث لقیه یکف عنه ضیعته ویحوطه من ورائه. قلت من ورائه رواه الطبرانی و خرج الترمذی[3] معناه.

١- الاصل دنیاه.

٢- الجامع الصحیح له ٢ : ٢١ الی ٢٢ طبعة دیو بند.

٣- نفس المرجع ٢ : ١٥.

الحديث التاسع والعشرون : عن ابی هریره رضی الله عنه قال قال رسول الله الله علیه وسلم تارون ما یقول الاسد فی زئیره قالوا الله و رسوله اعلم قال یقول هم لا تسلطنی علی أحد من اهل المعروف. قلت رواه ابو منصور الدیلمی فی الفردوس طبرانی.

الحدیث الثلاثون : عن عبدالله بن ابی بکر ابن حزم عن ابیه عن جده عن النبی لی الله علیه وسلم قال من عاد مریضا لایزال یخوض فی الرحمه حتی اذا قعد استنقع یها ثم اذا رجع لایزال یخوض فیها حتی یرجع من حیث جاء. قلت رواه بمعناه ابو داؤد و حاتم.

الحدیث الحادی والثلاثون : عن انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ن انعش حقا بلسانه جری له اجره حتی یأتی یوم‌القیمة فیوفیه ثوابه. قلت رواه الطبرانی مکارم الأخلاق.

الحدیث الثانی والثلاثون : عن انس بن مالک رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لا یضع الله الرحمة الا علی رحیم. قلنا یا رسول الله لنا رحم قال لیس الرحیم الذی یرحم نفسه و اهله خاصة ولکن الذی یرحم المسلمین.

قلت رواه ابو یعلی والطبرانی و روینا له شواهد من الصحاح عن جریر بن عبدالله رضی الله عنه النبی صلی الله علیه وسلم قال من لا یرحم لا یرحم و من لا یغفرلا یغفرله و قال صلی الله علیه وسلم : ارحموا واغفروا تغفروا[1].

و قد ثبت فی مستدرک الحاکم من حدیث ابی موسی الاشعری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لن تؤمنوا حتی تحابوا افلا ادلکم علی ما تحابون به - قالو بلی یا رسول الله قال افشوا السلام بینکم تحابوا والذی نفسی بیده لا تدخلوا الجنة حتی ترحموا قالوا کلنا رحیم. قال انه لیس برحمة احدکم ولکن رحمه العامة رحمة العامه.

الحدیث الثالث والثلاثون : عن ابی هریرة رضی الله عنه قال من اقال مسلما عثره اقاله الله یوم القیمه قلت رواه الطبرانی و ابن حبان و ابو داود و ابن ماجة بمعناه.

الحدیث الرابع والثلاثون : عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال قال الله عز و جل انا الله قدرت الخیر والشر فطوبی[2] لمن جعلت مفاتیح الخیر علی یده و ویل لمن جعلت مفاتیح الشر علی یده.

قلت رواه الطبرانی و روینا سنن ابن ماجة من‌حدیث سهل ابن سعد الساعدی رضی الله عنه قال ان هذا الخیر خزائن لتلک الخزائن فطوبی لعبد جعله الله تعالیٰ مفتاحاً للخیر

١- و راجع البخاری ٤ : ١١٤.   ٢- الاصل : فطوی.

معلاقا للسر و ویل لعبد جعله الله مغلاقا للخیر مفتاحا للشر۔

و عن انس بن مالک رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من ذ
عنده اخوه المسلم و هو یستطیع نصره فلم ینصره اذله الله بها فی الدنیا والاخره و
ذکر عنده اخوه المسلم فنصره نصره الله تعالیٰ بها فی الدنیا والاخره رواه ابو
الخرائطی۔

الحدیث الخامس والثلاثون : عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول
صلی الله علیه وسلم قال الله عزوجل ان کنتم تریدون رحمتی فارحموا خلقی ، قلت ر
ابو احمد بن عدی فی کتاب الکامل۔

الحدیث السادس والثلاثون : عن ابی برده عن ابیه عن جده ان رسول
صلی الله علیه وسلم مثل المؤمنین فیما بینهم کمثل البنیان یمسک بعضه بعضا او ی
بعضه بعضا۔

قلت رواه البخاری و مسلم[1] و روینا من طریق الطبرانی عن الشعبی عن النع
ابن بشیر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل المؤمنین فی تراحمهم و تواد
و تواصلهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو منه تداعی له سائر الجسد بالحمی والس
قال الطبرانی رأیت النبی صلی الله علیه وسلم فی المنام فسألته عن هذا الحدیث ف
النبی صلی الله علیه وسلم و أشار بیده صحیح صحیح صحیح۔

الحدیث السابع والثلاثون : عن عبدالله بن ابی بکر بن حزم عن ابیه عن جده
قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من مسلم یعزی اخاه بمصیبته الا کساه الله من
الکرامه یوم القیمه۔ قلت رواه البیهقی۔

الحدیث الثامن والثلاثون : عن ام الدرداء رضی الله عنها قالت قال رسول
صلی الله علیه وسلم ألا أخبرکم بأفضل من درجه الصیام والصلاه والصدقه قالوا
قال صلاح ذات البین و فساد ذات البین هی الحالقه۔

قلت رواه ابو داود والترمذی من[2] حدیث ام الدرداء عن ابی الدرداء والطبر
من حدیث ام الدرداء یرفعه الی رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الترمذی هو حد
صحیح واراد صلی الله علیه وسلم بفساد ذات البین العداوه والبغضاء و معنی الح
التی تحلق الدین۔

۱- البخاری ۲ : ۹۹ و مسلم ۸ : ۲۰ والترمذی ۲ : ۱۵۔
۲- ابو داود ۴ : ۲۸۰ والترمذی ۲ : ۱۶ و تختلف الفاظها۔

وقد رويناه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال وب اليكم داءالامم[1] قبلكم الحسد والبغضاء هى الحالقة لا اقول تحلق الشعر ولكن تحلق الدين.

الحديث التاسع والثلاثون: عن سعيد بن المسيب عن ابى هريره رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ينادى مناد يوم القيمة لا يقوم اليوم احد ألا احد له عندالله يد فتقول الخلائق سبحانك بل لك اليد فيقول ذالك مرارا بلى من عفا فى الدنيا بعد قدره.

قلت رواه ابو منصور[2] الديلمى فى مسند الفردوس و روينا فى مكارم الاخلاق للخرائطى عن انس ان النبى صلى الله عليه وسلم قال اذا وقف العبد للحساب ينادى منادٍ ليقم من اجره على الله فليدخل الجنة ثم ينادى الثانية ليقم من اجره على الله فيقول العافون عن الناس فقام كذا و كذا فدخلوها بغير حساب.

الحديث الاربعون: عن ابن عمر رضى الله عنهما قال قيل يا رسول الله أى الناس احب اليک قال انفع الناس للناس قال فاى العمل افضل قال ادخال السرور على المومن قال اشباع جوعه و تنفيس كربته و قضاء دينه و من مشى مع اخيه فى حاجه كان كصيام شهر واعتكافه و من مشى مع مظلوم يعينه ، ثبت الله قدميه يوم نزول الاقدام و من كف غضبه ستر الله عورته و ان الخلق السيئ يفسد العمل كما يفسد الخل العسل رواه محمد بن فيروز العلافى.

و روينا فى المعجم الكبير والأوسط والصغير عن ابن عمر رضى الله عنهما ان رجلا جاء الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اى الناس احب الى الله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احب الناس الى الله عزوجل انفعهم للناس و احب الاعمال الى الله سرورا تدخله على مسلم و تكشف عنه كربة او تقضى عنه دينه او تطرد عنه جوعاً و لأن امشى مع اخ لى فى حاجته احب الى من ان اعتكف فى هذا المسجد شهرا (أى) فى مسجد المدينة و من كف غضبه ستر الله عورته و من كظم غيظه و لو شاء أن يمضيه لامضاه ملأ الله قلبه رجاء يوم القيمه و من مشى مع اخيه فى حاجه اخيه حتى تثبتها ثبت الله قدميه يوم تزول الاقدام.

قال المواقب رحمه الله و رضى عنه هذا آخر ما قصدناه من تخريج الاحاديث الاربعين التى اشتملت على فوائد من الخيرات عظيمة و لكنها يسيره على من يسرها الله عليه و الهمنا الى ذالک.

و قد شرعت فى مختصراً ذكر فيه نبذا من فوائد ها و جملا من عوائدها و نكتا

۱- الاصل : الامه.

۲- الاصل : ابو متصور الديلى.

ن محاسنها راجیا من الله تعالیٰ حسن الهدیة إلی لطائفها فانه نعم المولیٰ و
المصیر ، لا اله الا هو علیه توکلت و إلیه المصیر والحمد لله اولا و آخرا باطنا و ظا
کما یحب و یرضی.

اللهم صل علی سیدنا محمد المصطفی والحبیب المجتبی و علی آله و اصحاب
ازواجه و ذریاته و رضی الله عن بقیه الصحابه اجمعین. حسبنا الله و نعم الوکیل ،
المولیٰ و نعم النصیر. تم -

ذوالفقار علی رانا*

''معلقات اور مستشرقین کی اسلام دشمنی''

ہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں بازاروں ، منڈیوں اور میلوں کا عام رواج تھا ،
ارے ہاں مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں میلے ، منڈیاں اور نمائشیں منعقد
ہیں ۔ قریباً تمام عرب کے لوگ وہاں حاضر ہوتے اور ایک منڈی سے دوسری ،
ے تیسری اور اسی طرح آخر تک براہ راست منتقل ہوتے رہتے ۔ ان منڈیوں
، میں خرید و فروخت کے علاوہ اور بھی کئی مصروفیات ہوتیں بلکہ یہ
م وقبائل عرب کے لیے اپنے اپنے مفاخر و مناقب ظاہر کرنے کے لیے بہترین
کام دیتے تھے ۔ اس قسم کے قریباً بیس میلوں اور منڈیوں کا ذکر کتب
پایا جاتا ہے جو سال بھر میں منعقد ہوتیں مثلاً سوق دومہ الجندل
م ربیع الاول سے آخر ماہ تک میلہ لگتا) پھر سوق ہجر میں آجاتے ۔ اسی طرح
ان ، مسقر ، صحار ، الشحر ، حضرموت ، ذی المجاز ، مجنۃ ، حباشۃ وغیرہ
ڈیاں تھیں ۔

سے بڑا میلہ حج کے موسم میں مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلے پر مقام
طائف کے درمیان مقام عکاظ پر لگتا ۔ یہ میلہ یکم ذیقعدہ سے ۲۰ تاریخ تک
۔ بعض نے لکھا ہے کہ شوال کا پورا مہینہ یہاں میلہ لگتا ۔ وہاں کچھ
یں جن کے ارد گرد عرب لوگ طواف کرتے اور حج بھی ادا کرتے ۔
معاملات ، تجارتی لین دین ، مذہبی امور اور بڑے بڑے معاملات پر سال
وتے ۔ بڑے پیمانہ پر خرید و فروخت ہوتی ۔ شاعروں اور خطیبوں کو
پنا جوہر کمال دکھانے کا یہیں موقع ملتا ۔ یہیں انہیں قابلیت اور قبول و عدم
سند دی جاتی ۔ چنانچہ جاہلیت کا مشہور فصیح و بلیغ خطیب قس بن ساعدہ
ی وہاں اپنا خطبہ دیتا ۔ اس میلہ میں فیصلوں کا اہتمام بنی تمیم کے بعض
ے سپرد تھا ۔ ان میں سے ایک شخص اقرع بن حابس تمیمی تھا [1]
ے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ اس میلہ کے لئے وہ جس مقام پر جمع
، اس کا اصل نام الاثیداء تھا ۔ اسے عکاظ اس لیے کہا جانے لگا کہ یہاں

---

* سکالر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی ۔

[1] تفصیل اسواق العرب مؤلفہ سعید الافغانی کی کتاب میں مذکور ہے

وہ لوگ مفاخرت میں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ عکر خصمہ کا معنی ہے قہرہ یعنی اس پر غالب آیا[1] صاحب لسان‌العرب نے اور زبیدی نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے۔[2]

معلقات کی وجہ تسمیہ

یہ میلہ ہر سال منعقد ہوتا اور ہر سال شعراء وہاں اپنا کلام پڑھتے جو قصیدہ سب سے بہتر اور عمدہ قرار پاتا اسے آب زر سے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ تمام لوگ اسے پڑھتے اور آئندہ سال اس سے بہتر قصیدہ لکھنے کے لیے سر مارتے۔ گویا خانہ کعبہ کے پردوں پر کسی نظم کا لٹکایا جانا اس بات کے لیے ایک عام چیلنج تھا کہ اس سے بہتر نظم کون لکھ کر آئندہ سال پیش کرتا ہے۔ ایسے قصائد کی تعداد آخر سات تک پہنچ گئی۔ انہیں دیوار کعبہ پر لٹکائے جانے کے باعث المعلقات اور آب زر سے لکھے جانے کی وجہ سے المذہبات کہا جاتا ہے۔ انہیں السموط (موتیوں کے ہار یا لڑیاں) بھی کہتے ہیں۔ گویا وہ موتیوں کی طرح بیش قیمت ہیں اور چونکہ یہ لمبی نظمیں ہیں اس لیے انہیں ''القصائد الطوال'' کہا جانے لگا۔

معلقات کی روایت پر اعتراض

ہمیں افسوس اور تعجب ہے کہ بعض مستشرقین جن میں ڈاکٹر نکلسن[3] اور نولڈ کے المانی بھی شامل ہیں۔ اس روایت کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے اعتراضات یہ ہیں:

۱- اس زمانہ میں لکھنے کا رواج بہت کم تھا۔

۲- اس امر کا فیصلہ کون کرتا تھا کہ فلاں قصیدہ سب سے افضل ہے اور اس کا معیار کیا تھا؟

۳- عرب کا مشہور شاعر اپنے قصیدہ کے خلاف کسی فیصلہ کو کیونکر تسلیم کر سکتا تھا؟

۴- خانہ کعبہ پر لٹکائے جانے کا ذکر تو خدا کے کلام میں ہے نہ رسول کی حدیث میں اور نہ کتاب الاغانی ہی میں جو ایک مستند کتاب ہے۔

۱- یاقوت، معجم البلدان، ۳ : ۱۴۲

۲- ابن منظور، لسان العرب، ۷ : ۳۴۷-۳۴۸ و تاج العروس، ۵ : ۲۵۴

۳- نکلسن، تاریخ ادب عربی، ۱۰۱-۱۰۲

ان مستشرقین کا یہ بھی خیال ہے کہ آب زر سے لکھے جانے کی روایت محض لفظ ،ذھاب سے بنائی گئی ہے جس کے معنی واقعی سونے سے لکھے جانے کے لیے گئے ہیں حالانکہ محاورہ کے طور پر نفیس چیز کو بھی مذھب کہہ دیا جاتا ہے -

۵- معلقات کے لفظ سے خانہ کعبہ پر لٹکائے جانے کی حکایت بنا لی گئی ہے ورنہ حقیقت میں یہ لفظ "علق" سے مشتق ہے جس کے معنی گرانمایہ اور نفیس چیز کے ہیں - ان کے خیال میں ان قصائد کو معلقات یا مذھبات بہت مدت بعد کہا جانے لگا - شاید جس شخص نے ان سات قصائد کو اشعار جاہلیت کے انبار سے پہلے پہل انتخاب کیا - اسی نے ان کو یہ دونوں لقب دیئے اور وہ شخص حماد راویہ یا حس نے خلیفہ مہدی کے زمانے میں ۱۵۵ ھجری (۷۷۲ ء) میں وفات پائی اس کے ،ستی کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حماد نے ان قصائد کو کن اصول پر چنا - جرمن مستشرق نولڈ کے کا خیال ہے کہ طول طویل ہونے کے باعث انہیں منتخب کیا گیا - اسی لیے ان کو سبع طوال کہا جاتا ہے - سبع طوال کی اصطلاح گویا حماد نے اس حدیث سے اخذ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اعطیت مکان التوراہ السبع الطوال: وھی البقرۃ وال عمران والنساء والمائدہ والانعام والاعراف ویوسف والکہف)"[1]

۶- سب سے پہلے یہ موضوع روایت ابن عبدربہ (المتوفی ۳۲۸ھ = ۹۴۰ء) نے اپنی کتاب العقدالفرید میں بیان کی اور لغت کے امام ابو جعفر احمد النحاس (المتوفی ۳۳۸ھ=۹۴۹ء) نے جو ابن عبدربہ کا ہم عصر تھا، اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے مگر اس نے اسے بے بنیاد قرار دیا ہے -

«یہ تھا مستشرقین کے خیال اور ان کے اعتراضات کا بیان»

اعتراض کا رد

مگر ہم حیران ہیں کہ ان مغربی محققین کو اس روایت میں کیا ایسی انوکھی بات نظر آئی جو انھیں اس کے درست تسلیم کر لینے سے مانع ہوئی - ہم ان تمام اعتراضات کا حسب ذیل جواب دیتے ہیں :

۱- سب سے پہلے یہ اعتراض کہ اس زمانے میں لکھنے کا دستور عام نہیں تھا - سو اس کے متعلق بلاذری نے فتوح البلدان میں «امرالخط» کی بحث میں صراحت کر دی ہے[2] - کہ زمانۂ جاہلیت میں بنی طی کے تین آدمیوں نے عربی خط کو

۱- المناوی ، شرح الجامع الصغیر ، ۱ : ۷۶
۲- بلاذری، فتوح البلدان ص ۴۵۶ - ۴۵۷

سریانی خط پر قیاس کر کے فن کتابت ایجاد کیا تھا اور آن سے اہل انب
سیکھا ، پھر اہل حیرہ نے ۔ ان سے بشر بن عبدالملک الکندی السکونی نے
طریقہ سیکھا اور وہ مکہ میں کسی کام سے آیا تو سفیان بن امیہ بن عبد
ابو قیس بن عبد مناف بن زہرہ نے اسے لکھتے ہوئے دیکھ کر درخواست
انھیں بھی لکھنا سکھا دے چنانچہ اس نے انھیں لکھنے کا طریق سکھایا ۔
زرارہ نے بھی لکھنا سیکھا اور اسے عمرو الکاتب کہا جاتا تھا ۔ پھر واد
لوگوں نے بھی کتابت سیکھ لی ۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب ا
ہوا تو قریش کے سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ پھر بلاذری نے وہ نام گنوائے
لکھنے کا رواج کم ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ معلقات لکھے نہ گئ

ڈاکٹر ناصرالدین نے دلائل سے ثابت کیا ہے[1] کہ جاہلیت کے عربوا
سے فن کتابت کافی حد تک پھیل چکا تھا اور انھوں نے اپنے بعض اشعار
انساب لکھ رکھے تھے ۔ پھر ڈاکٹر موصوف نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے
اہم اور ضروری معاہدات اور تحریروں کو خانہ کعبہ میں لٹکایا کرتے تھ
تحریروں کی قدر و قیمت اور اہمیت واضح ہو جائے چنانچہ محمد بن حبیب نے
کے اس معاہدہ کی نسبت جو انھوں نے عبدالمطلب سے کیا تھا لکھا ہے
کہ انھوں نے کعبہ میں لٹکایا ۔ اور اس کو لکھنے والا ابو قیس بن ع
زہرہ تھا ۔

بلاذری نے واقدی کی روایت سے لکھا ہے کہ اوس و خزرج کے کچھ
جانتے تھے ۔ بعض یہود نے بھی کتابت سیکھ رکھی تھی ۔ شروع زمانے
کے بچے بھی اسے سیکھا کرتے تھے ۔ چنانچہ جب اسلام آیا تو اوس و
متعدد لوگ لکھنا جانتے تھے اس کے بعد بلاذری نے ان کے نام گنوائے ہیں[2]

زمانہ جاہلیت میں جو شخص تیراکی ، تیر اندازی اور لکھنا تینوں ج
ہوتا اسے «الکامل» کہا جاتا تھا ۔ سو جب تیراکی ، شجاعت اور تیر ا
کے شمار لوگ مشہور تھے تو صرف کتابت جاننے والوں ہی کا انکار کیوں
ہے اس لیے یہ اعتراض لغو ہے کہ اس وقت کتابت کا عام رواج نہ تھا ۔

۲- باقی رہا یہ اعتراض کہ حج کون لوگ ہوتے تھے تو ان کا ج
ابو عمرو بن العلاء کے بیان میں مل جاتا ہے جو یہ ہے :

«وکانت العرب تجتمع فی کل عام بمکة وکانت تعرض اشعارہا علی

۱- ڈاکٹر ناصرالدین ، مصادر الشعر الجاہلی ص ٦٦ ، ۱۷۱

۲- بلاذری ، فتوح البلدان ص ٤٥٩

قریش[۱]» ۔

چونکہ قریش کی زبان فصیح ترین تھی اور وہ تمام قبائل کے نزدیک معزز اور ممتاز تھے اس لیے جج انھی میں سے ہوتے تھے ۔ بعض روایتوں میں نابغہ ذبیانی کا جج ہونا بھی ذکر کیا گیا ہے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خنساء شاعرہ نے سوق عکاظ میں نابغہ کو اپنے شعر سنائے جنھیں سن کر نابغہ نے کہا اگر ابھی ابھی مجھے اعشیٰ اپنے اشعار نہ سنا چکا ہوتا تو میں یہ فیصلہ دیتا کہ تم تمام جنوں اور انسانوں میں سب سے بڑھ کر شاعر ہو[۲] ۔

اس روایت کو ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الشعرا و الشعراء میں بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نابغہ کے لیے سوق عکاظ میں ایک سرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا جاتا تھا اور شاعر اس کے پاس آ کر اپنے شعر سنایا کرتے تھے[۳] ۔

ابوالفرج الاصفہانی نے بھی الاغانی میں عبدالملک بن قریب الاصمعی سے اس روایت کا ذکر کیا ہے[۴] ۔

۳۔ کسی قصیدہ کو افضل قرار دینا کیا مشکل بات تھی بالخصوص جب کہ عربوں میں ایک سے ایک بڑھ کر فصیح و بلیغ ادیب تھا ۔ یہ فیصلہ اس وقت کے ججوں پر موقوف تھا جو خود زبردست شاعر تھے ۔ جج کا فیصلہ خواہ اپنے خلاف ہی کیوں نہ ہو ، قانوناً ، رواجاً اور عرفاً سب کے لیے واجب التسلیم ہوتا ہے ۔ خصوصاً جب کہ جج تمام فریقوں کے اتفاق سے مقرر کیے گئے ہوں ۔ اس فیصلہ پر اعتراض کرنے کا حق کسی کو کیوں کر ہو سکتا ہے ۔ جب شروع سے ایک رواج چلا آ رہا تھا تو اس میں کسی کو تبدیلی یا انکار کا کیا اختیار ہو سکتا تھا ۔ زمانۂ جاہلیت میں باہمی جھگڑوں کا فیصلہ چکانے کے لیے بھی تو آخر حکم مقرر ہوتے تھے جن کا فیصلہ سب مانتے تھے خواہ وہ کسی کے خلاف کیوں نہ ہوتا ۔ کیا ایسے ججوں کے نام ادبی کتابوں میں بیان نہیں کیے گئے ۔ مثلاً ۔

اکثم بن صیفی ، حاجب بن زرارہ ، اقرع بن حابس ، ضمرہ بن ضمرہ ، عامر بن الظرب ، غیلان بن سلمہ ، ہاشم بن عبد مناف ، عبدالمطلب بن ہاشم ، ابو طالب بن عبدالمطلب ، عاص بن وائل ، عمرو بن حممہ ، الحارث بن عبید اور ذوالاصبع

۱۔ بغدادی ، خزانۃ الادب ۱ : ۶۱

۲۔ اسواق العرب ص ۳۱۵ - ۳۱۶

۳۔ ابن قتیبہ ، الشعر و الشعراء ۱ : ۱۱۹

۴۔ الاغانی ۸ : ۱۸۷

العدوانی وغیرہ[1] -

۴ - خانہ کعبہ پر لٹکائے جانے کا دستور بھی کوئی قابل تعجب امر
کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کو پناہ دینے والوں یعنی
ہاشم اور بنی مطلب سے مقاطعہ کر کے باہمی معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ ان لوگ
کوئی لین دین یا سروکار نہیں رکھیں گے اور یہ معاہدہ تحریر کر کے
نے خانہ کعبہ کی چھت پر لٹکایا تھا جس کا ذکر کتب سیرت و تار
موجود ہے[2] -

اس واقعہ سے کم از کم یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں عرب
اہم امور اور معاملات کو لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکانے کے عادی تھے - ا
روایات میں آیا ہے کہ جب سورۂ کوثر نازل ہوئی تو اسے لکھ کر چیلنج .
پر خانہ کعبہ کے دروازہ پر لٹکایا گیا تھا - اگرچہ یہ دونوں واقعات ابتدائی
زمانہ کے ہیں لیکن عمل کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس طرح لٹکائے جانے کی رسم
ہاں پہلے سے موجود نہ ہوتی تو یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی اور مخالف فر
ضرور اس کا مضحکہ اڑاتے مگر ایسی بات کا کہیں نشان نظر نہیں آتا -

امرؤ القیس کا قصیدہ سب سے پہلی نظم ہے جو خانہ کعبہ پر لٹکائی گئی
امرؤ القیس کا زمانہ اسلام سے بہت پہلے کا نہیں کیونکہ اس کی وفات ۵۶۵
ہجرت سے صرف ۸۰ سال پہلے ہوئی ہے - ہجرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و
اپنی عمر کے ۵۳ ویں سال میں کی - گویا حضور اکرم کی ولادت اور امرؤ ال
وفات کے درمیان صرف ۲۷ سال کا فرق ہے - یہ فرق بالکل معمولی ہے اس لیے
یہ ہے کہ امرؤ القیس کے زمانہ میں عرب میں کتابت کا رواج اس قدر نادر
کہ اس کی ایک نظم کا لکھا جا سکنا ناممکن ثابت ہو سکے - باقی معلقات تو
ہی اس زمانہ کے بعد کے متعلق جب کہ کتابت رفتہ رفتہ ترقی کرتی گئی -
ان کا لکھا جا سکنا اور بھی سہل اور قرین قیاس ہو جاتا ہے -

اس لٹکائے جانے کی رسم کی بنا پر خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بعد اپنی ولی
کے متعلق اپنے دونوں بیٹوں مامون اور امین کے بارے میں ایک تحریر لکھ
جسے خانہ کعبہ کے پردوں پر لٹکائے جانے کا حکم دیا تھا تاکہ وہ عام
شائع ہو جائے اور لوگ اس کے تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ کریں[3] - اس

۱- ابن حبیب ، کتاب المحبر ، ص ۱۳۲ - ۱۳۷ ، و بلوغ الارب ۱ : ۳۰۸ -
۲- ابن ہشام ، السیرة النبویہ ۱ : ۳۷۵ - ۳۷۶
۳- الطبری ، تاریخ الرسل و الملوک ۸ : ۲۷۷ - ۲۷۸

بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہم معاملات اور ایسے امور کو جنھیں وہ شہرت دینا چاہتے تھے لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکا دیا کرتے تھے۔

سو جب اور قسم کے معاہدات اور اہم تحریرات کا کعبہ پر لٹکایا جانا ثابت ہے تو شاعری کا عربوں کے دلوں میں جو اہم مقام تھا وہ بدرجہ اولیٰ اس امر کا مقتضی تھا کہ ان قصائد کو بھی اہم جان کر کعبہ پر آویزاں کیا جاتا۔ اس سے کعبہ کے تقدس میں کوئی فرق نہیں آتا تھا۔ تقدس میں فرق آنے کا سوال اس صورت میں پیدا ہو سکتا تھا کہ عرب شاعری کو برا خیال کیا کرتے یا اس ملکہ کی مذمت کرتے ہوتے حالانکہ جیسا مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ شاعری تو ایک باعث فخر چیز تھی اور اچھے شاعر کے ظاہر ہونے پر اس کے قبیلے کو لوگ مبارک باد دیا کرتے اور خوشیاں منائی جاتی تھیں[1]۔ اس لیے ثابت ہے کہ شاعری کی سب باتوں سے بڑھ کر اہمیت تھی اور ایسے ایک اچھی چیز خیال کیا جاتا تھا جس پر وہ فخر کیا کرتے تھے۔

سید محمود شکری الوسی بغدادی (المتوفی ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء) نے بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب میں سوق عکاظ کے بیان میں لکھا ہے[2]۔

وکانوا یتبا یعون فیھا و یتعاکظون و یتفاخرون و یتحا جون و تنشد الشعراء ما تجدد لھم وقد کثر ذلک فی اشعار ہم کقول حسان :

سانشران حییت لھم کلاما ینشر فی المجامع من عکاظ[3]

و فیھا علقت القصائد السبع الشھیرہ افتخاراً بفصاحتھا علی من محضرالموسم من شعراء القبائل الی غیر ذلک۔

اس سے معلوم ہوا کہ سوق عکاظ میں شاعر لوگ اپنے قصیدے پڑھا کرتے تھے اور یہ قصیدے لٹکائے گئے تھے۔ حضرت حسان کے مندرجہ بالا شعر سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ سوق عکاظ میں اسعار کا پڑھا جانا اس وقت بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ یہ شعر حسان بن ثابت نے اس قصیدہ کے جواب میں لکھے تھے جو آن کی ہجو میں امیہ بن خلف الخزاعی نے کہے تھے اور جن میں سے ایک شعر یہ تھا۔

الا من مبلغ حسان عنی مغلغلہ تدب الی عکاظ[4]

اس شعر سے بھی مندرجہ بالا خیال کی تائید ہوتی ہے۔

۱- السیوطی ، المزھر ۲ : ۳۸۰، ابن رشیق ، العمدۃ ۱ : ۶۵

۲- بلوغ الارب ۱ : ۲٦٧

۳- دیوان حسان ، ص ۲۴۲

۴- دیوان حسان ، ص ۲۴۲

اب رہا مستشرقین کا یہ اعتراض کہ اس روایت کا قرآن یا حدیث میں ذکر نہیں۔ سو معلوم ہوتا ہے کہ معترضین نے قرآن و حدیث کو شاعری کی تاریخ کا متن سمجھ رکھا ہے۔ یہ اعتراض تو انتہائی مضحکہ خیز اور معترضین کی جہالت اور کوتاہ نظری کا نتیجہ ہے۔ بھلا قرآن و حدیث کو ایسی باتوں سے کیا تعلق ہے۔ کیا عربوں کی ہر اچھی بری بات کا ذکر قرآن یا حدیث میں آ جانا ضروری تھا؟ قرآن و حدیث لوگوں کی ہدایت اور اخروی نجات کا رستہ بتانے کے لیے ہیں یا قصہ کہانی اور شعر و شاعری کی تاریخ بیان کرنے کے لیے؟ قرآن و حدیث ایسی باتوں کو کچھ اہمیت نہیں دیتے جن کا تعلق انسان کی نجات سے نہ ہو۔ ہاں کسی بات کے سلسلہ میں ضمناً اگر اس قسم کی کسی بات کا ذکر آ گیا ہو تو وہ صرف اس نقطۂ نظر سے ہے کہ وہ ایک مسلمان کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہو، جس سے اس کا دنیوی یا اخروی نفع یا نقصان وابستہ ہو۔ معلقات خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے یا نہیں اس بحث پر نہ تو ایک مسلمان کی دنیوی زندگی میں کسی نفع یا نقصان کا مترتب ہونا منحصر ہے اور نہ اخروی زندگی میں اس سے کوئی نفع یا نقصان متصور ہو سکتا ہے اس لیے اس کا ذکر قرآن و حدیث کے موضوع سے خارج ہے۔ اس اعتراض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین نے قرآن و حدیث کو ایک عام دنیوی کتاب کی طرح رطب و یابس و اغلاط کی کھتونی خیال کر رکھا ہے۔ دراصل یہ ایک نیش زنی ہے، جس سے قرآن و حدیث کی تنقیص اور تذلیل مقصود ہے جو ہمیشہ سے عیسائی قوموں کا شیوہ رہا ہے۔ خذلھم اللہ

۵- ڈاکٹر ناصرالدین اسد نے اپنی کتاب «مصادر الشعر الجاہلی» میں لکھا ہے[1] کہ ابن النحاس کا یہ کہنا کہ حماد راویہ نے سبع طوال کو جمع کیا، اس امر کی دلیل نہیں کہ یہ قصیدے اس سے پہلے موجود نہ تھے یا وہ لکھے اور لٹکائے نہیں گئے تھے ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام دیوان جن کو مختلف راویوں اور ادیبوں مثلاً ابو عمرو بن العلاء، ابو عمرو الشیبانی، المفضل الضبی، السکری، الاصمعی اور ثعلب وغیرہ نے جمع کیا ہے۔ ان سے پہلے غیر موجود تھے۔ مگر یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو کسی نے نہیں کیا اور نہ اس کے کچھ معنی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حماد جاہلی اشعار کو جمع کرتا تھا اور اس کے سامنے ان دیوانوں کے کئی نسخے موجود تھے۔ سو اگر مطلب یہ ہے کہ حماد نے ان سات قصائد کو ایک جگہ جمع کر دیا تو یہ امر ان کے آویزاں کیے جانے کو باطل نہیں کر سکتا۔ اس طرح بعض اموی خلفاء بھی شعر جاہلی کو جمع کرنے اور لکھنے کا شوق رکھتے تھے جیسا کہ عبدالملک کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس نے ان معلقات کو جمع کیا

۱- ڈاکٹر ناصرالدین، مصادر الشعر الجاہلی، ص ۱۷۰

اور ان میں سے چار شاعروں کو نکال کر مزید شاعروں کو ان کی جگہ رکھ دیا۔ اسی طرح امیر معاویہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ انہوں نے کہا عمرو بن کلثوم اور حارث بن حلزہ کے قصیدے مفاخر عرب میں سے ہیں اور وہ مدت تک کعبہ میں لٹکتے رہے۔ اس سے ثابت یہ ہوا کہ حماد سے کافی عرصہ پہلے لوگ معلقات کو جانتے تھے اور وہ لکھے گئے اور وہ حماد سے پہلے کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔

۶- مستشرقین کا یہ کہنا کہ خانہ کعبہ پر آویزاں کیے جانے کا ذکر سب سے پہلے ابن عبد ربہ نے العقد الفرید میں کیا ہے درست نہیں کیونکہ ابن عبد ربہ کا سال وفات ۳۲۸ھ ہے حالانکہ ہشام ابن الکلبی نے اس سے پہلے واضح الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن الکلبی، ابن عبد ربہ سے کافی عرصہ پہلے یعنی ۲۰۴ھ میں فوت ہوا۔

جامعہ معلقات کے بارے میں ابن الکلبی کا بیان حسب ذیل ہے:

«فاول شعر علق فی الجاہلیۃ شعر امرئ القیس۔ علق علی رکن من ارکان الکعبۃ ایام المواسم حتی نظر الیہ ثم احدر فعلقت الشعراء ذلک بعدہ وکان ذلک فخراً للعرب فی الجاہلیۃ و عدد من علق شعرہ سبعۃ نفرالا ان عبدالملک طرح شعراربعہ منہم واثبت مکانہم اربعہ[۱]»

ابن الکلبی کے علاوہ ہر زمانہ کے بڑے مستند علمائے ادب اس روایت کی تحقیق و تائید کرتے چلے آئے ہیں۔ مثلاً ابو عمرو بن العلاء (المتوفی ۱۵۴ھ) ابن عبد ربہ (المتوفی ۳۲۸ھ) ابن رشیق (المتوفی ۴۶۳ھ) ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) عبدالقادر البغدادی (المتوفی ۱۰۹۳ھ) وغیر ھم۔ یہ تمام ادیب بہت معتبر اور ادب عربی کے ستون ہیں۔ صرف ایک ابوجعفر النحاس کے بیان کو صحیح سمجھ لینا اور باقی چھ مستند علماء کے متفقہ خیال کو رد کر دینا انصاف کا خون کرنا ہے بالخصوص جب کہ نحاس نحو یا لغت میں تو امام مانا جاتا ہے مگر ادب یا شعر اور تنقید میں وہ مذکورہ بالا علمائے ادب و تنقید کے مقابلہ پر کوئی درجہ نہیں رکھتا۔ ابن عبد ربہ بڑا زبردست ادیب اور شاعر ہے۔ ابن رشیق خود بڑا شاعر اور ایک خاص مرتبہ کا نقاد ہے اور ابن خلدون نہ صرف بڑا مؤرخ بلکہ سخت نقاد اور فلاسفر بھی ہے۔ اس نے تاریخ کے تمام واقعات کو کڑی تنقید کی نظر سے پرکھا ہے اور بعض واقعات کی صحت سے تحقیق کے بعد انکار کر دیا ہے۔ مگر معلقات کے کعبہ پر آویزاں کیے جانے کی روایت کی اس نے بھی توثیق کی ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے ابو جعفر نحوی کی ایک روایت کا کوئی مقام باقی نہیں رہ جاتا۔ علاوہ ازیں جمہور مستشرقین نے خود اس روایت کی صحت کو مانا ہے جن کا ذکر نکلسن نے

۱- عبدالمنعم الخفاجی، الحیاۃ الادبیۃ فی العصر الجاہلی، ص ۲۵۷

کیا ہے ۔ ایسے مستسرقین میں یہ لوگ شامل ہیں ۔

Reiske (اٹھارویں صدی عیسوی) فرانسیسی

Sir William Jones (المتوفی ۱۷۹۴ء) انگلستانی

De Sacy (المتوفی ۱۸۳۸ء) فرانسیسی

ان کے علاوہ جرجی زیدان (المتوفی ۱۹۱۴ء) عیسائی مورخ نے بھی عاس کے قول کو بزور رد کیا ہے ۔[1]

عیسائی قوم کا تعصب اور اسلام دشمنی

دراصل یہ ان کج فطرت دشمنان اسلام کی ایک گہری تدبیر ہے ۔ ، دارے میں اس روایت کو غلط کہنے سے ان کا اصل مقصود قرآن و مشکوک ہونا بیان کرنا ہے تاکہ جب آہستہ آہستہ معلقات کے بارے مسلمہ روایت غلط ثابت ہو جائے تو پھر ذرا آگے قدم بڑھا کر یہ کہا ۔ اسی طرح قرآن و حدیث کی روایت بھی غلط ہوتی چلی آئی ہے اور وہ صورت میں موجود نہیں ۔ مصر کے بعض جدید نام نہاد عربی علماء نے بھی جدید لذید مستشرقین کے اس خیال پر آمنا و صدقنا کہنا شروع کر دیا حود بڑے محقق ہونے کا دعویٰ کرنے لگے ۔ طہٰ حسین نے تو تقریباً تقریباً شاعری کو محض موضوع اور غلط قرار دیا ہے لیکن ہر فرعونے را موسیٰ کہ اس کے ہم وطنوں نے ہی اس کا منہ توڑ جواب دیا ہے اور اس «الادب الجاہلی» پر کڑی تنقید کر کے اس کا جواب کتابی صورت کر دیا ہے ۔

کتاب الاغانی میں بے شک زمانۂ جاہلی اور اسلامی کے بیشتر شعراء اور ان کی شاعری کا ذکر آیا ہے مگر اس میں بھی سب کے حالات اور تما ذکر نہیں ۔ کیا ہر وہ بات جس کا ذکر اغانی میں نہیں آیا ضرور غلط ہی اغانی کی وہ روایت بیان ہو چکی ہے[2] ۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ میں نابغہ ذبیانی کو اس زمانے کے شعراء اپنا کلام سنایا کرتے تھے اور وہ ا درے ہونے کافیصلہ کیا کرتا تھا ۔ ابو الفرج الاصفہانی یعنی اغانی کا مؤ میں فوت ہوا ہے ۔ اس وقت تک ابن الکلبی ، ابو عمرو بن العلاء اور وغیرہ ہم علماء جنھوں نے معلقات کے آویزاں کیے جانے کو مانا ہے فو

۱- جرجی زیدان ، تاریخ آداب اللغة العربیة ۱ : ۱۰۵-۱۰۶

۲- ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۱ حاشیہ نمبر ۴

تھے اور ان کے اس خیال کی اشاعت عام ہو چکی تھی اس لیے صاحب اغانی نے اس کی توثیق یا تائید کو ضروری نہ سمجھا ہوگا ۔ اگر اس کے نزدیک یہ روایت غلط ہوتی تو جہاں اس نے نابغہ کے جج بننے کا ذکر کیا تھا وہاں اس روایت کی تردید بھی کر سکتا تھا ۔ مگر اس نے نہ اس کی تائید کی اور نہ تردید ، اس لیے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا خیال کیا تھا تاہم اس کا خاموش رہنا اس امر کی زیادہ دلیل ہے کہ وہ اس کو درست جانتا تھا ۔ بہر کیف اغانی میں صراحت سے اس روایت کا ذکر نہ ہونا مخالفین کو سچا ثابت نہیں کر سکتا ۔ بلکہ ہم الزامی طور پر یہ کہیں گے کہ ایک مشہور روایت کو صاحب اغانی نے بیان کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی کہ وہ ایک عام اور معمولی خبر تھی جو سب کے نزدیک مسلم تھی ۔ اگر وہ اسے غلط سمجھتا تو اس کا رد کرنا اس کے لیے ضروری، تھا ۔ حالانکہ اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی بیان کردہ روایت ہمارے مقصود کو زیادہ ثابت کرتی ہے ۔

یہ تھا ان مدعیان تحقیق کے ڈھول کا پول اور ان کے لایعنی اعتراضات کا جواب جس سے ان کے تمام لچر اعتراضات کا تار و پود بکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ اب ان کے مقابلہ میں علمائے ادب محقق نقادوں کی رائے بھی سن لیجیے ۔

مستند علماء کی تحقیق کا خلاصہ

ابو عمرو بن العلاء اور ابن الکلبی کی روایتوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے ۔

ابن عبدربہ کے الفاظ یہ ہیں :

«وقد بلغ من کلف العرب بالشعر و تفضیلها له ان عمدت الی سبع قصائد تخیرتها من الشعر القدیم فکتبتها بماء الذهب فی القباطی المدرجة و علقتها باستار الکعبة فمنه يقال مذهبة امرئ القیس و مذهبة زهیر والمذهبات سبع يقال لها المعلقات[1]»

ابن عبدربہ کے ان الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام معلقات ایک وقت لکھ کر خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے ۔

ابن رشیق نے لکھا ہے :

«وکانت المعلقات تسمی المذهبات و ذلک انها اختیرت من سائرالشعر القدیم فکتبت فی القباطی بماء الذهب و علقت علی الکعبة فلذلک يقال مذهبة فلان اذا کانت اجود شعره» ۔

۱- ابن عبدربہ ، العقد الفرید ۳ : ۳۸۷

پھر وہ کہتا ہے :
«وقیل کان الملک اذ استجیدت قصیدة الشاعر یقول علقوا لناهذه لتکون و حزانته[1]»

یہ آخری الفاظ قابل غور ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ ابن رشیق کی اپنی رائے تو یہی ہے کہ ان قصائد کو خانہ کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا مگر وہ کہتا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بادشاہ کسی نظم کو پسند کرتا تو کہتا تھا کہ اس کو لٹکا دو ۔ اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ نظم اس کے خزانہ میں جمع رہے۔ اس رائے کو «قیل» کے لفظ سے بیان کیا ہے اور عربی کا اصول یہ ہے کہ «قیل» عریض یعنی کسی رائے کے کمزور اور ضعیف ہونے کے اظہار کے لیے لایا جاتا ہے ۔

سیوطی نے المزھر میں ابن رشیق کی رائے نقل کر کے اس سے اتفاق کیا ہے[2] ۔
ابن خلدون کے الفاظ ملاحظہ ہوں :

اعلم ان الشعرکان دیوان العرب ۔ فیه علومهم و اخبارهم و حکمهم وکان رؤساء العرب منافسین فیه و کانوا یقفون بسوق عکاظ لانشاده و عرض کل واحد منهم دیباحته، علی فحول الشأن واهل البصر لتمییز حوله حتی انتهوا الی المباهاه فی تعلیق اشعارهم بارکان البیت الحرام موضع حجهم و بیت ابراهیم کما فعل امرؤ القیس بن حجر و النابغه الذبیانی و زهیر بن ابی سلمی و عنتره بن شداد و طرفه بن العبد و علقمه بن عبده والاعشی وغیرهم من اصحاب المعلقات السبع ۔ فانه انما کان یتوصل الی تعلیق الشعر بها من کان له قدره علی ذلک بقومه و عصبیته و مکانه فی مضر علی ما قیل سبب تسمیتها بالمعلقات[3]»

اب آخر میں عبدالقادر البغدادی کی رائے بھی سن لیجیے :
و ”معنی المعلقه ان العرب کانت فی الجاهلیه یقول رجل منهم الشعر فی اقصی الارض فلایعبأبه ولاینشده احد حتی یأتی مکه فی موسم الحج فیعرضه علی اندیه قریش فان استحسنوه روی وکان فخراً لقائله و علق علی رکن من ارکان الکعبة حتی ینظرالیه و ان لم یستحسنوه طرح ولم یعبأبه ۔ واول من علق شعره فی الکعبة امرؤالقیس و بعده علقت الشعراء وعدد من علق شعره سبعه ۔ ثانیهم طرفه بن العبد ۔ ثالثهم زهیر بن أبی سلمی رابعهم لبید بن ربیعه ۔ خامسهم عنتره ۔ سادسهم الحارث بن حلزه ۔ سابعهم عمرو بن

۱۔ ابن رشیق ، العمدہ ۱ : ۶۶
۲۔ السیوطی ، المزھر ۲ : ۳۸۰
۳۔ ابن خلدون ، مقدمہ ص ۵۸۰ - ۵۸۱

کلثوم التغلبی - ھذا ھو مشھور'' ۱

ان علمائے ادب کے متفقہ فتویٰ کے بعد مزید تحقیق اور بحث کا کوئی فائدہ نہیں - ہمارے نزدیک اس روایت کو قبول نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں بلکہ اس کے خلاف عقلی اور نقلی دلائل اور براھین موجود ہیں- اس لیے یہ روایت نہ صرف روایت بلکہ درایت دونوں کے اصولوں کے مطابق بالکل درست ہے اور عربوں کی شاعری سے دلچسپی اور اہمیت کے ساتھ ساتھ ان کے رسوم و رواج اور فطرت کے بھی عین مطابق ہے - واللہ اعلم بالصواب

معلقات کی اہمیت

بہر کیف معلقات کی اہمیت سب کے نزدیک ایک مسلم چیز ہے جس سے نہ متقدمین نے انکار کیا ہے اورنہ متأخرین نے - مشرق اور مغربی علماء سب ان کا لوہا مانتے ہیں - یہ قصائد عربی جاہلی شاعری کا بہترین نمونہ اور فصاحت و بلاغت کا مرقع خیال کیے جاتے ہیں - ان سے عربوں کے بارے میں ہمیں بیش بہا ذخیرۂ معلومات دستیاب ہوتا ہے - ان کی قدیم تاریخ ، باہم قبائلی تعلقات ، ان کی جنگوں کے حالات ، رسوم و رواج ، تمدن و معاشرت ، تہذیب ، مذہبی اور اخلاقی امور - الغرض زندگی کے ہر پہلو پر وضاحت سے روشنی پڑتی ہے - اس زمانہ کی زبان اور مختلف پیرایہ ہائے بیان کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے - ان کی ذہنی اور نفسیاتی حالت بھی واضح ہوتی ہے - عربی ادب کے ایک طالب علم کے لیے یہ قصائد بنیادی مطالعہ کا حکم رکھتے ہیں - ان کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھے بغیر عربی ادب کا صحیح مذاق پیدا نہیں ہوسکتا اور نہ عربی زبان کی وسعت ، فصاحت و بلاغت اور اس کی خوبیوں کا اندازہ ہی ہوسکتا ہے - حماسہ میں تو جاہلی اور اسلامی دونوں زمانوں کے اشعار کے نمونے موجود ہیں اور وہ صرف قطعات کی صورت میں منتخب اشعار ہیں اس لئے اس عربی جاہلی شاعری کا بہترین ذخیرہ یہی معلقات ہیں -

معلقات کی تعداد

معلقات کی تعداد اور ان کے شعراء میں کچھ اختلاف ہے - صاحب جمھرۃ اشعار العرب یعنی محمدبن‌ابی‌الخطاب ، ابوزیدالقرشی (المتوفی ۱۷۰ھ) کے نزدیک ان کی تعداد آٹھ ہے - ۲

۱- امرؤالقیس ، ۲- زھیرابی‌سلمیٰ ، ۳- نابغہ ذبیانی ، ٤- اعشیٰ ،
۵- لبید ، ٦- عمروبن‌کلثوم ، ۷- طرفہ بن العبد ، ۸- عنترہ بن‌شداد

ابو زکریا تبریزی (المتوفی ۵۰۲ھ) نے ۱- عبید بن الابرص کے قصیدہ اور ۲-

---

۱- البغدادی ، خزانۃ الادب ، ۱ : ٦۱

۲- ابو زید القرشی ، جمھرۃ اشعار العرب ص ۹۳

حارث بن حلزہ کے قصیدہ کو بھی ان کے ساتھ ملا کر کل تعداد دس بتائی ہے
ابو عبیدۃ نے یہ سات نام گنوائے ہیں [۲]

۱- امرؤالقیس ، ۲- زہیر ، ۳- نابغہ ، ۴- ا
۵-لبید ، ۶- عمرو بن کلثوم ، ۷- طرفہ -

مفضل ضبی کہتا ہے کہ جو یہ کہے کہ ان سات کے علاوہ بھی کسی کا
السموط میں شامل ہے وہ جھوٹا ہے - [۳]

گویا ابوعبیدہ کی اس روایت کے مطابق عنترۃ اور حارث بن حلزہ کے
معلقات میں شامل نہیں بلکہ ان کی بجائے اعشیٰ اور نابغہ کے قصیدے ش
عام روایت کے مطابق جس پر نکلسن کو بھی اتفاق ہے- سبع معلقات کے شعرا
ذیل ہیں -

۱- امرؤالقیس ، ۲- طرفہ ، ۳- زہیر ، ٤
۵- عمرو بن کلثوم ، ٦- عنترہ ، ۷- حارث بن حلزۃ -

اگر مندرجہ بالا تمام روایات کے شعراء کو اصحاب معلقات مان لیا جائے
معلقات کی تعداد دس تک پہنچ جاتی ہے جیسا کہ تبریزی نے بیان کیا ہے
واللہ اعلم بالصواب

معلقات کی شروح

معلقات کی ادبی ،تاریخی اور تمدنی و ثقافتی اہمیت کے پیش نظر متعدد
ان کی شرحیں لکھی ہیں ، جن میں سے زیادہ مشہور اور اہم حسب ذیل ہیں

۱- ابوبکر عاصم بن ایوب البطلیوسی ، التوفی ٤٦٤ھ
۲- ابوبکر محمد بن القاسم الانباری، المتوفی ۳۲۸ھ (اس شرح کا نام شرح السبع الطوال الجاھلیات ہے -)
۳- ابوجعفر احمد بن محمد النحاس النحوی ، المتوفی ۳۳۸ھ
٤- ابوعلی اسمعیل بن قاسم القالی مولف الامالی ، المتوفی ۳۵٦ھ
۵- الامام القاضی ابوعبداللہ الحسین بن احمد بن الحسین الزوزنی ، المتوفی

۱- البغدادی ، خزانہ الادب ۱ : ٦۱
۲- السیوطی، المزہر ۲ : ۳۸۰
۳- نفس المکان.
٤- ان میں سے اکثر کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ۲ : ۱۷۳۰ - میں کیا ہے

الشیخ ابو زکریا یحیی بن علی المعروف بالخطیب التبریزی ، المتوفی ۵۰۲ھ
(یہ دس معلقات کی شرح ہے)

۷۔ محمد بن محمود بن محمد المطکان ، المتوفی ....

۸۔ ابو البقاء محمد بن موسیٰ کمال الدین الدمیری ، المتوفی ۸۰۸ھ (مصنف حیوۃ الحیوان الکبریٰ ۔)

۹۔ الشیخ احمد بن الامین الشنقیطی، المتوفی ۱۳۳۱ھ (یہ بھی دس معلقات کی شرح ہے)

۱۰۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری ، المتوفی ۱۳۰٤ھ ادیب الہند الفیضی (اس شرح کا نام ریاض الفیض ہے - یہ عربی کے علاوہ اردو اور فارسی میں بھی ہے)

۱۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے علماء نے معلقات کی عربی ، فارسی اور اردو میں بھی شرحیں لکھی ہیں ۔ مثلاً قاضی ظفرالدین احمد بن القاضی محمد امام الدین معلم ...ت العلوم پنجاب ۔ اس شرح کا نام 'علق نفیس' ہے ۔ قاضی سجاد حسین کرت پوری مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ فتحپوری دہلی ، ابوالفضل مولوی محمد اسحق اسلام آبادی وغیرہ ۔ان کے علاوہ معلقات کی شرحیں اور تراجم بعض یورپین زبانوں مثلاً انگریزی اور جرمنی وغیرہ میں بھی موجود ہیں

مثنویات محمود

از

محمود لاہوری

مرتبہ :

ڈاکٹر محمد بشیر حسین

ملنے کا پتہ :

سیکرٹری دولت ایران گرانٹ فنڈ کمی
شعبۂ فارسی پنجاب یونیورسٹی (اورینٹل کالج) لا

ڈاکٹر محمد باقر*

کشف المحجوب اور سید علی ہجویریؒ کے بارے میں چند گزارشات

(۱)

کشف المحجوب کے قدیم نسخے

نوائے وقت لاہور کی ۲۹ دسمبر ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں حضرت سید علی جلابی رحمۃ اللہ علیہ ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش کی مشہور عالم تصنیف کشف المحجوب کے ایک خطی نسخے کے متعلق یہ حیرتناک اور بیحد دلخوش کن اطلاع شائع ہوئی کہ یہ لاہور میں موجود ہے اور حضرت داتا گنج بخش کے اپنے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے۔ راقم نے مالک کی طرف رجوع کیا تو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ اس نے اخبار کو صحیح اطلاع بہم نہیں پہنچائی تھی۔ یہ نسخہ مغلوط ہونے کے علاوہ سو سال سے زیادہ پرانا نہیں۔ اس کی روشنائی ، کاغذ اور کتابت اس کی شاہد ہے۔ جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے حضرت داتا صاحبؒ کی وفات کو تقریباً نو سو سال ہو چکے ہیں اور اس وقت تک ابھی نستعلیق رائج نہیں ہوا تھا جس میں یہ نسخہ مرقوم ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی میں کتاب نودسی اور کتابت مدارج اعلیٰ طے کر گئی۔ یہ تیموریوں کا دور تھا۔ اور اسی صدی میں تبریز کے معروف خطاط خواجہ میر علی نے نسخ اور تعلیق کی آمیزش سے نستعلیق کی ایجاد اور ترویج کی۔ ایران میں تیرھویں صدی عیسوی میں رقاع اور توقیع کی آمیزش سے تعلیق کی ایجاد ہو چکی تھی۔ اس کا ذکر مولانا جامی نے یوں کیا ہے :

کاتبان را ہفت خط باشد بطرز مختلف
ثلث و ریحان و محقق نسخ و توقیع و رقاع
بعد ازاں تعلیق آن خط است کش اہل عجم
از خط توقیع استنباط کردند اختراع[1]

مشتہرہ نسخہ معمولی نستعلیق میں سیالکوٹی کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ سیالکوٹی

---

* پروفیسر ایمیریٹس پنجاب یونیورسٹی

1 Baqir, Muhammad, *Introduction* to *Ta-kera-ye Khattatin*, 3

کاغذ بھی داتا صاحب کے وقت میں ابھی تیار ہونا شروع نہیں ہوا تھا - جو سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے وہ بھی سو سال سے کم قدیم ہے -

حقیقت یہ ہے کہ کشف المحجوب[1] کا کوئی معاصر نسخہ ابھی تک دریافت نہیں ہوا - یہ اطلاع بھی درست نہیں کہ مرحوم پروفیسر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب کا مملوکہ خطی نسخہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے دست مبارک سے ۶۶۴ھ میں لکھا گیا ہے - اصل نسخہ دیکھیں تو صاف طور در معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کتابت ۱۰۶۴ھ یا کسی اور تاریخ کی تحریف کرکے کسی نے ۶۶۴ھ بنائی ہے - اس خطی نسخے کا خط اور کاغذ دونوں اس کی صحیح قدامت کا اعلان کر رہے ہیں -

روسی مستشرق ویلنٹائن ژوکوفسکی کو بھی دراصل کوئی مستند نسخہ ہاتھ نہیں آیا - اس لیے اس کے مطبوعہ ایڈیشن کی صحت بھی مشکوک ہے اور یہ کہنا درست معلوم نہیں ہوتا کہ قدامت کے اعتبار سے ژوکوفسکی کا نسخہ دوسرے درجے پر ہے - اس نے جب کتاب کی تدوین شروع کی تو اس کے سامنے اس کے اپنے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل پانچ نسخے تھے :

(الف) نسخہ خطی متعلق بہ کتابخانہ سلطنتی وی آنا (شمارۂ ۴۳۳ از مجموعہ ہامر ، فہرست فلوگل ، مجلد سوم ، ص ۴۴۰)[2] - اس کے چند ابتدائی اوراق افتادہ ہیں - تاریخ کتابت درج نہیں - اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ نویں صدی ہجری (سولھویں صدی عیسوی) کا نسخہ ہے - اس نسخے کے خاتمے پر درج ہے :

”مقابلہ کردہ شد کتاب کشف المحجوب من اولہ الی آخرہ و تصحیح کردہ شد بقدر الوسع و الطاقہ در دست بندۂ حقیر مسعود صوفی تاب اللہ عنہا توبۃ نصوحاً . . . تمت المقابلہ بقدر الوسع و الطاقہ علی یدی العبد الضعیف الفقیر الحقیر الوقیر الداعی الی اللہ الولی مسعود بن شیخ الاسلام القرشی الصوفی . .“

گویا اس نسخے کا کاتب مسعود بن شیخ الاسلام القرشی صوفی ہے -

(ب) ژوکوفسکی نے اپنے متن کی تدوین کے وقت دوسرا خطی نسخہ پبلک لائبریری تاشقند کا استعمال کیا ہے جو ۱۳ ذوالحجہ ۱۰۴۶ ھجری کا لکھا ہوا ہے[3] -

---

۱- کشف المحجوب نسخہ خطی متعلق بہ کتابخانۂ مولوی محمد شفیع ، صفحہ آخر -

2 Flugel, G., *Die Arabischen Persischen und Turkischen Handschriften der Kaiserlich-Koniglichen Hofbibliothek Zu Wien*, III, 440

3 Khal, E. Th., *The Persian, Arabic and Turkish manuscripts in the Turkestan Public Library*, 40.

(ح) تیسرا نسخہ سمرقند میں نجی ملکیت میں تھا جو ژوکوفسکی نے استعمال کیا۔

(د) دانشگاہ سینٹ پیٹرزبرگ کے کتابخانہ کا نسخہ (شمارۂ ۵۸۳ از مجموعۂ کظم بک ۔ مؤرخ ۱۰۱۱ھ) ۔

(ہ) خطی نسخہ متعلق بہ موسسۂ السنۂ شرقیہ وزارت امور خارجہ ۔ اس کا اول و آخر افتادہ تھا ۔[۱]

ژوکوفسکی نے وی آنا کے نسخے کو بنیاد بنا کر اور دیگر نسخ سے مقابلہ کرکے اپنے نسخے کی تدوین کی ۔ اُس نے ۱۹۰۰ء میں یہ کام شروع کیا ۔ مسٹر ایل ۔ ایس ڈوگن (L. S Dugin) اُس وقت پروفیسر ژوکوفسکی کے زیر تعلیم تھے ۔ وہ بیان کرتے ہیں :

'The critical edition of the *Kashf-ul Mahjub* by the late Prof V. Zhukovsky is a post-mortem edition, having appeared only in 1926. The work was begun by the great savant as far back as 1900 and in 1901 the present writer (as that time one of Prof. Zhukovsky's students) was asked by Prof. Zhukovsky to assist him with the collation of the sheets ready for print with the various MSS. used by him for the edition. That humble collaberation, however, did not materialize owing to the technical difficulties of that plan, and the work was completed by Prof. Zhukovsky single handed a couple of years later, and printed off, together with seven of its eight Indices, as early as 1905. The exhaustive scholarly Introduction (in Russian) to the edition (which comprises 57 pages) was, however, completed and printed, as also the remaining eighth Index, only in 1914 Owing to the then prevailing circumstances, the folded, but unsewn copies of the book remained stacked up on the premises of the Press, where it was printed, without seeing the light of publication. It was only in 1926, several years after Prof. Zhukovsky's death (He died of heart failure on the 17th January, 1918), that the book, to which a Russian and a Persian title-page, and two pages of Preface were added, was finally issued "[۲]

کشف المحجوب کے روسی ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۶ء کے ساتھ روسی زبان میں ایک مقدمہ **دانشگاہ دولتی لین گراڈ کے موسسۂ تتبعات تطبیقی در ادبیات و السنہ**

---

1. Baron V. Rosen, *Collections Scientifique de l'Institue des Langues Orientales, Les Manuscripts Persian*, iii, 291.

1 Siddiqui, Misbah-ul Haque, *The Life and Teachings of Hazrat Data Ganj Bakhsh*, 42.

غربی و سرقی کے دوامی رکن مسٹر اے ۔ راما سکیفیچ (A. Ramaskievitch) کی طرف سے شامل ہے جس میں ژوکُن کی اطلاعات پر یہ اضافہ کیا گیا ہے :

''کتاب کشف المحجوب تالیف ابی الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الہجویری الغزنوی کا متن (صفحات ۱-۵۳۶) اور فہارس (صفحات ۵۳۷-۵۸۸) بتوسط مرحوم ویلنٹائن ژوکوفسکی ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھیں ۔ کچھ دیر بعد مصحح کے مقدمہ کا ایک حزو چھاپا گیا اور پھر یہ کئی سال تک اسی حالت میں ناتمام پڑا رہا ۔ تا آنکہ پروفیسر موصوف نے ۱۹۱۳ء میں ایک اور مقدمہ لکھ کر اس کام کو مکمل کیا ۔ اس وقت مدرسۂ السنۂ پیٹرز برگ کی روداد مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۱۴ کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ کتاب مذکور آیندہ سال شائع کرائی جائے ۔

''ژوکوفسکی کی وفات (۴ جنوری ۱۹۱۸ء) کے بعد راقم کو مدرسۂ عالی السنۂ شرقی لنن گراڈ کی طرف سے حکم ملا کہ میں پروفیسر موصوف کے کام کو انجام تک پہنچاؤں کہ مجھے بھی مرحوم کے حضور شرف تلمذ حاصل تھا ۔ لیکن غیر معمولی حالات کی وجہ سے یہ نفیس نسخہ شائع نہ ہو سکا ۔

«میری تجویز پر ۱۹۲۱ء میں دانشگاہ دولتی لنن گراڈ کے موسسۂ تتبعات تطبیقی در ادبیات و السنۂ غربی و شرقی نے یہ طے کیا کہ اس متن کو مکمل طور پر شائع کیا جائے ۔ چنانچہ اس کتاب نے ۱۹۲۶ء کے آغاز طباعت کے تمام مراحل طے کیے [۱]»

راقم کے کتاب خانے میں کشف المحجوب کا وہ اولین مطبوعہ نسخہ بھی ہے جسے پروفیسر نکلسن نے بنیاد بنا کر ۱۹۱۱ء میں اپنا انگریزی ترجمہ پیش کیا [۲]۔ یہ نسخہ ۱۸۷۴ء میں لاہور میں چھپا تھا ۔ اور اس پر کشف ، مدار ، غیاث ، فتح الرحمن ، صراح ، لطایف ، کنز ، سرح تحایف آداب الشریعہ کے حواشی مندرج ہیں۔ اس کے علاوہ مسند محمد بن یعقوب بن الهارثی، مسند حسن بن محمد بن خسرو اور مسند امام اعظم سے بھی حواشی منقول ہیں ۔ لیکن حواشی درج کرنے والے اور کتاب کے مدون کا کوئی ذکر نہیں ۔ ژوکوفسکی نے کشف المحجوب کے اپنے نسخے کی تدوین کے وقت اس مطبوعہ نسخے کو دیکھا تھا ۔ لیکن اس نے اس سے استفادہ نہیں کیا ۔ کیونکہ وہ یہ نسخہ حاصل کرنے سے قبل اپنی کتاب ترتیب دے چکا تھا ۔

اس فقیر کے کتاب خانے میں کشف المحجوب کا وہ نادر مطبوعہ نسخہ بھی ہے جو شوال المعظم ۱۳۳۰ھ (اکتوبر ۱۹۱۲ء) میں سمرقند سے شائع ہوا ہے ۔ اسے

۱۔ کشف المحجوب ، مطبوعہ تہران ، ۱۳۳۶ شمسی ، ص سی و سہ ۔
۲۔ نکلسن : مطبوعہ ترجمۂ انگریزی مقدمہ ، صفحات XV - XVI ۔

امجید مفتی بن ملا سید عبداللہ المدرس الحنفی نے مطبع حرمت مند
شائع کیا ہے - ظاہر ہے کہ یہ نسخہ ژوکوفسکی کے مطبوعہ نسخے سے
ال پیشتر شائع ہوا - اس کی کتابت میرزا سید عبدالسلام بن سیادت پناہ
سید عبدالمجید نے اس کتاب کے آخر میں ایک اشتہار بھی اس مضمون
ہے کہ اگر دو سال سے پہلے کوئی ناشر اس کتاب کو میری اجازت کے
رے گا تو میں اس کے خلاف دعویٰ دائر کر دوں گا[1] -

ریحات سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اس وقت تک معلوم اور مؤرخ
ں میں گیارہویں صدی ہجری (سترہویں صدی عیسوی) سے قدیم تر کوئی
ت نہیں ہوا[2] اور مطبوعہ نسخوں میں قدیم ترین نسخہ ۱۸۷۴ء کا ہے -
سے شائع ہوا ہے - اس نسخے کی بنیاد کس خطی نسخے پر رکھی گئی اس
طلاع نہیں ملتی - بہر صورت اس وقت سے پہلے کا کوئی نسخہ مل جائے تو
باعث خوش وقتی و سعادت ہو گا -

(۲)

قطب دوران کی تاریخ وفات

دوران حضرت سید علی ہجویری کی تاریخ وفات کا مسئلہ اس لیے الجھا ہوا
ی معاصر تالیف میں اس کا ذکر نہیں ملتا - بعد کے اور وہ بھی کئی سو سال
گوں کی بات پر اس لیے اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب مختلف تاریخہائے
ں سند کے بغیر درج کر دیتے ہیں - سب سے پہلے قابل غور تاریخ وفات وہ
ح مزار پر کندہ ہے - قطع نظر اس کے کہ وضع سنگ و خط مزار چنداں
مفتی غلام سرور لاہوری اپنی تالیف خزینة الاصفیا میں یہ اطلاع بہم
ں :

ی بالای مزار پر انوار شیخ گنبد نہ بود - حالا در سال یک ہزار و دو
ر هفتاد و ہشت شخصی حاجی نور محمد بہ تعمیر گنبد معلیٰ پرداخت»[3]

طلاع سے صرف ایک منفی نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ ۱۲۷۸ھ (۲ - ۱۸۶۱ء)
زار پر کوئی گنبد نہ تھا - ضمناً یہ درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

المحجوب مطبوعہ سلیمانوف ، ص ۴۹۲ -
وکل نے ژوکوفسکی کے بنیادی نسخہ متعلق بہ کتاب خانۂ ویآنا کو
نویں صدی ہجری کا قرار دیا ہے - (فہرست ، جزوسہ ، ص ۴۰۰) -
الاصفیا ، مفتی غلام سرور لاہوری ، ۲ : ۲۳۳ -

خزینہ الاصفیا (مؤلفہ ۸۱ - ۱۲۸۰ھ) میں مفتی غلام سرور گنبد کے تعمیر کرنے والے کا نام حاجی نور محمد فقیر درج کرتے ہیں اور اپنے معاصر مورخ مولوی نور احمد چشتی لاہوری سے اتفاق کرتے ہوئے اس کا نام نور محمد ہی بتاتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو۔

"اس گنبد کی تاریخیں تعمیر کی شعرائے لاہور نے بہت لکھی ہیں ۔ دو قطعۂ تاریخ ان میں سے ، ایک تو میاں فرید شاعر نے تحریر کی ہے ، درج کی جاتی ہیں :

نور محمد چون بناء نو نہاد
مقبرۂ مکرم مرحوم ما
گفت فرید از پئے تاریخ او
مقبرۂ منعم مخدوم ما
۱۲۷۸

"اور دوسری تاریخ مصنفہ مفتی غلام سرور صاحب جو انھوں نے در باب تعمیر اس روضہ کے لکھی تھی اور بوقت تصنیف کتاب ہذا کے بامید اندراج میرے پاس پہنچی ، سو وہ یہ ہے :

کرد عجب نور محمد بنا
روضۂ پر نور از صدق دلی
مقبرۂ سید دین گنج بخش
قرہ البصار نبی و علی
آن کہ دو کونش تہ فرمان شدند
سید و سردار شاہ غزنوی
قطب جہان سرور اقطاب دین
گنج سخا مظہر نور جلی
سال بنائش بخرد گفت دل
روضۂ عالی علی ولی"[1]
۱۲۷۸

اس سلسلے میں یہ درج کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی کوئی معتبر شہادت ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی کہ حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری واقعی اس مقام پر مدفون ہیں جہاں بتایا جاتا ہے ۔ اس ضمن میں قدیم ترین اطلاع جو اب تک دستیاب ہوئی ہے وہ داراشکوہ کی ہے جس نے لکھا ہے :

"و قبر درمیان شہر لاہور مغرب قلعہ واقع شدہ"[2]

۱۔ تحقیقات چشتی ، نور احمد چشتی لاہوری ، ۲ ، ۲ - ۱۰۸۱ -
۲۔ سفینۃ الاولیا داراشکوہ ، ص ۱۶۵ -

اگر موجودہ قبر کو دیکھا جائے تو یہ قلعہ کے مغرب کی طرف کم اور جنوب کی طرف زیادہ ہے - پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبر درمیاں شہر لاہور ، ہے جو درست ہے - واللہ اعلم باالصواب -

(۳)

تاریخ وفات کے منابع

تاریخ وفات مندرجہ ذیل منابع سے درج کی ہوئی صورت میں ملتی ہے :

نمبر	منابع	مصنف یا مولف	تاریخ تالیف	مندرج تاریخ وفات
۱-	سگ مزار	نصب شدہ	۲-۱۸۶۱ء/۱۲۷۸ھ	۴۶۵ھ
۲-	سفینة الاولیاء، ۱۶۵ کانپور، ۱۸۸۴ء	دارا شکوہ	۲۷ رمضان ۱۰۴۹ھ ۲۱ جنوری ۱۶۴۰ء	۴۵۶/۴۶۴ھ
۳-	نفحات الانس	جامی	تاریخ وفات کا ذکر ہی موجود نہیں جیسے مفتی غلام سرور نے کہا ہے	
۴-	تذکرہ علماے ہند، ۵۹	رحمان علی		۴۶۵ھ
۵-	سبک شناسی ۲، ۱۸۷	مرحوم ملک الشعراء بہار		,,
۶-	تصوف اسلام ۵۳،	عبدالماجد		,,
۷-	ماثرالکرام			,,
۸-	اسماء المصنفین ۱، ۶۹۱	اسماعیل پاشا بغدادی		,,
۹-	بزم صوفیہ، ۸	سید صباح الدین		,,
۱۰-	شرح نفحات الانس	شیخ حامد کشمیری		,,
۱۱-	ترجمہ کشف المحجوب IX XI	نکلسن		بین ۴۶۵-۴۶۹ھ
۱۲-	خزینة الاصفیاء	مفتی غلام سرور		۴۶۴ تا ۴۶۶ھ
۱۳-	مقالہ مطبوعہ سروش دسمبر ۱۹۵۹ء	پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع		بعد از ۴۷۹ھ
۱۴-	مقالہ مطبوعہ سروش اکتوبر ۱۹۵۹ء	آقای عبدالحی حبیبی		بین سنوات ۴۸۱-۵۰۰ھ
۱۵-	کشف الظنون	حاجی خلیفہ		۴۵۶ھ
۱۶-	قاموس الاعلام	سامی بیگ		۴۵۶ھ
۱۷-	آب کوثر، ۸۶	شیخ محمد اکرام		۴۶۵ھ

ان تمام تاریخہائے وفات کے لیے کسی مولف نے کوئی حتمی سند پیش نہیں کی - لہذا یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حضرت داتا گنج بخش کی صحیح یا اندازاً تاریخ وفات معین کرنے کے لیے اندرونی شہادت کی طرف کس طرح رجوع کیا گیا ہے - اس

سلسلے میں حضرت صاحب کے اپنے بیان کے مطابق ۴۶۵ھ کے بعد آن کے حیات ہونے کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ وہ کسف المحجوب میں استاد امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ قسیری نساپوری شافعی (۳۷۶-۴۶۵ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کرنے کا ذکر بارہا کرتے ہیں : مثلاً ''از استاد ابو القاسم قسیری رحمہ اللہ علیہ شنیدم'' (ص ۳۰، ۳۶۸، ۲۰۵ طبع سمرقند). چونکہ استاد قسیری اکثر مورخوں کے بقول سنہ ۴۶۵ھ میں فوت ہوئے تھے[1]- اس لیے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہجویری ۴۶۵ھ کے بعد زندہ تھے اور **کشف المحجوب** لکھ رہے تھے-

اس طرح ابو الحسن سالبہ بن ابراهیم کے والد ابو الفتح سالبہ کا ذکر کرتے ہوئے هجویری فرماتے ہیں : شیخ الشیوخ ابوالفتح سالبہ افصح اللسان بود و شیخ ابو الفتح سالبہ مرید را خلفی نیکو و امیدوار است (کشف ۲۱۳ - ۱۳۵) -

ابوالحسن سالبہ ۴۷۳ھ میں وفات پاتے[2] ہیں - اس لیے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ہجویری اس سال تک بھی حیات تھے -

پھر ابو علی فارمدی کا ذکر کسف (ص ۲۱۱) میں ملتا ہے جنہیں هجویری دعائے ''ابقاالله'' سے یاد فرماتے ہیں - فارمدی ۴۷۷ھ میں فوت ہوتے ہیں - لہذا یہ کہنا پڑتا ہے کہ هجویری ۴۷۷ء تک بھی زندہ تھے -

کسف میں پیر هرات خواجہ عبداللہ انصاری کا ذکر بدعای رحمة الله علیہ (ص ۳۱، طبع سمرقند) آیا ہے اورخواجہ صاحب ۴۸۱ھ[3] میں فوت ہوئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسف ۴۸۱ھ تک لکھی جا رہی تھی اور هجویری اس سال تک بھی زندہ تھے -

اس وقت تک دستیاب ہونے والی داخلی شہادتوں میں آخری سال ۵۰۰ھ کا ہے جس میں حضرت داتا ''گنج بخش زندہ نظر آتے ہیں -کسف میں شیخ قسورہ بن محمد گردیری کا ذکر ملتا ہے : شیخ اوحد قسورہ بن محمد الجردیزی باہل طریقت شفقتی تمام دارد ، و مرا بر یک را بنزدیک وی حرمتی هست ومشائخ را دیدہ است'' (ص ۲۱۸ طبع لینن گراد) - آقای عبدالحی حبیبی کی تحقیق کے مطابق شیخ قسورہ گردیزی چھٹی صدی ہجری کے آغاز تک زندہ تھے - لہذا یہ بھی ماننا پڑیگا کہ حضرت داتا صاحب بھی اس وقت تک زندہ تھے - (مجلہ سروش اکتوبر ۱۹۵۹، ص ۱۰)- گویا

۱- **وفیات الاعیان** ابن خلکان ، ۲ ، ۳۷۵ -
۲- **المنتظم** ابن جوزی ، ۸ ، ۳۲۸ و **نفحات الانس** جامی ، ۲۵۹ -
۳- **مراۃ الجنان** یافعی ، ۳ ، ۱۲۲ و **نفحات** جامی ، ۳۳۲ -

ی ہوئی تاریخ غلط ہے اور یہ امر یقینی ہے کہ سید علی ھجویری سنہ
۱۱۰۷ ء) تک بقید حیات تھے -

ر ڈاکٹر محمد شفیع نے یہ تجویز بھی کی ہے کہ چونکہ کشف میں دیگر
وفیات کا بھی ذکر ہے اگر ان کی تاریخہائے وفات کا جائزہ لیا جائے
ان ہے سید علی ھجویری کی تاریخ وفات ۱۱۰۷ء/۵۰۰ھ سے بھی بعد
ی جاسکے -

کتابیات

1 Baqir Muhammad, *Introduction to Tazkera ye Khattatin*. Laho

2 Baron V. Rosen, *Collections Scientifiques de l Institule de Orientales, iii. Les Manuscripts Persan.* St Petersbourge,

3 Dugin, L.S., *The Kashf-ul-Mahjub of Abul-Hasan Ali* (An article in Siddiqui Collection, See Siddqui).

4 Flugel, G., *Die, arabischen, persiden and turkischen Handsch Kaiserlich - Koniglichen Hofbiblio thek zu Wien*, Wien, 1865

5 Khal, E.Th., The Persian, Arabic and Turkish manuscript Turkestan Public Library, Catalogue (in Russian)

6 Nicholson, Reynold A., *The Kashf al-Mahjub* (Eng. Tr.) Lond

7. Siddique, Misbah al-Haque, *The life and Teachings of Ha Ganj Bakhsh* Lahore, 1977.

کوثر، شیخ محمد اکرام - لاہور

زالاصفیا ، عبدالصمد بن محمد افضل - نسخہ خطی متعلق بکتابخانہ دیوان
شمارہ سدہ ۱۳۶۹ھ

ء المصنفین، اسماعیل پاشابغدادی -

موفیہ ، سید صباح الدین - اعظم گڑھ -

وفات داتا گنج بخش علی ھجویری غزنوی ، آقای عبدالحی حبیبی مقالہ ای
عہ مجلہ سروس ، کراچی ، اکتوبر ۱۹۵۹ م ، ص ۱۱ — ۳ -

خ وفات ھجویری ، استاد دکتور محمد شفیع - رسالہ ای مطبوعہ مجلہ سروش
چی ، دسمبر ۱۹۵۹ م - ص ۱۲ — ۱۰ -

ب چشتی ، سید نوراحمد چشتی ، پنجابی ادبی اکیڈیمی ایڈیشن لاہور ،
- ۱

ۂ علمائے ہند ، رحمان علی لکھنؤ ، ۱۹۱۴ -

۱۶- **تصوف اسلام** ، عبدالماجد دریا بادی -
۱۶- **تصوف اسلام** ، ڈاکٹر غنی -
۱۸- **ثمرات القدس** ، مرزا لعل بیگ لعلی نسخۂ کتابخانہ رامپور ، ۸۳ -
۱۹- **خزینہ الاولیا** ، (دو جلد) منشی غلام سرور لاہوری - لاہور ، ۱۲۸۴
۲۰- **سبک شناسی** ، (۳ جلد) ملک الشعراء بہار - تہران ، ۱۳۴۰ -
۲۱- **سفینہ الاولیاء** ، داراشکوہ - لکھنؤ ، ۱۸۷۲ -
۲۲- **شرح نفحات الانس** ، شیخ حامد کشمیری -
۲۳- **قاموس الاعلام** ، شمس الدین سامی بیگ - استانبول، ۱۳۱۶ - ۱۳۰۲
۲۴- **کشف الظنون** ، حاجی خلیفہ - قاہرہ ، ۱۹۴۱ -
۲۵- **کشف المحجوب** ، نسخۂ خطی متعلق بکتابخانۂ، استاد ڈاکٹر محمد شفیع
۲۶- **کشف المحجوب** ، لاہور ایڈیشن ، ۱۸۷۴ -
۲۷- **کشف المحجوب** ، سمرقند ایڈیشن ، ۱۹۱۲ء -
۲۸- **کشف المحجوب** ، متن تصحیح شدہ ویلینتائن ژوکوفسکی - تہران
ہجری قمری -
۲۹- **کشف المحجوب** ، نسخۂ تہران ، ۱۹۷۸ م -
۳۰- **کشف المحجوب** ، نسخۂ خطی لاہور (رک نوائے وقت لاہور ، ۹
۱۹۷۷ء)
۳۱- **ماثرالکرام** ، غلام علی آزاد بلگرامی - حیدرآباد ۱۹۱۰ -
۳۲- **مراۃ الجنان** ، عبد اللہ یافعی - حیدرآباد -
۳۳- **المنتظم فی تاریخ الامم** ، ابن الجوزی - قاہرہ -
۳۴- **وفیات الاعیان** ، (۲ جلد) ابن خلکان ، قاضی احمد بن محمد - تہران ،

محمد منور*

قران کریم کی تعلیمی جہت اور علامہ اقبال

اللہ نور السموات و الارض[1] — اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے ، اور اللہ وہی ہے جس نے ''لا شے'' سے ہر شے پیدا کردی، ''بدیع السموات' و الارض[2] — جہاں کچھ نہ تھا وہاں سب کچھ ہو گیا ، اور ہوتا چلا جارہا ہے - ''یزید فی الخلق ما یشاء[3]'' وہ (خدا) خلق میں جس چیز کا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے - اولاً جو کچھ تھا وہ نور ہی نور تھا — پھر جو بنا نور ہی سے بنا - نور ہی منجمد ہوا ، نور ہی نے دبازت اور ثبات اختیار کی ، نور ہی نے ٹھوس وجود پایا ، ٹھوس ہونے کا آغاز دھواں تھا ، سائنس نے اس کیفیت کو لطیف اجزا پر مشتمل گیسوں کا مظہر[4] (Gaseou Mass) (with Fine Parti...) بتایا ہے اور قرآن اسے ''دخان'' قرار دیتا ہے[5]-

اشیاء تحلیل ہوں تو آخر کار دھواں رہ جائے ، اور دھواں لطیف ہو کر پھر نور (Light) میں ڈھل جائے - جبھی تو علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اگر آدم سچ مچ دیکھنے والی آنکھ کا مالک ہو تو آنکھ کے سامنے کوئی شے حائل نہیں رہتی ، شرط یہ ہے کہ کوئی دیکھے :

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی!

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اتنا !
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسمہائے پنہانی ! !

اس کیفیت کو علامہ اقبال نے ایک اور مقام پر ان الفاظ میں واضح کیا ہے :

ہر چہ می بینی زسر انوار حق است !!
حکمت اشیا ز اسرار حق است !

---

* پروفیسر و صدر شعبۂ اقبالیات پنجاب یونیورسٹی -

۱- قرآن حکیم ۳۵ : ۲۴ ۲- قرآن حکیم ۱۱۷ : ۲ ۳- قرآن حکیم ۱ : ۳۵

۴- The Bible, The Quran and Science By Mauric Bucaille (English) Indianapolis, I. N. USA, P 139.

۵- قرآن حکیم ۱۱ : ۴۱

یعنی اشیاء کی حقیقت اسرار الٰہی سے آگاہی ہے اور سب اسرار سراسر انوار ہیں ۔ اسی لیے تو کہا گیا ''العلم نور'' ۔ آدم کو اللہ نے وہ نوری اہلیت عطا کی ہے کہ وہ کائنات کے اسرار سے آگاہ ہوسکے ۔ قرآن نے کئی بار واضح کیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آدم کے حضور میں جب فرشتوں کو سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا ۔ فرشتوں نے اس حکم پر حیرت زدہ ہوکر استفسار کیا کہ اے مولا ہم جو تیری عبادت اور تقدیس میں مصروف رہنے والی مخلوق موجود ہیں پھر آدم کو خلق کرنے کا مطلب ، اور آدم وہ مخلوق ہے (اپنے ضمیر کے باعث) جو جہان میں افراتفری ڈالے گا ، خون خرابہ کرے گا ، تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ، اور پھر فیصلہ ''علم‌اشیاء'' سے آگاہی پر ہوا ۔ یہ آگاہی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارزانی نہیں ہوئی تھی ۔ آدم کو اللہ نے اس علم سے سرمایہ دار کر رکھا تھا ، مراد ہے آدم کے خمیر میں وہ جوہر اور وہ قابلیت اللہ نے شامل کر دی تھی جو اشیاء کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکے ، یہی آدم کی فضیلت تھی اسی فضیلت کے حضور میں فرشتوں کو سر ادب خم کرنا پڑا ۔ جبھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے :

''اللھم أرنی حقیقه الاسماء کما ھی''

(اے اللہ مجھے حقیقت اشیا اس طرح دکھا دے جس طرح کہ وہ واقعی ہے)

اور ظاہر ہے کہ یہ دعا اللہ کے انوار کو سرتاسر بے پردہ دیکھتے رہنے کی آرزومند ہے ۔ قرآن کریم کی پہلی آیت جو حضور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی ''اقرا بسم ربک الذی خلق'' (اے رسول ! آپ پڑھیں اس رب کے نام سے جو خالق ہے) ۔

وہ خالق جو رب بھی ہے وہ جو خلق کرنے کے بعد پالتا بھی ہے نعمت بھی عطا کرتا ہے ، اور وہ جو نہایت بلند ہے یعنی اس کتاب کو جو اسرار الٰہی کا خزینہ اور قدیم و جدید علوم کا امانت خانہ ہے ، اللہ کے نام سے پڑھنے کا حکم ہوا ۔ یہیں سے قرآنی تعلیم کی جہت طے ہوجاتی ہے : یعنی علم کے جس بھی درجے ، جس بھی سعبے اور جس بھی حصے کو شروع کیا جائے اور جہاں سے بھی شروع کیا جائے اللہ ہی کے نام سے شروع کیا جائے ، اس لیے کہ وہی خالق ہے لہذا اسی کا علم کامل ترین ہے ''الا یعلم من خلق'' ۲ (کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ؟) ۔ اللہ کے نام سے آغاز کرنے کا مطلب ہوا اللہ کی مطلق خلاقی کا اقرار و اعتراف ہی سرچشمۂ مخلوقات ہے ، روح کائنات ہے اس کے حوالے سے مطالعۂ اشیاء

۱- قرآن حکیم ۱ : ۹٦ ۲- قرآن حکیم ۱۴ : ٦۷

کریں تو کائنات ایک بامعنی وحدت نظر آئے ، ہر ذرہ دوسرے سے مربوط نظر آئے
گا جس کا ایک مطلب یہ بھی ہوگا کہ آدم کو ہر لحظہ یہ احساس رہے گا کہ وہ
خود بھی ایک حقیقت ہے اور حقیقۃ الحقائق کے ساتھ وابستہ و مربوط بھی ہے ۔
اگر یہ ربط نہ رہے تو آدم ایک مہمل وجود ہو کر رہ جائے ۔ حضرت غوث الاعظم
فرماتے ہیں ''کل من لا یعبد اللہ عزو جل من الذین لایدرون لم خلقوا''[۱] (ہر وہ شخص
جو خدا کی عبودیت کا دم بھرے وہ ان میں سے ہے جن کو معلوم نہیں کہ وہ کیوں
پیدا کیے گئے) ۔ پروفیسر ایم عمر الدین نے امام غزالی کے فلسفۂ اخلاق پر روشنی
ڈالتے ہوئے لکھا ہے :

> Knowledge of God includes the knowledge of the creator and the creation comprising the universe, the soul, the circumstances attending after death and so on. And Knowledge of these things constitutes the knowledge of Islam. Thus it is all comprehending, for, every science is a religious science, if it promotes the realization of perfection. No science is bad in itself because every science is simply knowledge of the facts as they are, and this cannot be bad in itself.[۲]

مراد ہے ہر علم کا حصول دین کا حصہ تھا، اور یہ علم حیات ہی کے ہر شعبے سے
متعلق نہ تھا حیات بعد الموت سے بھی مربوط تھا ۔ چنانچہ علم حاصل کرنا اور علم
کو عام کرنا ثواب اور سر بسر عبادت ہے ، یہی باعث ہے کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان
دوسروں کو پڑھانا لکھانا اپنے لیے باعث رحمت جانتا تھا ، وہ گھر میں بھی معلم
ہوتا تھا اور باہر بھی ، نور کا اکتساب اور نور کی تقسیم ، کارخیر میں امداد باہمی
ہے چنانچہ معلم کا مقام مسلم معاشرے میں بہت وقیع تھا ۔ پہلی بار باتنخواہ اساتذہ
بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی میں مقرر کیے گئے ۔ یہ یونیورسٹی پانچویں صدی ہجری
میں نظام الملک طوسی نے قائم کی تھی ۔ با تنخواہ اساتذہ کا تقرر مسلمان اہل علم کو
سخت ناگوار گذرا ، ڈاکٹر محمد اسد طلس لکھتے ہیں کہ ہمہ وقتی تنخواہ دار
اساتذہ جب ملازم ہوئے تو علمائے خراسان نے ماتم علم کی مجلسیں منعقد کیں ، اور
کہا کہ معلمی :

''بلند نظر اور پاک نفس لوگوں کا شیوہ تھا ، جن کے پیش نظر علم کے
ذریعے فضیلت و کمال کا حصول ہوتا تھا ، مگر اب جو علما آئیں گے وہ علم

۱۔ الفتح الربانی ، المصطفی البابی ، مصر (۱۹۶۸) ص ۶۱۵ ۔

۲۔ The Ethical Philosophy of Ghazali, Sh. M. Ashraf, Lahore (1977) ص ۱۱۲

دو محض دہائی کا درجہ پائیں گے اور تنخواہ کے خیال سے دون نہاد او
نکمے افراد بھی اس جانب کا رخ کرنے لگیں گے''۱

ا تنخواہ اساتذہ کی تقرری حالات کی مجبوری تھی: علوم پھیلتے جا رہے تھے
تعلیم میں ضبط و نظم پیدا کرنے کی خاطر نظام الملک کو یہ اجتہاد کرنا پڑا
ہم اہل علم کے نزدیک تعلم و تعلیم کا جو تقدس تھا وہ بہر حال ان کے ماتمی ردعمل
سے واضح ہو جاتا ہے -

علامہ اقبال کے نزدیک ماخذ از روئے قرآن تین ہیں، مطالعۂ کائنات، مطالعۂ تاریخ
یعنی آثار ماضی) اور مطالعۂ نفس انسانی۲، کائنات کے مطالعہ اور اس سے آگاہی کے
مفہوم میں تسخیر کے معانی پوشیدہ ہیں - قرآن کا ارشاد ہے :

'''الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض''۳

(کیا تم لوگوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں جو جو کچھ
ہے تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے)

مارس بکائیل (Maurice Bucaille) لکھتا ہے کہ اگر یہ کتاب (مصنفہ ۱۹۷۷ء)
میں نے بیس برس پہلے لکھی ہوتی تو میں قرآن کی آیات تسخیر کو کسی اور طرح
دیکھتا، انہیں محض پیشگوئیاں سمجھتا، مگر اب تو دیگر سیاروں پر میزائل پھینکے
جا رہے ہیں - انسان خلائی سفر کر رہے ہیں - آج وہ آیات تسخیر ایک مسلم حقیقت
ہیں اور یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے - اگر ہر آگاہی اللہ کے حوالے سے حاصل کی جائے تو
پوری کائنات کا ربط باہمی زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آ سکتا ہے - اگر خلاق
العلیم پر ایمان ہو تو کائنات ایک وحدت ہے - ایک زندہ وجود نامی ہے، سائنس
دان اپنی تحقیقات کی بنا پر اقرار کرتے ہیں کہ ساری کائنات باہم مربوط ہے ۴
اہل ایمان سائنس دان جو کائنات کے ربط باہم کے سبب اور مصدر سے آگاہ ہیں ان کا
کیف و سرور کچھ اور ہی قسم کا ہوتا ہے - علامہ اقبال نے خوب کہا ہے :

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو !
لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

قرآن نے آغاز اشیا کی حقیقت بتا دی تھی کہ دخان اور گیس سے شروع ہوئی

۱- التربیہ والتعلیم فی الاسلام، بیروت، ص ۱۲۶
۲- تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ از سید نذیر نیازی، ص ۱۴۴
۳- قرآن حکیم ۲۰ . ۳۱
۴- The Bible, the Quran and Science، ص ۱۲۲

سائنس آج ثابت کر رہی ہے ۔ قرآن نے بتا دیا تھا کہ ہر ذی حس شے از نبات تا انسان (بشمول حیوان) ہمہ نوع پانی سے پیدا ہوئی ۔ سائنس آج وضاحت کر رہی ہے ، قرآن نے بتا دیا تھا کہ ہر ذی حس کے جوڑے پیدا کیے گئے حتیٰ کہ نباتات کے بھی ، سائنس نے آج اس حقیقت کو ثابت کیا ، قرآن نے بتا دیا تھا کہ تمام سیارگان اپنے اپنے مدار میں اللہ کے حکم سے گردش کرتے ہیں ۔ اپنے حلقے سے کوئی سیارہ بھی باہر نہیں نکل سکتا ، حتیٰ کہ سورج بھی اپنے کسی مستقر کی طرف روانہ ہے ، جدید سائنس نے تصدیق کی ، ہاں سورج کے باب میں اڑی رہی ، سائنس کا اصرار رہا کہ سورج گردش نہیں کر رہا مگر ۱۹۱۷ء شیپلے (Shapeley) نے ثابت کیا کہ کہکشاں اور سورج کو اپنا سفر مدار مکمل کرنے میں دو سو پچاس ملین سال لگتے ہیں ۔ اور سورج تخمیناً ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کے حساب رواں رہتا ہے ۔ مگر قرآن نے چودہ سو سال قبل واضح الفاظ میں یہ حقیقت بیان کر دی تھی' قرآن نے بیان کر رکھا ہے کہ اس کائنات میں اس دنیا جیسی اور بھی دنیائیں ہیں ۔ مارس بکیل لکھتا ہے کہ ابھی سائنس اس حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکی مگر آج بہت سے سائنس دان اس امکان کے قائل ہیں ۔ بہرحال میں نے ضروری جانا کہ اپنی کتاب میں قرآن کی بیان کردہ اس صداقت کو درج کر دوں جسے سائنس کبھی ثابت کرے گی ۔[۲]

مطلب یہ کہ سائنس آج قرآن کے حقائق مصرحہ تک پہنچ رہی ہے یا پہنچنے کی کوشش میں ہے وہ حقائق جو آج سے چودہ سو سال قبل نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب مبارک میں مندرج ہیں اور جو اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہ کتاب انسانی تصنیف نہیں ۔ ذیل میں مارس بکیل کا ایک اقتباس جو قرآنی صداقت اور بائبل کے محرف ہونے پر دلالت کرتا ہے اصل انگریزی میں درج کیا جاتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

> What initially strikes the reader confronted for the first time with a text of this kind is the sheer abundance of subjects discussed : the creation, astronomy, the explanation of certain matters concerning the earth, and the animal and vegetable kingdoms, human reproduction, whereas monumental errors are to be found in the Bible, I could not find a single error in the Quran. I had to stop and ask myself : if a man was the author of the Quran, how could he have written facts in the Seventh Century A.D. that today

---

۱۔ The Bible, The Qur'an and Science ، ص ۱۶۱

۲۔ ایضاً ۱۲۲ ۔

are shown to be in keeping with modern scientific knowledge. ?"[1]

گویا کہ کتاب کے مصنف نے انجیل کے محرف ہونے کا اقرار کیا ہے ۔ اس امر میں بھی قرآنی صراحت کی تصدیق کی ہے اور ثبوت اس امر کا بھی ہے کہ اگر انجیل میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو وہ سائنسی مسلمہ حقائق کے مخالف نہ ہوتی ، جو خدا قرآن میں صداقتیں ہی صداقتیں بیان کرتا ہے اس نے انجیل میں بھی صداقتیں ہی ارشاد کی تھیں ۔ قرآن کی سچائیاں دیکھ کر ماننا پڑتا ہے کہ انجیل کے ساتھ انسانی ہاتھوں نے چھیڑ چھاڑ کی ہے ۔ ہاں مارس بکیل نے کئی ایک مقامات پر اس امر پر زور دیا ہے کہ جہاں سائنس کی روشنی میں کوئی قرآنی آیت آج واضح نہ ہو اس کا مطلب ہے کہ ابھی سائنس وہاں تک نہیں پہنچی ۔

سچ یہ ہے کہ آج اس سائنس کی روشنی کے دور ہی میں آیات "متشابہات" کا معنی عیاں ہوتا ہے ۔ وہ آیات جن کا معنیٰ تا حال شرمندۂ وضاحت و صراحت نہ ہوا ، مفسرین سلف جن متشابہات کا مفہوم بھی شاید بخوبی سمجھنے پر قادر نہ تھے ۔ بہر حال قرآن کو تا آخر الزمان ، انسان کا ساتھ دینا اور علمی و فکری رہبری کا حق ادا کرنا ہے ، اس لیے علامہ اقبال زور دیتے ہیں کہ قرآنی تلقین کے مطابق حقائق فطرت پر نظر غائر ڈالی جائے ۔

"قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس و قمر ، یہ سایوں کا امتداد ، یہ اختلاف لیل و نہار ، یہ رنگ اور زبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد و شد حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و تفکر سے کام لے ، یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے ، کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا"[2]

یہاں ایک بات ضمناً عیاں ہو جاتی ہے کہ ہر وحی اپنے دور کی علمی اور فکری سطح سے بہت برتر ہوتی ہے ، یہ وحی کا اعجاز ہے ۔ اعجاز کا لفظی معنی ہے عاجز کر دینا ، اور وحی کا چیلنج اور اسی طرح معجزے کا چیلنج متعلقہ علم و فکر کے ماہرین کے لیے ہوتا ہے ، مثلاً حضرت عیسیٰ کا یہ اعجاز کہ وہ کوڑھیوں

۱۔ ایضاً ص ۱۰۲

۲۔ تشکیل جدید ص ۱۹۶

کو ہاتھ لگائیں اور وہ صحت یاب ہو جائیں یا وہ اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیریں
اور وہ بینا ہو جائیں یا وہ قبر پر کھڑے ہو کر کہیں ''قم باذن اللہ'' : اللہ کے حکم
سے اٹھ کھڑے ہو - یہ بات عوام کے قائل کرنے کی نہیں ، عوام سحر اور اعجاز میں
فرق نہیں کر سکتے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو ان کے معاصر
اہل علم اور خصوصاً اہل طب ہی سمجھ سکتے تھے ، وہی جانتے تھے کہ علم طب
کہاں ختم ہوتا ہے اور معجزہ کہاں سے شروع ہوتا ہے ، چنانچہ اہل فکر و نظر کا
ان سوچا سمجھا ایمان ہوتا ہے ، اور پھر ان کی مثال عوام پر اثر انداز ہوتی ہے
ورنہ عوام از خود مداری ، ساحر اور صاحب اعجاز میں تفریق روا نہیں رکھ سکتے ،
ہو سکتا ہے انھیں مداری کا مداری پن ، کرامت و معجزہ سے زیادہ متاثر کر لے -

قرآن کریم نے اس باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مابین
رونما ہونے والے مقابلے کا ذکر کر کے مسئلے کو بڑی اچھی طرح واضح کر دیا
ہے --- فرعون کا دربار اہل علم اور عوام کے نمایندوں سے بھرا ہوا تھا ---
جادوگروں نے اپنے کمال سحر کا مظاہرہ کیا - جواباً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
اعجاز دکھایا ، جادوگروں کی رسیوں کو جو سانپ بن کر دوڑنے لگی تھیں
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اژدھا بن کر ہڑپ کر لیا - فرعون ،
اس کے جملہ اکابر دربار ، اور دیگر حاضرین سب یہ منظر دیکھ رہے تھے ،
مگر جادوگر سجدے میں گر پڑے ، اور وہ اس لیے سجدے میں گر پڑے کہ وہی
فن سحر میں ماہر تھے اور انھی کو تو یہ معلوم تھا کہ سحر کی آخری حد کیا
ہے اور اعجاز کہاں سے شروع ہوتا ہے ، یہ بات فرعون نہیں سمجھ سکتا تھا - یہ
بات فرعون کے اکابر سلطنت یا مندروں کے پروہت نہیں جان سکتے تھے - نیز یہ بات
عام رعیت کے افراد کے فہم سے بھی بالا تھی - ساحروں نے اس اعجاز کو تسلیم کیا
مگر فرعون اور اس کے اکابر کے نزدیک اور اسی طرح دوسرے عام افراد کے نزدیک
بھی حضرت موسیٰ کا معجزہ برتر کاروبار ساحری تھا اور بس - چنانچہ فرعون نے
ان ماہرین جادو سے یہی کہا کیا تم ایمان لے آئے اور قبل اس کے کہ میں تمھیں
اجازت دوں ، میں تمھیں یہ اور یہ سزا دوں گا ، جادوگروں کا جواب تھا کہ ہم نے
حق کی واضح نشانیاں پا لی ہیں -

''قالو لن نوثرک علیٰ ما جاءنا من البینات والذی فطرنا ناقض ما انت قاض.'
(جادوگر بولے ہم تجھ کو کبھی نہ ترجیح دیں گے ان شواہد کے مقابلے میں
جو ہم کو مل چکے ہیں اور اس ہستی کے مقابلے میں جس نے ہمیں پیدا کیا

- قرآن حکیم سورۂ ۲۰ ، آیت ۷۲

(لہذا جو فیصلہ تجھے کرنا ہے کر ڈال)

رہا قرآن کریم تو اس کا اعجاز ایک نہیں - ہمیں معلوم نہیں کیا کیا اعجاز اس کے دامن میں مستور ہیں ، قرآن نہ ایک دور کے لیے ہے ، نہ ایک علاقے یا قوم کے لیے ، نہ ایک قسم کے ماہرین کو چیلنج نہ ایک قسم کے علم کو ، تا قیامت اسے ہر اہل فن سے برسر رہ کر رہبری کرنا ہے - جب یہ نازل ہوا تو اہل عرب کو اپنی زبان فصاحت ترجمان پر بڑا ناز تھا - مسیحیوں کو اپنے علم و بصیرت پر ناز تھا ، یہود کو اپنے عقائد اور صحائف پر گھمنڈ تھا ، مگر قرآن کے سامنے نہ فصحا کی فصاحت ٹھہری اور نہ اہل دلیل کی دلیل نے کام دیا ، اہل فصاحت نے مانا کہ کوئی شے ہے جو ان کے بس کی نہیں - اہل دلیل نے دیکھا کہ قرآنی برہان کے آگے ان کی پیش نہیں چلتی ، پھر جن کو اللہ کے خلوص کی دولت سے نوازا تھا وہ اللہ کی برہان کو مانے چلے گئے عباسیوں کے عہد میں یونانی فلسفے نے مسلمانوں کی نظروں کو چندھیا دیا اور انھوں نے قرآن کی روح سے غافل ہو کر یونانی فلاسفہ کے دلائل کو قرآن پر منطبق کرنا شروع کیا ، بڑی دیر کے بعد جا کر ہوش آیا کہ یونانیت دنیا سے ہے اور قرآن کا درس کیا سے ہے - علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں :

''شروع شروع میں تو انھیں (مسلمانوں کو) اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن کی روح فلسفہ یونان کے منافی ہے اور اس حکمت یونان پر اعتقاد کرتے ہوئے انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فکر یونان ہی کی روشنی میں کیا ، لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کے بجائے نظریات پر لہذا ظاہر ہے کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں - چنانچہ ایسا ہی ہوا ، اور یہ اسی کوشش کی ناکامی تھی جس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح برسرکار آئی - حتیٰ کہ تہذیب جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھیے تو ان کا ظہور بھی اسی (یونان کے خلاف مسلمانوں کی ذہنی بغاوت) کا مرہون منت ہے''[1]

یونانیت کے اس ریلے کے بعد کئی ریلے آئے - آج کے دور میں کہ اس دور کی روح شدید مادہ پرستانہ ہے مادہ پرستی کی تلقین کرنے والے یا مادہ پرستی کے ردعمل میں تعریبت کا شکار ہو جانے والے ازم کارفرما ہیں - ہر نظام اور ہر ازم کے مقابل علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم و تلقین وہی پائدار ہے جو اسلام کہلاتی ہے اور جس کے مبادیات قرآن میں ہیں ، جس کے عملی نمونے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور ارشادات میں جلوہ گر ہیں :

۱- تشکیل جدید ، ص ۱۷۹

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست ! !
من از حرم نگذشتم کہ پختہ بنیاد است

اسلام کی تمام تر تعلیمات کی روح یہ ہے کہ آدم اپنے اس مقام کو پا لے جسے خدا
نے الٰہی خدمت قرار دیا تھا ، قرآن ہر دور میں آدم کی تربیت اور رہنمائی کا ذمہ دار
ہے اور ماہر علم کے لیے مستقل چیلنج ۔ یہ دور سائنسی معجزات کا دور ہے اور ہم
بطور سابقہ میں بحث کر آئے ہیں کہ قرآن کے اعجاز تک سائنس پہنچنے کی کوشش
کر رہی ہے اور کرتی رہے گی ، مگر جیسا کہ پہلے عرض ہوا یہ چیلنج آج کے
جدید علوم کے لیے ہے ۔ جو لوگ سائنس کا گہرا مطالعہ کر رہے ہیں اور کارخانہ
قدرت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں آج قرآن کے نزدیک وہی علماء ہیں اور
قرآن کا معجزہ انہی کو متاثر بھی کرے گا ۔ اس دور میں قرآن کریم کے انوار کو
روایتی تفاسیر اس شان سے بیان نہیں کر سکتیں جس شان سے جدید ترین اسرار کائنات
کو منکشف کرنے والے یا ان انکشافات کا تاریخ تازہ و شاداب علم رکھنے والے کر
سکتے ہیں ۔ اس دور میں سائنسدانوں کو قرآن پڑھانا چاہیے اور یہی لازمی جہت علمی
ہے جو آدم کا زبان معاصر میں اپنے خالق سے رابطہ استوار رکھے اور اس کے اندر
"نفخت فیہ من روحی" کی شان کا پرتو پیدا کرے ۔

کارخانۂ فطرت کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ بنو آدم کو حکم ہے کہ وہ
انسان کے ماضی سے آگاہ رہے تا کہ اپنا حال اور استقبال سنوار سکیں ، چنانچہ ایک
سے زیادہ بار "سیروا فی الارض" کا حکم ہوا ۔۔۔ اے بنو آدم دنیا میں گھومو
پھرو ، اور دیکھو کہ جو قومیں تم سے قبل یہاں آباد تھیں ان کا انجام کیا ہوا ۔
قرآن نے بتایا ہے کہ ان قوموں کو خدا نے بڑی قوت دی تھی ، بڑی فارغ البالی
اور خوش حالی عطا کی تھی ، ہر نعمت سے نوازا تھا ، مگر وہ لوگ غافل ہو گئے ،
ہوس نے اندھا کر دیا ۔ لہذا انسانی بلندیوں سے اتر کر حیوانی سطح پر پہنچ گئے ،
نیکی اور بدی کے مابین اپنے غرور گناہ اور سرور ہوس کے باعث تمیز کرنے کے
قابل نہ رہے ۔ اللہ کے حکم کی کھلے بندوں مخالفت کی لہذا قانون الٰہی سے ٹکرا
گئے ، قانون الٰہی توازن بحال رکھتا ہے ۔ جہاں ذرا توازن بگڑا اللہ کا قانون آڑے
آیا ، قرآن کریم نے اچھائی اور برائی کی مثالیں دے دے کر بنو آدم کو
عبرت اندوزی پر آمادہ کیا ، آثار ماضی صحیفۂ زمین پر نقوش عبرت ہیں ، تاریخ انسانی
عروج و زوال کی داستان ہے قرآن کا ارشاد ہے :

"افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھا و آذان یسمعون بھا
فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور"[1]

---

[1] قرآن حکیم سورہ ۲۲ آیت ۴۶ ۔

اس آیۂ کریمہ میں کفار و مشرکین مکہ کی طرف اشارہ ہے
دوامل یمن میں پائے جانے والے آثار عاد و ثمود کو دیکھتے تھے
روم کی بستیوں کے کھنڈرات کا نظارہ کرتے تھے ، مگر انہیں عبرت
اس لیے کہ ان کی آنکھیں تو تھیں مگر بینا نہ تھیں اور ان کی یہ
" عبرت نظارہ سے بھی وا نہ ہوتی تھی"۔ آیت کا معنیٰ ہے "کیا یہ
پر چلے پھرتے ہیں ؟ پھر انہیں وہ دل میسر آ جانے چاہییں تھے جو
سوچ سکے ، وہ کان میسر آ جاتے چاہییں تھے جن کی مدد سے یہ سن
بات تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں وہ دل اندھے ہو جاتے
ہے اندر ہیں ۔"

تاریخ ماضی اور آثار قدیمہ نے یہی درس دیا کہ معاشرے خدائی
اصولوں کی بدولت باقی رہتے ہیں ۔ جہاں فطری اصولوں یعنی خ
فطرت صالحہ کے تقاضوں کی خلاف ورزی کرکے آدم نے اپنی مرضی
وہیں نقصان سے دوچار ہوا اس لیے کہ ہدایت خداوندی سے محرو
اصحاب درست اور صحیح ہونا ہی نہیں ۔ لہذا کوئی انسانی نظا
پھر کوئی انسان کا وضع کردہ نظام ایسا نہیں جو مختلف معاشروں کے
ہو ۔ جارج فرائڈ میں لکھتا ہے :

odox natural law theory based its absolutes on the
truths of religion. If we attempt to Secularize
lence, where can we find an agreed basis of values"[1]

اب رہا بنو آدم کے افراد کا مطالعۂ ذات تو ظاہر ہے کہ ا
او لکھا مظہر ہے ، وہ دنیا میں اکیلا آتا ہے ، اکیلا چلا جاتا ہے ۔
کے حضور میں اپنے اعمال کی جزا و سزا پانے کے لیے بھی اکیلا
کوئی شخص عوضاً نہیں پیدا ہوتا ، کوئی شخص عوضاً نہیں مرتا ، حس
حساب اپنی اپنی ، اسی طرح جواب دہی بھی اپنی اپنی ، ہاں جواب ،
جو جتنا صاحب علم و شعور ہے تو اتنا ہی زیادہ ذمہ دار ہے حد
صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

"ویل للجاھل مرہ و للعالم سبع مرات"

۱- Legal Theory ' London (1967) ص ۱۲۶
مگر قرآنی نظریۂ تاریخ اور علامہ اقبال کے موضوع پر ہم ا
پہلے قلمبند کر چکے ہیں اور وہ نقوش کے اقبال نمبر (جلد دوم
لہذا یہاں ہم اس موضوع کی تفصیلات میں نہیں جاتے ۔
۲- الفتح الربانی ، ص ۹۴

کیا فرد بشر اپنی تکمیل پر قادر ہے ؟ کیا وہ بشری غایت کو پا لیتا ہے ؟ کیا وہ حقیقی معنوں میں آدمی بن جاتا ہے۔---حق یہ ہے کہ اولاد آدم کے سوا تمام مخلوقات عالم اپنی اپنی غایت کو قانون فطرت کے تحت خود بخود پا لیتی ہیں ۔ ایک بیج اگتا ہے ، پورا درخت بنتا ہے ، پھولتا ہے ، پھلتا ہے ، پھر نئے تولیدی بیج دے کر اپنا چکر پورا کر دیتا ہے ۔ یہی حال حیوانوں کا ہے ۔ وہ بھی اپنی نوع کی غایت تک پہنچ جاتے ہیں ، فطرت پہنچا دیتی ہے ۔ لیکن پودے زمیں گیر ہیں ۔ یہی حال حیوانات کا ہے مگر بہرحال وہ حرکت پر قادر ہیں سب کا وجود مادی وجود کے اندر محدود ہے ، ان کی معروف معنوں میں نفسی زندگی نہیں ، ان کی اپنی مرضی ، ان کا اپنا انتخاب ، ان کا اپنا پروگرام ان کی زندگی کے مراحل میں کہیں دخل نہیں ہوتا ، وہ فقط آئین فطرت کے تابع ہیں ۔ حیوانوں کو اللہ تعالی نے مخصوص جبلتیں دی ہیں ۔ وہ حیوانوں کو چلاتے اور جلاتے رکھتی ہیں ۔ نباتات بھی مسئولیت سے آزاد اور حیوانات بھی ، نہ اختیار نہ جواب دہی ، مگر بنو آدم کا مسئلہ بالکل جدا ہے ۔

آدمی پیدائش سے موت تک ایک ہی سطح پر نہیں رہتا ۔ اس کی ایک سطح حیوانی ہے ، وہاں وہ جبلتوں کے تابع ہے ۔ پھر ذرا بیدار ہوتا ہے تو عقل کی مداخلت اور رہبری شروع ہو جاتی ہے پھر اس کو عقائد اور افکار کی دولت نصیب ہونے لگتی ہے ۔ ہوتے ہوتے ، اگر ٹھیک تربیت میسر آ جائے ، تو وہ ایمان محکم اور وجدان کی نعمت سے بھی بہرہ یاب ہونے لگتا ہے ۔ گویا آدمی میں عزم ، حزم ، فکر ، نظر ، حریت ، مسرت ، پسند ، ناپسند ، ظلم ، مہربانی ، خود غرضی ، ایثار اور نہ جانے کیا کیا جوہر نمودار ہوتے ہیں ، وہ اوپر کو جلا جائے تو اعلائے علیین تک پہنچے اور نیچے کو لڑھکے تو اسفل السافلین تک گرے ، اس کی بلندی بعد از خدا بلند ترین اور اس کی پستی ہر پست سے پست تر ، مفکر لے کامتے ڈونوئے اپنی کتاب Human Destiny کا خاتمہ ان سطور پر کرتا ہے :

''سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسے (آدم کو) یاد رہنا چاہیے کہ نور خداوندی کی چنگاری اس میں اور فقط اسی میں ہے ، وہ چاہے تو اسے پرے رکھ دے اور چاہے تو (قانون) خدا کے مطابق اور خدا کی خاطر پوری رغبت سے عمل پیرا ہو کر قرب خداوندی حاصل کر لے ۔''

آدمی اپنے مکانی پہلو کی رو سے مادی وجود ہے ، ایک مشت خاک ، لیکن یہ تو آغاز ہے ، انتہا تو نہیں ، علامہ اقبال فرماتے ہیں :

''رہی یہ بات کہ اعلیٰ کا صدور ادنیٰ سے ہوتا ہے سو اس سے اعلیٰ کی قدر و قیمت اور مرتبے میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اہم بات یہ نہیں کہ

کسی چیز کی ابتدا کیونکر ہوئی اہم بات یہ ہے کہ جس چیز
اس کی صلاحیتیں کیا ہیں ، معنوی اور مطلب کیا ہے ، اس کی
یعنی اس کی رسائی کہاں تک ہے ۔''[1]

مادی اعتبار سے آدمی مادی تقاضوں کے تابع ہے ، یہ وہ سط
ہے جہاں حسیں فرمانروائی کرتی ہیں ، جبلتوں میں اساساً کوئی خرابی
ان کے بے لگام ہونے میں ہے ۔ ہر قوت حس سے کام لینا ہو اسے پا
ضروری ہے ، ظاہر ہے کہ تابع ضبط ہونے کا معنی مٹ جانا نہیں ۔ ہر
کی حیوانی قوت کا مظہر ہے مگر تناسب و توافق کے بغیر وہ جبلت وحش
سدھائے ہوئے منہ زور گھوڑے مفید اور کارآمد ہیں اور اگر وہ سدھ
ہوں ، بارہا انجام بھی نہ ہوں تو محض وحشی لہذا ناکارہ ۔ تاہم یہ باد
کہ حساب سے تعقل تک بڑی طویل مسافت ہے اور پھر تعقل کا وج
رفتہ پیدا ہوتے بڑا وقت لگتا ہے ، آدم کی جبلت قوت ناطقہ و عاقلہ کے
پھر ایمان و ایقان کی رہبری میسر ہو تو جب جا کر انسان انسان ب
یہ وہ اندرونی امکانات ہیں جن سے حیوانات سر تا سر محروم ہیں ، اس باب
علامہ لکھتے ہیں :

''یوں بھی ارتقائے حیات پر نظر رکھی جائے تو یہ حقی
حالی ہے کہ شروع شروع میں اگرچہ طبعی کا نفسی پر غلبہ ہو
پھر جیسے جیسے نفسی طاقت حاصل کرتا ہے طبعی پر چھا جا
ہے عین ممکن ہے کہ آخرالامر اس سے بالکل آزاد ہو جائے ۔''[2]

جب آدمی اس مسئلے سے آگاہ ہوتا ہے کہ اس کی ترجیحات کیا ہی
اس امر کو کس امر پر ترجیح دیتا ہے ، تو یہ آگاہی شخصی وحدت
نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتی ہے ۔ شخصیت یا ذات کو ارتقا یاب ہو کر
وحدت پر قادر ہوتا ہے ۔ اگر کوئی شخص وحدت سے محروم ہے تو گو
ذات اور وجود سے محروم ہے ۔ وہ بظاہر موجود ہے مگر حقیقتاً نابود ۔
ایسے تشخص کے ذات شخصیت ہوتی ہے ۔ جہاں ایک شخص میں
ہوں ، وہ گویا اپنی خودی تک رسائی حاصل نہ کر سکا ۔ وہ ''یہ
ہے ۔ وہ شخص اب یہ ہے ۔ جب وہ ہے ، پھر نہ یہ نہ وہ ، ایسا فرد
فرد وہ ہے جو ''واحد الوجود'' ہے ۔

۱۔ تشکیل جدید ص ۱۶۰ ۔
۲۔ تشکیل جدید ص ۱۶۱ ۔

مگر انسانی ہستی کو وحدت اور اکائی بنانے کے باب میں صرف علوم کتابی و
عملی کافی نہیں - کوئی شخص بیشک ماہر فقیہہ ہو ، انجینئر ہو ، بڑا فائق صناع ہو ،
مدبر و معروف طبیب ہو ، پختہ کار شاعر ہو ، صاحب تجربہ معلم ہو ، کہنہ مشق
جج ہو ، لیکن یہ سب حیثیتیں علم و مہارت کی نسبتیں ہیں اور حوالے ، آیا کوئی
انجینئر ، معلم ، جج ، صناع ، ساعر وغیرہ از روئے شخصیت خود اپنی ذات میں ایک
اکائی'' ہے کیا وہ وحدت کا مالک ہے - کیا وہ فرد ہے ، یا جہاں اقرار کا معاملہ
ہے وہاں یہ بھی ہے اور وہ بھی ، مگر جہاں کردار کی منزل آئے وہاں نہ یہ نہ وہ ،
یہاں وہ وجود بحیثیت فرد آدم کچھ بھی نہیں - فکر و نظر ہم آہنگ نہ ہوں اور
عقیدہ و عمل میں مطابقت نہ ہو تو آدمی خواہ کسی بھی کمال کا مالک ہو ایک
منتشر حوس پوس ، خوش وضع ، خوش گفتار دوپایہ ہے اس لیے کہ جس ذات میں
فکر و نظریات کا انتشار ہو اور روح پر مادی تقاضے غالب ہوں ، وہ ذات ابھر ہی
نہیں سکتی ، بقول حضرت علامہ :

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی !!
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگون

آدمی کے ننھے سے وجود میں پوری کائنات کے سارے بنیادی عناصر کارفرما ہیں -
اسی لیے ہر فرد اپنی ذات میں ایک جہان صغیر (Microcasm) قرار پاتا ہے - اس
امر کا یہ حتمی تقاضا ہے کہ اس میں نور خداوندی کا بھی کوئی ذرہ موجود ہو -
اس لیے کہ ہر زمین و آسمان کا نور اللہ کی ذات ہے اور آدم میں خدائی صفات کا پرتو
وہ موجود ہے یعنی اس کے اندر وہ جوہر مخفی ہیں جو بروئے کار آنے کے منتظر
رہے ہیں - ان مضمر امکانات کا بروئے کار لانا ہی درحقیقت فرد آدم کا اپنی ذات کی
تکمیل کرنا ہے یا خودی تک رسائی حاصل کرنا ہے اور جب وہ اپنی خودی تک
رسائی حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کا مقام فرشتوں سے بلند تر ہوتا ہے - اس لیے
نفخ روح (اللہ کا آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونکنا) ایک بیدار حقیقت بن
جاتی ہے - ایسے عالم میں فرد آدم ''واحد الوجود'' یعنی ایک مستحکم اکائی بن جاتا
ہے اس کو مادی تقاضے مغلوب نہیں کر سکتے ، الٹا وہ حکم خداوندی کی روشنی
میں مادی اور جبلی تقاضے کو مسلمان کر جکا ہوتا ہے -

انسانی ، حیوانی اور جبلی سطح سے بڑھتے بڑھتے صحیح معنوں میں نائب خدا بن
جانے کا یہی سفر نامہ' خودی ہے ، عمل حیات ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب
تک ایک خدا پر ایمان محکم و پائدار میسر نہ ہو - حضرت علامہ نے دو مصرعوں
میں اس حقیقت کو کس شان سے بیان کیا ہے ، یعنی خود آگاہی کا مطلب ہے کہ
کسی غلام وجود نہ ہو ، وہ فقط احکام الہی کا تابع ہو :

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید ہے جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

ہر مطلوب اپنے طالب پر اثر انداز ہوتا ہے ، ہر مقصود اپنے قاصد
ڈالتا ہے ، حیوان کے پجاری میں حیوانی خصلت آنی چاہیے ، پتھر کے عبا
عیوب کو در آنا چاہیے ، مشین کے بندے میں مشینی اوصاف رو نما ہو
اس اعتبار سے بتوں کے پجاری اشخاص کا تصور کریں ، وہ محض ا
و نہیں ہو سکتا ۔ کوئی ایک بت سارے اوصاف اور ساری قوتوں
ہو سکتا ، ہاں بہت سے بتوں کے مقابل ایک بت کو بڑا قرار دیا جا
صرف ایک بت سے کام نہیں چلتا ۔ اگر ایک بت کفایت کرتا تو ایک ذ
نہ دیوتوں کو اپنا لیا جاتا ؟ اب ہر بت کے اپنے اوصاف ہیں ، پجاریوں
ہر کوئی ایک بھرپور پر نہ نہیں پڑتا ، نتیجہ یہ کہ مشرکوں
وحدت کا تصور ناممکن ہے ، مسلمان کہلانے والا اگر شخصی وحدت سے
تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے ، وہ وحدت کے حصول پر قادر ہے
اسباب موجود ہیں ۔ اس کا عقیدۂ توحید الٰہی اس امر کی مضبوط ترین
لیکن بت پرست میں تو ایسا کوئی امکان ہی نہیں ۔ اس کی کوئی شے
وحدت نہیں دے سکتی ، اس لیے کہ اس کے شعور کی ساخت ہی مت
A. M. Hocart کا قول ہے :

''جیسا دیوتا ویسے ہی اس کے حضور میں بھینٹ چڑھانے والے
پجاری اپنے دیوتا کے نمائندے ہوتے ہیں ، انھیں معلوم ہونا چاہیے
دیوتا کس کس طرح کامیاب ہوئے ۔''[۱]

اسی آہنگ کے ساتھ یہی مصنف اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتا ہے :

''(یونان میں) بنیادی نظریہ وہی ہے جو ہندوستان میں ہے ،
ان کا رویہ آنجہانیوں جیسا ہے ۔ دیوتاؤں نے ایک دوسرے کا
ایک دوسرے پر زیادتی کی ۔ اب ان کے جانشینوں کا بھی فرض
نحو کریں ، یہ رویہ زندگی کے ساتھ جس قدر مربوط ہندو
اس قدر کسی دوسرے ملک میں نہیں ۔''

اور واضح ہے کہ پوری کائنات میں کوئی معاشرہ جو بظاہر تمدن
راوتی سے فیضیاب ہونے کے باوصف نفسیاتی طور پر پانچ ہزار سال کی
قائم ہو اس معاشرے میں بتوں کی تفرقہ انگیزی کا اثر کتنا نمایاں

۱- Life Giving Myth ، ص ۲۱۱ -

معاشرے میں آدمی خود اپنی ذات میں بھی سب سے زیادہ منقسم رہے گا اور سوسائٹی کو بھی ایک نہ ہونے دے گا۔ برھمن، کھشتری، ویش اور شودر والا معاشرہ اور ہریجنوں اور اچھوتوں والی سوسائٹی پوری دنیا میں کہیں نہیں، (قدیم وحشی قبائل اگر کہیں ہیں تو وہ اس ضمن میں نہیں آتے) لہذا ہندو معاشرے میں دو کائنات میں واحد اور حقیقی مشرک معاشرہ ہے کسی شخصیت کا پیدا ہونا جو واقعی وحدت کی مالک ہو ممکن ہی نہیں۔ ہندو سوسائٹی کا بڑے سے بڑا آدمی بھی زیادہ سے زیادہ مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی ہو سکتا ہے۔

آدمی بھول جاتا ہے کہ کائنات ایک وحدت ہے۔ وحدت اس لیے ہے کہ س کا خالق ایک ہے اور اس خالق کی قدرت کاملہ کی بدولت ہر شے آپس میں دور و زدیک سے مربوط ہے"[۲] ــــ یہ وہ تعلیم و ناقص ہے جس پر قرآن نے زور دیا ہے، گر خدا ایک نہ ہوتا تو کائنات دوی ایک نہ ہوتی۔ ہر خدا کی اپنی اپنی حدود خدائی ہتیں، اور پھر وہ اپنی اپنی حدود میں رہتے کیوں؟ ــــ نہ ایک فطرت اشیا ہوتی، ہ ایک ضابطہ، کیا ایسے میں دنیا باقی رہ سکتی تھی؟ خدائے تعالیٰ نے اسی لیے تو ارشاد فرمایا ہے:

"و کان فیھما آلھتہ الا اللہ لفسدتا"[۳]

(اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں خدا کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہوتا تو یہ دونوں درہم برہم ہو چکے ہوتے)

سیدھی سی بات ہے کہ توحید الٰہی کائنات کی وحدت اور کائنات کی وحدت توحید الٰہی پر دال ہے۔

اس کارخانۂ قدرت میں جہاں فطرہ اللہ واحد ہے انسان کا انسانیت کی سمت رخ اور ارتقا درحقیقت خدائے واحد کی جانب سفر ہوتا ہے۔ حضرت علامہ کا ساقی نامہ اسی سفر کی داستان ہے:

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام	کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پہ حرام!!
یہ عالم یہ ہنگامۂ رنگ و صوت	یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت!
یہ عالم یہ بتخانۂ چشم و گوش	جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی ہے یہ منزل اولیں	مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں!
تری آگ اس خاکداں سے نہیں	جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

۱۔ ایضاً، ص ۲۱۱۔

۲۔ Islamic Idealogy، از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ص ۱۵۲۔

۳۔ قرآن حکیم سورہ ۲۱ آیۃ ۲۲۔

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر | طلسم زمان و مکاں ت
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید | زمیں اس کی صید آسماں ا
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود | کہ خالی نہیں ہے ضمیر
ہر اک منتظر تری یلغار کا | تری شوخیٔ فکر و
یہ ہے مقصد گردش روزگار | کہ تیری خودی تجھ پہ ہو
تو ہے فاتح عالم خوب و زشت | تجھے کیا بتاؤں تری
حقیقت پہ ہے جامۂ حرف تنگ | حقیقت ہے آئینہ گفتا
فروزاں ہے سینے میں شمع نفس | مگر تاب گفتار کہتی

"اگر یک سر موئے برتر پرم !
فروغ تجلی بسوزد پرم"

جو فرد گوشت پوست کی اپنی دنیائے صغیر (Microcasm) کو مس
ہے اس میں اکلی تسخیر کی اہلیت یعنی دنیائے کبیر (Macrocasm) کو
کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی وہ کیفیت ہے جسے حضرت علامہ
میں پورے ممتازانہ و مجذوبانہ لب و لہجہ میں بیان کیا ہے :

چیست دین برخاستن از روئے خاک !
تا ز خود آگاہ گردد جان پاک !

مطلب واضح ہے کہ آدمی کا خدا کے رخ سفر اس کا توحیدی
خود آگاہی کی تدریج بھی - آدمی جتنا مادی کائنات سے اونچا اڑتا ہے ا
میں وحدت جلوہ گر ہوتی ہے وہ تخلقوا باخلاق اللہ (الہی اوصاف اپنے اند
کے باعث "واحد الوجود" ہوتا چلا جاتا ہے ، اور پھر جس کو فطرت
ساتھ مزاجی ہم آہنگی میسر آ گئی وہ خدا مست فاتح عالم ٹھہرا - Isay
وضاحت کرتا ہے کہ

"آدمی صحیح معنوں میں آدمی اسی وقت بنتا ہے جب وہ حک
کے سامنے بکمال رغبت و شروع سر تسلیم خم کرتا ہے - اس
اس طرح ہوتی ہے کہ وہ خدا کے بغیر زندگی سے بہرہ ور ہو ہی
ایک آزاد وجود کا مالک فقط وہی فرد کہلا سکتا ہے جو
تفصیل میں آزادانہ مرضی کے ساتھ حکم خداوندی کے تابع ہو -"

خدا پرست بزرگان خدا میں سے سب سے واضح مثال پیغمبران
جنہوں نے اپنی زندگی کے باریک سے باریک امر میں مرضیٔ مولا کی شہ

۱- Racism and the Christian understanding of Man ص ٤٦ -

س نظر رکھا ۔ ہر پیغمبر خدا اپنے معاشرے کا فائق ترین انسان تھا اور اس کی
شخصی ہم آہنگی اور وحدت اور اس کا استقلال لازوال ذات واحد کی ترجمان تھی ۔
م پیغمبروں کی بنیادی تعلیم ایک تھی پیغمبران خدا بنو آدم کے حق میں ، ان کی
موز یابی کے مسئلے اور معاملے میں اللہ کی سب سے بڑی نعمت تھے ، اگر
و آدم کو خود انھی کی دانش پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اقدار کے شعور سے کیونکر
اور کب تک بہرہ ور ہوتے ۔ خیر و شر ، کذب و صدق ، ظلم و انصاف ، حرص و
ثار ، غرور و انکسار ، وغیرہ اقدار ، اذہان و قلوب میں کون راسخ کرتا ، اور پھر
بنو آدم کیوں کر عمل میں آتی ۔ اسی لیے تو قرآن کریم میں خدائے تعالیٰ نے
شاد فرمایا :

''یمنون علیک ان اسلموا قل لاتمنوا علی اسلامکم بل‌اللہ یمن علیکم ان ھدا کم للایمان ان کنتم صداقین''[۱]

(یہ لوگ آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لائے ، آپ کہہ دیجیے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو ، الٹا یہ تو اللہ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی راہ پر لگایا ۔ بشرطیکہ تم (دعوائے اسلام میں) سچے ہو ۔)

بنو آدم کائنات کی ہر شے سے مختلف اور برتر امکانات کے مالک ہیں ۔ لہذا ان کی
ـ ب اور تکمیل کے وسائل بھی دوسری مخلوقات سے مختلف درکار ہیں ، ان کی فقط بدنی
ہی نہیں روحانی پرورش بھی کرنا ہوتی ہے ، اور پھر یہ کہ بدنی پرورش میں بھی حلال و
حرام اور لقمۂ حرام کے اثرات اپنے نتائج پیدا کرتے ہیں ، اگر روح بدن سے کوئی
لگ شے ہوتی تو بدن کو پاک اور حلال اشیاء سے جو بطریق جائز حاصل ہوتی ہوں
پالنا کیوں ضروری ہوتا ۔

حضرت ابوالنجیب ضیاء الدین سہروردی جن کا نام عبداللہ بن قاہر تھا اور جو
حضرت شہاب الدین سہروردی کے چچا تھے ، لکھتے ہیں کہ جس شخص کے وجود
میں لقمۂ حرام شامل ہو جائے وہ طاغوتی آواز اور الہام میں تمیز کرنے کے قابل
ہی نہیں رہتا ۔[۲]

حاشیہ حرام خور اور بدنیت قوم اقدار و معیار کے شعور سے محروم ہو جاتی ہے ۔
ابلیسوں کو اپنا ہادی اور مقتدیٰ بنا لیتی ہے ۔

آدمی خود اپنا خالق نہیں لہذا وہ اپنی حقیقی حیثیت اور قدر و قیمت کو نہیں
جان سکتا ۔ وہ اپنے بنائے ہوئے معلموں کے ذریعے بھی اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں

۱۔ قرآن حکیم سورہ ۴۹ ، آیۃ ۱۷ ۔
۲۔ عوارف المعارف ، دارالکتاب العربی ، بیروت ، ص ۳۶۴ ۔

ہو سکتا ۔ وہ خالی جسم نہیں وہ روح بھی ہے ۔ دونوں کا ملاپ اتنا گریز پا ہے کہ کسی مشین کے بس کا روگ نہیں ۔ ہاں کوئی روحانی طور پر فائق تر شخص کسی فرو تر شخص پر ایک حد تک حاوی ہو سکتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

''اتقوا فراستہ المومن فانہ' یری بنور اللہ ؛''[1]

(مومن کی فراست سے ڈرو اور خبردار رہو اس لیے کہ وہ نور خداوندی کی مدد سے دیکھتا ہے)

اور یہی اہل ایمان ہیں جن کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جواسیس القلوب'' قرار دیا تھا مگر وہ فائق افراد وہی ہیں جن کے وجود میں حاکمیت اولا دستی روح کی ہے ، جن کے وجود میں بدن روح کے احکام کی یکسر تعمیل کرتا ہے ۔ ممکن حد دوسروں پر ، بالغ تر وجدان کے باعث یا دل بیدار تر کے سبب سے حاوی ہو جاتے ہیں ۔ یہ حالت پیغمبروں ہی کے بتائے ہوئے طریق عمل کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے ۔ خدا مست ہونے کے باب میں کوئی انسان پیغمبروں کا ہمسر نہیں ہو سکتا ۔ ہمارا عقیدہ ہے اور وہ ہمارے پختہ ایمان پر استوار ہے کہ اللہ کی رہنمائیات اور رہبری قرآن کی صورت میں تکمیل کو پہنچی ۔ قرآن تمام کتب سماوی کی روح کی نمائندگی کرتا ہے اور تکمیل بھی ، اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں آپ سے پہلے آنے والے جملہ پیغمبروں کی سیرت تکمیل پذیر ہوئی ۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں کہ رسالت کی تکمیل ہی سلسلۂ رسالت کے اختتام کی دلیل ہے ۔

حضور نبی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے روپ میں کامل ترین عملی ضابطہ اور قرآن کریم کی صورت میں کامل ترین تحریری آئین حیات بنو آدم کو میسر آ گیا ، چنانچہ خداوند کریم نے قرآن میں اعلان کر دیا کہ ''اب راہ ہدایت بھی واضح ہے اور گمراہی بھی عیاں ہے ۔ کسی پر جبر نہیں ، جو چاہے راہ ہدایت چن لے اور جو چاہے گمراہی اختیار کر لے ۔''[2]

ختم نبوت حضرت علامہ کے نزدیک تمام بنو آدم کی وحدت کے لیے ضروری تھی اگر خدا مرکز کون و مکان ہے اور وہی ایک مرکز ہے تو اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم انسانیت کا واحد مرکز ہیں ، انسانیت کو وحدت سے ہمکنار کرنے کی خاطر کسی ایک سیرت کو چراغ ہدایت ماننا ہوگا ۔ اب

۱- الفتح الربانی ص ، ۱۰ ۔
۲- قرآن کریم سورہ ، ۲ ، آیہ ۲۵۶ ۔

حانی مرکز کے بغیر شخصی اور ذاتی انتشار بھی دور نہیں ہو سکتا ، کامل ترین
ت ایک ہی ہو سکتی ہے - سب سے برتر شخص ایک ہی ممکن ہے - جب یہ
ہو جائے اور ایک ہی نمونہ و مثال طے پا جائے تو پھر تقلید و انقیاد کے باب
ی انتشار ختم ہو جاتا ہے - اس طرح حضرت علامہ کے نزدیک ختم نبوت بنو آدم پر
ڑا احسان الٰہی ہے ، اس لیے کہ ختم نبوت نے بنو آدم کو ایک وسیع برادری
جانے کا موقع بہم پہنچا دیا ہے :

لا نبی بعدی ز احسان خدا ست ! — پردۂ ناموس دین مصطفیٰ است
قوم را سرمایۂ ملت ازوست ! — حفظ سر وحدت امت ازوست
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست — تا ابد اسلام را شیرازہ بست !

ایک خدا اور پھر ایک رسول کا کامل ترین نمونہ اور ایک ہی ضابطۂ حیات
ب کے لیے ہو اور سب افراد اسی کو قبول کر لیں تو سب ہم نظر بھی ہوں گے
اور ہم دل بھی - ہر ایک فرد اپنی ذات میں ایک مربوط وحدت ہوگا ، اس طرح اسلام
ہ اہل اسلام کا کنبہ بھی ہوگا اور گھر بھی ، اس کے باعث اولاد آدم تمام نسلی ،
انی اور علاقائی تعصبات سے بالا ہو جائے گی ، غلام اقوام اور حاکم اقوام کے
امتیازات ختم ہو جائیں گے ، یہی ہوگی ''خلقنا کم من نفس واحدہ'' کی تفسیر - یہی
وہ نما ہے جس کا حضرت علامہ شعر ذیل میں اظہار کرتے ہیں :

یک شو و توحید را مشہود کن !
غائبش را از عمل موجود کن !

مطبوعات

بسلسلۂ پندرھویں صدی ھجری تقریبات

پندرھویں صدی ھجری کے استقبال کی تقریبات میں کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ جامعہ پنجاب مندرجہ ذیل نادر کتابیں پیش کر رھی ھے :

۱۔ ابوالعباس المبرد کے احوال و آثار (بزبان انگریزی) تحقیق ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک، شعبۂ عربی (زیر طبع)

۲۔ کتاب القرط علی الکامل لا بن السید البطلیوسی و الوقشی تحقیق ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، شعبہ عربی (زیر طبع)

ناشر :

کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ

پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

اشمی*

بیضا پر عمرانی نظر کا اصل انگریزی متن

ال نے سٹریچی ہال علی گڑھ میں ۱۹۱۰ء کو The Muslim
کے موضوع پر ایک انگریزی خطبہ دیا تھا - مولانا ظفر علی خاں نے
ایک عمرانی نظر'' کے عنوان سے اس کا اردو ترجمہ کیا جو اقبال کے
موعوں[1] میں شامل ہے اور متعدد بار کتابچے کی شکل میں بھی چھپ
خطبہ مکمل صورت میں کہیں نہ چھپ سکا البتہ اس کے بعض اجزا
ایک رپورٹ (۱۹۱۱ء) میں محفوظ ہوگئے جنہیں سب سے پہلے سید
ی نے اپنے مجموعے Thoughts and Reflections of Iqbal (لاہور ،
نقل کیا - بعد ازاں لطیف احمد شروانی نے یہی اجزا اپنے مجموعے کے
Speeches, Writings and Statements of Iqbal (لاہور،۱۹۷۷ء)
رلیے - احمد نواز ملک نے بھی مذکورہ خطبے کے یہ اجزا مردم شماری کی
والے سے فنون کے اقبال نمبر ۱۹۷۷ میں نئی دریافت طور پر شائع کرائے -

صل انگریزی خطبہ کہیں نہ چھپ سکا تھا اس لیے خطبے کے عنوان کے
ض اصحاب کو التباس ہوا - سید عبدالواحد معینی لکھتے ہیں : ''علامہ
یں جو لکچر علی گڑھ میں Islam as a Social and Political Ideal
س کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں جیسے عالم بے بدل اور ادیب بے مثل
[2] معین صاحب نے اپنے انگریزی مجموعے میں بھی خطبہ علی گڑھ کا یہی
ہے[3] —— اصل صورت یہ ہے کہ خطبۂ علی گڑھ کا عنوان The
Muslim (تھا - مزید یہ کہ علامہ اقبال نے Islam as a Social and
Pol کے عنوان سے کبھی کوئی مضمون نہیں لکھا البتہ ''ہندوستان

وفیسر و صدر شعبۂ اردو ، گورنمنٹ کالج ، سرگودھا

[1] مین اقبال ، مرتبہ : تصدق حسین تاج ، حیدرآباد دکن ۱۹۴۳ء
[2] ت اقبال ، مرتبہ : سید عبدالواحد معینی ، لاہور ، ۱۹۶۳ء
ے نثری افکار ، مرتبہ عبدالغفار شکیل ، دہلی ، ۱۹۷۷ء
بال ، ص ''ف''
[3] Thoughts and Reflections o ص xiv

ریویو'' (جولائی تا دسمبر ۱۹۰۹ء) میں ان کا ایک مضمون Islam as a Moral and Political Ideal کے عنوان سے شائع ہوا تھا اور غالباً معینی صاحب کو مغالطہ اسی سے التباس ہوا ہے۔

اصل انگریزی خطبہ اب تک معدوم سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ خود علامہ اقبال کے پاس بھی اس کی نقل محفوظ نہ تھی۔ ایک اخباری نمایندے کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا:

"I am sorry I have no copy of the lecture in question in the original English or in the Urdu translation which was made by Maulana Zafar Ali Khan''[1]

۱۹۳۵ء میں اقبال کو کہیں سے خطبہ مذکورہ کی ایک نقل مل گئی۔ دیکھ کر انھوں نے خطبے میں کسی خاص ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں کی البتہ اس کے آغاز میں مندرجہ ذیل نوٹ کا اضافہ کیا:

This lecture was delivered at Aligarh in 1911. The remark about the Qadianis in this lecture must be revised in the light of the revelation of the spirit of the movement since 1911. The Qadianis still appear to be Muslims in externals. Indeed they are very particular in the matter of externals but the spirit of the movement as revealed often is wholly inimical to Islam. Outwardly they look Muslims and anxious to look so; but inwardly their whole mentality is Magian. It is probable that eventually the movement will end in Bahaism from which it originally appears to have received inspiration.

Md. Iqbal
21st Oct. 1935

اس نوٹ کا پس منظر یہ ہے کہ زیر بحث خطبے میں علامہ نے قادیانیوں کے متعلق لکھا ہے:

In the Punjab the essentially Muslim type of character has found a powerful expression in so-called Qadiani sect.''[2]

مگر وفات سے تین چار برس پہلے Qadianis and Orthodox Muslims کے عنوان سے اقبال نے ایک تفصیلی مضمون لکھا جس میں مسئلہ قادیانیت کے بارے

۱۔ کتاب مذکورہ، ص ۲۹۷

۲۔ اس خطبے کا جو ترجمہ ''مقالات اقبال'' میں شامل ہے، اس میں اس حصے کا ترجمہ محذوف ہے۔

و...دف انداز میں اپنے موقف کا اظہار کیا جس سے ان کے سابقہ خیالات
... ہوتی تھی ---اس پر ہفت روزہ Light نے تنقید کرتے ہوئے لکھا
... کے خیالات میں inconsistency ہے۔ چند روز بعد ایک اخباری نمائندے
... اقبال کے سامنے Light کے الزام کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا :

> As far as I remember, the lecture was delivered in 1911 ... perhaps earlier, I have no hesitation in admitting ... about a quarter of a century ago, I had hopes of g... results following from this movement. But the re... content and spirit of religious movement does n... reveal itself in a day. It takes decades to unfold it... The internal quarrels between the two sections of t... movement is evidence of the fact that even th... who were in personal contact with the founder, w... not quite aware of how movement would evolve it... Personally, I became suspicious of the movement when t... claim of a new prophethood, superior even to the Proph... hood the founder of Islam, was definitely put forward, and the Muslim world was declared *Kafir*. Later may suspi... developed into a positive revolt when I heard with m... own ears an adherent of the movement mentioning the Hol... Prophet of Islam in a most disparaging language. Not b... their roots but by their fruits will you know them. If m... present attitude is self contradictory, then, well only a living and thinking man has the privilage of contradicti... himself. Only stones do not contradict themselves as Emerson says [1]

... علی گڑھ کے بارے میں اس مفصل وضاحت سے ، نہ صرف اس مہدی
... اق و سیاق بلکہ اس کی معنویت بھی واضح ہوتی ہے ۔

... اقبال کے اس نایاب خطبے کا اصل اور مکمل متن پہلی بار منظر عام پر آ
... ہے ۔ مضمون کے مسودے میں ٹائپ کی متعدد اغلاط موجود تھیں جنھیں درست
... کیا ہے ۔

---

[1] ... ذور ، ص ۲۹۷-۲۹۸

Browne, *op. cit.*, pp. 24-32 ; Ghaffar, *op. cit.*, p. 245. After the assassination of Nasir al-Din Qajar, Jamal was openly charged of complicity in the crime since the assailant was not only one of Jamal's pupils but Jamal was also privy to the crime. Actually, the assassination may be attributed to the vigorous campaign against the Iranian government carried on by Jamal both through spoken and the written word ; he attacked the Shah's character, his misrule, his officers, even his sanity

39 *Ibid.*, p 46 , see also p. 77 f.

40 *Ibid* , p. 82 , see also p. 32.

41. *Ibid.*, p. 46. cf. In his Wanderings in Turkey, Blunt says . "W were impressed, as all travellers have been with the hom goodness of these people and the badness of their government The Earl of Lytton (ed), *Wilfrid Scawen Blunt—A Memoir by Grandson.* (London : Macdonald, 1961), p. 75.

42 *Arabic Maqalat, op. cit* , pp. 183 ff, 212, 248 ff.

43. *Ibid* , pp. 212, 250.

44. *Ibid* , pp. 143, 155 ff, 194, 246 ff.

45. *Ibid* , pp. 121-22. Cf. "Mohammad Ali and his first Europ ising mercenaries had the fancy that Egypt might be rege rated if it be made to wear tight trousers and sit on chairs The Earl of Lytton, *op cit.*, p. 68.

46. The Iranian government had, by their grant of the Tobac concession to a British company, in March 1890, renounced an important source of revenue and paved the way for fore monopoly and intervention. Opposition to this concession was already mounting when Jamal seized upon this sore point to strike a mortal blow to Iranian despotism through an imp sioned letter from Basrah to Mirza Hasan Shirazi, the *Mujtahid* of Samarra. In this famous letter, he called the atten tion of this high ecclesiastical dignitary to the squanderin of state resources on the "enemies of Islam", referred to "t reign of terror" in Iran and in the name of religion invoked and his colleagues' active intervention to remedy the hop situation in the country. This appeal led to the *Mujtah* historic *fatwah* forbidding the enjoyment of tobacce to eve believer as long as the concession agreement was annulled. people enthusiastically carried out the *Mujtahid's* edict, to t complete discomfiture of the government. See Browne, *op ci* pp 15, 22 , Goldziher, *loc cit.*, excerpts from Jamal's fam letter to *Mujtahid* are given in Browne, *op. cit* , pp. 15 21, the complete text in Urdu in Mubariz al-Din Raf'at, *op* pp. 243-55. See also, A.K S. Lambton, "The Tobacco Re Prelude to Revolution" (in two parts), *Studia Islamica*, 1965 Nos. XXII (pp. 119 57) and XXIII (pp. 71-90) , and Nikki Keddie, *Religion and Rebellion in Iran : Tobacco Prot 1891-92* (London, 1966).

25 *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 21.

26. Though none can deny that he was one of the first Muslims to reach the Positive character of the age that was coming, yet there is no doubt that there was a strong strand of romanticism both in his religious writings and political ideas

27. *Persian Maqalat, op. cit.*, pp. 21 ff, 32, 124 ff, *Arabic Maqalat*, *op. cit.*, pp- 108 ff. 179 ff. 210-13.

28 *Persian Maqalat, op cit.*, pp. 22, 23.

29 *Persian Maqalat, op. cit.*, pp. 20 21.

30 Jamal was a pragmatist because he believed that "the meaning of conceptions is to be sought in their practical bearings, that the functions of thought is a guide to action, and that the truth is pre-eminently to be tested by the practical consequences of belief" His *Radd i-Nechariyyah* ("Refutation of the Materialists") (Bombay, 1881) wherein he tests every belief by the consequences that it leads to, gives ample evidence of his pragmatic trend of thinking (*Arabic Maqalat, op. cit.*, pp 11-79, 233-51) (For his call to *'ulama'* see *ibid.*, pp. 143, 246-7, *Persian Maqalat*, *op. cit.*, p. 133 ff, also, p 29 ff, *Arabic Maqalat*, *op*, *cit*, pp 71, 127-29, 249 ff, 203-08 210-13). However, one subtle distinction calls for notice : to Jamal, true belief will always be practically successful, and not that the guarantee of its truth is its practical success, nor that everything that is practical or successful is a truth. Jamal's whole trend of thinking, as has been pointed out above, is activistic and practical.

31 *Persian Maqalat, op. cit*, pp 41, 119 ff.

32. Goldziher, "Djamal al-Din al-Afghani", *loc cit.*

33 *Persian Maqalat, op cit*, pp. 125-26

34. *Ibid*, pp 36-37.

35 *Ibid.*, pp. 42-44.

36 *Ibid*, p 45.

37 *Ibid*, p. 77 ff ; *Arabic Maqalat, op cit.*, pp 155, 246 ff.

38 For instance, in his essay on Philosophy, he remarks, "I sincerely hope that the learned *'ulama'* of Hindustan will peruse this essay from the viewpoint of present [Muslim needs, and] I am certain that after it is perused intelligently, the sincerity of my intentions shall become apparent and evident to them." *Persian Maqalat, op. cit*, p 137.

4. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 29 ; also *Arabic Maqalat, op. cit.* p. 71.
5. *Persion Maqalat, op. cit.*, p. 29-39 ; also *Arabic Maqalat, op. cit.* pp. 72-73.
6. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 31 also *Arabic Maqalat op. cit.* 73-75.
7. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 31 ; also *Arabic Maqalat, op., cit.* pp. 73-75.
8. *Persian Maqalat, op cit.*, pp. 31-32 ; also *Arabic Maqalat, op cit.* pp. 77-78. These four principles have also been pointed by Muhammad 'Abduh Jamal's Egyptian pupil and editor of *al-Urwah al-Wuthqa*, see Adams, *op. cit.*, p. 15 f.
9. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 29 : also *Arabic Maqalat, op cit* p. 71.
10. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 32 ; also *Arabic Maqalat, op. cit* p. 78.
11. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 46 ; also Muhammad Basha al Makhzumi, *op. cit.*, p. 155 ff.
12. *Persian Maqalat. op. cit.*, p. 31.
13. Makhzumi, *op. cit* , p. 165 ff.
14. Mawlana Abul Kalam Azad, *Tarjuman al-Quran* (Lahore Zamzam Press Ltd., 1947) p. 66.
15. Makhzumi, *op. cit.*, p 165 ff.
16. *Ibid.*, p. 176 ff.
17. *Ibid.*
18. *Ibid.* pp. 178. 179,
19. See *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 126.
20. See H. A. R. Gibb (ed.) *Whither Islam* (London : Victor Gollancz Ltd., 1932). p. 68.
21. *Arabic Maqalat, op. cit.*, p. 31 ; also Makhzumi, *op. cit.*, p. 17[illegible] and *Arabic Maqalat, op, cit.*, pp. 75-76.
22 *Ibid.*
23. *Persian Maqalat, op. cit.*, pp. 28, 32 ; *Arabic Maqalat, op. cit.*, [illegible] 78, 248 ff.
24. *Persian Maqalat, op. cit.*, p. 29 ff. *Arabic Maqalat, op. cit.*, pp. 71 ff 127 29, 249 ff 203-208, 210-213.

Jamal ad-Din Asadabadi (Berlin Chapkhana-i Iran, 1926) rev ed *Sharh-i-Hal wa Asar-i Sayyid Jamal al-Din Asadabadi ma'ruf bi "Afghani"*, (Tabriz, 1326/1947-48) : Muhammad Basha al-Makhzumi, *Khatirat i Jamal ad-Din al-Afghani al Husayni* (Beirut : al-Matb'a al-Ilmiyyat li Yusuf Sadirah, (1931, 2nd ed Damscus, 1965) (Makhzumi was a personal friend of Jamal and his official secretary during his stay in Turkey The work, considered one of the best sources in Arabic, is a faithful record of Jamal's life, work and thought rather than a systematic study. The preface by Mustafa Abd al-Raziq represents a significant contribution on the subject) , Muhammad Rashid Rida *Tarikh al Ustadh al Imam ash-Shaikh Muhammad 'Abduh* (Cairo, 1931, 1947-48) 3 vols , "Cemaleddin Afghani", in *Turky Ansiklopedisi* (Ankara, 1960) vol X p 143, I Goldziher, "Jamal al Din al-Afghani", *Encyclopadia of Islam* (London Luzac & Co. 1965), vol. II. Hans Kohn "Jamal ul Din al Afghani", *Encyclopedia of Social Sciences* (New York The Macmilan Company, 1938), vol IV ; Mubariz al-Din Rif'at (ed.) *Maqam-i-Jamal al-Din Afghani* (Haydarabad, Dakhan : Nafis Academy n d). It has now been finally established that "Afghani" was born at Asadabad, near Hamadan in Iran, and not in Asadabad near Konar in the District of Kabul in Afghanistan. Hence the title "Afghani" under quotes. For some of the proofs of Afghani's Iranian birth and education, see Nikki R. Keddie, "Sayyid Jamal al-Din al-Afghani's first twenty-seven years", *Middle East Journal*, XX 4 (1966), pp 517 33 ; "Afghani in Afghanistan", *Middle Eastern Studies*, I 4 (July 1965), pp. 322-49 : Keddie, *Sayyid Jamal-ud-Din "al Afghani" A Political Biography, op cit.*, chap. 2 [also see *Urdu Encyclopaedia of Islam*, vol. 7, pp. 372-381]

2 'Abd al-Ghaffar Shahbaz (ed) *Maqalat i Jamaliah* (Calcutta Rippon Press, n d) : trans in Urdu by Mubariz al Din Raf'at , *Maqa'at-i-Jamal al-Din al-Afghani (Persian)* Haydarabad Dakhan Dar al-Isha'at-i-Siyasiyah, 1944), p. 20 (hereafter *Persian Maqalat*)
See also Charles C. Adams, *Islam and Modernism in Egypt* (London : Oxford University Press, 1933), p 1

3 Mubariz al-Din Raf'at (tran) *Maqalat-i-Jamal al-Din al-Afghani* (Arabic), Hydarabad, Dakhan : Nafis Academy n. d) p. 71 (hereafter *Arabic Maqalat*), also W S. Blunt, *The Future of Islam* (London : Kegan Paul, Trench & Co , 1882), p. 77

with the long-term, and more durable, resurgence of Islam in the harsh realities of the nineteench and twentieth century world—such as Syed Ahmad Khan (1819-1898), Muhammad Abduh (1849-1905), Rashid Rida, Zia Gokalp (1875/76-1938) and Iqbal (1877/1938)—have invariably come to the same or similar conclusions. Invariably have they stressd the need for extending the frontiers of modern education, for inculcating a spirit of inquiry, and for the reform of the *'ulama*, class which, having played the critical role of the opinion leader throughout the history of Islam, is in a vantage position compared to any other class or group in the *ummat*, to bring about religious, social and moral reform in the community. Alike they have stressed the importance of *ijihad*; *ijma* and *qiyas* in interpreting and reformulating Islamic doctrines, in the light of nineteenth and twentieth century requirements, and in working out intellectual justification to retain the loyalty of the modern Muslim to Islam in this scientific age.

NOTES

1. A good deal of literature is available on Afghanistan in various languages. Some of the more important ones are : Edward G Browne. *The Persian Revolution 1905-1909* (Cambridge : University Press, 1910) : Albert Hourani, *Arabic Thought in the Liberal Age. 1798-1939* (London, 1962) : Nikki R. Keddie, *An Islamic Response to Imperialism : Political and Religious Witness of Sayyid Jamal ad-Din "al Afghani"* (Berkeley and Los Angeles University of California Press, 1968), and *Sayyid Jamal al-Din "al Afghani" : A Political Biography* (Berkeley and Los Angeles University of California Press, 1972) : and *Sayyid Jamal al-Din al-Afghani : A political Biography* (Berkeley and Los Angeles University of California, 1972) ; Sharif Al-Mujahid "*Sayyid Jamal al-Din al-Afghani : His Rule in the Nineteenth Century, Muslim Awakening*" (unpublished M A. thesis McGill University, Montreal, 1954). Qazi Muhammad Abd al-Ghaffar *Asar-i Jamal ad-Din Afghani* (Delhi Anjuman-i-Taraqqi-i-Urdu Hind. 1940) ; Amin ad-Dauleh, *Khatirat-i Siyassi-yi Mirza Ali Khan-i Amin al-Dauleh,* ed. by Hafez Farman-Farmanian (Tehran, 1962) : Mirza Lutfallah Asadabadi, *Sharh i Hal-i Sayyid*

for blind imitation of the West, who saw nothing good in Muslim culture and civilization, who would introduce Western institutions without reference to local conditions. Such persons, Jamal contends, suffer from an inferiority complex and bring no good to the community becase they are so fascinated by others that they hardly have any faith in their own notions, though they may be mouthing all kinds of slogans.[45] As in religion, so in culture and civilization, Jamal condemns blind imitation. If the ardent Islamist Jamal refuses to toe the line drawn by his forbears, the great Muslim *imams* and ***Mujtahids*** for whom he has all respect, surely one cannot expect him to brook blind imitation of the "materialist" West

And, in truth, Jamal's hopes in the power and influence of the *'ulama'* were no illusions as it became evident by the famous *fatwa* on tobacco issued by the Shi'ah *mujtahid* of Samarra.[46] Wherever he received their support he succeeded in his objective, as in the case of the annulment of the Tobacco concession in Iran

Not only in the rescinding of the concession, but even in the subsequent Persian revolution of 1905-1909 which led to the installation of the constitutional regime in Persia, the part played by the *'ulama'*—of course, under the initial inspiration of Jamal—cannot be over-emphasised.[47] So also the conversion of Muhammad 'Abduh and the Azhari ***'ulama'*** led to the founding of a reform school in Egypt.

VI. Conclusion

Thus, it may be seen that the problems, to which Afghani addressed himself, are still relevant to the world of Islam in this our last quarter of the twentieth century For a century and more, various Muslim reformers and thinkers across the length and breadth of that world have been trying to grapple with these problems and have suggested remedies according to their respective lights It is rather interesting that leaving aside those concerned solely with a contemporary temporal situation—such as Mustafa Kamal Ataturk (1881-1938), Reza Shah Pahlavi (1878-1944), Dr. Ahamd Soekarno (1902-1970), and Gamal Abd al-Nasser (1918-1970)—those concerned

heart of the community.[39] Thus, while he influenced and inspir the younger generation in the community almost without a supreme effort on his part, he set himself devotedly and resolut to inject life into the *'ulama'* class, to rouse them from their listl existence and quiescent attitude, to wipe out parochialism a prejudice from amongst them, and to make them into what they oug to be—"the guiding light for those astray from the path of felicity "the injectors of life into defunct hearts", "the heralds of recov from the maladies of humiliation and helplessness", and t guardians of people's morals.[40]

Jamal finds the key to Muslim decay and decline in the degene tion of the *'ulama'*. It was at the apex of the social pyramid—i amongst the *'ulama'* and the leaders—he asserts, that degenerati had first set in, and through them it trickle down the social pyran to the base of the community. Therefore, any scheme for Musl reformation must first begin with the reformation of their *'ulama'* a leaders.[41]

It is rather interesting that Jamal has full faith in Musl masses who, he believes, are still true to Islam, though a bit weaken in their beliefs through the acts and misdeeds of sefilsh despots a the indifference of the *'ulama'*. The Muslims, in general, are tod ignorant, poor, distressed and confused but not wholly lost ; the f of *iman* is still ablaze in their hearts.[42] But what they most urgen need is a little fanning of this flame, a lead from their leader And, in Jamal's scheme, herein comes the duty of the *'ulama'* w should fan the flame of *iman* in the people's hearts, fight against t spirit of despair and hopelessness, creeping into the community a assure them of God's succour and support, awkan them to th duties and enforce on them His ordinances (*'Amr bil-ma'ruf wa al-na an al-munkar*), and create amongst them unity, courage, mo discipline and a spirit to sacrifice their all in God's way.[44]

Jamal's best hopes for the Muslim nation, thus, lay in reformation of the *'ulama'* class, and in their enlightened a progressive leadership He detested and despised those nineteen century ultra-modern (political) reformists and leaders who s

heir bootstraps and finding out means for this objective—a task which was extremely critical at that juncture for Islam as a system, as a civilization and as a polity, though not necessarily as a religion. From this viewpoint, essentially mundane and this worldly, anything which failed to contribute to the betterment of the community, to bring social stability and progress or to help elevate its culture and civilization, seemed utterly useless to him. No pursuit is an end in itself, all activities must be geared to the realization of one supreme objective—viz. a reformed Muslim world.

V The Role of the 'Ulama' in Muslim Regeneration

Jamal's hopes of Muslim regeneration rested entirely on the 'Ulama'. In his scheme for reforms, they are the very persons who could effect reform in the community and cause it to return to Islam.[37] Perhaps it is for this very reason, viz, his belief in their capacity to lead the Muslims to their goal of a reformed Muslim world, that he is so harsh with them and calls on them repeatedly to mend their ways and change their attitude. Actually, Jamal expected a good deal from the *'ulama'* class; although he was repeatedly and sorely disappointed, yet he did not give up to the end—presumably because it alone could perform the task of opinion leader in the religio social context of the Muslim society.

It seems a paradox that this fierce reformer who had so greatly appealed to and influenced the younger generation, should have let no opportunity pass without making a fervent appeal to the *ulama'* to give the right lead to the Muslim community. And this, knowing all the while that he has not taken to kindly in their circles.[38] But the reason is not far to seek. His was a mission of Muslim renaissance, and, practical and shrewd as his was, Jamal recognized early in life the tremendous influence that the *'ulama'* class—however degenerate it might have become—wielded over the cammunity. Obviously, he wanted to enlist their support in his scheme for Muslim reform and regeneration. For, it appears form his writings he knew very well that once the *'ulama'* class was won over, and became possessed of right ideas, these would, ere long, trickle down to the

Muslim worlds with its superior knowledge, sciences and technology the Muslims, out of sheer ignorance and prejudice, began talking in terms of Muslim learning and sciences, as if knowledge and learning could stand such an artificial division. The situation was ridiculous enough, and it was this that Afghani tried to fight against.

Indeed, can learning and sciences stand such artificial division? Or, for that matter, can learning be restricted to any particular group as such ? Even granting that a particular branch of science or technology in its most developed stage has been associated with some nation, should it be assumed that the knowledge, experience and researches of other nations and of previous scientists and scholars have not contributed towards developing that particular branch of science into what it is today ?

This is precisely the argument that Afghani puts forward to tear the Muslim away from their tragic aloofness to modern education. "How strange it is", he laments, ' that Muslims quite enthusiastically read. . . Aristotle as if Aristotle had been a Muslim, whereas they call infidel anything which is associated with Galileo, Newton and Kepler. the source and resource of learning is proof : and proof is neither Aristotle nor Galileo."[36]

Surely Jamal did not believe in learning for its own sake just as he did not desire a revival of religion for its own intrinsic worth. Religion must be revived because it confirms the community in moral rectitude and elevates its culture and civilization ; philosophy should be enthroned in the peoples' minds because it brings deliverance from horror, ignorance, stupidity and superstition and helps inculcate breadth of vision and perception, thus pointing the way to intellectual perfection ; the modern arts and sciences are to be acquired because they have been responsible for the present political ascendancy and intellectual accomplishments of the West, because through them alone can the Muslim world acquire the capacity to withstand Western incursions and enchroachments, to liberate themselves from their tutelage, and even to equal their accomplishments

Jamal was primarily a reformer, engaged in the twin task of rejuvenating the decadent Muslim nation, raising them almost to

need for it.[31] It was in keeping with this view that he introduced philosophy to the students at al-Azhar, much against the opposition of the Azhari *'ulama'*.[32]

Though primarily a book of guidance, of ethics and morals, of religious beliefs and doctrines, the Quran calls on the believer repeatedly to realize and recognize Reality through material objects apparent to the human eye—by meditating upon the objects around the sun, the moon, the stars, the sky, the earth and other earthly and heavenly bodies which man can see and feel. By such emphasis upon realizing Reality through these natural objects, the Quran instilled in the early Muslims a spirit of inquiry and research, i e, a philosophical spirit. In the result, they presently launched upon such an inquiry into the mysteries of the universe and the world beyond. Thus, the credit for not only civilizing and refining the bedouin Arabs but also for inspiring them to seek knowledge and learning from the Quran.[33]

IV. Modern Education

The third remedy that Jamal proposes for the ailments of the Muslim world is education—modern education [34]

Concerned deeply and with the rebirth of the Muslim world, he realized that so long as Muslims shunned modern learning and sciences, and failed to master (Western) techniques and technology, they were doomed to failure and servitude. The West had acquired the power to conquer and dominate the Muslim countries through its superior learning and sciences ; through modern education, the West has far surpassed the Muslims who were once intellectually its superiors.

On the other hand, the Muslims, after a few centuries of intellectual supremacy and cultural resurgence, had dethroned the spirit of inquiry and (scientific) research. Instead of extending and adding to the knowledge handed down by previous scholars and scientists, physicians and philosophers in their respective fields, they contended themselve with a study of previous works and researches for their own sake Thus, when a few centuries later, the West faced the

civilization, and despite his rhetorical denunciation of Western "materialism", Jamal argues Muslims to imbibe the Western sense of organization in terms of education, economics, politics, and defence structure, strategies and techniques.

In his plans for the revitalization of Islam and the regeneration of Musalmans, the Quran holds the most significant key. In his speeches and writings, Afghani misses no opportunity to emphasize the need to return to the divine book, to understand it rightly, and to follow its injuctions. And, it "is such an eternal guide and literary beacon that steadfast to Doomsday, it shall ever dispel doubts".[29]

A pragmatist searching his values in terms of their practical and social bearings, Afghani advocated a return to Islam, not only for its own sake but also because it would lead Muslims to attain religious and worldly felicity.[30] He calls for a return to Quranic teachings because a steadfast adherence to them would facilitate, among other things, their realization of all those prerequisites that are essential for the rise and progress of nations in this world and felicity in the hereafter.

The foregoing discussion on Afghani's views on Islam underline his belief in moral reform ; all reform must basically be moral Any attempt to build anew the Muslim states or to develop their culture and civilization, without first returning to the cardinal principles of true Islam and working towards their (Mnslims) moral rectitude would lead nowhere. Equally striking is Afghani's concept of the ideal of a performed Muslim world in terms of religion. The former in his supreme mission : a state of advanced culture and civilization, where Islam could freely compete with its rivals, detractors and oppressors ; religion being the road whereby to reach this state.

III. Revival of Philosophical Studies and Spirit

The second remedy Afghani suggests for the redemption of Muslims was the revival of philosophical studies. He deplores the lack of interest in this branch of study and constantly stresses the

and his immediate followers, and its teachings, (b) philosophical studies and their grasp ; (c) modern education ; (d) unity and leadership.

Afghani's most ardent slogan was of course, "Back to Islam" He attributes the Muslims decline and degeneration to their desertion of the tenets of Islam and injunctions of the Quran[23]. For he argues, the teachings of Islam include all those prerequisites that ensure success, progress, religious and worldly felicity, intellectual excellence, political ascendency and moral refinement in a nation[24] More importantly, Allah has promised them honour and victory, dominance and ascendancy.[25] "And might [i e power] belongeth to Allah, and to His messenger and to His believers" (surah 63 : 8), "He causeth it to prevail over all religions. And Allah sufficeth as a witness" (surah 48 : 28) ; and again, "To help believes is ever incumbent upon Us" (surah 30 : 47).

A strong admixture of zealotism and herodianism, romanticist in his spirit but realistic in his approach and methods, techniques, tactes.[26] Afghani finds refuge in, and treatments to validate his thesis and multi-dimensional programme by a flashback, more often than not, to the glorious era of Islam when Muslims surpassed the rest of the world in political ascendancy, social stability, cultural renaisance, intellectual resurgence, religious accomplishments, and worldly felicity. Their glorious example obviously comes in handy to him whenever he wants to prove to the Muslims of his age how adherence to Islamic principles would spell success and happiness for them.[27] Because "the early Muslims were [then] with God and kept trying to raise the Word of God", he argues, God's help was also with them at every step.[28] And the Muslims could once more become exalted and great by going to Islam and its teachings

When Afghani calls for a return to true Islam, he means not only purifying it of the prevalent superstitious beliefs and fantastic notions, but also flinging open the door of *ijtihad*—that is, basing religious beliefs on rational proofs.

Thus despite his strident criticism of the basics of Western

And the Quran itself sanctions such an activity : "And we never sent a messenger save with the language of the folk, that he might make [the message] clear for them" (surah 14 : 4) ; Lo ! "We have revealed it as a Lecture [i.e., the Quran] in Arabic, that he may understand" (surah 12 : 2) "A scripture whereof the verses are expounded, a Lecture [i.e., the Quran] in Arabic for people who have knowledge" (surah 41 : 3).

"If the four Imams had been alive today", Afghani is at pains to point out, "they would have continued to make deductions from the Quran, and their knowledge of these things would have, thereby, continued to increease. These Imams tried to explain the mysteries of the Quran but what they have actually achieved is a drop out of an ocean.[18] And since the former interpreters and theologians have but covered only a part of the Quran and since all that has been said by way of its exegesis in the past has far from exhausted its resources, he asserts, the Divine book is still susceptible for progressive interpretation and *ijtihad* in the light of modern knowledge.[19]

The altered conditions of life and the new intellectual tendencies, he asserts, made the abandonment of simple *taqlid* and the reopening of the gate of *ijtihad* imperative. The incompatibility of Islam with modern thought is due only to its wrappings of outworn mediaeval scholasticism ; otherwise, Islam, rightly understood in its original form is not only in full agreement with the assured results of scientific investigation but is even in close harmony with them than any other religious system.[20]

Taqlid bila kaif or the blind acceptance of the authority of the former theologians, Afghani condemns in unmitigated terms. He also takes cudgels against unintelligent following of others' opinions and conjectures in regard to beliefs.[21] Indeed, accepting views without evidence and proof would ultimately make one helpless in understanding good and evil.[22]

II. Back to Islam

To Afghani the regeneration and renaissance of Musalmans lay in (a) a return to Islam ; original Islam as preached by the Prophet

contradict recent scientific discoveries.[13]

connection, it is interesting to note how another
ias attempted to interpret surah 10, verse 43, wherein also
ference to the spreading out of the earth Commenting
, Mawlana Abul Kalam Azad says, "Look at the earth !
is filled with fruits and flowers ; streams of sweet water
beneath its surface; gold and silver come out of its depths.
s circular in its shape, yet each part of it is such that it
ne levelled carpet has been spread." And he translates
follows . "That Creator Who has made earth for you in
hat it is spread like a carpet and Who has laid even
ering distances.[14]

also takes note of surah 21, verse 30 ("Have not those
known that the heavens and the earth were of one piece,
rted them . . ."), and presents it as an example to show
nce, the Quran does not contrdict science[15] For it is
nmon belief with astronomers that both the sun and the
e time formed one mass out of which the earth has

mi reports an anecedote which clearly sets forth Afghani's
ijtihad. When it was brought to the notice of Afghani
iews of Qadi 'Iyad were accepted as sacred as revelation
reported to have said, "Iyad accepted something accord
measures of his intellegence and the needs of his times.
e that nobody has a right to say something which is
ruth and more valid than the statement of Qadi 'Iyad or
nam ?"[16]

ersons, he argues, were guided in their interpretation by
es of the times and these principles change with the times.
anic authority", he asks, "could be quoted to show that
ijtihad] is closed ? What Imam has said that it was not
him [for the people] to use their own intelligence, derive
m the Quran and the authentic traditions and make
rom contemporary sciences by means of analogy . . . ?"[17]

forbears. Of all religions, Islam alone condemns allegiance to beliefs and opinions without evidence, chides against blind acceptance of authority, and stresses the importance of reason and proofs in affairs, both spiritual and secular. In other religions, doctrines such as trinity are justified on the ground that they are above reason and cannot be grasped by it.[7]

4. Every community should contain a group devoted to the education of people and another one to the building up of character and morals. These two functions—viz., the education of the community and *Amr bil-ma'ruf wal-nahy 'an al-munkar* (i.e. to command good and forbid evil) are among the most important provisions of Islam.[8]

Thus says Afghani, Islam, based as it is on such "solid, sound and sure principles" (which are not found, at least in the same degree, in other religions) is the one religion that lends itself to the progress and happiness of a people,[9] But, then : "Why are Muslims in such a sorry mess ?" Because "Allah changeth not the condition of a folk until they [first] change that which is in their heart " (Sura 13 : 11)[10]

Afghani's belief in Islam as being a world religion, catering to the needs of all people, climes and ages, leads him to declare that Islam cannot, must not and would not contradict science and scientific truths. The laws of physics, the formulae of geometry and the arguments of philosophy are all self-evident and axiomatic truths ; hence they could in no way contradict Islam,[11] it being based on proof and reason.[12]

The Qur'an, it may be remembered, does make mention of some the material objects apparent to the human eye, such as the sun, the moon, the stars, the sky, the earth and other earthly and celestial bodies ; it does discuss some of their functions to demonstrate to men God's great and magnificent work and to call attention to His great power and supremacy over the world.

Afghani himself reinterprets certain Quranic verses to bring them in line with modern scientific throught to show that the Quran does

Mujahid*

mal al-Din "al-Afghani" and the Regeneration of Islam

ıction : Islamic solution to Muslim Degeneration

ndamental assumption with Sayyıd Jamal al-Dın al-38-97)[1], as with all reformers in Islam, ıs that Islam ıs a ɔn, suitable for all peoples, ages and cultural condıtıons.[2] rightly interpreted, capable of beıng adapted to human ⁄ery country and age, and lends itself to most lıberal ts and beneficial results.[3] For, the teachıngs of Islam hose prerequisites that enable nations "to scale the heıght ı, realize truths and subtleties [of lıfe and religıon], and ous and worldy felicity."[4]

fghani, these prerequisites are as follows :

: minds of the people should be purged of all false belıefs ıtions. No other religion puts such an emphasıs on thıs am ; this because the doctrine of the unıty of God calls ı of such foolish and extravagant notions as ıdolatory, n of suffering.[5]

individuals in the community should feel themselves attaınıng to all human virtues and excellences except hecy (which is a divine gift). By recognising every one's .ain to the highest levels of nobility of character wıthout tion of sex, race and wealth, Islam has made the f men dependent only upon perfection of mınd and soul.[6]

ıefs should be based on "solid evıdence and ratıonal reason is man's first drawing board". One must not be ·rely with allegiance to the authorıty (*taqlıd*) of hıs

---

ıid-Azam Academy, Karachı.

At the time of his death he was engaged on a great treatise on ethics, similar in plan to Ihya al-Ulum afterwards produced by al-Ghazzali. Unfortunately most of the works of this great author have been lost to us. Those surviving in addition to his history and Tafsir are :

1. A fragmentary compendium of his Tarikh al-Rijal which has been published as an appendix to the Leiden edition.
2. Fragments of work on the diversity of opinion of the chief Jurists and.,
3. The first part of a compendium on the principles of law entitled al-Tabsir.[28]

28. Cf. M. J. De Geoje, *Selections from the Annals of Tabari* (1902). Introduction F pp X-XI.

sible in his writings.

From the Encyclopaedia Britannica we come to know that the Annals of Tabari soon came to be dealt with in various ways. They were published in shorter forms with the ommission of the names of authorities and of most of the poems cited. Then many supplements were written, e.g. by Ferghani (not extant) and by Hamdhani (partly preserved in Paris), 'Arib of Cardova made an abridgement adding the history of the West and continuing the story to about 365. Ibn Miskawaih wrote a history from the creation to 369 A.H, with the purpose of drawing the lesson of the story, following Tabari closely, as far as his book is known, and seldom recurring to other sources before the reign of Muqtadir. In 352 A.H. an abridgment of the Annals was translated into Persian by Balami, why, however, interwove many fables. Ibn al-Athir (d. 630 A.H.) abridged the whole work, usually with judgement, but sometimes too hastily. Later writers took Tabari as their main authority.[27]

His Works

In addition to his two monument works on Tafsir and history, namely 'Jami Al-Bayan 'An Tawil al-Quran' and Tarikh al-Rusul wal Muluk wal Khulafa', Tabari composed many other works, a mention of which is to be found in the sources cited in the beginning. The names of certain important works are given below:

1. 'Kitab Basit al-Qaul Fi Ahkam Sharai' al-Islam'- a juristic treatise.
2. 'Tarikh Al-Rijal Min al-Ashab wa'l-Tabi'in '
3. 'Kitab al-Qira'at wa Tanzil al-Qur'an.'
4. 'Kitab Latif al-Qaul Fi Sharai' al-Islam'— a monumental work on Fiqh.
5. 'Kitab Khafif al-Oaul.'
6. 'Kitab Ikhtilaf Ulama al-Amsar.'
7. 'Athar al-Baqiyah 'An Qurun al-Khaliya.'
8. 'Kitab Tahdhib al-Athar fi'l-Hadith'— An account of the traditions of the Prophet.

Cf *Encyclopaedia Britannica* (Nineth Ed) XXII. 4

(one of them written by Tabarı's own hand) in the library of Caliph Aziz (latter half of the 4th century). Whereas when became lord of Egypt the princely library contained 12 (Maqrizi 1.408). Only princes and rich men could own a bo in the time of Aziz cost one hundred dinars. We know th a place in most great libraries in other countries, for we it was used in all hands. Thus the fact that no complete now be found anywhere and that the Leyden Edition res volumes lying in various places, gives a striking image of east has suffered from barbarism[25]."

The text of the Annals contains the history from the till the year 302 A.H. The work begins after an introduc the history of Prophets and rulers etc. of the early perio comes the history of the Sasanian period, and of the peri Holy Prophet and the first four Caliphs; the history of the U and lastly the history of the Abbasids upto 302 A H. beginning of Muslims era the material is arranged anna under the years of Hijra.

We get an idea of the length of time taken by the physi of copying such a work as either of his Qur'anic Tafsir and from the story of some one who claimed to have taken t Commentary down from Tabari's dictation. It had tak years, from 283 A.H to 290 A.H. The history he then tell completed on Wednesday last but two of Rabi II, 303, hav contiuned to the end of 302. (26)

A striking feature of Tabari's works is the impartia which he proceeds As is evident he was not a court histo was never ready to accept any material assistance from authorities. Although he had a modest competence an inco his estate in Tabaristan, he rejected all financial advantages refused lucrative official position offered him. Even he have been hesitating in receiving any gift which was greater could match with a return gift. This strength of charact

25 *Encycolopaedia Britannica*, op. cit. p. 4.
26. Cf. *Lectures*, p 102.

he words of Margoliouth : "probably we are to regard Tabari as erforming for history a task similar to what Bokhari and Muslim id for Tradition. The selection of really historical matter out of he qnantity of material presented by the works of Mada'ini and thers Followed by the difficult and to some extent dangerous task f bringing the record upto his own time.[22]

Rudi Paret observes : "Tabari's most important work is his history f the world (Tarikh-al-Rusul wal Muluk). The well known Leyden dition gives only an abbreviated text of the huge work which is said have been ten times as long but even it fills 12½ volumes.[23] "Tabari rocured the material" he says further, "for his history of the world rom oral tradition, for the collection of which he had sample opportunity on his wide travels which were mainly devoted to the talab l-ilm, and in studies under celebrated scholars. He also used literary ources . . . . Tabari did not work up the material into a connected ccount of historical events. He was rather content to record the ifferent, often contradictory, accounts, as they were handed down o him. He therefore declined any responsibility for the reliability f the traditions collected by him. But it is just in the conscientious nharmonised repetition of the collected material of tradition that he value of Tabari's work for modern historical research lies, especially when it is a question of reconstructing the events of the early eriod of Islam "[24]

Certain remarks of R. Paret, pertaining to Tabari's selection of raditions, contradictary accounts given in the annals and repetions termed as unharmonious etc. can be reviewed in the light of the pinion of De. Goeji who says, "Nevertheless the value of the book very great. The author's selection of tradition is usually happy, nd the episodes of most importance are treated with fulness of etails so that it deserves the high reputation it has enjoyed from he first This reputation rose steadily ; there were twenty copies

---

2 Lectures on Arabic Historians, p. III
3 *The Encyclopaedia of Islam*, IV. 578
4 *Ibid*, IV, 599.

books have acquired. He was especially noted for his deep understanding of Quranic learning, Qiraat, the history of Prophets, Caliphs, kings etc ; and the diversity of the opinions of the jurists."

Do Goeji while writing on Tabari and early Arab Historian says

" . . . . All these histories are are more or less thrown into the shade by the great work of Tabari, whose fame has never faded from his own day to ours, and who well deserves to have this article on early Arabic histories placed under his name.[20]

He goes on writing,

"The success of the annals and commentary was due above all to the author's personality. The respect paid to him by his contemporaries appears in various anecdotes preserved in his biography. His pupils had an unbounded admiration for his extraordinary knowledge, and what he said seemed to them the best that could be said. In truth, both his great works were the best of their kind, especilly the commentary which in the judgement of all impartial critics has not been equalled before or since, in completeness, learning, and independent judgement. A contemporary says 'that it would be worth a journey to China to procure the Book". So general was this view that the opinion of Tabari was quoted as a legal authority,[21].

Thus Tabari occupies a unique position not only among the Muslim scholars of repute but also among the most eminent historians of the world. His great historical compilation Tarikh-al-Rusul wal Muluk, the distinguishing features of which are completeness of detail accuracy, and the truly stupendous learning of its author that is revealed throughout, and that makes the work a vast store house of valuable information for a historian as well as the student of Islam is a standard authority of a high rank for early Muslim history. In

20. *Encyclopaedia Britannica*(Ninth Ed.) XXIII, 3.
21. *Ibid*, p. 4

Baghdad in the year 310 A.H., and his body was laid to rest in a house in Rahbat Ya'qub.

His Evaluation Particularly as a Historian.

Tabari's literary activity, as has already been pointed out was very enormous. He has composed valuable works in different branches of knowledge. Ibn Kamil tells us how Tabari divided his day : from noon till afternoon he was occupied with writing After the afternoon prayer he would go to the Mosque and give lessons in the Quran until the 'Asr prayer'. After that he would give lessons in Jurisprudence and then he would return to his residence[17] Khatib Baghdadi pays him a tribute in the following glowing words –

«و كان احد ائمه العلماء يحكم بقوله و يرجع الى رايه لمعرفته و فضله و كان قد جمع من العلوم مالم يشاركه فيه احد من اهل عصره . . . .»[18]

> "And he was among the leaders of the scholars, disputes were decided on his dictates and due to his knowledge and erudition his opinion was held supreme. He had obtained skill at so many branches of learning that no scholar of his time could reach his intellectual level "

Yaqut, on the authority of Abu Muoammad Abd al-Aziz b Muhammad al-Tabari says of him :

«كان ابو جعفر من الفضل و العلم و الذكاء و ذو لحظ على مالا يجهله احد عرفه لجمعه من علوم الاسلام مالم نعلمه اجمع لاحد من هذه الامة و لا ظهر من كتب المصنفين و انتشر من كتب المولفين ما انتشر له . و كان راجعاً فى علوم القران و القراءت و التارخ من الرسل و الخلفاء و الملوك و اختلاف الفقهاء . . . .»[19]

> "Abu Jafar was so erudite, well informed, intelligent and had such a great memory that every body acknowledged him. He is well-known in acquiring a great skill at so many branches of Islamic learning, that no other among the Muslims is known to have excelled him. And no work of the authors and compilers has won the fame and publicity as his

17 Yaqut
18 *Tarikh-e-Baghdad* ii, 163
19 Yaqut, xviii, 59

of knowledge in which they themselves had acquired a skill. One day one of these persons asked him a question about prosody ('urud). Tabari had not previously devoted any attention to that subject but was unwilling to plead ignorance. He got the questioner to put off his question for a day, and in the meantime borrowed the treatise of Khatib b. Ahmad, the classical authority on the subject. By the time, the questioner repeated his visit, Tabari had become a Matician ('urudi[15]).

From Egypt he again returned to Baghdad and this time to settle there finally. During this stay at Baghdad he paid two visits to his home in Tabaristan, the second visit he paid in 290 A.H. He had to quit Tabaristan after his last visit, because the practice of maligning the three first Caliphs was rife in the province, and Tabari was afraid of personal injury owing to his views. The governor of the province sent his men to have Tabari arrested, but he was informed in time by a friend, so he escaped.

At Baghdad he became a man of great authority. He devoted himself to an extremely prolific and versatile literary activity and continued imparting a very useful instruction unto his pupils, who came from the remotest corners of the Islamic empire to hear him. Such was the esteem in which he was held that a famous theologian once said "Should you undertake the long journey to China, only to hear Tabari explain the Quran, it would be worth the trouble"[16] He however, got into trouble with the Hanbalites owing to his remarks about Ahmad b. Hanbal, which sounded to his followers disrespectful, and due to his interpretation of certain Hadith related to 'al Jalus 'Ala-al-'Arsh'. The enraged Hanbalites flung inkstands at him and pelted his house with stones, which were removed by the police. In order to console the uncompromising persons he had to compose a book wherein he wrote about his faith and expressed his praise for Imam Ahmad b. Hanbal. His monumental work 'Ikhtilaf al-Fuqaha' in which he had differed at certain points with Imam Ahmad b. Hanbal was not published till after his death. Tabari died i[n]

15. Yaqut, xviii 56
16 *Ibid.*, vi, p 424.

before his arrival there. Tabari stayed for a time in this great centre of Islamic learning and kept himself busy acquiring more and more knowledge, with leading scholars of that place His zeal for learning took him to Basra also. On his way to Basra, he stopped for a while at Wasit—the city populated by Hajjaj b Yusuf From Basra he proceeded to Kufa, where he learned different religious sciences with such luminaries as Abu Kuraib Muhammad b. al Ala al-Hamdhani, Hammad b. al-Sarri and Ismail b. Musa etc Abu Kuraib was authority on Hadith. Says Abu Jafar, "In the company of other students who desired admittance, I presented myself at the door of Abu Kuraib, who put his head out of a window and asked which of you know by heart what he has taken down at my dictation? All the students looked at me, and said doubtless you do. I replied in the affirmative, and I was able to reproduce the Tradition (i e. could satisfy the rigid test of the Shaykh)[13]. Tabari obtained from Abu Kuraib more than 100,000 traditions.

From Kufa he again returned to Baghdad This time he stayed there for a long time and took to the diciplines of law (Fiqh) and the studies connected with the Qur'an. Thence he travelled westward for Egypt. On his way he attended courses at Syrian coastal and border cities, and he reached Fustat—the capital of Egypt, in the year 253 A.H.[14] In Fustat, at that time, Abu-l Hassan Ali b. Siraj al Misri, was the most erudite and renowned scholar and was the most hospitable as well. He found Tabari an expert, not only in almost all the branches of learning related to religion, but also having a great skill at poetry, Lughat, Nahv (Grammar), Literature etc. Tabari was able to recite before him, from his memory, the Diwan of Tirimmah, which Ibn Siraj had been searching for

At Fustat he founded a law school of his own, having previously followed that of Imam Shafi'i. Yaqut tells a story about Tabari, which indicates that even while at Fustat, his reputation as a scholar had risen to the highest peak. There he was beset by the learned persons of all sorts, examining him in the different branches

---

13 Yaqut, xviii, 50.
14 *Ibid.*, p. 52.

Khatib Baghdadi[4], Yaqut,[5] Subki,[6] Ibn Hajar[7], Encyclopaedia of Islam,[8] Encyclopaedia Britannica[9] and De-Goeji[10] etc. These sources convey the information that Abu Ja'far Muhammad b. Jarir al-Tabari was born at the end of 224 A.H. or in the beginning of 225 A.H (838-839 A.D.) at Amul, the chief place of *Tabaristan*, whence he is commonly named al-Tabari. From his very early age he showed the greatest zeal for learning and exhibited an extraordinary intelligence. At the age of seven he learned the Qur'an by heart, at age of eight he led the prayer in Mosque and on reaching the ninth year of his age he started taking down the Traditions. He started his studies at his native town and upon the completion of his elementary education, he obtained permission from his father, who was a well to do person, to visit the great centres of Islamic learning, such as Ray and Baghdad, besides other places in Iraq and Egypt. He was only of twelve years when he left his native town in search of knowledge First of all he proceeded to Ray, where he benefitted himself in Tafsir and Hadith etc., among others from such scholars as Muhammad b. Hamid al-Raḍi and Ahmad b. Hammad al-Dulabi Says Abu J'afar. "We used to take down (Hadith) with Muhammad b Hamid al-Raḍi. He would come out to us several times in the night to ask us what we had taken down, which he would proceed to read to ensure accuracy. We used to go to hear Ahmad b. Hammad al Dulabi who lived in a village some little distance from Ray, and then run back like mad in order not to miss Muhammad b. Hamid's lecture.[11]" It is said that Ibn Hamid communicated to him more than 100,000 traditions.[12]

From Ray Tabari proceeded to Baghdad where he intended to study under Imam Ahmad b. Hanbal, who however died shortly

4. *Tarikh Baghdad*, ii, 162-169.
5. *Mu'jam al-Udaba*, xviii, 40-95.
6. *Tabaqat al-Shafiyat al-Kubra* (Egypt) ii, 135-140
7. *Lisan al-Mizan*, v, 100-103.
8. iv, 578, 579.
9 Nineth Edition, xxiii, 1-4
10. *Selections from the Annals of Tabari* (Lieden, 1902) Introduction F pp x-xii
11. Yaqut, xviii, 49-50.
12 *Ibid*.

Dr. *Amanullah Khan**

A Critical Appraisal of al-Tabari's Contribution to Muslim Historiography

The third century of Muslim Era which saw the golden prime of he Abbasids was one of the most fertile period of Islamic learning 'o whichever field we turn our attention we find standard works omposed and we see scores of celebrated scholars serving the noble ause of knowledge. So great and copious was their literary ictivity, that even in an advanced age like ours a student of history ind literature, while studying their lives and activities is thrown nto a state of astonishment. It is told that Abu Ja'far Muhammad in Jarir, whom we are going to discuss here, proposed to dictate a istorical work to his students: the number of leaves which he at irst proposed to cover was 30,000, as the students held that life vould not be long enough for the composition of such a work he educed the number to one tenth, 3000 leaves which corresponds 'airly with the bulk of the work in the editions of Leyden and Cairo This composition left him time for a work of similar bulk on Qur'anic lafsir, which also is said to be one tenth of the amount originally ontemplated. For the forty years of his later life the average imount which he wrote was forty leaves a day · those who divided he leaves which he had covered by the days of his life from the radle to the grave found that he had written fourteen leaves for each days of his existence.[1]

Almost all the subsequent writers, while writing about Muslim istory and Muslim scholars have given Ibn Jarir a very high place n their works. Some of the sources which have been consulted while preparing this article are . Ibn al-Nadim[2], Ibn-Khallikan[3],

*Associate Professor, Islamic Studies P.U.

1 Khatib, *Tarikh Baghdad*, ii, 163 ; Yaqut, *Mu'jam al-Udaba*, xviii, 44.

2 *Fihrist*, pp 326-28.

3 *Wafayat al-Ayan*, ii, 29-30.

than higher education. The former touches the general economic condition of the masses which form the backbone of a community, the latter only a few individuals who happen to possess more than average intellectual energy. The charity of the wealthier classes among us must be so organised as to afford opportunities of a cheep technical education to the children of the community. But industrial and commercial training alone is not sufficient. In economic competition the ethical factor plays an equally important part. The virtues of thrift, mutual trust, honesty, punctuality and co-operation are as much valuable economic assets as Professional skill. How many economic under-takings have failed in India through want of mutual trust and a proper spirit of co-operotion. If we want to turn out good working men, good shopkeepers, good artisans and above all good citizens, we must first make them good Muslims.

areful study of the general economic situation in India and the uses which have brought it about How much of this situation is ue to the larger economic forces that are working in the modern orld, how much to the historical antecedents, customs, prejudices ud ethical short comings of the people of this land, how much, if at ll, to the policy of the Government these are the questions which, n preference to other questions, must occupy his brains The roblem will, of course, have to be approached in a broad impartial on-sectarian spirit ; since the economic forces affect all communities like. The ever-increasing land-revenue, the importation of foreign rink into country, the rise of prices, whether it is due to a wrong urrency policy or the establishment of free-trade between an agri ultural country and a manufacturing country, or to any other cause— hese things affect the economic condition of Hindus, Muslim Sikhs nd Parsees all alike, and loudly proclaim that the public workers of ll the various communities can, at least, meet on the common round of economic discussion The Muslim public worker, however as hitherto concentrated almost all his energies on the point of uring our due share in Government Service. The effort is certainly udable, and he must continue to work untill we have achieved our bject But he must remember that Government-service, as a field n the production of wealth, is extremely limited It offers pros ects of economic elevation only to a few individuals, the general ealth of a community depends largely on its economic independence here is no doubt that a few individuals in the higher branches of overnment-service give a tone of honour and self-respect to the hole community ; but it is equally true that there are other spheres f economic activity which are equally important and more profitable. he process of change and adjustment to an economic ideal is rtainly painful to a people whose tradition have been in the main, ilitary, yet, in view of the change that is coming over the com- munities of Asia, principailly through the economic energy of western ations, the ordeal must be gone through besides working for the moval of economic disabilities, if any, we must have a system of nical education which is, in my opinion, even more important,

is the principal, function of the woman. All subjects which have tendency to de-womanise and to de-muslamise her must be carefu exculded from her education. But our educationists are still grop in the dark. They have not yet been able to prescribe a defini course of study for our girls , and some of them are, unfotunately, t much dazzled by the glamour of western ideals to realise the differen between Islam which constructs nationality out of a purely abstr idea, i.e., religion, and westernism which builds nationality on objective basis i.e. country.

I shall now proceed to offer a few remarks on the improveme of the general condition of the masses of our community. And in th connection the first point of importance is the economic condition the average Muslim. I am sure nobody will deny that the econom condition of the average Muslim is extremely deplorable. His sma wage, dirty house, and under-fed children are a matter of comm observation in the towns where the population is mostly Muslir Pass through a Muslim street in Lahore ; what do you find : And silent gloomy street whose mournful quiet is relieved by the shrick of ill-clad bony children, or by the subdued entreaties of an o woman in Pardah spreading out her skinny hand for alms. This is n all. Inside these unhappy dwelling there are hundreds of men and women whose fathers have seen better days, but who are now compe led to starve without ever opening their lips for appeals (for) charit It is really this poverty of the lower strata of our community and the Pardah system, as our young protagonists of social reform so times contend, that is re-acting on the general physique of our co munity. Besides this class there is the absolutely incapable w bring into the world children as incapable as himself, and by rendering himself to laziness and crime spreads the contagion these vices to others. Have we ever given a thought to the aspects of the social problem ? Have we ever realised that the du of our Anjumans and Leagues is to work for the elevation of t masses and not to push up the individuals ? The most importa problem before the Muslim public worker is how to improve economic conditions of his community. It is his duty to make

ng incalculable harm, and creating extremely intricate social blems. Nor is the higher education of women likely to lead to y desirable consequences in so far, at least, as the birth rate of a nmunity is concerned. Experience has already shown that the nomic emancipation of women in the west has not, as was expected, terially extended the production of wealth. On the other hand it s a tendency to break up the Psysical life of Society. Now I am dy to recognise that the evolution of a society by resident forces ne is an impossibility in modern times. The almost total annihi- ion of space and time has produced a close contact among the rious communities of the world, a contact which is likely to affect natural orbit of some and to prove disastrous to others What larger economic, social and political forces that are now working the world will bring about, nobody can foretell, but we must member that while it is advisable, and even necessary for a healthy cial change, to assimilate the elements of an alien culture, a hasty judicious jump to alien institutions may lead to most abrupt uctural disturbances in the body-social. There is an element of iversality in the culture of a people, their social and political stitutions on the other hand, are more individual. They are termined by their peculiar tradition and life-history, and cannot easily adopted by a community having a different tradition and e-history. Considering, then the peculiar nature of our community, e teaching of Islam, and the revelations of Physiology, and Biology the subject, it is clear that the Muslim women should continue to cupy the position in society which Islam has alloted to her. And e position which has been alloted to her must determine the nature her education. I have tried to show above that the solidarity of r community rests on our hold on the religion and culture of Islam he woman is the principal depositary of the religious idea. In the terests of a continuous national life, therefore, it is extremly cessary to give her, in the first place, a sound religious education. it must, however, be supplamented by a general knowledge of uslim-History, Domestic economy, and Hygiene. This will enable r to give a degree of intellectual companionship to her husband, d successfully to do the duties of motherhood which, in my opinion,

may, at any time lose its individuality in the individuality of any of the surrounding communities that may happen to possess a greater vitality than itself. But there is, perhaps, a still more important reason for the necessity of a Muslim University in India You know that the ethical training of the masses of our community is principally in the hands off a very inefficient class of *Moulvies* or public preacher, the range of whose knowledge of Muslim History and Literature is extremely limited. A modern public teacher of morality and religion must be familiar with the great truths of History, Economics and Sociology besides being thoroughly conversant with the literature and thought of his own community. Such public teachers are the great need of the times The Nadwa, the Aligarh College, the theological Seminary of Dewband, and other institutions of a similar type working indepently of one another, cannot meet this pressing demand All these scattered educational forces should be organised into a central institution of a large purpose which may afford opportunities not only for the development of special abilities, but may also create the necessary type of culture for the modern Indian Muslim. A purely western ideal of education will be dangerous to the life of our community if it is to continue in an essentially Muslim community It is, therefore, absolutely necessary to construct a fresh educational ideal in which the elements of Muslim culture must find a prominent place, and past and the present comingle in a happy union. The construction of such an ideal is not an easy task , it requires a large imagination, a keen perception of the tendencies of modern times and a complete grasp of the meaning of Muslim History and religion

Before leaving this point I think I ought to say a few words on the education of the Muslim woman This is not a place to discuss the ideal of womanhood in Islam I must however, frankly admit that I am not an advocate of absolute equality between man and woman It appears that Nature has alloted different functions to them, and the right performace of these functions is equally indespensible for the health and prosperity of the human family. The so called "emancipation of the western woman" necessitated by western individualism and the peculiar economic situation produced by an unhealthy competition, is an experiment, in my opinion, likely to fail, not without

and that if the present state of affairs is permitted to continue for another twenty years the Muslim spirit which is now kept alive by a few representatives of the old Muslim culture, will entirely disappear from the life of our community. Those who laid it down as a fundamental principle that the education of the Muslim child must begin with the study of the Quran—no matter whether he understands it or not—were certainly much more sensible of the nature of our community than we claim to be. Economic considerations alone ought not to determine our activity as a people, the preservation of the unity of the community, the continuous national life is a far higher ideal than the service of merely immediate ends. To me a Muslim of scanty means who possesses a really Muslim character is a much more valuable national asset than a high-salaried, free-thinking graduate with whom Islam, far from being a working principle of life, is merely a convenient policy in order to secure a greater share in the loaves and fishes of the country. These remarks need not lead you to think that I mean to condemn western culture. Every student of Muslim history must recognise that it was the west which originally shaped the course of our intellectual activity. In the sphere of pure thought we are still perhaps more Greek than Arab or Persian. Yet nobody can deny that we possess a unique culture of our own, which no modern Muslim system of education can afford to ignore without running the risk of denationalising those whose good it aims at securing. It is indeed a happy sign that the idea of a Muslim University has dawned upon us. Considering the nature of our community the necessity of such an institution cannot be doubted, provided it is conducted on strictly Islamic lines. No community can afford to break entirely with its past and it is more emphatically true in the case of our community whose collective tradition alone constitutes the principle of its vitality. The Muslim must of course keep pace with the progress of modern ideas, but his culture must, in the main, remain muslim in character and it is clear that such a thing cannot be attained without a teaching university of our own. If you produce youngmen the groundwork of whose culture is not muslim, you will not be bring up a Muslim community, you will be creating a totally new community which having no strong principle of cohesion

specimen of character whose intellectual life has absolutely no back-ground of Muslim culture without which, in my opinion he is only ha a muslim or even less than that provided his purely secular education has left his religious belief unshaken. He has been allowed I am afraid, to assimilate western habits of thought to an alarming extent, a constant study of western literature, to the entire neglect of the collective experience of his own community, has, I must frankly say, thoroughly demuslimised his mental life. No community, I say without any fear of contradiction, has produced so very noble types of character as our own ; yet our youngman who is deplorably ignorant of the life-history of his own community has to go to the great personalities of western history for admiration and guidance. Intellectually he is a slave to the west, and consequently his soul is lacking in that healthy egoism which comes from a study of ones own history and classics. In our educational enterprise we have hardly realised the truth, which experience is now forcing upon us, that an undivided devotion to an alien culture is a kind of imperceptible conversion to that culture, a conversion which may involve much more serious consequences than conversion to a new religion. No Muslim writer has expressed this truth more pointedly than the poet Akbar who, after surveying the present intellectual life of the Muslim Young man, cries out in despair :

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

We now see that the fears of the «شیخ مرحوم»—the representative of the essentially Muslim culture who waged a bitter controversy with the late Sir Sayyed Ahmed Khan on the question of Western Education—were not quite groundless. Need I say that our educational product is a standing testimony to the grain of truth contained in the Shaikh Marhum's contention ? Gentlemen, I hope you will excuse me for these straightforward remarks. Having been in close touch with the student-life of to-day for the last ten or twelve years, and teaching a subject closely related to religion, I think I have got some claim to be heard on this point. It has been my painful experience that the Muslim Student, ignorace of the social, ethical and political ideals that have dominated the mind of his community, is spiritually dead

k is enormous, and I confess it is beyond my power
. I shall, therefore, have to confine my observations
, we have done in India, and here too I do not
you any exhaustive treatment of the various problems
g us. I shall consider only two points—Education
ment of the general condition of the masses

last fifty years or so, the work of Education has
all our energies. It is not improper to ask whether
following any definite educational ideal, or only
ediate ends without giving a thought to the future
men have we turned out ? And is the quality of the
d to secure a continuous life of such a peculiarly
mmunity as our own ? The answer to these questions
indicated. The students of Psychology among you
that the personal identity of the individual mind
e orderly succession of its mental states When the
he stream of individual consciousness is disturbed
chical ill health which may, in course of time, lead on
ition of vital forces. The same is the case with the
al mind whose continuity is dependent on the orderly
its collective experience from generation to genera-
cts of education is to secure this orderly transmission
a unity of self-consciousness or personal identity to
l. It is a deliberate effort to bring about an organic
the individual and the body-politic to which he
various portions of the collective tradition so trans-
cation, permeate the entire social mind, and become
consciousness in the minds of a few individuals only
thought become specialised for the various purposes
ty. The legal, historical and literary traditions of a
instances, are definitely present to the consciousness
istorians and literary writers, though the community
only vaguely conscious of them. Now I wish you to
e the value of our educational achievement from this
the modern Muslim youngman we have produced a

need of such a type of character is loudly proclaimed by a great poetic voice. In his lighthearted humour Maulana Akbar of Allahabad, aptly called the tongue of the times, conceals a keen perception of the nature of the forces that are at present working in the Muslim Community. Do not be misled by the half-serious tone of his utterances ; he keeps his tears vieled in youthful laughter, and will not admit you into his workshop until you come with a keener glance to examine his wares. So deeply related are the currents of thought and emotion in a homogeneous community that if one portion reveals a certain organic craving the material to satisfy that craving is almost simultaneously produced by the other.

Let me now proceed a step further. In the foregoing discussion I have tried to establish three propositions :

1. That the religious idea constitutes the life-principle of the Muslim Community. In order to maintain the health and vigour of such a community the development of all dissenting forces in it must be carefully watched and a rapid influx of foreign elements must be checked or permitted to enter into the social fabric very slowly, so that it may not bring on a collapse by making to great a demand on the assimilation powers of the social organism.

2. Secondly : the mental outfit of the individual belonging to the Muslim community must be mainly formed out of the material which the intellectual energy of his forefathers has produced, so that he may be made to feel the continuity of the present with the past and the future.

3. Thirdly : that he must possess a particular type of character which I have described as the Muslim type.

It is my object now to examine the value of the work that we have done in the various spheres of activity. Now a thorough-going criticism of the work of the Muslim world in the sphere of Politics, Religion, Literature and thought, Education, Journalism, Industry, Trade and Commerce will require several volumes. The events which are now happening in the Muslim World are extremely significant and a searching examination of them would be exceedingly instr-

of universal admiration and imitation. When, however, the struggle relaxes and the peril is over, the valourous type is displaced, though not all-together, by what Giddings calls the convivial type, which takes a due share in all the pleasures of life, and combines in itself the virtues of liberality, generosity and good fellowship. But these two types of character have a tendency to become reckless, and by way of reaction against them appears the third great type which holds up the ideal of self-control, and is dominated by a more serious view of life. In so far as the evolution of the Muslim Community in India is concerned Temur represented the first type, Babar combined the first and the second, Jahangir embodied pre-eminently the second, while the third type was foreshadowed in Alamgir whose life and activity forms, in my opinion, the starting point in the growth of Muslim Nationality in India. To those whose knowledge of Alamgir is derived from the western interpreters of Indian History, the name of Alamgir is associated with all sorts of cruelty, intolerance, treachery and political interigue. I shall be drifting away from the main point of this lecture if I undertake to show, by a right interpretation of contemporary history, the legitimacy of motive that guided Alamgir's political life. A critical study of his life and times has convinced me that the charges brought against him are based on a misinterpretation of contemporary facts, and a complete misunderstanding of the nature of social and political forces which were then working in the Muslim State. To me the ideal of character, foreshadowed by Alamgir is essentially the Muslim type of character, and it must be the object of all our education to develop that type. If it is our aim to secure a continuous life of the community we must produce a type of character which at all costs, holds fast to its own, and while it rea dily assimilates all that is good in other types, it carefully excludes from its life all that is hostile to its cherished traditions and institutions. A careful observation of the Muslim Community in India reveals the point on which the various lines of moral experience of the community are now tending to converge. In the Punjab the essentially Muslim type of character has found a powerful expression in the so-called Qadiani-sect ; while in the United Provinces, owing to a slightly different intellectual environment, the

what is the most important event in the history of Islam, I shall immediately answer—the conquest of Persia. The battle of Nehwand gave to the Arabs not only a beautiful country, but also an ancient people who could construct a new civilisation out of the Samitic and the Aryan material. Our Muslim civilisation is a product of the cross fertilisation of the Samitic and the Aryan ideas. It inherits the softness and refinement of its Aryan mother and the sterling character of its Samitic father. The conquest of Persia gave to the Musalmans what the Conquest of Greece gave to the Romans, but for Persia our culture would have been absolutely onesided. And the people whose contact transformed the Arabs and the Mughals are not intellecturally dead. Persia, whose existance as an independent Political unit is threatened by the aggressive ambition of Russia is still a real centre of Muslim culture : and I can only hope that she still continues to occupy the position that she has always occupied in the Muslim world. To the Royal family of Persia the loss of Persia's political independence would mean only a territorial loss, to the Muslim culture such an event would be a blow much more serious than the Tartar invasion of the 10th Century. But perhaps I am drifting into politics which it is not my present object to discuss all that I mean to establish is that in order to become a living member of the Muslim Community the individual besides an unconditional belief in the religious principle, must thoroughly assimilate the culture of Islam. The object of this assimilation is to create a uniform mental outlook, a peculiar way of looking at the world, a definite standpoint from which to judge the value of things which sharply defines our community, and transforms it into a corporate individual giving it a definite purpose and ideal of its own

(3) The third point need not detain us long. The above remarks indicate the principal features of an essentially Muslim type of character. The various types of character, however, that become popular in a community do not appear haphazard Modern. Socialogy teachers us that the moral experience of nations obeys certain definite laws. In primitive societies where the struggle for existence is extremely keen and draws more upon man's physical rather than intellectual qualities it is the valiant man who becomes an object

itself a Metaphysics, in so far as it calls up into being a new universe with a view to suggest a new type of character tending to universalise itself in porportion to the force of the personality in which it originally embodies itself The point that I have tried to bring out in the above remarks is that Islam has a far deeper significance for us than merely religious, it has a peculiarly national meaning, so that our communal life is unthinkable without a firm grasp of the Islamic Principle. The idea of Islam is, so to speak, our eternal home or country wherein we live, move and have our being To us it is above everything else, as England is above all to the Englishman and "Deutschland uber alles" to the German The moment our grasp of the Islamic Principle is loosened the solidarity of our community is gone

(2) Coming now to the second point. The uniformity of Muslim Culture. The unity of religious belief on which our communal life depends, is supplemented by the uniformity of Muslim Culture Mere belief in the Islamic principle, though exceedingly important, is not sufficient. In order to participate in the life of the communal self the individual mind must undergo a complete transformation, and this tranformation is secured, externally by the institutions of Islam, and internally by that uniform culture which the intellcotual energy of our forefathers has produced The more you reflect on the history of the Muslim Community the more wonderful does it appear from the day of its foundation up to the beginning of the 16th Century almost a thousand years this energetic race was busy in the all absorbing occupation of political expansion. Yet in this strom of continuous activity the Muslim world found time to unearth the treasures of ancient science, to make material additions to them, to build a literature of unique character, and above all to develope a comprehensive system of law, prebably the most valuable legacy that Muslim civilisation has left us. Just as the Muslim Community does not recognise any ethological differences, and aims at the subsumption of all races under the univeisal idea of humanity, so our culture is relatively universal, and is not indebted, for its life and growth to the genuins of one particular people Persia is perhaps the principal factor in the making of this culture If you ask me

of thought was absolutely inconcievable. I have the highest ad-miration for this attitude ; it does not indicate any want of imag-nation ; the country of Shakespeare, Shelley, Keats, Tennyson and Swinburne cannot be wholly unimaginative ; on the other hand it indicates how deeply England's mode of thought and life, her institutions, her manners and customs are rooted in the mind of her people.

The religious idea, then, without any theological centralisati which would unnecessarily limit the liberty of the individual, det mines the ultimate structure of the Muslim Community. In the case of no (?) community the words of Augustus Comte are so complete true as in the case of our own. "Since Religion", says he, "embra all our existance, its history must be an epitome of the whole histor of our development " It may, however, be asked that if mere bel in certain prepositions of a Metaphysical import is the only th that ultimately determines the structure of the Muslim Communit is it not an extremely unsafe basis especially before the advance modern knowledge, with its habits of Rationalism and criticis This is what the French Orientalist Renan thought ; and entertain a vieled hope that Islam would one day "lose the high intellect and moral direction of an important part of the universe." Nati the basic principle of whose collective life is territorial, need not afraid of Rationalism, to us it is a dangerous foe, since it aims at very principle which gives us a communal-life, and alone makes collective existance intelligible. Rationalism is essentially analy and consequently threatens to disintegrate the communal synth achieved by the force of the religious idea. It is undoubtedly that we can meet Rationalism on its own ground. But the p which I wish to impress on you is that the dogma i.e. the poin universal agreement on which our communal solidarity depends essentially a national rather than intellectual significance for us try to convert religion into a system of speculative knowledge my opinion, absolutely useless, and even absurd, since the object religion is not thinking about life, its main purpose is to build coherent social whole for the gradual elevation of life. Religio

and the feeling of patriotism which the national idea evokes is a kind of derfication of a material object, diametrically opposed to the essence of Islam which appeared as a protest against all the subtle and coarse forms of idolatory. I do not, however, mean to condemn the feeling of Patriotism. Peoples whose solidarity depends on a territorial basis are perfectly justified in that feeling But I certainly do mean to attack the conduct of those who while they recognised the great value of patriotic feeling in the formation of a peoples' character. Yet condemn our Asabiyyat which they miscall fanaticism We are as much justified in our Asabiyyat as they are in their Potriotism. For what is Asabiyyat ? Nothing but the principle of individuation working in the case of a group All forms of life are more or less fanatical and ought to be so if they care for their individual or collective life. And as a matter of fact all nations are fanatical Criticise a French man's religion ; you do not very much rouse his feelings; since your criticism does not touch the life principle of his nationality. But criticise his civilisation, his country, or the corporate behaviour of his nation in any sphere of political activity and you will bring out his innate fanatacism The reason is that his nationality does not depend on his religious belief, it has a geographical basis—his country His Asabiyyat is then justly roused when you criticise the locality—which he has idealised as the essential principle of his nationality. Our position, however, is essentially different. With us nationality is a pure idea, it has no objective basis. Our only rallying-point, as a people, is a kind of purely subjective agreement in a certain view of the world. If then our Asabiyyat is roused when our religion is criticised, I think we are as much justified in it as a French man is when his country is denounced. The feeling in each case is the same though associated with different objects. Asabiyyat is patriotism for religion, Patriotism Asabiyyat for country Asabiyyat simply means a strong feeling for one's own nationality and does not necessarily imply any feeling of hatred against other nationalities. During my stay in England I found that whenever I described any peculiarly eastern custom or mode of thought to an English lady or gentlemen, I, almost invariably provoked the remark—"how funny"—as if any non-English mode

(1) The general structure of the Muslim Community.
(2) The uniformity of Muslim culture.
(3) The type of character essential to a continuous National li[illegible] of the Muslim Community.

I shall take these points in order "

(1) The essential difference between the Muslim Community and other Communities of the world consists in our peculiar conception o nationality. It is not the unity of language or country or the identity of economic interest that constitutes the basic principle of our nation ality. It is because we all believe in a certain view of the univers and participate in the same historical tradition that we are memb[illegible] of the society founded by the Prophet of Islam. Islam abhors [illegible] material limitations, and bases its nationality on a purely abstra[illegible] idea, objectified in a potentially expansive group of concrete pers[illegible] alities It is not dependent for its life-principle on the charac[illegible] and genuins of a particular people, in its essence it is non-tempo[illegible] non-spatial

The Arab Race the original creation of Islam, was certainly [illegible] great factor in its political expansion, but the enormous wealth [illegible] literature & thought -manifestations of the higher life of the spir[illegible]– has been the work of chiefly non-arabian races. It seems as if t[illegible] birth of Islam was only a momentary flash of divine consciousness [illegible] the life-history of the Arab race; the working of its spiritual pote[illegible] alities was due to the genius of peoples other than the Arabs. [illegible] essence of Islam, then, being purely ideal, it could not accept a[illegible] objective principle—such as country—as a principle of nationali[illegible] The territorial conception of nationality, which has been so mu[illegible] exaggerated in modern times bears within itself the germs of its [illegible] destruction The idea of modern nationalism has certainly functi[illegible] ed usefully in forming smaller political units, and creating a healt[illegible] rivalry among them which has contributed so much to the variety [illegible] modern civilisation But the idea is apt to be exaggerated, it h[illegible] created a great deal of misunderstanding of international motiv[illegible] it has opened up a vast field for diplomatic intrigue, and tends ignore the broad human element in art and literature by emphasi[illegible] the peculiar traits and characteristics of particular peoples [illegible]

getting into the clear daylight of social consciousness. This economical arrangement saves from unnecessary expenditure, a great quantity of the energy of the central organs which would otherwise be fruitlessly spent on details. It is, therefore, clear that society has a life-stream of its own. The idea that it is merely the sum of its existing individuals is essentially wrong, and consequently all projects of social and political reform which proceed on this assumption must undergo careful re-examination. Society is much more than its existing individuals; it is in its nature infinite; it includes within its contents the innumerable unborn generations which, though they ever lie beyond the limits of immediate social vision, must be considered as the most important portion of a living community. Recent biological research has revealed that in the successful group-life it is the future which must always control the present; to the species taken as a whole its, unborn members are perhaps more real than its existing members whose immediate interests are subordinated and even sacrificed to the future interests of that unborn infinity which slowly discloses itself from generation to generation. To this remarkable revelation of biological truth the social and political reformer cannot afford to remain indifferent. Now it is from this standpoint—from the standpoint of the future that I wish to test the worth of our present social activity. There is strictly speaking only one all important problem before a community—call it whatever you like, Social, Economic or Political—and that is the problem of a continuous national life. Extinction is as abohrrent to a race as to an individual. The worth of all the various activities of a community—intellectual or otherwise—ought always to be determined in reference to this ultimate purpose. We must criticise our values, perhaps transvaluate them; and, if necessary, create new worths, since the immortality of a people, as Nietsche has so happily put, depends upon the incessant creation of worths. Things certainly bear the stamp of divine manufacture, but their meaning is through and through human. Before, however, I proceed to this examination I wish to consider a few preliminary points, the consideration of which, to my mind, is essential to arriving at any definite conclusion concerning the Muslim Community. These points are :

that the individual as such is a mere abstraction, a convenient expression for facility of social reference, passing moment in the life of the group to which he happens to belong. His thoughts, his aspirations, his ways of life, his entire mental and physical outfit the very number of days which he lives, are all determined by the needs of the community of whose collective life he is only a partial expression The interests of society as a whole are fundamentally different and even antagonistic to the interests of the individual whose activity is nothing more than an unconscious performance of a particular function which social economy has alloted to him. Society has a distinct life of its own irrespective of the life of its component units taken individually. And just as an individual organism, in a state of organic disorder, sometimes unconsciously sets up within itself, forces which tend to its health, so a social organism, under the corroding influence of destructive forces, may sometimes call into being counteracting forces—such as the appearance of an inspiring personality, the birth of a new ideal, or a universal religious reform which tend to restore its original vitality, and finally save the organism from structural collapse by making the inward communal self to bring into subjection all the insubordinate forces, and to throw off all that is inimical to the health of its organic unity. Society has or rather tends to have a consciousness, a will, and an intellect of its own, though the stream of its mentality has no other channel through which to flow than individual minds. The expressions "Public Opinion", "National genius", or what the Germans happily phrase the "Zeitgeist" are only vague recognitions of this exceedingly important fact of social Psychology. The crowd, the mass-meeting the corporation, the sect, and finally the deliberative assembly are the various means by which the body-social organises itself in order to secure the unityof self consciousness. It is not necessary that the social mind should be conscious of all the various ideas that are at a particular moment, working in the individual minds. The individual mind is never completely aware of its own states of Consciousness. In the case of the collective mind too many feelings states and ideas remain below the threshold of social sensibility, only a portion of the universal mental life crossing the border, and

Allama Mohammad Iqbal

The Muslim Community —a Sociological Study

In the Epic sweep of human history there is nothing more awe-inspiring, nothing more destructive of human ambition than the ruins of bygone nations, Empires and civilisations appearing and disappearing, during the painful course of human evolution, like the scenes of a rapidly vanishing dream. The forces of Nature appear to respect neither individuals nor nations ; her inexorable laws continue to work as if she has a for-off purpose of her own, in no sense related to what may be the immediate interest or the ultimate destiny of man. But man is a peculiar creature. Amidst the most discouraging circumstances, his imagination, working under the control of his understanding, gives him a more perfect vision of himself and impells him to discover the means which would transform his brilliant dream of an idealised self into a living actually. An animal of inferior physical strength, unequipped with natural weapons of defence, lacking the power of nocturnal vision, keen scent or fleetness of foot, man has, in search of a freer, ampler life, always directed his indefatigable energy to discover the ways of nature, understand their working, and thus gradually to become a determining factor in his own evolution. By the great discovery of the law of Natural Selection he has succeeded in reaching a rational conception of his own history which, before long, appeared to him to be nothing more than an inscruitable series of events dropping out, one by one, from the mysterious womb of time, without any inherent order or purpose. A still deeper insight into the meaning of this law, and the discovery by post-Darwinian thinkers, of other equally important facts of collective life are calculated to work a complete revolution in man's notions of group-life in its social, ethical, economic and political aspects. It has been brought to light by recent biological research

Marraccio aud Professors Torrey and Lammens stand completely rebutted in the foregoing paragraphs numbered IV - VII (I) and deserve no further examination. It may, however be added that Professor Lammens' wistful suggestion that revision of the Quranic text after the Prophet's death 'would have cut out the most glaring anachronism between Haman, minister of King Ahasuerus, and the minister of Moses' Pharaoh', is on the face of it too puerile to need rebuttal. Of course, his statement constitutes a grudging though indirect admission of the fact that unlike the texts of the Jewish and Christian Scriptures, the text of the Quran has remained intact since its revelation throughout these centuries.

(VII)
CONCLUSION

In the light of recent historical researches and archaeological discoveries made by independent and impartial world-famous authorities quoted above, we hope we have convincingly established the historicity of Haman, who enjoyed an eminent position in the court of the Pharaoh who was confronted by Moses (peace be upon him). The veracity of the statements made in the Quran as far back as fourteen centuries is thus indisputably unassailable. Of course, Muhammad (Peace be upon him) was not the author of the Quran, which was revealed to him by the Omniscient and Omnipotent God.

APPENDIX

English Rendering of critical Note 1 on page 527 of Marraccio's Translation of the Quran :

Muhammad has mixed up Sacred Stories. He took Haman as an advisor of Pharaoh whereas in reality he was advisor of Ahaseurus King of Persia. He also thought that the Pharaoh ordered construction for him of a lofty tower from the top of which he could see the God of Moses which if true would be inferior to him. There is no doubt that he borrowed the story of this tower from the story of the Tower of Babel. It is certain that in the Sacred Scriptures there is no such story of the Pharaoh. Be that as it may he (Mahument) has related a most incredible story.

(d) Above all Encyclopaedia Biblica (Columns 1400 1417 of Vol. II) described the story of the Book of Esther as "a tissue of Improbabilities and impossibilities" . . . "Further, notwithstanding the dates which he gives us, *the author had in reality no notion of chronologly . . . . That the Book of Esther cannot be regarded as a genuine historical work is avowed even by many acclesiastical traditionalists* . . . . The most essential parts of story . . . . . . are altogether unhistorical and we are forced to the conclusion that *the whole narrative is fictitious*".

(e) From the foregoing quotations it is quite clear that no historian can place any reliance on the fable of the Book of Esther and no scholar can say that the characters appearing therein, and particularly Haman of the Esther, had any historical existence. The scene of the romantic fable of Esther was laid in the reign of the so-called king named Ahasuerus, There is wide divergence of opinion among the authorities as to the correct identity even of this allegedly Persian King. We would invite a perusal of page 137 of Vol 1 of the Universal Jewish Encyclopaedia (1948) in this behalf. Some authorities opine that he was Artaxerxes, others say that he was Artaxerxes I, while still others would have us believe that he was Artaxerxs-II, Artaxerses-III, Cambyses, or even Darius-I We cannot help quoting from the same authority the following significant statement :

"Hoshiander has made elaborate argument in favour of Artaxerxes-II (404-309 B C E) suggesting that the other name was used *because the Jews did not want to offend the Greeks whom Artaxerxes had assisted* "

Webster's Biographical Dictionary (1958 edition) contains the following note on Ahasuerus . "Name, as used in the Bible, of two unidentified kings of Persia : (i) the great king whose capital was at Shushan, modern Susa, sometimes identified with Xerxes the Great, but chronological and other data conflict ; (ii) the father of Darius the Mede".

2 It will not be out of place to mention that the criticism of

authority of the Book of Esther as a historical record m...
definitely rejected"[2]

The following commentary on the Book of Esther appear... pages 232 and 233 of "The Interpreters' One - Volume Com... mentary On The Bible" published in 1972 by Willia... Collins Sons & Co. Ltd , London and Glasgow :

"Various historical and chronological inaccuracies and improbabilities lead to the conclusion that the book is som... thing less than dependable history .. . Significant also is t... fact that as yet no fragment of the book has been fou... among the Dead Sea Scrolls, produced by the Qumran C... munity that existed c a. 150 B. C. - A. D. - 70 , nor is th... any quotation or allusion to it in the N. T." . . . . (p. 232)

"Neither Jews nor Christians, however, have been hap... with the presence of the book in the canon of the ho... scripture. Its status was hotly debated by the rabbies ... through the first two centuries A.D , and they obvious... accepted it only because of the demand of the mass... Among Christians also there was question about its statu... Martin Luther declared that he wished it did not exist ... must be admitted that without the popularity of the festi... of Purim the book would have had little to recommend for a place in the canon...(p. 233)

To cap it all, at page 393. The New Bible Dictiona... published by the Inter - Varisty Press Leicester, Engla... in 1977 avers :— "The story as such has not been confirm... by any Persian record, and it is often supposed that ... cannot be fitted into what is known of Persian History"
"The name Haman is possibly a Persian name although ... has not been found in Persian record" is the testimony ... page 334 of "Dictionary of the Bible" by John L. McKen... published in 1966 by Geoffrey Champan, London an... Dublin.

---

2 Vol V pp 235 236

that the known queen of Xerxes, (AMESTRIS) can be identified with neither Vashti nor Esther ; that it would have been impossible for a non-Persian person to be appointed prime minister, or for a queen to be selected except from the seven highest noble families, that Mordecai's ready access to the palaces is not in consonance with the strictness with which the Persian harems were guarded, that the laws of the Medes and Persians were never irrevocable ; and that the state of affairs in the book, amounting practically in civil war, could not have passed un-noticed by historians if this had actually occurred. The very tone of the book itself, its literary craft-manship and the patness of its situations, point rather to a romantic story than a historical chronicle".[1]

Some Scholars even trace it to a non-Jewish origin entirely, it is, in their opinion, either a reworking of a triumph of the Babylonian god Marduk (Mordecai) and Ishtar (Esther) over the Elamite god Hamman (Haman) and Mashti (Vashti) or of the suppression of the Magians by Darius I or even of the resistance of the Babylonians to the decree of Artaxerxes-II. According to this view, Purim is a Babylonian feast which was taken over by the Jews, and the story of which was given a Jewish coloring . . . .The book of Esther did not get into the Bible canon without a struggle"[1]

The Jewish Encyclopaedia published in 1903 by Funk & Wagnalls Company at London states :

"Comparatively few modern scholars of note consider the narrative of Esther to rest on an historical foundation . . The vast majority of modern expositors have reached the conclusion that the book is a piece of pure fiction, although some writers qualify their criticism by an attempt to treat it as a historical romance. *Most of the proper names in Esther which are given as Persian appear to be rather of Semitic than of Iranian Origin . . . . In view of all the evidence the*

iv, p 170.

Mesopotamia but which appeared fully developed in Egypt at this final pre-dynastic period". Significantly, Sir Flinders Petrie found 'Several most unusual occurrences of burnt bricks in buildings of 19th & 20th dynasties at Nebesheh and Defenneh[1].

It is thus in the very nature of things for Pharaoh to have commanded Haman, i.e the High Priest of Amen, who inter alia was the "Great Superintendent of Works" to prepare mud bricks and then to bake them so as to build a tower (ladder) in order to go up into the sky to see the God of Moses.

(VII)

CRITICAL EXAMINATION OF THE CONTROVERSY RAISED BY ORIENTALISTS

1. We hope we have adduced impartial corroborative evidence to establish the historicity of Haman as mentioned in the Quran. Let us now proceed to examine the historicity of the source of information of our worthy orientalists with a view to assess the validity of their criticism which draws its inspiration only from the fable of Esther as incorporated in the Old Testament. We cite below the comments of well known Jewish and Christian Authorities on its historicity :

(a) The Universal Jewish Encyclopaedia published in 1948 at New York, reads :

"The majority of scholars, however, regard the book as romance reflecting the customs of later times and given an ancient setting to avoid giving offence. They point out that the 127 provinces mentioned are in strange contrast to the historical twenty Persian Satrapies, that it is astonishing that whole Mordecal is known to be a Jew, his ward and cousin, Esther, can conceal the fact that she is a Jewess

---

1. Pages 63-64 Ancient Egyptian Materials & Industries by Lucas published Edward Arnold & Co. London in 1948.

originally an element of the Solar faith"[1]

(b) A reference to page 84 and again to pages 208 and 209 of Sir Flinders Petries' book entitled "Religious Life in Ancient Egypt" "referred to above" would re-inforce the veracity of the above statement relating to the prevalence of the religious notion of "the desire to ascend to the gods in the sky".

(c) As for Pharaoh's command to Haman to bake the mud and to set up for him a lofty tower (ladder), it is a well-known historical fact borne out by archaeological research that mud bricks and baked bricks were manufactured in those remote ages in Egypt and Babylon. For authorities see pages 380-381 of Vol. III of the Jewish Encyclopaedia and page 32 of "Egypt and Israel" by Prof. W.M. (later Sir) Flinders Petrie published in 1923 by "Society For Promoting Christian Knowledge", London. In the Old Testament there is allusion to burning bricks for the Tower of Babel At page 163 of Vol. III of Encyclopaedia Brittanica, 1974 Edition, appears the following statement :

"Burned bricks, no doubt had already been produced by containing a fire with mud bricks. In Ur potters discovered the principle of the closed kiln, in which heat could be controlled".

That there existed inter-communication between Ur and Ancient Egypt is borne out by the travels of Abraham and his tribesmen to and back from Egypt much earlier than the time of Moses. "The elements", observes John A. Wilson in "The Burden of Egypt' (published by the University of Chicago Press in 1951), "which Egypt borrowed from her eastern neighbour (Mesopotamia) are quite clear . . . There was monumental architecture, using bricks in a decorative panelling, a technique which can be traced to its origins in

---

[1] Development of Religion and Thought in ancient Egypt" Breasted, published by Hodder and Stoughton at London in 1912, p. 153.

of Egypt by Breasted published in 1950 by Scribners, Ne York, which bears on the titles and functions of the Hig Priest of Amon :

"The High Priest (of Amon) appears as "Viceroy of Kush Already . . . Amon had gained possession of the Nubia gold country ; the High Priest has now gone a step furth and seized the whole of the great province of the Upper Nil The same inscription calls him also 'overseer of the doub granary', who . . . . was the most important fiscal officer i the State, next the chief treasurer himself. There is no nothing left in the way of authority and power for the Hig Priest to absorb ; he is commander of all the armies, vicero of Kush, holds the treasury in his hands, and executes th buildings of the gods".

(d) One can visualize the influence and eminence attained by th High Priest of Amon from the following extract from page 54 and 55 of "Religious Life in Ancient Egypt" by Sir Flin ders Petrie ;

"The Priesthood of Amon received a seventh of the cultivat ed land of Egypt, a fiftieth of the population as foreign slaves and half a million of cattle. This was in addition to all tha previous kings had bestowed. As all this property was fre of taxes, the strain on the rest of the country must have been very heavy. It is no wonder that the High Priests seized the office as an hereditary possession, and that they rule upper Egypt. There was practically no independent Kin after Ramessu-III ; the rest of the family were increasingly in the hands of a dominant hereditary Priesthood, which was the wealthiest in the land".

(VI)

CREED OF THE LADDER TO THE SKY

(a) The idea of the Pharaoh going up the ladder to reach the sky to see God of Moses, is also in consonance with the mytho logy of ancient Egypt. "The ladder leading to the sky, was

whose high priest, *personating him as indicated above*, wielded great power and pelf will be clear from a perusal of the following extracts from the works of world famous historians and archeologists.

(a) "He was regarded by the people as their great protector and no higher praise could be proffered to Amon when addressed by a worshipper than to call him 'the Poor man's vizier' who does not accept the bribe of the guilty"[1]

"Thus the 'first Prophet' of the high priest of Amon, was at the same time the 'Great Superintendent of Works', and in this capacity was required to take under his charge the extensive building of operations connected with the temple, and 'to provide splendour in his sanctuary' As general of the troops of the God he commanded the military forces of the temple, like a mediaeval arch-bishop and as 'Prefect of the Treasury' had under his control the by no means simple administration of the finance. Nor did his authority extend only over the Amon temple and its priesthood He was also 'Prefect of the Prophets of Gods of Thebes' & 'Prefect of the Prophets of all Gods of the South and the North'. This can mean nothing else than that all the priests of the country were subordinate to him and that he was the supreme spiritual authority of the realm. Of this power he knew how to make good use ; and it not unfrequently happened that the offices of high priests in other temples, for example, that of the sun-god of Heliopolis, together with his special subordinate members of the college of Amon, were filled in accordance with his choice. In this manner not only was great political power concentrated in the hands of the Theban priesthood, but great material advantages accrued to it as well, since the rich revenues of the old temple lands flowed unto the chest of a single body of priests"[2]

(c) Reproduced below is an extract from page 520 of 'A History

[1] "A History of Egypt" by Breasted published in 1950 by Scribners, New York p 244

[2] "Religion of the Ancient Egyptians", Steindorff, published by G.P Putnam's sons New York and London, in 1905, p. 96-97

to the creed of ancient Egyptians, it was customary for the priests and priestesses to personify or personate their gods and goddesses. To elucidate this point, reference is invited to the following quotations :

(*i*) On pages 105-106 of the Chapter headed "Osiris the God of Resurrection" Sir Wallis Budge in his book entitled "Egyptian Religion" states :

"This chapter may be fittingly ended by a few extracts from the Songs of Isis and Nepthys which were sung in the temple of Amon-Ra at Thebes by two priestesses who personified the two goddesses" (i.e. Isis and Nepthys).

(*ii*) On page 100 and 101 of Chapter IV entitled "The Cult" in the book : "Ancient Egyptian Religion" published in 1952 by Hutchinson's University Library, London, Jaroslav Cerny, Prof. of Egyptology in the University of Oxford, makes the following statement :

"After the end of the Old Kingdom a vast wave of democratization passed through Egyptian religious and funerary ideas and conceptions, and all those privileges which had formerly been the prerogatives of the King were now transferred to other mortals, every dead person was now identified with Osiris, and his son or any officiant performing the rites in his stead was regarded as Horus".

It should be borne in mind that just as Pharaoh was the generic name of the kings of ancient Egypt but not the proper name of any particular king, so Amon or Haman was the generic title of the high priests when personating the god Amon.

It should be further noted that Amon is variously spelt as Amen, Amun, Aman, Amon, Haman, Hammon, Ammon etc

(V)

SACERDOTAL AND POLITICAL STATUS OF HAMAN (AMON)

That Amon (or Haman) was a very powerful and influential ge-

London) has mentioned "the most glaring anachronism" and "the confusion between Haman, minister of King Ahasuerus and the minister of Moses' Pharaoh."

2. All the above cited criticism is based on note 1 on page 526 of Marraccio's Latin translation of the Quran with Arabic text and critical notes published in 1698 for Pope Innocent XI. (English rendering given as Appendix at the end)

(IV)

IDENTIFICATION OF HAMAN

We give hereunder extracts from well known recent works of famous historians of world repute and of eminent archaeologists which would establish the identity of Haman contemporaneous with Pharaoh as mentioned in the Quran :

(a) "The dispersion of the worship of Amen is noted above as pointing to its coming through the Oases, and there seems no reason to question that the primitive Oasis worshop of *Ammon or Hammon*, was the origin on the one hand of the Egyptian Aman or Amun, and on the other of the Cathaginian Baal *Haman*."[1]

(b) Impersonation or incarnation of the god Amon (which is the same as Haman as is clear form 'a' above) is also a well established fact. That the high priest of Amon used to personate the god Amon is clear from the following quotation from the paragraph entitled "Animal-Headed Gods" appearing on page 30 of the book "The Religion of Ancient Egypt" by Prof. W.M. (Later Sir) Flinders Petrie published in 1908 by Archibald Constable & Company."

"Possibly the combination arose from priests wearing the heads of animals when personating the god, as the high priest wore the ram's skin when *personating Amon*"

By way of elaboration, it may further be stated that according

---

1 "Religious Life in Ancient Egypt" by Sir Flinders Petrie, published by Constable & Company London in 1924 Page 21

with the minister of Ahasuerus in the Biblical Book Esther."[1]

Before proceeding any further, we would like to comme that the Quran does not describe Haman as "Grand vizier or "Chief Minister". Nor does the Quran make mention the two viz Haman and Karun having learnt of the approa ing birth of Musa in advance and then proceeding to tend advice to Pharaoh to kill the boys of the families of the J leaving their daughters alive. Moreover, the Quran does n describe Karun as minister of Pharaoh.

(c) "Haman : This name is given to Pharaoh's Chief Ministe from which it is generally inferred that Muhammad has h made Haman the favourite of Ahsauerus, King of Persia, a who indisputably lived many ages after Moses, to be th Prophet's (Moses') contemporary. But how-probable-so ev this mistake may seem to us, it will be very hard, if n impossible, to convince a Muhammadan of it." The abo appears in the explanatory note in George Sale's translati of the Holy Quran as footnote 'h' on page 239 of Vol published in 1825 and has been reproduced by Rev. Wher as note No. 5 on page 254 of Vol. III of his commentary the Quran published in London by Kegan Paul, Tren Trubner and Company in 1896. George Sale's critic initially appeared in the first edition of his translation pub shed in 1734.

(d) There are a few more critics : e.g (i) Prof. Torrey who pages 117 and 119 of 'Jewish Foundation of Islam' publish from New York in 1933) has indulged in criticism to t effect that the Prophet Mohammad drew upon Rabbi legend of Esther and even adapted the story of the Tower Babel ; and (ii) Prof. Lammens who (at page 39 of 'Isl Beliefs and Institutions' translated by Sir E. Denison R and published in 1929 by Methuen and Company Limit

1. "The Encyclopaedia of Islam" Vol. III-1971 Edition. p. 110.

said: Slay the sons of those who believe with him and spare their women. But the plot of the disbelievers is in naught but error.
(23-25 XL Al-Mumin)

(f) و قال فرعون یهامن ابن لی صرحا لعلی أبلغ الاسباب O اسباب السموات فاطلع الی اله موسی و انی لاظنه کاذباط و کذلک زین لفرعون سوء عمله و صدعن السبیلط و ما کید فرعون الا فی تباب O (المؤمن ۳۶-۳۷)

And Pharaoh said : O Haman ! Build for me a tower that haply I may reach the roads, the roads of the heavens, and may look upon the God of Moses, though verily I think him a liar. Thus was the evil that he did made fairseeming unto Pharaoh, and he was debarred from the (right) way. The plot of Pharaoh ended but in ruin (36-37/XI Al-Mumin)

(III)

CRTICISM OF WESTERN SCHOLARS

1. Some prominent Orientalists have not been able to identify the Haman of the Quran correctly as would appear from the following quotations and hence their criticism about his historicity. Their critical observations are reproduced below .

(a) "Haman, the Persian Minister hostile to the Jews in the Book of Esther, according to the Koran (XL 25 i e. 'e of II' above) acted with Karun (Korah) on Firaun's council and filled the office of grand-vizier. These two learned of the approaching birth of Musa and advised that the boys should be slain and the girls allowed to live. When Musa appeared as a Prophet of God, they called him a liar. Firaun said, "O Haman, build me a tower, on which I shall reach the paths to heaven and ascend to the God of Musa (Sura XL 38 at Seq i e. 'f of II' above) That Muhammad placed Haman in this period betrays his confused knowledge of history."[1]

(b) "Haman, name of a person whom the Kuran associates with Pharaoh (Firawn) because of a still unexplained confusion

---

[1] The Encyclopaedia of Islam" Vol. II-1927 Edition pp 244-245

them the inheritors. And to establish them in the earth, a
to show Pharoah and Haman and their hosts that which tl
feared from them. (4-6/XXVIII Al-Qa

(b) تقطه ال فرعون ليكون لهم عدوا و حزناً ان فرعون و هامن وجنود
ا كانوا خطئين ○ (القصص ۸)

And the family of Pharoah took him up, that he might beco
for them an enemy and a sorrow. Lo ! Pharaoh and Ham
and their hosts were sinning. (8/XXVIII Al-Qa

(c) ال فرعون يايها الملا ما علمت لكم من اله غيرى فاوقدلى يـهامن
الطين فاجعل لى صرحا لعلى اطلع الى اله موسى لا و انى لاظنه
الكذبين ○ (القصص ۳۸)

And Pharaoh said : O chiefs, I know not that ye have a g
other than me, so kindle for me (a fire), O Haman, to b
the mud, and set up for me a lofty tower (ladder) in or
that I may survey the God of Moses; and Lo ! I deem him
the liars. (38/XXVIII Al-Qa

(d) قارون و فرعون و هامن و لقد جـآء هم موسى بالبـينت فاستكبروا
الارض و ما كانوا سابقـين ○ (العنكبوت ۳۹)

And Korah, Pharaoh and Haman. Moses came unto th
with clear proofs (of Allah's Sovereignty), but they were bo
ful in the land And they were not winners (in the race)
(39/XXIX Al-Ankab

(e) لقد أرسلنا موسى بأيتنا وسلطن مبين ○ الى فرعون و هامن و قارون
لوا سحر كذاب ○ فلما جـاء هم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا أبناء
ين امنوا معه و استحيوا نسآء هم و ما كيد الكفرين الا فى ضلل ○
(المؤمن ۲۳-۲۴-۲۵)

And verily We sent Moses with Our revelations and a cl
warrant.

Unto Pharaoh and Haman and Korah, but they said A h
sorcerer.

And when he brought them the Truth from Our Presence, th

hei *Muhammad Syed**

Historicity of Haman as Mentioned in The Quran

(I)

A controversy has prevailed since 1698 about the history of aman as associated with the Court of Pharaoh as mentioned in the ıran. Marraccio, Geroge Sale, Rev E. M Wherry and Encyc-pedia of Islam are some of the note-worthy critics in this behalf. e propose to examine the various aspects of the controversial points the light of recent historical researches and archaeological dis-veries.

(II)

MENTION OF HAMAN IN THE QURAN

Haman has been mentioned at six places in the Holy Quran produced below is the Arabic text with Pickthall's translation of e verses (Ayat) containing reference to Haman ·

(1) ان فرعون علا فی الارض و جعل اهلها شیعاً یستضعف طائفة منهم
یذبح ابناء هم و یستحی نساء هم انه کان من المفسدین O و نرید ان
نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلهم أئمة ونجعلهم الوارثین O
و نمکن لهم فی الارض و نری فرعون و هامن و جنود هما منهم ما کانوا
یحذرون O (القصص ٤ - ٥ - ٦)

Lo! Pharaoh exalted himself in the earth and made its people astes. A tribe among them he oppressed, killing their sons and sparing their women Lo ! he was of those who worked corrup-tion. And We desired to show favour unto those who were oppressed in the earth, and to make examples and to make

---

6 I. I, Gulberg - III

مجلۂ تحقیق

مدیر :
ڈاکٹر وحید قریشی

مجلس مشاورت :

۱- ڈاکٹر سید عبداللہ
(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ)

۲- ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک
(صدر شعبۂ عربی)

۳- ڈاکٹر سید اکرم شاہ
(صدر شعبۂ فارسی)

۴- ڈاکٹر امان اللہ خاں
(صدر شعبۂ اسلامیات)

۵- جناب حفیظ تائب
(صدر شعبۂ پنجابی)

۶- پروفیسر عبدالقیوم
(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ)

معاونین :

ڈاکٹر محمد بشیر حسین

جناب شہباز ملک

جلد : ۳ شمارہ : ۲ ، ۳

مقالات کے مندرجات کی ذمہ‌داری مقالہ نگار حضرات پر ہے۔ مقالہ نگار کی رائے پنجاب یونیورسٹی یا کلیہ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ کی رائے تصور نہ کی جائے۔

ناشر : ڈاکٹر محمد بشیر حسین

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۳۹۔ چیمبرلین روڈ لاہور

مقام اشاعت : فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

فون : ۶۷۵۶۰ / ۳۱۲۷۹۷
۶۷۵۷۰

شمارۂ مسلسل : ۱۰-۱۱

چندہ سالانہ : ۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ : ۱۰ روپے

قیمت شمارۂ خاص [شیرانی نمبر] : Rs. 40/-

۱۹۸۰ء

اداریہ

پندرھویں صدی کی تقریبات کے سلسلے میں خصوصی نمبر کے طور پر سابقہ شمارہ پیش کیا گیا تھا ۔ اس بار مجلۂ تحقیق اردو اور فارسی کے مشہور محقق حافظ محمود شیرانی کے صد سالہ جشن ولادت کے لیے وقف کیا گیا ہے ۔

مدیر

مکاتیب حافظ محمود شیرانی

مرتبہ

مظہر محمود شیرانی

مقدمہ

ر حافظ محمود شیرانی مرحوم کے ان مکتوبات کا زمانہ کم و
س برس پر محیط ہے ۔ ان خطوط کی جمع آوری میں جو سعی
، کی مدت بھی چونتیس سال سے کم نہ ہوگی یعنی شیرانی صاحب
لے کر تا دم تحریر اور ابھی مرحوم کے مزید خطوط کے حصول
ہے ۔ ان کوششوں کا آغاز والد مرحوم اختر شیرانی نے کیا تھا ۔
سب کی وفات پر اختر صاحب نے ان کے ولایت سے تحریر کردہ خطوں کو
یا اور یہ خط ان کے اس ٹرنک سے برآمد ہوئے جو ستمبر ۱۹۴۸ء میں
تال کے بعد محترم حکیم نیر واسطی صاحب نے میرے حوالے کیا ۔
نہ اختر صاحب نے پروفیسر شیرانی مرحوم کے دوستوں سے بھی خطوں
کے لیے سلسلہ جنبانی کی تھی ۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم ،
، کے نام اپنے ۳ فروری ۱۹۴۷ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں :

، اپنے پرانے کاغذوں میں مرحوم کے خطوں کو ڈھونڈھ کر نکالوں گا
ان کی نقلیں خود کر کے آپ کو بھیج دوں گا ۔»

بل ۴۷ء کے خط میں لکھتے ہیں :

ں صاحب ! مرحوم کے خط جو میرے نام ہیں ان کو بھی مرتب کر کے
کی نقلیں آپ کو بھیجوں گا ۔»

ء میں قیام پاکستان کے بعد اختر صاحب ٹونک سے لاہور چلے آئے
تقسیم برصغیر کے اثرات پوری طرح دور نہ ہوئے تھے کہ ان کا انتقال

، والے خطوں کے علاوہ مجھے حافظ صاحب کے کاغذات میں جو خطوط
، کے نام مشاہیر کے خطوط بھی) میں نے محفوظ کر لیے اور اس کے بعد
رحوم کا کوئی خط ملتا ، جمع کر لیتا ۔

عبداللہ چغتائی صاحب نے اپنے نام خطوط اورینٹل کالج میگزین کے مئی
کے پرچے میں مع مفصل حواشی شائع کرا دیے تھے ۔ پروفیسر شیخ
کے نام خط ڈاکٹر داؤد رہبر نے اسی رسالے کے اقبال نمبر میں چھپوائے ۔
صاحب نے چند بے ضرر خطوط نقوش کے مکاتیب نمبر (جلد دوم) میں چھپنے

کے لیے دے۔ اسی رسالے سے ڈاکٹر محی الدین قادری مرحوم کے نام ایک خط بھی ملا۔ میں یہ سب سرمایہ جمع کرتا رہا اور ساتھ ہی شیرانی صاحب کے اس وقت موجود دوستوں اور مرحوم دوستوں کے اخلاف کو عرض داشتیں روانہ کیں کہ اس بارے میں وہ میری اعانت فرمائیں۔

سر شیخ عبدالقادر مرحوم سے شیرانی صاحب کے بڑے گہرے تعلقات تھے اور ان کے کاغذات میں بیسیوں خط ملنا چاہیے تھے۔ اس بارے میں شیخ منظور قادر مرحوم سے درخواست کی۔ وہ بڑے مصروف آدمی تھے۔ تاہم ۱۱- مارچ ۱۹۶۳ء کو انھوں نے بدیں الفاظ جواب مرحمت کیا :

«۔ ۔ ۔ شرمندہ ہوں کہ باوجود اتنے سال گذر جانے کے اب تک ابا جان کے کاغذوں کا جائزہ نہیں لے پایا ہوں۔ انشا اللہ عنقریب اس کام کو ہاتھ میں لوں گا۔ ۔ ۔ اگر کسی وقت مجھے حافظ صاحب قبلہ کے خطوط میں سے کوئی مل گیا تو آپ کو فوراً اطلاع دوں گا۔»

آخر دس برس سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد میرے ایک اور عریضے کے جواب میں ۱۳- نومبر ۱۹۷۳ء کو شیخ صاحب نے ان الفاظ میں فیصلہ سنایا :

«ابا جان مرحوم کے کاغذات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ میری کوتاہی ہے کہ میں نے ان کاغذات کے بارے میں وہ احتیاط نہیں برتی جو مجھے برتنی چاہیے تھی۔ آپ کے دادا جان مرحوم کا کوئی خط اب محفوظ نہیں ہے۔ کم از کم ان بکسوں میں نہیں جو میری تحویل میں آئے۔ اگر ان کے علاوہ کوئی بکس ادھر اُدھر ہو گیا ہے تو ممکن ہے کہ کسی اور وقت سامنے آجائے۔ اگر کبھی ایسا ہوا اور آپ کے دادا صاحب کا کوئی خط مجھے مل گیا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔»

ڈاکٹر صابر علی خاں مرحوم کا جواب تھا (محررہ یکم فروری ۱۹۶۳ء) :

«ریٹائرمنٹ سے پہلے بھی ان کی میری خط و کتابت رہی اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی چند خطوط میرے پاس آئے۔ بعض میں صرف خیریت ہوتی تھی اور بعض میں میرے سوالات کے جواب ہوتے تھے۔ میں اکثر ان سے عروض کے مسائل حل کیا کرتا تھا یا ریسرچ کے متعلق کچھ پوچھا کرتا۔ ۔ ۔ افسوس کہ میری عادت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ کبھی کسی بزرگ کا خط سنبھال کر نہیں رکھا۔»

سید ہاشمی فرید آبادی مرحوم نے ۱۴- مارچ ۱۹۶۳ء کو تحریر کیا :

«افسوس ہے ان مرحوم کا کوئی خط میرے پاس محفوظ نہیں۔ بہت

کاغذات اور قریب قریب سب کتابیں وطن (فرید آباد) میں رہ گئی تھیں ۔»
محترم قاضی عبدالودود صاحب کا نامۂ عالی (۱۳- اپریل ۱۹۶۳ء) شرف صدور لایا :

«آپ کے جد مرحوم کے چند خطوط میرے پاس نکلیں تو عجب نہیں ۔ میں انھیں تلاش کروں گا اور ان کی نقل آپ کو بھیجوں گا ۔»

پھر ایک برس بعد یاد دہانی کے جواب میں ۱۳- مئی ۱۹۶۴ء کو ارشاد فرمایا :

«خطوط میرے پاس ہیں ضرور ۔ غائب نہیں ہوئے لیکن کاغذات میں انھیں تلاش کرنا پڑے گا ۔ اس میں کچھ دیر ہوگی ۔ مجھے افسوس ہے کہ اب تک ایفائے وعدہ نہ کر سکا ۔»

قاضی صاحب کے نام شیرانی صاحب کے ایک خط کا عکس اکتوبر ۱۹۸۰ء میں وصول ہوا ۔

پروفیسر ابراہیم ڈار صاحب اور نجیب اشرف ندوی صاحب سے شیرانی صاحب کی خط و کتابت ہوتی تھی ۔ ڈار صاحب کا انتقال ۸- مئی ۱۹۵۳ء کو ہو چکا تھا ۔ اس لیے ندوی صاحب کو تحریر کیا گیا کہ آپ اپنے پاس سے نیز ڈار صاحب کے کاغذات سے تلاش کر کے شیرانی صاحب کے خطوط مہیا کیجیے ۔ انھوں نے اندھیری (بمبئی) سے ۱۶- جون ۱۹۶۴ء کو یہ جواب لکھا :

«خطوط میرے پاس تھے لیکن ۱۹۶۰ء کی جنوری میں میرے نوکر صاحب نے ان تمام خطوط کو بے کار سمجھ کر نذر آتش کر دیا . . . مرحوم ڈار صاحب کے ہاں ان کے داماد کے ذریعے کوشش کروں گا ۔ اگر مل گئے تو ضرور روانہ کروں گا ۔»

اور اس کے بعد ندوی صاحب بھی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے ۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب بہت ضعیف ہو چکے تھے ۔ ان کے صاحبزادے زبیر صدیقی صاحب کراچی میں رہتے تھے ۔ ان سے ان کے والد صاحب کے نام شیرانی صاحب کے خطوط کے حصول کی درخواست کی تو ۱۸- جولائی ۱۹۷۰ء کو یہ جواب مرحمت ہوا :

«والد صاحب کے جیسے تعلقات حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم سے تھے ، ان سے میں بخوبی واقف ہوں ۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں بزرگوں میں دوستانہ خط و کتابت کے علاوہ علمی مباحث پر بھی مراسلت ہوتی تھی . . . مجھے یقین ہے کہ حافظ صاحب مرحوم کے سب خط محفوظ ہوں گے اور اگلی مرتبہ جب میں ہندوستان جاؤں گا تو سارا مجموعہ آپ کے لیے

لیتا آؤں گا ۔»

اس کے بعد ان کا جانا ہوا محترم عبدالستار صدیقی صاحب کی رحلت پر اور یہ موقع اس کام کے لیے مناسب نہ تھا ۔ ۸- جنوری ۱۹۷۹ء کو زبیر صاحب کی گاڑی چک لالہ کے مقام پر کسی بس سے ٹکرا گئی اور وہ جان بحق تسلیم ہو گئے ۔

زبیر صاحب کے بڑے بھائی محمد مسلم صدیقی اپنے آبائی مکان (۱۲- اے ، میو روڈ ، الہ آباد) میں رہتے ہیں ۔ مئی ۱۹۸۰ء میں ان سے عرض مطلب کیا تو ۱۳- جون کے گرامی نامے میں فرماتے ہیں :

«میں بھی والد مرحوم کے خطوط جمع کر رہا ہوں تاکہ ان کو شائع کر دیا جائے اور اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کی طرف خیال گیا کہ مرحوم شیرانی صاحب سے والد کے بہت گہرے تعلقات تھے اور ان دونوں بزرگوں کی مراسلت علمی حیثیت سے بڑی اہم ہے ۔ حافظ محمود صاحب شیرانی مرحوم کے خط یقیناً کہیں بحفاظت رکھے ہیں ۔ میں ان کو جلد تلاش کر کے ان سب کے عکس حاصل کر لوں گا اور انشا اللہ آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا ۔»

اس کے جواب میں میں نے فوراً ڈاکٹر صدیقی صاحب کے جملہ خطوط (بنام حافظ محمود شیرانی و اختر شیرانی مرحوم) کے عکس بنوا کر ان کی خدمت میں روانہ کئے ۔ ستمبر ۱۹۸۰ء میں مسلم صاحب نے شیرانی صاحب کے ۲۳ خطوط کے عکس روانہ کر دیے ۔

بابائے آردو مولوی عبدالحق کے اکثر کاغذات انجمن کا دریا گنج والا دفتر نذر آتش ہونے میں ضائع ہوئے ۔ یہ نیم سوختہ کتابیں اور کاغذات بذریعہ ٹرک علی گڑھ پہنچے تو محترم سید الطاف علی بریلوی کو ان کاغذات میں مشاہیر کے کچھ خطوط بنام مولوی عبدالحق دستیاب ہوئے جن میں شیرانی صاحب کا ایک خط بھی تھا ۔ اس کی نقل سید صاحب سے حاصل ہوئی اور یہ اس مجموعے میں شامل کر دیا گیا ہے ۔

پروفیسر ایم ۔ ایف قریشی مرحوم سے شیرانی صاحب کے دو رقعے اور دو خط ملے تھے ۔ ڈاکٹر صادق حسین صاحب نے ایک نہایت دلچسپ خط عنایت کیا اور ڈاکٹر غلام مصطفی خاں صاحب نے حیدر آباد (سندھ) سے ایک خط عطا فرمایا ہے ۔

شیرانی صاحب کے مجموعۂ کتب کی فروخت کے سلسلے میں موصوف کے سات خط و درخواستیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں متعلقہ فائل سے دستیاب ہوئے

ن کے لیے میں سید جمیل احمد رضوی صاحب اسسٹنٹ لائبریرین و انچارج شعبہ شرقیہ کا ممنون ہوں۔

دو خطوط خود میرے نام بھی ہیں جو اگرچہ 'تدبیر منزل' سے متعلق اور بالکل ی نوعیت کے ہیں تاہم تبرکاً شامل کر دیے گئے ہیں۔

شیرانی صاحب مرحوم کی عادت تھی کہ وہ اکثر اوقات (خصوصاً علمی ستفسارات کا جواب لکھنے سے قبل) اپنے خطوں کا پہلے رف پروف تیار کرتے تھے۔ س قسم کے خط ان کے کاغذات میں بیسیوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ میں نے ان یں سے چند خطوں کو اس مجموعے میں شامل کر لیا ہے۔ ان میں سے پروفیسر بھگوت سروپ کے نام خط مکمل ہے۔ البتہ پروفیسر عبدالسلام کے نام کا خط ا‌مکمل اور مس خدیجہ فیروزالدین صاحبہ کے نام خط نامکمل ہونے کے علاوہ ے ربط بھی ہے۔

مولوی عبدالحق صاحب کے نام خطوط میں پہلا خط جو شاہنامہ کا ایک جدید یڈیشن تیار کیے جانے کے بارے میں ہے، اس کے درمیان سے ایک ورق غائب ہے ور موجود اوراق کے کنارے بہت خستہ ہو چکے ہیں۔ اس میں جو عبارت ضائع ہوئی، میں نے قوسین میں اس کی تکمیل کی کوشش کی ہے۔

نیلسن رائٹ کے نام خط کا آخری حصہ بھی نہ مل سکا۔ اس خط کا تذکرہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب نے اپنے نام مکتوب نمبر (۶) میں کیا ہے۔ مرحوم پروفیسر ایم۔ ایف۔ قریشی فرماتے تھے کہ یہ خط شیرانی صاحب نے مجھ سے ٹائپ کرایا تھا۔

شیرانی صاحب کے لندن سے ارسال کردہ خطوط مجموعی طور پر نجی نوعیت کے یں اور بعد کے بیشتر خط علمی انداز کے۔ اس امتیاز کے پیش میں نے ان کو دو لگ الگ حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ پہلے حصے کا عنوان 'نسخہ ہائے وفا' ور دوسرے کا 'مجموعۂ خیال' اسی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ شائع ہونے کے بعد شیرانی صاحب مرحوم کے مزید خطوط حاصل ہوں گے اور اگر زندگی نے وفا کی اور دوسرے ایڈیشن کی نوبت ئی تو وہ موجودہ اشاعت سے یقیناً زیادہ ضخیم ہوگا۔

(مرتب)

نسخہ ہائے وفا

بنام محمد اسمعیل خان صاحب
(والد بزرگوار حافظ محمود شیرانی)
(۱)

17 Princes Square
Bayswater, W. London
مورخہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۰۴ء

قبلۂ صوری و کعبہ معنوی مدظلہ العالی

بعد آداب کے گزارش پرداز ہوں کہ میں بہرنوع خیریت سے ہوں - سردی یہاں روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے نیز ہوا بالعموم چلتی رہتی ہے - آسمان ہر ہر وقت ابر محیط رہتا ہے - صبح کے وقت کہر کی اس قدر کثرت ہوتی ہے کہ دس قدم کی چیز بمشکل سے نظر آتی ہے - مینہہ قریباً روزانہ یہاں ہوتا ہے -

آج میرا یہ تیسرا خط ہے جو آپ کی خدمت میں لندن سے آ رہا ہے - آج شام کو یہاں سے ہندوستان ڈاک جاوے گی -

یہاں مجھ پر بیسیوں مشکلیں آن پڑی ہیں کہ میرا دل جانتا ہے - میں ولایت کا سفر آسان جانتا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ یہاں رہنا اور کئی کئی سال گذار دینا بڑے جوانمردوں کا کام ہے -

میں نے ایک سرٹیفکیٹ بیرسٹر کا حاصل کر لیا ہے دوسرا بھی کل تک مل جاوے گا -

میں اس وقت تک مذبذب ہوں کہ کیا کروں - اس وقت میرے سامنے دو پیشے ہیں ، ایک قانونی دوسرا زراعتی - میں نے اپنے خیالات وہاں بھی جناب پر ظاہر کیے تھے کہ ایگریکلچر یعنی زراعتی صیغہ اچھا ہے - یہاں آ کر جو اس کے بارے میں نے خط و کتابت کی تو اس کی وقعت میرے دل میں اور بھی بڑھ گئی - اب تک اس میں صرف چھ مسلمان اور بیس ہندو داخل ہوئے ہیں - ہاں یہ بات تو ضرور ہے کہ گورنمنٹ ملازمت دینے کی ذمہ دار نہیں ہے اور یہی حال قانون میں ہے - میں اس کے متعلق اوروں سے صلاح لینے والا ہوں -

سید علی بلگرامی[1] کو میں نے کیمبرج خط لکھا - اس کا جواب کل کی ڈاک

---

[1] مترجم ''تمدن عرب'' و ''تمدن ہند'' - عربی ، فارسی ، سنسکرت ، بنگلہ ، مرہٹی ، تلنگی اور انگریزی زبانوں کے ماہر تھے - فرنچ اور جرمن بھی جانتے تھے- نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی اور ڈاکٹر میجر سید حسن بلگرامی کے بھائی تھے - پٹنہ میں سنہ ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے اور ۲ مئی ۱۹۱۱ء کو بمقام بردوئی انتقال کیا - (مرتب)

میں آیا کہ میں آپ سے دور ہوں ۔ پورے حالات معلوم کیے بغیر میں کوئی رائے نہیں دے سکتا ہوں ۔ بہتر ہے کہ آپ میرے بھائی صاحب ڈاکٹر میجر سید حسن[1] ایم ۔ ڈی سے ملیں ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ آپ کو عمدہ مشورہ دیں گے ۔

کسی وقت جا کر ان سے ملوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں اور میں زراعت کی بابت اور زیادہ دریافت کر رہا ہوں ۔ پورے اطمینان پر ہی مجھ کو اس میں داخلے کے لیے آپ کی اجازت درکار ہوگی ۔ یہ مجھے خوب معلوم ہے کہ جناب قانون کے صیغہ کو پسند کرتے ہیں سو اس کی خلاف ورزی میں کچھ نہیں کروں گا ۔ بخدمت والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود[2] خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

عزیز القدر محمد مودود خاں[3] بعافیت باشند میں یقین کرتا ہوں کہ تم خیریت سے ہوگے اور اپنی انگریزی کے لیے سخت ترق (کذا) کر رہے ہو گے مجھ پر بھی بہت سی مشکلات پڑ رہی ہیں اسی وجہ سے کہ میری ایسی زیادہ لیاقت نہیں ہے اس لیے تم برابر کوشش کیے جاؤ کہ جلد انگریزی میں بات چیت اور نوشت خواند کرے لگو ۔ تمھارے استادوں کو میرا سلام کہہ دینا ۔ مجھ کو اپنی خیریت کا خط لکھتے رہا کرو ۔

فقط

محمود

۱۔ علی گڑھ ایسوسی ایشن (لندن) کے صدر تھے ۔ ۳۰ مئی سنہ ۱۹۱۵ء کو شملہ میں حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پائی ۔ (مرتب)

۲۔ مشہود خاں ، شیرانی صاحب کے سب سے چھوٹے بھائی تھے ۔ تاریخ ولادت ۱۵ جولائی ۱۸۹۹ء ۔ شیرانی صاحب کو ان سے بہت محبت تھی جس کا اظہار ان کے خطوط میں جابجا کیا گیا ہے ۔ والد کی وفات کے بعد دسمبر ۱۹۰۶ء میں دوبارہ انگلستان جاتے وقت شیرانی صاحب انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے ۔ پھر یہ واپس نہیں آئے ۔ چند سال قبل تک ایسیکس (Essex) میں مقیم تھے ۔ اب خدا جانے زندہ بھی ہیں یا نہیں ۔ (مرتب)

۳۔ شیرانی صاحب کے تیسرے بھائی ۔ ان کی پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۸۶ء کی تھی ۔ ۱ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ٹونک میں وفات پائی ۔ (مرتب)

برادر عزیز محمد مقصود[1] خاں بحفظ ایزد متعال باشند

میں بخیریت ہوں - تم کیا کرتے ہو - میں خوش ہوؤں گا اگر والد ماجد کے
پ کا لکھا ہوا دیکھوں گا کہ تم دل سے اور شوق سے پڑھ رہے ہو -

تم مجھ کو اپنے قلم سے اپنی خیریت لکھا کرو اور پڑھنے سے کبھی غافل نہ رہو -

فقط

محمود

(۲)

16 Kildare Terra

Bayswater W

یوم جمعہ[2] وقت دو بجے دن کے

لندن

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

آداب کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں تاحین تحریر ہذا بخیریت ہوں -
نوازش نامہ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۰۴ء سہ شنبہ کو موصول ہوا - رجسٹری کی رسید
دے چکا ہوں - پاسپورٹ پہنچ چکا ہے - میری صحت ہر طرح اچھی ہے -

مجھ کو اب اس قدر بھی فرصت نہیں ہے کہ کسی ہندوستانی سے ملوں -
دس بجے ناشتہ کھا کر کالج گیا - وہاں سے ایک بجے گھر پہنچ کر کھانا کھایا -
پھر کالج روانہ ہوا - پانچ بجے ، چھ بجے ، بعض اوقات سات بجے وہاں سے لوٹا -
لیکچر وغیرہ کی نقل کی - کچھ یاد کیا - نو بجے کھانا کھا کر پروفیسر کے پاس
گیا - دو گھنٹے اس سے پڑھا - وہاں سے آیا - بارہ بج چکنے ہیں - آتے ہی سو جاتا
ہوں - کبھی چھ بجے آنکھ کھل گئی کبھی سات بجے کبھی آٹھ بجے - پیشاب
خانے گیا ، ہاتھ منہ دھویا ، کپڑے پہنے ، اتنے میں نو بج چکتے ہیں ، ناشتہ کیا
اور کالج پہنچا - بس یہ میری زندگی کا دستور ہے - اب اس حالت میں جب کبھی
مجھ کو موقعہ مل جاوے گا ، اپنے مفصل حالات لکھ دیا کروں گا ورنہ اپنی صحت
کے متعلق لکھ سکوں گا - اس وقت لنچ کھا کر ارادہ کر رہا تھا کہ کالج جاؤں -

---

۱- شیرانی صاحب کے چوتھے بھائی - ولادت ۳ نومبر سنہ ۱۸۹۱ء (غالباً) اکتوبر ۱۹۴۰ء میں ٹونک میں انتقال ہوا -

۲- اس خط پر تاریخ موجود نہیں البتہ اس کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۲۵ نومبر سنہ ۱۹۰۴ء کا تحریر کردہ ہے - کیونکہ جس خط کا یہ جواب ہے وہ انہیں ۲۲ نومبر ۱۹۰۴ء (منگل) کو موصول ہوا تھا - (مرتب)

پھر یاد آیا کہ آج جمعہ ہے ، گھر خط لکھنا ضروری ہے - گھر گیا اور یہ خط لکھنا شروع کیا -

جناب کے جس قدر فقرات ہیں کوئی ایسا فقرہ نہیں کہ جواب چاہتا ہو۔ تسلی آمیز فقرات کی بابت عرض ہے کہ مجھ کو میرے والدین کی طرف سے دلاسہ دینے والے خطوط آنے چاہییں - یہاں اجنبی ہوں اس لیے گھبراتا ہوں لیکن اب پہلی سی حالت نہیں ہے - ہنڈوی کی بابت عرض ہے کہ جب فرصت ہو اور موقعہ ہو روانہ فرما دیں - خواہ کوئی سا انتظام فرماویں روپیہ مجھ کو مل جاوے گا -

کالج میں ہم لوگ ہندوستانی ، افریقن ، حبشی ، انگریز ، فرانسیسی ، جرمن امریکن سب ہی قسم کے ہیں - وہاں کوئی ایسا موقعہ نہیں ہوتا کہ بات کریں میل بڑھاویں - پہلے تو سب کو جلدی ہوتی ہے کہ حاضری کے وقت کالج پہنچ جاویں - حاضری کے بعد لیکچر شروع ہوا - اس میں مشغول ہو گئے جس میں صرف سامعہ کام کرتا ہے - لیکچر ختم ہوتے ہی سب کو جلدی ہوتی ہے کہ کھانے کے وقت گھر پہنچ جاویں اور جس دن لیکچر ایک سے دو تک ہوتا ہے اس دن تو بھوکا رہنا ہوتا ہے یا پانچ شلنگ کا خون ہوتا یعنی پونے چار روپیہ دینا ہوتے ہیں کیونکہ گھر سے تو امید ٹوٹ جاتی ہے کہ وہاں تو ہو چکا ہے - اس لیے کسی (ریسٹورنٹ) نان بائی کی دوکان پر جا کر کھانا ہوتا ہے جو سادہ اور معمولی غذا کے پانچ شلنگ لے لیتا ہے - بعض وقت کالج میں فرصت ہوئی لائبریری میں بیٹھتے ہیں - وہاں اپنی اپنی کتابیں دیکھتے ہیں - ہم سینکڑوں لڑکے ہوتے ہیں ایک تمام خاموش ہوتے ہیں - کوئی کسی سے نہیں بولتا - باقی سب طرح خیریت ہے بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم مشہود خاں کو پیار -

فقط

مودود و مقصود کے فقرات دیکھے - خوشی ہوئی - مسعود خاں پوچھتے ہیں کہ کالج کے قریب مکان کیوں نہیں لے لیتے - اعتراض نہایت معقول ہے لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ وہ شہر کا وسط ہے - کرایہ اس قدر گراں ہے کہ اللھم حفظنا - معمولی مکانات پانچ پونڈ فی ہفتہ کرایہ کے ہیں ، اچھے مکان ایک گنی روزانہ کے - اور تو سردی ہے جس میں لندن بہت سستا ہو جاتا ہے خوراک اور مکان میں - کیونکہ عموماً لوگ باہر کنٹری میں چلے جاتے ہیں - سمندر کے اطراف میں جا رہتے ہیں کیونکہ وہاں سردی لندن کی بہ نسبت کم ہوتی ہے لیکن گرمیوں میں جب پارلیمنٹ کھلتی ہے اور تمام سرکاری بڑے بڑے آفس کھل جاتے ہیں ، اس وقت

۱- شبرانی صاحب کے دوسرے بھائی تھے - ۲ نومبر سنہ ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے اور ۷ مئی ۱۹۵۶ء کو نواب شاہ (سندھ) میں انتقال کیا - (مرتب)

ن کا نرخ بہت مہنگا ہو جاتا ہے کیونکہ تمام بڑے بڑے لارڈ اور ڈیوک اور
سرکاری عہدہ دار اور ان کے آفس کے لوگ واپس آ جاتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اس
رات نصف آبادی ہے اور نصف آبادی کے لوگ باہر دیہات وغیرہ میں چلے گئے ہیں
ور گرمیوں میں وہ سب واپس آ جائیں گے ۔ عزیزم مسعود خاں یہ وجہ ہے کہ
میں کالج کے پاس مکان نہیں لے سکتا ۔ دوسرے وہاں مکانات جو ملتے ہیں وہ پانچ
یا سال دس دس سال کی میعاد کے اوپر ملتے ہیں جو ہم لوگ نہیں چاہتے اس لیے
ہیں دو طریقے کے حساب ہیں ایک تو ہفتہ وار جیسے ہم لوگ ، دوسرے سالانہ بلکہ
کئی سال کے عہدہ میں ، جن میں بڑے بڑے ساہوکار ، سوداگر ، بیرسٹر ، جج
وغیرہم رہتے ہیں یا ان کے آفس رہتے ہیں ۔ اس وقت بڑے بڑے سوداگروں کے آفس
بھی محکمے شہر سے باہر ہیں ۔ جب وہ آ جاویں گے تو شہر میں قسمت سے ہی مکان
خالی ملیں گے ۔

فقط

محمود

مقصود خاں ، مجھ کو اس قدر فرصت نہیں کہ تم کو ٹکٹ اتار کر بھیجوں
اس اسے میں کبھی تمام کاغذات تم کو بھیج دوں گا ۔ پھر خود اتارتے رہنا ۔

فقط

شیرانی

(۳)

لندن
۱۶ کلڈیر ٹیریس ۔ بیزواٹر
۲۳ دسمبر ۱۹۰۴ء

قبلہٴ کونین و کعبہٴ دارین دام برکاتکم

میں برادر عزیز محمد مشہود خاں کے لیے یہ اے ۔ بی ۔ سی ۔ ایک بھیجتا ہوں
ور یہ بہتر خیال کرتا ہوں کہ ابھی سے ان کو انگریزی حروف کی شناخت ڈال
دی جائے ۔ یہ کتاب اس طور سے لکھی گئی ہے کہ بچے اپنے آپ اس میں سے حرف
پہچاننے لگتے ہیں ۔ کل دو لفافے خدمت اقدس میں روانہ کر چکا ہوں ۔ جمعہ آج ہے
لیکن کرسمس کی وجہ سے اب کے ہندوستان کی ڈاک جلد روانہ ہوگی یعنی آج جمعہ
کے بارہ بجے یہاں سے روانہ ہو جاوے گی ۔ میں نے اپنے پہلے خط جلد اس لیے ڈال
دیئے کہ مجھ کو معلوم ہوگیا تھا کہ ڈاک ممالک غیر ایک روز پہلے یعنی جمعہ کی
بجائے جمعرات کو روانہ ہو جاوے گی ۔ اس لیے وہ خط میں نے اسی وقت ڈال دئیے ۔
اب یہ کتاب بھیجتا ہوں اس لیے یہ خط علیحدہ روانہ کرتا ہوں ۔ ہمیشہ ڈاک جمعہ
کی رات کے دس بجے لندن سے روانہ ہوتی ہے اور شہر سے پانچ چھ بجے نکل جایا
کرتی ہے ۔ میں ہر طرح بخیریت ہوں ۔ سردی سخت پڑ رہی ہے ۔ کہر برابر ایک
ہفتہ سے جاری ہے ۔ دن رات چراغوں کی روشنی سے کام لیا جا رہا ہے ۔ باقی سب

طرح خیریت ہے ۔ فقط
محمد مشہود خاں کو پیار ۔ فقط　　　　　　　　　　محمود شیرانی

(۴)

یوم آدینہ
۵ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء[1]　　　　　　　　　　خفیہ

ابا جان !

میں اس وقت مایوسی اور نا امیدی کی حالت میں یہ عریضہ لکھ رہا ہوں اور مجھے یہ بھی خبر نہیں ہے کہ جب تک یہ عریضہ جناب کی خدمت میں پہنچے گا میں اس دنیا میں ہوؤں گا یا اس دنیا میں ۔ مجھے خبر نہیں تھی کہ میری موت مجھے انگلستان لے کر آئی تھی جہاں گھر والے تو درکنار دوست احباب کے ہاتھ سے کفن و قبر بھی نصیب نہیں ہوگا ۔

ابا جان میں اس دو ہفتہ کی بیماری کے عرصہ میں بہت رویا ہوں اور میں نے آپ سے غائبانہ معافی مانگی ہے ، اپنے گناہوں کی ۔ میں نے آپ کا روپیہ ہمیشہ برباد کیا ، انگلستان آ کر اور بھی برباد کیا ۔ ہمیشہ آپ کی نافرمانی کی اور اس وقت ایسے مقام پر ہوں جہاں موت کی سرحد بالکل قریب ہے اور زندگی کا ہمسایہ کوسوں دور ہے ۔ ابا جان میں آپ کی بدنصیب اولاد ہوں ۔ اگر مر جاؤں تو آپ مجھے معاف کر دینا ۔ مجھے اپنی زندگی کی کچھ امید نہیں رہی ہے ۔ میرا تمام سر سوج رہا ہے ، چہرہ پر ورم ہے ۔ یہ بیماری میں نے کبھی ہندوستان میں نہیں دیکھی اور نہ سنی ۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہے اور دونوں سے رات دن پیپ بہہ رہی ہے ۔ درد کی یہ شدت ہے کہ اللھم حفظنا جب ڈاکٹر دو تین روز میں سونے کی دوا دے دیتا ہے تو چھ سات گھنٹے کے لیے سو رہتا ہوں ورنہ وہی بے قراری اور وہی تڑپنا ۔ ڈاکٹر نے دو نرسیں یعنی دو ملازم عورتیں جو ہسپتال میں کام کرتی ہیں ، بھیج دی ہیں ۔ وہ اٹھائی بٹھائی سلاتی ہیں ۔

میں دل میں کیا کیا امیدیں لے کر یہاں آیا تھا لیکن کیا خبر تھی کہ یہاں میرا موت سے سامنا ہوگا ۔ تمام سر پک رہا ہے ۔ میں نے خیال کیا تھا کہ میں کفایت شعاری سے رہوں گا ۔ اسی خیال سے یہاں آ کر کپڑے نہیں بنوائے ۔ اب

---

۱ - ۵ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء کو جمعہ نہیں بلکہ جمعرات تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی گھبراہٹ میں دن یا تاریخ میں سے ایک کے اندراج میں غلطی کر گئے ہیں ۔ (مرتب)

پڑ رہا ہوں ۔ ڈاکٹر اور نرسیں مجھ کو تباہ کر دیں گی ۔ ڈاکٹر کی فیس ایک دفعہ آنے کی دس شلنگ ہے ۔ وہ دن بھر میں دو دفعہ آتا ہے اور آج دو ہفتہ سے زیادہ عرصہ ہونے کو آیا ۔ اور خدا جانے میں کب تک بیمار رہوں ۔ یہ خیالات ہیں جو مجھے ذبح کر رہے ہیں ۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں اچھا ہو جاؤں گا یا میری بیماری کا نتیجہ موت ہوگا ۔ لیکن ابا جان آپ مجھے دل سے معاف کر دیں اگر میں مر جاؤں گا ۔ اگرچہ میں آپ کا نافرمان اور فضول خرچ بیٹا تھا ۔ آپ میری والدہ سے بھی کہہ سن کر مجھے معاف کروا دینا اور حمیدہ[1] سے مہر بخشوا لینا اور اس کی بابت جو کچھ آپ مناسب سمجھیں کرنا کیونکہ آپ کو اس کا مجھ سے زیادہ خیال ہے ۔

میری بیماری کی بابت بوا[2] سے یا کسی اور سے ذکر نہ فرماویں ۔ ممکن ہے کہ میں جلد اچھا ہو جاؤں اور بوا کی عادت تو آپ جانتے ہیں رونے کی ہے ۔ کسی آدمی کو میرے لیے یہاں مت بھیجنا ۔ میرا خدا پر بھروسہ ہے ، آپ بھی خدا پر بھروسہ رکھیے اور دعا کیجیے کہ جلد صحت پا کر اپنے فرائض میں مشغول ہو جاؤں ۔

فقط

بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔ فقط

محمود شیرانی

اس ہفتہ مجھ کو گھر سے کوئی خط نہیں ملا جس سے اور بھی پریشانی ہے ۔

محمود

(۵)

لندن ۔ کلڈیر ٹیریس

سہ شنبہ[3]

(میری بیماری کے متعلق والدہ کو ہرگز ہرگز اطلاع نہ ہو ۔ محمود)

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

گذشتہ جمعہ ایک عریضہ لکھ چکا ہوں ۔ حسب معمول ڈاک خالی نہیں جانے

۱- شیرانی صاحب کی اہلیہ محترمہ (والدہ اختر شیرانی مرحوم) ۔ عالم خان ولد محراب خان شیرانی کی دختر تھیں ۔ (مرتب)

۲- شیرانی صاحب اپنی والدہ محترمہ کو 'بوا' کہا کرتے تھے بلکہ پورے خاندان میں وہ اسی لفظ سے مخاطب کی جاتی تھیں ۔ (مرتب)

۳- اس خط پر تاریخ نہیں دی گئی ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء (منگل) کا تحریر کردہ ہے ۔ (مرتب)

دی ہے - اس میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ اب کی ڈاک میں جو لندن ۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو پہنچی مجھ کو گھر سے کوئی خط نہیں ملا تھا - بے شک اس وقت تک یعنی جمعہ تک مجھے کوئی خط نہیں ملا تھا لیکن شنبہ کے دن ، جو کہ ڈاک کا دن تھا ، دن کے دس بجے مجھ کو جناب کا لفافہ ملا ، جس پر تیرہ دسمبر کی تاریخ تھی اور جس کے اندر لکھا تھا کہ یہ گیارھواں خط ہے - اس سے پہلے ایک رجسٹری مجھے ملی تھی - نہیں معلوم اس کی رسید میں نے دی یا نہیں -

جمعہ کے روز سے میری یہ حالت ہے کہ ہر وقت شدت درد کی وجہ سے غشی کی حالت میں رہتا ہوں ، آنکھیں کھلتی نہیں ، کانوں سے سماعت موقوف ، دانتوں سے کوئی چیز نہیں چبتی - تمام چہرہ سوج گیا ، سینہ پر ورم آن پہنچا - ان پچھلے دنوں میں مجھے تو اپنی زندگی کی امید تھی نہیں - آدمی کی صورت پہچانی نہیں جاتی تھی - آخر کل ڈاکٹر نے دونوں کانوں کے قریب سگاف دیا - کوئی آدھ سیر کے قریب خون اور پیپ نکلی - درد میں اب وہ اگلی سی شدت نہیں لیکن ابھی تک دونوں کانوں سے خون اور پیپ جا رہے ہیں - دن اور رات میں شفاخانہ کی عورتیں (نرسیں) دس بارہ مرتبہ دونوں کانوں کو دھوتی ہیں اور صاف کرتی ہیں ، دوا ڈالتی ہیں ، روئی کے پھاہے چڑھاتی ہیں لیکن کانوں کا درد اب تک بدستور جاری ہے - جس دن شگاف لگایا اس دن تو کسی قدر نیند آئی لیکن اس کے پہلے اور اس کے بعد خواب آور دوا دینے کے باوجود بھی نیند نہیں آتی ہے - رات کے تین بجے چار بجے اگر آنکھ لگ گئی تو ایک دو گھنٹوں کے لیے آرام ہوگیا ورنہ وہی درد ہے وہی ٹیسیں ہیں مجھ کو تمام عمر میں اس قدر تکلیف نہیں ہوئی جیسی آج کل برداشت کر رہا ہوں - آج اور دنوں کی نسبت کوئی دو گھنٹہ سے طبیعت بہت اچھی ہے - میں نے خیال کیا کہ جناب کو خط لکھ دوں کل خدا جانے کیا پیش آوے - میرے پاس خرچ بالکل نہیں ہے اور بیماری کا خرچ اس کے متعلق میں نے ابھی کچھ ادا نہیں کیا ہے - نہ ڈاکٹر کو فیس دی ہے اور نہ نرسوں کو کچھ دیا ہے - دوا وغیرہ یہ بھی سب ڈاکٹروں کی معرفت آ رہی ہیں - میں نہیں جانتا اگر خرچ دیر میں آیا تو میری کیا حالت ہوگی - اور مجھے آپ سے مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے - میں نہیں جانتا میں کیا کروں - اللہ تعالیٰ موت دے دے تو اچھی بات ہے - مجھے کس قدر شرم آتی ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں چار ہزار پچاس روپیہ لے کر گھر سے نکلا تھا اور آج چار مہینہ بعد وہ تمام روپیہ خرچ ہوگیا اور میں آپ سے پھر مانگ رہا ہوں - ابا جان اگر آپ دل میں یہ خیال کریں گے کہ میں نے فضول خرچی کی ہے تو مجھے بہت صدمہ ہوگا - تقریباً تین ہزار تو کرایہ جہاز اور فیس کالج میں

ہو گیا۔ باقی رہا ایک ہزار۔ اس کے اندر ہی تین مہینہ گذر گئے۔ کتابیں خریدیں
اور کچھ چیزیں یہاں کی رسم کے مطابق خریدیں۔

پھر بھی میں نے دس پونڈ اصل میں سے نکال کر علیحدہ سیونگ بینک میں
رکھ دیے ہیں صرف اس خیال سے کہ موت ہے زیست ہے خدا جانے کیا وقت پڑے۔
اور یہ ارادہ کر رہا تھا کہ ہر سال اتنی ہی رقم بچا بچا کر سیونگ بینک میں
جمع کرتا جاؤں گا اور جب میں یہاں سے جانے لگوں گا تو اس وقت میرے پاس
دس پونڈ فالتو ہوں گے اور اگر مر گیا تو گور و کفن کے لیے کافی ہوں گے کیونکہ
اگر میں مر جاؤں تو بینک میرے حساب میں ایک کوڑی بھی نہیں دے گا کیونکہ
وہ زیادہ تر دستخط مانگتے ہیں اور یا وہ میرا باقی روپیہ میرے وارثوں کے سپرد
کر دیں گے۔

اس ہفتہ سے ان دس پونڈ پر گذارہ ہے مگر تابکے۔ ڈاکٹر کی فیس دس شلنگ
روزانہ۔ نرسوں کی فیس پانچ پانچ شلنگ روزانہ۔ یہ میری لینڈ لیڈی بہت اچھی ہے
جس نے مجھ کو اس قدر بیماری پر بھی اپنے مکان میں رہنے کی اجازت دی ورنہ انگریز
بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔ جہاں کسی کو زیادہ بیمار پایا، ہسپتال بھیج دیا۔
اگر وہ بالکل مفلس ہے اور ڈاکٹر کی فیس ادا نہیں کر سکتا تو خیراتی شفاخانے میں
بھیج دیا جہاں اس کی موت و زیست صرف ان لوگوں کے رحم پر منحصر ہے۔ جوان
ہے تو خیر، ضعیف اور بوڑھے تو اکثر مر کر ہی نکلتے ہیں۔ ہر روز ان مرنے
والوں کی اخباروں میں فہرست ہوتی ہے کہ فلانے ہسپتال میں اتنے آدمی مرے اور
فلانے میں اتنے۔ اگر فیس ادا کر سکتا ہے تو سرجری میں بھیج دیا جہاں خرچ کا کچھ
حساب نہیں ہے اور بیمار مجبور کہ ان کی فیس وغیرہ کے علاوہ ان کو دیتا رہے ورنہ
ہر طرح سے اس کو ستایا جاوے گا۔ انگریز صرف کہنے کو مہذب ہیں اور ہمدرد ہیں
ورنہ ان میں دونوں باتیں مفقود ہیں۔ یہ صرف ایک چیز جانتے ہیں، روپیہ۔ روپیہ ان کا
خدا ہے، روپیہ ان کا ایمان ہے۔ غرض روپیہ کے سوا یہ کچھ نہیں جانتے۔ میری لینڈ
لیڈی، اگرچہ اس کو انگلینڈ میں رہتے تمام عمر گذر گئی لیکن ہمیشہ یہی کہا کرتی
ہے کہ انگریز ہمیشہ خود غرض ہوتے ہیں۔ یہ عورت آئرش ہے یعنی آئرلینڈ
کی رہنے والی۔ کہتی ہے کہ میں تم پر بہت رحم کرتی ہوں کہ اپنے ماں باپ
کو چھوڑ کر اتنی دور یہاں آن پڑے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا ایک بیٹا
دو سال سے ہندوستان میں ہے۔ اگر میں دوسروں کی اولاد کو تکلیف دوں گی تو
ممکن ہے کہ خدا میری اولاد کو تکلیف دے۔

ابا جان یہ شفا خانوں کی بابت جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے ، میں نے
ہے - خدا نہ کرے کہ میں وہاں جاؤں - لیکن یہ تمام مصیبت ان لوگوں کے لیے
ہے جو مسافر ہیں یا جو گھر بار نہیں رکھتے یا جن کے رشتہ دار نہیں ہیں - ابا جا
آپ اس بات کا ہرگز خیال ہی نہ کرنا کہ اس قسم کی بیماری سے میں گھبرا جاؤ
گا ، واپس ہندوستان آنے کی خواہش کروں گا یا ہندوستان سے کسی کو اپ
تیمارداری کے لیے بلاؤں گا - پچھلی بات تو بالکل فضول ہے- رہی پہلی بات ہندوستا
آنے کی بابت - میں مر جانا قبول کروں گا ، اس سے دس گنی بیماری برداشت
اوں گا بہ نسبت اس کے کہ میں بے نیل مرام ہندوستان آؤں اور آپ کو اپنی منحو
صورت دکھاؤں - اگر انگلستان میں میری موت لکھی ہے تو کوئی اسے مٹا نہ
سکتا ورنہ اس طرح اگر پچاس مرتبہ بھی بیمار ہوؤں تو کچھ پرواہ نہیں - دست
طلب ندارم تاکام برنیاید -

دو شنبہ کی صبح یعنی کل ایک رجسٹری اور ایک خط مجھ کو اس میل سے ملا
یہ ۲۰- دسمبر کا لکھا ہوا تھا اور اس خط کو بارھواں خط کہنا چاہیے - اس م
نواب فتح علی خاں[1] قزلباش کے سفر نامہ کی بابت ذکر تھا - اس وقت جواب دی
کی طاقت نہیں ہے صرف رسید لکھے دیتا ہوں -

رجسٹری کے متعلق سنیے کہ اس کو میں نے کھولا تو اس میں ایک نو
چھیاسٹھ پونڈ یا ایک ہزار روپیہ کا تھا - خیال کیا کہ یہ نوٹ جناب نے بھیجا ہے
اس نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا - خط کو تو میں ضعف کے سبب سے نہ پ
سکا - میں نے یہی خیال کر لیا کہ آپ نے یہ نوٹ بھیجا ہے - میں بہت خوش
کہ وقت پر روپیے پہنچ گئے - تھوڑی دیر کے بعد نوٹ کو کھول کر دیکھتا ہو
تو اس میں جگناتھ سریرے لکھا ہوا ہے - رجسٹری کا پتہ جو دیکھا تو اس پر بو
جگناتھ سریرے معرفت طامس کک اینڈ سنز لکھا ہوا ہے - اس وقت میں
گھبرایا - اول تو روپیہ پانے کی خوشی معدوم ہو گئی - اس کے بعد میں نے اپ
نرس کو طامس کک کے ہاں بھیجا - وہ وہاں سے اس شخص کا پتہ لائی - پھر میں
اس کو خط لکھا کہ جس طرح ہو سکے مجھے فوراً آ کر مل جاؤ - خیر رات
سات بجے کے قریب وہ شخص میرے پاس آیا - اس وقت میں بہت ہی غفلت کے عا
میں تھا - تھوڑی دیر میں میں نے اس سے سوالات کرنا شروع کیے - وہ میرے
سوالات کے جوابات لکھتا گیا کیونکہ میں سن نہیں سکتا تھا - سب سے پہلے اس

۱- والد نواب مظفر علی قزلباش - ان کا سفر نامہ «سیاحت فتح خانی» کے نام
مطبع مفید عام ، لاہور سے سنہ ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا - (مرتب)

ے میرا خط دکھایا جس سے مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کو
ں نے بلایا تھا - پھر میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا جگناتھ - میں نے
ہا میں پورا نام چاہتا ہوں -

ہار شنبہ وقت صبح)

رات کو میں بارہ سے لے کر تین بجے تک اچھی طرح سے سویا - پھر دوبارہ
راب آور دوا پی لیکن نیند نہیں آئی - آخر آگ کے سامنے پڑے پڑے صبح کر دی -
ت والی نرس چلی گئی ہے اور دن والی نرس چلی آئی ہے - یہ پچھلے صفحے میں نے
سارا دن اور رات میں لکھے ہیں - آنکھیں برابر ٹھہرتی نہیں ہیں - پہلے کی
نسبت بینائی میں بہت فرق ہو گیا ہے - اس لیے مجھ کو لکھنے میں بہت دقت پڑتی
ہ - اس وقت چونکہ طبیعت درست ہے اس لیے باقی حالات گوش گذار کرتا ہوں -

میں نے مسٹر جگناتھ سے ان کا پورا نام پوچھا تو انھوں نے جگناتھ سریرے
یا - مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ وہی شخص ہے جس کا یہ نوٹ ہے - لیکن اس
ے کچھ نہیں کہا اور دیگر سوالات کرنے شروع کیے - ان کے والد کی بابت
چھا - وہ امرتسر کے رہنے والے ہیں اور کالکا میں ریلوے کے ٹھیکہ دار ہیں -
ملہ میں ان کے کوئی رشتہ دار ہیں لالہ ٹھاکر چند نامی جو ایگزمنر آفس میں
کونٹنٹ ہیں - اس میں بھی شک نہیں کہ یہ نوٹ لالہ ٹھاکر چند اکونٹنٹ نے
ملے سے بھیجا تھا - اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی شخص ہے جو اس نوٹ کا مالک
ہ - پھر اس سے میں نے پوچھا کہ کیا آپ کو آج کل میں کہیں سے روپیہ آنے
، امید ہے - اس نے کہا ہاں میں گذشتہ سال ہندوستان چلا گیا تھا - اکتوبر میں
اپس آیا اور یہاں آتے ہی میں دماغی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس بیماری نے
ت طول پکڑا اور آخر میں سرجری ہسپتال میں بھیج دیا گیا جہاں میرا چار ہفتوں
ں سات سو روپیہ اٹھ گیا اور خیر میں شکر کرتا ہوں کہ جان بچ گئی - اب
کوئی تین ہفتہ سے مجھے صحت ہوئی [ہے] میرے پاس روپیہ نہیں تھا - میں نے
ھر تار دیا - اس کا جواب آج کی ڈاک میں موصول ہوا کہ ایک ہزار کا چیک
لہ ٹھاکر چند کے نام شملے بھیج دیا ہے - امید ہے کہ تم اسی میل سے روپیہ پاؤ -
ں نے کہا کیا آپ مجھ کو وہ خط دکھا سکتے ہیں - اس پر تامل کیا - میں نے
کہا جناب من موجودہ ضروریات اس قسم کی ہیں کہ میں آپ سے یہ سوالات کرنے
ا حق رکھتا ہوں - آپ مجھ کو اپنا ہندوستانی بھائی خیال کر کے بتا دیں - میں
رف اپنا اطمینان [چاہتا ہوں] اور بعد میں میں آپ کو جس غرض کے لیے
یف دے رہا ہوں اس سے مطلع کر دوں گا - تب اس نے کہا کیا آپ اردو
انتے ہیں - میں نے کہا ہاں - تب اس نے مجھ کو ایک لفافہ دکھایا جس پر اسی

روز کی مہر تھی اور اندر سے وہ مقام دکھایا جہاں روپیہ کی بابت ذکر تھا ۔ جو کچھ اس شخص نے کہا تھا سب سچ تھا ۔ اب میں نے اس کو رجسٹری دکھائی ۔ اس نے پتہ دیکھ کر کہا لالہ ٹھاکر چند کے ہاتھ کی تحریر ہے ۔ خیر میں نے اس سے پھر کہا کہ وہ ایک ہزار روپیہ کا نوٹ اسی میں موجود ہے ۔ طامس کک نے غلطی سے میرے نام بھیج دیا ۔ اور میں نے بھی بغیر پتہ دیکھے اسے کھول لیا جس کی میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ میری ایک نرس موجود تھی ۔ میں نے اپنی لینڈ لیڈی کو بھی بلایا اور ان دونوں کے سامنے وہ نوٹ دونوں کو دکھا کر لالہ جگناتھ کو دے دیا ۔ اس شخص نے بہت ہی مشکوری کے کلمے ظاہر کیے اور کہا کہ اگر اس ہفتہ مجھ کو خرچ نہ پہنچتا تو مجھ کو اپنی چیزیں فروخت کرنے کی ضرورت پڑتی ۔ اگر کسی انگریز کے ہاتھ یہ نوٹ لگ جاتا تو وہ بالا بالا روپیہ وصول کر لیتا ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے ہاتھ یہ نوٹ لگا جو مجھ کو واپس مل گیا ۔ کہنے لگا کہ تھوڑی دیر پہلے آپ نے کہا [تھا] کہ ہم اور آپ ہندوستانی بھائی ہیں ۔ میں چاہتا ہوں کہ فی الحقیقت ہم دونوں بھائی بن جاویں ۔ الغرض ایک دفعہ اور ہاتھ ملایا اور اپنے اپنے خانگی حالات اور اپنے آئندہ خیالات پر باتیں کرتے رہے ۔ یہ لالہ جگناتھ امرتسر کے رہنے والے ہیں ۔ ۱۹۰۳ء کے اگست میں یہاں آئے ۔ ایک امتحان دے چکے ہیں ۔ تین اور باقی ہیں ۔ ۱۹۰۴ء کی تعطیلوں میں واپس ہندوستان چلے گئے تھے ۔ چھٹیوں کے بعد وہاں سے آئے ۔ یہ بھی قانون میں داخل ہیں اور ان کے کالج کا نام گریزان[1] ہے ۔ آخر کوئی بارہ بجے رات کے دوسرے دن پھر سے آنے کا وعدہ کرکے چلے گئے ۔

دن کے دس بجے ڈاکٹر آیا ۔ دونوں کانوں سے خون اور پیپ نکالی ۔ آج اور دنوں سے زیادہ خون نکلا ۔ شگاف میں بتی رکھی ، کان دھویا ، دوا ڈالی اور نرس کو ہدایت کر کے چلا گیا ۔ اتنے میں نرس نے مجھے کھانا کھلایا ۔ بعد میں دوا پلائی ۔ بارہ بج چکے تھے (دن کے) کہ شیخ عبدالقادر[2] آئے ۔ انہوں نے معذرت کی کہ مجھ کو تمہاری بیماری کی بالکل خبر نہیں تھی ۔ ان سے بھی تحریر کے ذریعہ گفتگو ہوئی ۔ شیخ صاحب کوئی پون گھنٹہ ٹھہرے اور چلے گئے ۔ دو بجے کے قریب لالہ جگناتھ پھر آئے اور اپنے ساتھ کچھ میوہ بھی لائے تھے جو بہت اصرار کے بعد میں نے

---

۱ - Gray's Inn

۲ - (سر) شیخ عبدالقادر بھی سنہ ۱۹۰۴ء میں بیرسٹری کے لیے انگلستان گئے تھے ۔ سنہ ۴ سے سنہ ۶ کے دو سالہ عرصے میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان وہ گہرے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے جو مدت العمر تک قائم رہے ۔ آیندہ خطوط میں جا بجا شیخ صاحب کا ذکر آئے گا ۔ بلکہ شیرانی صاحب کے والد محترم سے بھی شیخ صاحب کی خط و کتابت ہوگئی تھی ۔ (مرتب)

سول کیا -

شام کو ساڑھے پانچ بجے پروفیسر آرنلڈ[1] تشریف لائے - مجھ کو ان کے آنے کا وہم و گمان بھی نہ تھا - کوئی گھنٹہ بھر ٹھہرے - ان سے ابھی وہی تحریر کے ذریعہ سے باتیں ہوئیں - یہ پروفیسر آرنلڈ کی بڑی مہربانی ہے جو باوجود عدیم الفرصت ہونے کے میرے ہاں آئے حالانکہ انڈیا آفس میرے مکان سے کوئی نہ نو میل کے فاصلے پر ہے - سنیچر کو پھر آنے کا وعدہ کرکے گئے ہیں -

یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں ایک فارسی پروفیسر کی ضرورت ہے - تنخواہ شاید دو سو ڈھائی سو پونڈ سالانہ ہے - اس کے لیے بڑے بڑے لوگوں نے ہندوستان سے درخواستیں بھیجی ہیں اور زیادہ تر قابل تعجب امر یہ ہے کہ یہاں سے بھی بڑے بڑے لوگوں نے درخواستیں دی ہیں - مثلاً شیخ عبدالقادر - ان کی فارسی لیاقت کا مجھ کو علم نہیں لیکن یہ بھی چاہتے ہیں - سید امیر علی[2] جج (سابق) کلکتہ ہائی کورٹ - انھوں نے درخواست دی ہے - پروفیسر ٹی - ڈبلیو - آرنلڈ نے خود درخواست دی ہے - اب جب ایسے بڑے بڑے لوگ درخواست دیں تو ہمیں کون پوچھے - ہاں ڈاکٹر ایم حسن بلگرامی کی بھی درخواست ہے اور کئی انگریز ہیں جن سے مجھ کو شناسائی نہیں لیکن انھوں نے درخواستیں بھیجی ہیں - ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا کہ کون مقرر ہوگا -

---

۱- جن دنوں شیرانی صاحب لاہور اورینٹل کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے ، آرنلڈ صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ کے پروفیسر تھے - بلکہ اسی دوران میں ایک مختصر عرصے (اپریل تا نومبر سنہ ۱۸۹۹ء) کے لیے وہ اورینٹل کالج کے پرنسپل رہے - اس سے قبل ۱۸۸۸ء تک وہ علی گڑھ کالج میں پروفیسر رہ چکے تھے - سنہ ۱۹۰۴ء میں پروفیسر آرنلڈ ، انڈیا آفس لائبریری کے اسسٹنٹ لائبریرین ہو کر لندن چلے گئے تھے کچھ عرصہ بعد یونیورسٹی کالج لندن میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے - سنہ ۱۹۲۱ء میں انھیں سر کا خطاب ملا - ۹- جون سنہ ۱۹۳۰ء کو لندن میں انتقال ہوا - (مرتب)

۲- مشہور قانون دان اور مورخ - ولادت ۶- اپریل سنہ ۱۸۴۹ء - سنہ ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۳ء تک قیام انگلستان کے عرصے میں بیرسٹری پاس کی - ۱۸۸۳ء میں وائسرائے کی کونسل کے واحد مسلمان رکن تھے - ۱۹۰۴ء میں کلکتہ ہائی کورٹ سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی انگریز بیوی کے ساتھ انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی ان کی کتابیں Spririt of Islam اور A Short History of Saracens محتاج تعارف نہیں - ۳- اگست ۱۹۲۸ء کو وفات پائی - (مرتب)

سورج نرائن اور من سکھ داس ، ان دونوں نے اپنی پہلی رہائش گاہ بدل دی ہے اور مجھ سے بہت دور چلے گئے ہیں - من سکھ داس کوئی دس میل مجھ سے جنوب میں چلے گئے اور سورج نرائن کوئی سات میل مشرق میں ورنہ یہ دونوں شخص روزانہ مجھ کو دیکھنے کے لیے آتے ہیں -

طامس کک پر مجھ کو اعتبار نہیں ہے - میں نہیں جانتا کہ قسطوں کا کیا انتظام کروں - بہر حال جب تک میں اچھا ہوؤں اس وقت تک اس کی معرفت منگواؤں گا بعد میں کوئی اور انتظام کروں گا - میں خرچ کی طرف سے بہت پریشان تھا لیکن لالہ جگناتھ نے کہا کہ میں دے سکتا ہوں - میں نے ان کی اس درخواست کو بڑی خوشی سے منظور کیا ہے - اور کہا ہے کہ جب ضرورت ہوگی کہلوا بھیجوں گا -

میں خطوں کی طرف سے سخت پریشان ہوں اس لیے ابھی تو یہی ترکیب سمجھ میں آتی ہے کہ بجائے ایک آنے کے ٹکٹ کے آپ آدھ آنے کا ٹکٹ لگایا کریں - باقی وہ وصول کریں گے لیکن اس صورت میں میرا خیال ہے کہ خط ضائع نہ ہوگا کیونکہ سرکار اپنا محصول کسی حالت میں ضائع نہیں کرے گی - اس صورت میں طامس کک بھی خیال کر کے خط بھیجا کرے گا - باقی کیا عرض کروں -

فقط

بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب محمد مشہود خاں کو پیار فقط

ح - م - شیرانی

میری بیماری کے متعلق والدہ کو اطلاع نہ ہو - فقط

محمود

بخدمت اخوان صاحب محمد ابراہیم[1] و محمد اسرائیل[2] خان صاحب آداب -

فقط

جمعہ کے دن دوسرا عریضہ ارسال خدمت عالی کروں گا ، اگر طبیعت درست ہو -

فقط

محمود

۱- شیرانی صاحب کی بڑی والدہ کے بڑے لڑکے تھے - شیرانی صاحب سے عمر میں چھ سال بڑے تھے - پیدائش ۱۹- اکتوبر ۱۸۷۴ء - اپریل ۱۹۳۵ء میں ڈھانی شیرانیاں میں وفات پائی - (مرتب)

۲- اسرائیل خاں ، ابراہیم خاں کے چھوٹے بھائی تھے - پیدائش یکم دسمبر ۱۸۷۷ء - ٹونک میں ۱۷- مئی ۱۹۳۴ء کو انتقال ہوا - (مرتب)

(٦)

16 Kildare Terrace

Bayswater W

March 24th, 05 مارچ ۲۴ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین دام برکاتکم

بعد تسلیمات فدویانہ گذارش پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت و بہبودی
ہوں ۔ شنبہ گذشتہ کو ایک خط میرے نام ایک خط سورج نرائن کے نام اور ایک
خط شیخ عبدالقادر کے نام پہنچے ۔ سورج نرائن اسی روز میرے پاس چلے آئے تھے ۔
میں نے وہ خط دیکھ لیا ۔ شیخ عبدالقادر اتوار کو میرے پاس آئے ۔ اس وقت میں
۔ کے ہاں گیا ہوا تھا ۔ وہ خط میرے کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے ۔ جب وہ
ے مکان پر واپس گئے تو میں ان کے مکان پر موجود تھا ۔

میری حالت یہ ہے کہ ڈاکٹر روزانہ آتا ہے ۔ دو روز بعد زخم کھولتا ہے ۔
ل زخم کھولا تھا ۔ اس سے پہلے منگل کو ، اس سے پیشتر اتوار کو ۔ اس نے دس
روز تک برابر رستے زخم [کو] نہیں کھولا ۔ دونوں زخم بھر چلے تھے اور تسلی
ہی کہ بہت جلد مندمل ہو جاویں گے لیکن اب یہ نئی مشکل آ بنی ہے ۔ بھرے
ہوئے زخموں کو چیرنا اول تو باعث تکلیف ہے ہی ، دوسرے اتنی مدت گذر
جانا اور بھی مصیبت ہے ۔ ڈاکٹر سے کہتا ہوں ۔ وہ کہہ دیتا ہے ، میں خود
مجبور ہوں ۔

آنکھوں کی بینائی جیسے پہلے تھی ویسی نہیں ہے ۔ بعض وقت بالکل دھندلا نظر
آتا ہے ۔ ڈاکٹر سے کہتا ہوں ۔ وہ کہتا ہے ، غالباً کمزوری ہے ۔ کوئی کام نہ
کرو ۔ یہ میری عادت نہیں کہ خالی رہوں ۔ کتاب قریباً اکثر دیکھتا رہتا ہوں ۔
نیند بہت کم آتی ہے ۔ صبح چار پانچ بجے آنکھ کھل گئی ، گیس جلایا ۔ کتاب
دیکھنی شروع کر دی ۔ آٹھ بجے گرم پانی ملا ۔ منہ ہاتھ دھوئے ۔ اخبار آیا ، وہ
دیکھا ۔ نو بجے حاضری کھائی ۔ پھر کتاب دیکھنا شروع کر دی ۔ دس گیارہ بارہ
کے درمیان ڈاکٹر آیا ۔ ایک بجے لنچ (دوپہر کا کھانا) کھایا ۔ چار پانچ بجے سورج
نرائن آئے ۔ ایک آدھ گھنٹے وہ ٹھہرے ۔ چھ بجے گیس جلایا ۔ کتاب لی ، آٹھ بجے
نو بجے رات کا کھانا کھایا ۔ کچھ کام کرتا رہا ۔ نیند کبھی ایک بجے آتی کبھی
دو بجے ۔ آج کل میں تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکتا ۔ ڈاکٹر کہتا ہے ،
جس قدر زیادہ سوؤ گے مفید صحت ہوگا ۔ اب وہ کہتا ہے کہ کچھ دنوں کے لیے
سمندر کے کنارے جا رہو ۔ وہاں کی صحت بخش ہوا تم کو نہایت مفید ہوگی ۔ میں

لندن چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا ۔ دوسرے کالج کی ٹرم اپریل میں چلی آ
ہے ۔ اس میں حاضری ضروری ہے ۔ تیسرے ابھی زخم بھی نہیں بھرے ہیں ۔
نے یہ بھی رائے دی کہ تین چار مہینہ کے لیے واپس اپنے وطن چلے جاؤ ۔ یہ
ممکن نہیں کیونکہ مئی میں یہاں چار مہینہ کی چھٹیاں ہوں گی اور پھر اکتوبر
کالج بند رہے گا ۔ اکثر ہندوستانی ان چھٹیوں کے دنوں کو یا تو یورپ کی سیر
بسر کرتے ہیں ، بعض امریکہ چلے جاتے ہیں اور بعض ہندوستان اپنے گھروں
چلے جاتے ہیں ۔ میں بھی ہندوستان آ سکتا ہوں لیکن اس صورت میں مجھ کو
بڑا نقصان رہے گا ۔ وہ انگریزی کا ۔ اس وقت میں جس کالج میں ہوں اس میں
تمام ایم ۔ اے ، بی ۔ اے ہیں ۔ ڈھائی سو کے قریب انگریز ہیں باقی پچاس
ہندوستانی ، جاپانی ، افریقن ، حبشی ۔ برمی اور سیلونی ہیں اور یہ ایسے ہیں جو
نے اپنی تمام عمر انگریزی سیکھنے میں بسر کی ہے ۔ بعض ان میں تیس سال کے
بعض پینتیس سال کے ، چالیس کے اور پچاس سال کے ہیں ۔ ان کے مقابلے میں م
حالت یہ ہے کہ ۱۸۹۷ء میں انگریزی شروع کی ۔ ۱۸۹۸ء میں مڈل پاس
اس کے بعد فارسی میں لگ گیا ۔ منشی فاضل کے بعد پھر انگریزی دیکھنا ش
کی ۔ اس صورت میں کیونکر ان کے مقابلے کے قابل ہو سکتا ہوں اور پھر اللہ ا
انگریزی جیسی وسیع اور مشکل زبان ۔ املا ، اصوات سے بالکل اجنبی ، تلفظ سخ
جو تلفظ میں نے ہندوستان میں سیکھا ، یہاں آ کر میں اس کو غلط پاتا ہوں
مجھ کو کس قدر افسوس ہوتا ہے جب میں اسی تلفظ کو دوبارہ یاد کرتا ہ
ایک لفظ کے سیکھنے میں تین باتیں ضروری ہیں ۔ تلفظ ، صحیح املا ، موقع استع
اگر ان تینوں میں سے ایک بھی یاد نہیں تو اس لفظ کا استعمال مشکل ہے ۔
ہندوستان آتا مگر میری موجودہ مشکلات مجھ کو روکتی ہیں ۔ اگر میں یہا
تو میرے حق میں نہایت مفید ثابت ہوگا ۔ اسی خیال سے میں موجودہ مکان
تبدیل کرنے والا ہوں کیونکہ یہاں مجھ کو لوگوں سے میل جول کا موقع
ملتا ہے ۔

ڈاکٹر : اسی عرصہ میں ڈاکٹر آیا ۔ آج ڈاکٹر نے زخموں کو اس قدر
چھیڑا ہے کہ علاوہ شدت تکلیف کے خون دونوں طرف سے بہہ رہا ہے ۔ تمام کپ
خراب ہوگئے ۔ جل کے ڈاکٹر سے کہا ، اس تمام کے کیا معنی ، آخر کب
یہ تکلیف سہوں گا ۔ بولا زخم کے اندر چور ہے ، خلا نہیں بھرتا ۔ مادہ پھر
ہو جاوے گا تو مشکل پڑے گی ۔ میں نے کہا ، پہلے آپ نے زخموں کو بند ک
کیا ۔ بند کرنا اور کھولنا عجیب مصیبت ہے ۔ ہنوز روز اول ۔ بولا ، صبر کرو
میں نے اس وقت تک فیصلہ نہیں کیا ہے کہ یہاں سے کہاں جاؤں گا ۔

شنبہ کو اس مکان کو چھوڑ دوں گا ۔ ایک خیال آتا ہے کہ سورج نرائن کے
ں رہوں یا پھر شیخ جی کے قریب چلا جاؤں ۔ موسم اب بدلتا چلا ہے ۔ برف
ی ، سرد ہوا اور مینہہ موقوف ہوگئے ہیں ۔ بعض دن تو اچھی گرمی ہوتی ہے ۔
کی موسم بہت جلد بدلتا ہے ، ابھی گرمی تھی دھوپ تھی ، اتنے میں ابر آیا ،
س کر نکل گیا ، اب سخت سردی پڑنے لگی ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

رسیدات مبلغ ۱۴ ، ۳۰ اور ۴۰ ، میں اپنے گذشتہ خطوط میں دے چکا ہوں ۔
ں سب طرح خیریت ہے ۔

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ خط معرفت طامس کک اینڈ سن آویں ۔
رزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

لنڈن ۲۴ مارچ ۱۹۰۵ء

کل گھر سے خط ملے گا ۔ اس وقت سے سخت منتظر ہوں ۔

(۷)

Bedgeburry House
Highlever Road,
St. Quintin Park
۳۱ مارچ ۱۹۰۵ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت و
تندرستی ہوں ۔ میں نے گذشتہ سہ شنبہ منگل کو اپنا مکان بدل لیا ہے ۔ پہلے مکان
میں مجھ کو کسی قسم کی شکایت نہیں تھی لیکن وہاں ایک بات کی کمی تھی یعنی
کھانے کے میز علیحدہ علیحدہ تھے یعنی ہر ایک شخص اپنا اپنا کھانا اپنے اپنے
کمرے میں کھاتا تھا ۔ اس وجہ سے مجھ کو انگریزوں سے ملنے جلنے کا مکان میں
موقعہ کم ملتا تھا ۔ یہاں سب کی میز ایک ہے ۔ کھانا پابندی کے ساتھ کھایا
جاتا ہے اور سب مل کر ساتھ کھاتے ہیں ۔ سب کی ملاقات کا کمرہ ایک ہے ۔
اس طرح سے مجھ کو یہاں انگریزوں کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقعہ حاصل ہے ۔
دوسرے سورج نرائن بھی ساتھ ہیں ، کسی قسم کا اندیشہ نہیں ۔ لیکن ایک خرابی
ہے کہ جب دو ہندوستانی ایک ساتھ رہتے سہتے ہیں تو یہ قدرتی امر ہے کہ ہم

اپنی مادری زبان میں گفتگو کریں - اس صورت میں انگریزی کا نقصان متصور ہے۔ اگرچہ میں نے اور سورج نے عہد کر لیا ہے کہ ہم ہر وقت انگریزی بولیں لیکن بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ طبیعت اردو بولنے کو چاہتی ہے - ہندوستان میں انگریزی خواں انگریزی بولنے کے بہت مشتاق نظر آتے ہیں لیکن یہاں ہم انگریزی ہر وقت بولتے رہنے سے اکتا جاتے ہیں اور طبیعت خواہ مخواہ چاہنے لگتی ہے کہ اردو میں گفتگو کریں اور جب طرف ثانی اردو بولنے والا ہو تو ہم جوش مادری زبانوں میں بولنے لگتے ہیں - اس لیے تمام ہندوستانی ایسا کرتے ہیں کہ جدا مکانوں میں رہتے ہیں اور سب اکیلے ، جہاں کوئی دوسرا ہندوستانی نہ ہو۔ لیکن کچھ دنوں میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں یہاں رہوں - میرے زخم ابھی تک نہیں بھرے ہیں - ڈاکٹر روزانہ آتا ہے -

پرسوں میں اور سورج نرائن ، ڈاکٹر گرانٹ کے ہاں گئے - اس نے میرے کانوں کا امتحان کیا - بولا کہ ابھی سماعت اپنی اصلی حالت پر نہیں آئی ہے - مگر جب تم میں توانائی آ جاوے گی اور تمہارے زخم بھر جاویں گے اس وقت بالکل درست ہو جاوے گی - زخموں کے واسطے پوچھا - اس نے کہا کہ زخم جس قدر دیر میں بھریں ، بہتر ہے - بالکل نہ گھبراؤ - بیماریاں تمام ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کو نحیف و کمزور کر دیتی ہیں - اسی طرح سے یہ بیماری ہے - لیکن اکثر مریضوں کو اس بیماری نے فائدہ ہی دیا ہے ، یعنی بعد میں ان کی صحت بہت اچھی حالت میں ہو گئی ہے اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ توانا اور مضبوط ہو گئے ہیں - بعض وقت اس کے زخم سال سال دو دو سال تک اچھے نہیں ہوتے ہیں - گو عرصہ زیادہ لگتا ہے لیکن آیندہ کو کوئی خطرہ نہیں رہتا -

مجھ کو شبہ ہوتا تھا کہ کہیں میرا ڈاکٹر فیس بڑھانے کے لیے میرا زخم جلدی نہ بھرتا ہو - یہ بات میں نے سورج نرائن سے کہی - پھر ہم نے یہ صلاح کی کہ ڈاکٹر گرانٹ کے پاس جاویں - یہ ڈاکٹر اس قدر مشہور اور نیک نام ہے کہ اس کے اوپر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا - جب اس نے کہا تو ہم کو تسلی ہو گئی - میں نے ضعف بصارت کی شکایت کی - اس نے کہا ، یہ کمزوری کی وجہ سے ہے ، کچھ اندیشہ نہ کرو -

مسٹر ینگ نے مجھ کو گذشتہ اتوار کو تین بجے بلایا تھا - میری خیر و عافیت پوچھی - کہنے لگے ، تمہارے والد کا خط آیا تھا - پھر میں نے ان سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے واسطے کہا - یہ سوسائٹی ایک علمی صیغہ ہے اور اس میں ایسے لوگوں کو داخل کیا جاتا ہے جو علمی امور خصوصاً ایشیا کے متعلق عام دلچسپی

رکھتے ہوں - انھوں نے اقرار کیا کہ وہ بڑی خوشی سے میرے لیے سفارش کریں گے - کیونکہ اس میں ضروری ہے کہ دو ممبر داخل ہونے والے کی سفارش کریں - آئندہ اتوار کو ان کے پاس پھر جاؤں گا ، وعدہ ہوگیا ہے -

ٹرم میں سولہ روز باقی رہ گئے ہیں - موسم آج کل عمدہ اور گرم ہوتا چلا ہے - شہر میں آج کل آکسفورڈ اور کیمبرج کی کشتی کی دوڑ کی دھوم ہے - یہ دوڑ دریاے ٹیمز میں ہوگی - زیادہ کیا گذارش کروں - فقط

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزی محمد مشہود خاں کو پیار -

فقط

محمود شیرانی

(۸)

Bedgebury House,
Highlever Road,
St. Quintin Park,
۷ اپریل ۱۹۰۵ء

یوم آدینہ

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

تسلیمات مستمندانہ بجا لا کر عرض پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیریت و بہبودی ہوں اور آنحضرت کی عافیت مع جملہ اہل خانہ مطلوب - میرے زخم پہلے سے اچھی حالت میں ہیں - اب میں نے ڈاکٹر کا آنا موقوف کر دیا ہے اور خود اس کے مکان پر جاتا ہوں - اس صورت میں فیس میں بہت کمی کر دے گا - گذشتہ اتوار کو میں اور سورج نرائن مسٹر ینگ کے ہاں گئے تھے - کوئی کام کی بات نہیں ہوئی کیونکہ ہماری موجودگی ہی میں ان کے اور ملاقاتی آ گئے - یہاں علی گڑھ کالج کا ایسوسی ایشن ہے - اس کے جلسہ میں مجھ کو بھی بلایا تھا - ٹکٹ بھیج دیا تھا لیکن مجھ کو ڈاکٹر نے منع کر دیا اس لیے نہیں جا سکا - وہ ٹکٹ بھیجتا ہوں -

ایسٹ انڈیا کمپنی ، وہی ہندوستانی ایسٹ انڈیا کمپنی کی ایک انجمن یہاں اب تک قائم ہے - اس کا ایک ٹکٹ میرے نام آیا ہے - اس میں ۱۳ ماہ حال کو مجھ کو جانا ہے -

مسٹر کولڈ اسٹریم ہمارے لنکنز ان کے ماسٹر آف دی بنچ یعنی افسر ہیں - ان کا ایک خط آیا ہے - وہ لکھتے ہیں کہ سینٹ پال گرجا کے بڑے پادری صاحب نے

ہمیں ۷ اپریل ۱۹۰۵ء کو ڈھائی بجے سینٹ پال گرجا میں بلایا ہے - چاء کی دعوت دی ہے - بعد میں وہ گرجا کی سیر کروائیں گے اور یہاں آپس میں شناسائی کا بھی اچھا موقعہ ہے - میں نے کولڈ اسٹریم صاحب کو خط لکھ دیا ہے کہ میں آؤں گا لیکن آج صبح ہی سے موسم بدل گیا ہے - سخت سردی پڑ رہی ہے - اس وقت گیارہ بج چکے ہیں - ڈاکٹر کے پاس بھی برف کی وجہ سے نہیں جا سکا - اور اگر میں ان کے ہاں نہ گیا تو ایک بہت اچھا موقعہ ملاقات کا کھو دوں گا - کولڈ اسٹریم صاحب بہت بڑے آدمی ہیں - یہاں علاوہ ہمارے کالج کے افسر ہونے کے سرکاری جج ہیں اور دوسرے سرکاری صیغوں خصوصاً مشرق میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں - ان کا بلانا روز روز نہیں ہو سکتا -

یہاں اس مکان میں میں جب سے آیا ہوں مجھ کو کن امور میں پابندی کرنا پڑتی ہے - صبح نو بجے سے پیشتر کھانے کے کمرے میں آنا پڑتا ہے - دس بجے ساڑھے دس بجے کھانے سے فراغت ہوتی - اس کے بعد پھر ایک بجے کھانے کے کمرے میں جانا ہوتا ہے - ڈھائی بجے تک اس سے فراغت ہوتی - اب چار بجے چاء نوشی کے لیے آنا پڑا - ساڑھے چار بجے اس سے چھٹی ملی - سات بجے پھر رات کے کھانے کے لیے جمع ہونا پڑا - اس سے کہیں نو بجے فراغت ملتی ہے - اس طرح سے پانچ چھ گھنٹہ قریباً کھانے میں صرف ہو جاتے ہیں - اس سے فائدہ کیا ہے ؟ یہ کہ مجھ کو انگریزی سننے اور بولنے کا زیادہ موقعہ ملتا ہے - یہاں کھانے میں دنیا جہان کی باتیں ہوتی ہیں اور عام معلومات بڑھتی ہیں اور اسی کے لیے میں نے یہاں رہنا اختیار کیا ہے - ڈاکٹر کے بل اور دوسرے بل وغیرہ وغیرہ میں دوسرے ہفتہ میں بھیجوں گا -

پرسوں کے ڈیلی ٹیلی گراف (یہ ایک روزانہ اخبار کا نام ہے) سے معلوم ہوا کہ لاہور میں اور دوسرے مقامات میں زلزلے نے سخت نقصان پہنچایا ہے - پانچ یوروپین اور ستر ہندوستانی مر گئے - شاہی مسجد اور دوسرے مکانات گر پڑے - یہ پرسوں کے اخبار میں تھا - کل کے اخبار میں بھی اسی قسم سے - آج کا اخبار ظاہر کرتا ہے سو اور ڈیڑھ سو کے درمیان آدمی مر گئے - میں آپ کی خدمت [میں] عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھ کو مولوی عبداللہ[1] صاحب اور مولوی

۱- (شمس العلما) مفتی مولانا محمد عبداللہ ٹونکی مراد ہیں ، جو عربی کے فاضل اجل تھے - شیرانی صاحب کے والد نے ان کو ، لاہور کے عرصہ تعلیم میں ، مفتی صاحب کی نگرانی میں دیا تھا - انھوں نے سنہ ۱۸۸۳ء سے ۱۹۱۷ء تک اورینٹل کالج میں عربی کی تدریس کے فرائض انجام دیے - ۷ نومبر سنہ ۱۹۲۰ء کو بھوپال میں انتقال کیا جہاں ان کے صاحبزادے مفتی انوار الحق مشیر تعلیمات تھے - (مرتب)

محمد شعیب[1] صاحب کی خیریت سے اطلاع دیں کیونکہ لاہور میں بیسیوں مکانات گرے ہیں اور ہزاروں آدمی بے گھر ہوگئے ہیں۔ دھرم سالہ میں اسی فی صدی آدمی مرے۔

صاحب پولٹیکل ایجنٹ اگر بدل گئے تو ان کی بجائے کون آیا ہے۔ سید اسد علی جودھ پور سے لکھتے ہیں کہ صاحب ریزیڈنٹ جودھ پور چھ ماہ کی رخصت لے کر لندن آنے والے ہیں۔ جب وہ یہاں آویں گے، میں ان سے ضرور ملوں گا۔ باقی سب خیریت ہے۔ بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب۔

اس وقت میرے پاس مسٹر جگناتھ آئے ہوئے ہیں۔ وہ جناب کی خدمت میں آداب عرض کرتے ہیں۔ مسٹر سورج نرائن تسلیم کہتے ہیں۔

عزیزم محمد مشہود خاں کو دعا۔

فقط

محمود

(۹)

Bedgebury
Highlever Road.
لندن۔ اپریل ۲۸ سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

نوازش نامۂ عالی معہ تحریر عزیزی مسعود خاں موصول ہوا۔ مجھ کو ہر ہفتہ جناب کے اور مسعود کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں۔ اس ہفتہ لاہور سے مولوی محمد شعیب کا جودھ پور سے سید حسنات احمد کے خطوط ملے۔ وہاں کے حالات معلوم ہوئے۔ مچھو خاں کا حال آپ نے سن ہی لیا ہوگا۔ یہ حال بھی لندن کے ڈیلی ٹیلی گراف میں ۱۸ ماہ حال کو پڑھ لیا تھا۔ فوجدار احمد حسین صاحب کے بڑے صاحب زادے حافظ عزیز احمد کا انتقال ہوگیا۔ مجھ کو حسنات احمد کے خط سے معلوم ہوا۔ ''مخزن'' میں اس مرتبہ میری نظم ''ٹیپو سلطان'' شائع[2] ہوئی ہے۔ شاید جناب کی نگاہ سے گزری ہو۔ میں نے ایک مرتبہ جب یہ نظم لکھی تھی، جناب کو سنائی تھی۔ لیکن اب وہ پہلی نظم سے زیادہ دلچسپ اور مختلف ہے۔

۱- مولوی محمد شعیب صاحب بھی اورینٹل کالج میں عربی کے استاد تھے۔ ان کا عرصۂ تدریس سنہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۶ء تک ہے۔ شیرانی صاحب کی قیام لندن میں ان سے بھی خط و کتابت تھی۔ (مرتب)

۲- یہ نظم ''مخزن'' کے مارچ ۱۹۰۵ء کے شمارے میں چھپی تھی۔ (مرتب)

بالخصوص شیخ صاحب نے جو رائے اس پر لکھی ہے وہ قابل تعریف ہے - اس سے پیشتر میری ایک نظم ''گلستان'' جنوری کے ''مخزن'' میں شائع ہوئی - شاید آپ نے اس کو ملاحظہ کیا ہو - مقصود کے واسطے جو ''مخزن'' آوے ، آپ اس کو واپس نہ کریں - اس کی قیمت میں یہاں ادا کر چکا ہوں - آپ پرچہ رکھ لیں اور مقصود کو پڑھا دیں - اگر وہ وی - پی - بھیجیں تو واپس کر دیں - میں نے شیخ صاحب کو کہہ دیا ہے اور انہوں نے ایڈیٹر مخزن کو لکھ دیا ہے -

مسٹر اقبال علی گذشتہ شنبہ کو یہاں سے روانہ ہندوستان ہوئے - ان کے ساتھ ہی شیخ صاحب بہ غرض سیر پیرس گئے ہیں - مسٹر اقبال نے اپنا الوداعی جلسہ کیا تھا - اس میں ان کے تمام دوست قریباً شامل تھے - اس میں ہم گیارہ ہندوستانی تھے اور باقی تمام انگریز اور میمیں تھیں - یہاں اس قسم کے جلسوں کا رواج ہے اور ان جلسوں میں زیادہ تر نئی ملاقاتیں اور تفریح خاطر ملحوظ ہوتی ہے - اس لیے انگریزوں میں ایسے جلسوں میں گانے ناچنے پیانو وغیرہ کا رواج ہے - جب تمام لوگ جمع ہوگئے ، جن کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی ، تو مسٹر اقبال نے اٹھ کر ایک مختصر سی تقریر کی - اس کے بعد ایک لیڈی نے اٹھ کر کچھ گایا - انگریزی گانا ہمارے گانوں سے بالکل خلاف ہے - اس لیے میں زیادہ دلچسپی نہیں لے سکا - اس طرح سے ہر ایک عورت یا مرد نے اٹھ کر گایا - ہمارے ہاں کے گیت یا غزلیں جس قدر ہیں عشق و عاشقی سے پر ہیں لیکن انگریزوں کے گیت تمام موجودات اور اس کے واقعات کے مضامین سے پر ہیں - بعض میں مہذب ظرافت ہے ، بعض میں بدقسمتی ، بعض قومی گیت وغیرہ وغیرہ - ہماری موسیقی میں تال سر یا زیرو بم کا نام نہیں ہے - وہاں زیادہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ الفاظ پورے پورے ادا ہوں - جب انگریز گا چکے تو انہوں نے ہندوستانیوں سے درخواست کی کہ اب ہم اپنا گانا سناؤ لیکن یہاں گانا کسے آتا تھا - سب بغلیں جھانکنے لگے اور انگریزوں نے ایک قہقہہ لگایا - اس پر شیخ عبدالقادر اٹھے - اول تو انہوں نے مسلمانوں میں موسیقی سے زیادہ دلچسپی نہ رکھنے کے متعلق تقریر کی - پھر موسیقی کے نہ جاننے کی وجہ سے معذرت کی - اس کے بعد انہوں نے ایک غزل مرزا غالب کی پڑھی - ان کی آواز سریلی نہیں تھی مگر دردناک ضرور تھی - تمام لوگ خاموش تھے - کسی نے کوئی کلمہ تحسین کا نہیں کہا - اس پر شیخ صاحب جھلا کے اردو میں مجھ سے کہتے ہیں - بھائی شیرانی یہ لوگ تو سب گنوار ہیں مگر تم کیوں خاموش بیٹھے ہو - اس پر میں نے انگریزی میں از راہ مذاق کہا (میری تحسین یہ ہے کہ آپ مہربانی فرما کر اس شعر کا ترجمہ کر دیں) - اس پر ایک قہقہہ پڑا - خیر شیخ صاحب نے وہ غزل ختم کی - اب پھر خاموشی چھا گئی - اب شیخ صاحب نے ہندوستانیوں سے

...ب ہو کر کہا ، بھائی مرد میدان بنو ، وطن کی بات رکھو ورنہ یہ سب ہنسیں
گے - پہلے ہی وحشی جاہل کہتے ہیں اب اور بھی بے وقوف بناویں گے - ارے
... گاؤ نہیں تو سرسری طور پر پڑھ دو - یہ تو اس کو گانا سمجھ لیں گے - مگر
... نہ رہو ، اپنی اپنی باری پر اٹھ جاؤ اور گا دو - میرے دل میں تو آئی کہ اٹھوں
... کچھ پڑھوں لیکن ہچکچا کر چپکا رہ گیا - جب کوئی نہیں اٹھا تو شیخ جی
... کہا ، شیرانی صاحب آپ چھپے نہیں - (کیونکہ میں سورج نرائن کی آڑ میں ہو گیا
... ہاں صاحب کچھ آپ پڑھیں - جب انھوں نے بھرے جلسہ میں زور سے کہا
... سب کی نگاہیں مجھ پر اٹھیں تو مجبوراً مجھ کو اٹھنا پڑا - پہلے اٹھ کر میں نے
... کہا کہ میرا خیال تھا میں آخری شخص ہوؤں گا جس سے گانے کے لیے کہا جائے
... ، کیونکہ میں نے شعر گوئی کا دعویٰ کیا ہے نہ شعر گانے کا - مجھ کو یہ افسوس
... شہ محسوس ہوتا رہا کہ میری آواز اچھی نہیں - اس پر ایک میم صاحب اٹھیں
... انھوں نے یہ گرما گرم فقرہ کہا ، مسٹر شیرانی میں تمھارے لیے اس قدر غمگین
... ہوں کہ میرا دل رونے کو چاہتا ہے - اس پر تمام نے ایک زور کا قہقہہ لگایا -
... میں شرمندہ تو ہوا لیکن جواب میں کہا ، میں آپ کے رونے کا شکریہ ادا کرتا ہوں
... میں اور بھی شکر گذار ہوؤں گا اگر کچھ دیر کے لیے اپنی نغمہ صفت آواز
... کو آپ قرض دے دیں گی - اس پر تالیاں بجیں (انگریزوں میں تالیاں اظہار تحسین
... و آفرین کی علامت ہیں) - اس پر لیڈی صاحبہ آہستہ سے بڑبڑائیں ، شریر آدمی -
... میں نے غزل شروع کی - جہاں تک ہو سکا اچھی طرح سے پڑھی - درمیان میں
... ختم ہونے پر تالیاں بجیں - میں نے یہ معلوم کر لیا کہ ہندوستانیوں نے اس کو
... پسند کیا ہے کیونکہ میں اچھی طرح یہاں معلوم کر چکا ہوں کہ بہ لحاظ اخلاق
کے ہم ہندوستانی بہت کمزور ہیں - ہم اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور فوراً
... اپنے قہقہوں ، زہر خند وغیرہ کے ذریعہ سے ظاہر کر دیتے ہیں - لیکن انگریز
... موقعوں پر بالکل سنجیدہ اور خاموش رہتے ہیں اور میں پڑھتے وقت ہر ایک
... ہندوستانی کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا ، جس سے مجھ کو اطمینان ہو گیا کہ
میرے پڑھنے کی طرز اگر اچھی نہیں تو بری بھی نہیں - اس کے بعد مسٹر اقبال
... خوشامدوں اور غمزوں کے ساتھ اٹھے - وہ پیانو بجانا بھی جانتے تھے - انھوں نے
... ٹونی ناٹک کی غزل گائی لیکن میرا خیال ہے کہ ہندوستانی زیادہ محظوظ نہیں ہوئے
کیونکہ انھوں نے کئی مرتبہ قہقہہ لگایا ، اشارے کئے - اس کے بعد چند انگریزوں
نے پھر گایا - اس کے بعد پھر مجھ سے شیخ صاحب نے کچھ پڑھنے کے لیے [کہا]
جس سے میں خیال کرتا ہوں کہ انھوں نے میرے پڑھنے کی طرز کو پسند کیا -
میں نے پھر کچھ پڑھا - ہم ہندوستانیوں میں سے کوئی نہیں اٹھا - بعد میں چائے
... - سب نے پی - اس کے بعد انگریز اور عورتیں رخصت ہو گئے - ہم ہندوستانی

رہ گئے - میں نے شیخ صاحب سے پھر کچھ پڑھنے کی فرمائش کی - انھوں نے دا
کی غزل پڑھی - اس میں شک نہیں کہ میں شیخ صاحب کے پڑھنے کی طرز کو بہت
کچھ پسند کرتا ہوں - پھر ایک ڈاکٹر صاحب تھے ، انھوں نے مجھ سے فرمائش کی
اور شاید وہ زیادہ میرے پڑھنے کے مشتاق تھے - میں نے کچھ اور پڑھا اور جب
ہم ہندوستانی ہی ہندوستانی رہ گئے تو سورج نرائن صاحب کو ہمت ہوئی - انھوں
نے بھی کچھ پڑھا - بعد میں کچھ پنجابی کچھ سندھی غزلیں پڑھیں - بعد میں
رات کے دو بجے جلسہ برخاست ہوا - میں اور سورج گھر آئے - شنبہ کو میں
مسٹر اقبال علی کو اسٹیشن تک پہنچانے گیا - وہاں اور بھی ہندوستانی اور انگریز
موجود تھے -

دو شنبہ کو یہاں ایسٹر کا میلہ تھا - میں نے ہندوستان کے میلے کم دیکھے ہیں
اس لیے میں یہاں کے میلوں کا وہاں کے میلوں سے مقابلہ نہیں کر سکتا - میں نے
تمام عمر میں جودھ پور میں منڈور[1] کا ایک میلہ دیکھا ہے - تو جہاں تک خیال
کرتا ہوں ان میلوں میں کوئی فرق نہیں پاتا - فرق جو ہے تہذیب میں اور تمدن
میں - ہندوستان کے میلوں میں بھی ٹکے کمانے کی ترکیب لوگ کرتے ہیں ، یہاں
بھی ترکیبیں ہیں - زیادہ سنوری اور زیادہ پیچیدہ - انگریزوں کے میلوں میں اور
ہمارے میلوں میں بھی فرق ہیں - ان کے میلے اسی قدر ہمارے میلوں سے فرق رکھتے
ہیں جس قدر ہم تمدن میں انگریزوں سے کم ہیں -

مختصر یہ ہے کہ یہاں جس قدر چیزیں تھیں سب عمدہ اور آراستہ تھیں -
ہمارے ہاں میلوں میں جھولے ، چکر ہوتے ہیں وہ چیزیں یہاں بھی تھیں لیکن نہایت
نفیس جو یہاں بجلی کے ذریعہ سے چل رہی تھیں - ہمارے ہاں یہ چیزیں بچوں کے لیے
مخصوص ہیں لیکن یہاں پر ہر ایک عمر کا شخص ان پر سوار ہوتا تھا - اس مضمون
کے متعلق آیندہ عریضہ میں لکھوں گا کیونکہ اب ڈاک جانے کے قریب ہے -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار

فقط

محمود

۱- منڈور ، مارواڑ کی پرانی راجدھانی ہے ، جو موجودہ شہر جودھ پور سے پانچ میل
کے فاصلے پر واقع ہے - (مرتب)

(۱۰)

Bedgebury
Highlever Road
۲- مئی سنہ ۱۹۰۶ء
لندن بیج بری

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

بعد تسلیمات فدویانہ گذارش پرداز ہوں کہ میں بفضل الٰہی قرین خریت
ہوں اور آں حضرت کی خیریت کا معہ جملہ اہل خانہ دعا گو - گذشتہ ہفتہ میں
ـسٹر کے تیوہار کی بابت کچھ لکھنے والا تھا لیکن وقت کی تنگی سے لکھ
ـ سکا - اس لیے میں اب اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں - یہ تیوہار
ـمشن دو روز تک منایا گیا یعنی شنبہ اور دو شنبہ کو - یک شنبہ اتوار تھا -
ـس روز لندن نے اس میلے کی طرف کوئی توجہ نہیں کی - شنبہ کو میں اس میلے میں
ـریک نہیں ہو سکا کیونکہ اس روز میں مسٹر اقبال علی کو اسٹیشن تک پہنچانے
گیا تھا - مسٹر اقبال نو بجے شب ٹرین میں سوار ہوئے اور دس بجے میں مکان
پر پہنچا - میرے آنے سے پیشتر یہ لوگ کھانا کھا چکے تھے - مسز کلفٹن نے مجھ
سے پوچھا ، کیا تم نے کھانا کھا لیا - میں نے نفی میں جواب دیا - اس پر انھوں
نے کہا ، اچھا میں تمھارے لیے تیار کر کے لاتی ہوں - میں ڈرائنگ روم میں گیا -
یہاں مسٹر کلفٹن سورج نرائن اور مس ڈیزی سانڈرسن ، مسز کلفٹن کی بہن ، موجود
تھے - مس ڈیزی آج یہاں مہمان تھیں - میں نے سب سے ہاتھ ملایا اور مسٹر کلفٹن
نے مسکرا کہا ، آج عجیب دل لگی ہوئی - غریب مسٹر نرائن بہت خفیف ہوئے -
ـک نقصان زر دوسرے یاروں کے قہقہے - میں نے دریافت کیا ، کیا ہوا - مسٹر
ـفٹن نے کہا ، تمھارے جانے کے بعد کھانا کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ سیر
کے لیے میلے میں گئے - وہاں طرح طرح کے دل بہلاوے تھے - انھی میں ایک
ـ کھیل تھا - اس کی شرط یہ تھی کہ ایک پینس میں تین گیندیں خریدو اور پھر
ـ گیندوں سے دیوار میں لٹکی ہوئی تصویروں کے دانتوں کا نشانہ بناؤ - اگر تم نے
ـت اڑا دئے تو تم کو دو پینس کی چیزیں انعام میں مل جاویں گی ورنہ پینس گیا -
ـبر مسٹر نرائن نے ایک پینس کی تین گیندیں خریدیں اور نشانہ تاکا - پہلی گیند

- یہ طویل خط اگرچہ ۲- مئی (سہ شنبہ) کو لکھنا شروع کیا ہے تاہم اس کا
اختتام جمعہ کے روز یعنی ۵- مئی کو ہوتا ہے - جمعہ کی شام کو لندن سے
ہندوستان کی ڈاک روانہ ہوتی تھی - (مرتب)

تصویر کے سر پر سے نکل گئی - دوسری آنکھ پر لگی - تیسری بائیں رخسار پر
خفیف مفت میں ہوئے - اب کیسے خاموش بیٹھے ہیں گویا بخار آ گیا ہے - میں
ہنس کر مسٹر نرائن کو کہا ، سورج تمھارے لیے میں سخت غمگین ہوں لیکن
مجھے تعجب ہے تم تو بہت اچھے کرکٹر ہو - پھر یہ کیا ہوا - سورج نے کچھ نہ
ہلائے اور پھر خاموش بیٹھ گئے - اس پر ہم سب ہنس دیے اور سورج صاحب
جھلائے - میں نے کہا ، رکو مت ، کہہ ڈالو - اس پر بولے ، اچھا آپ چل کر
کچھ کرامت د کھانا - میں نے کہا ، اگر میں تمھاری طرح کرکٹر ہوتا - اتنے میں
مسز کافٹن میرے لیے کھانا لائیں اور میں نے کھانا شروع کیا - وہ باتیں کرتے
رہے - آخر میں سورج نے مجھ کو گفتگو میں حصہ نہ لیتے دیکھ کر مسٹر کلفٹن سے
کہا ، دیکھو کس طرح کھانے پر گرا ہے کہ ہمیں بھول گیا - میں نے ہنس کر
مسٹر کلفٹن سے کہا ، مسٹر کافٹن ہمارے ہاں ایک مثل ہے - اول طعام بعد کلام -
سو میں اس پر عمل کر رہا ہوں - وہ بولے ہمارے ہاں یہی مثل ہے - پھر بولے
کیا میلے میں ہمارے ساتھ چلو گے - میں نے کہا ، آپ کی خوشی - اور پوچھا
کب جاویں گے - انھوں نے کہا ، دو شنبہ کو حاضری کے بعد - مسز کلفٹن نے
کہا ، اور تمھیں تصویر کے دانت بھی آڑانا ہوں گے - میں نے کہا ، کیا یہ ضروری
شرط ہے - مگر میں خیال کرتا ہوں میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں - بولیں ہم سب
ان کھیلوں میں شریک ہوں گے - اس لیے اگر تم نے ان میں حصہ نہیں لیا تو ہوں
بھی تم خفیف ہو گے - میں نے کہا ، اور اگر لیا بھی تو بھی خفیف ہوؤں گا - یہ
تو سخت عجب ہے - خیر پھر یہ صلاح ہوئی کہ دو شنبہ کو سب چلیں گے - اتوار
آیا اور اپنی معمولی سنجیدگی اور تقدس کے ساتھ گذر گیا - جب کہ دن بھر گرجوں
کے گھنٹوں کی آوازیں سنائی دیں - دو شنبہ آیا - صبح آٹھ بجے میں کھانے کے کمرے
میں گیا - وہاں تمام خاندان اجلے لباس میں جمع تھا - مجھے دیکھ کر مسٹر کافٹن نے
کہا ، تم نے آج اپنا اتوار کا لباس کیوں نہیں پہنا - میں نے کہا ، چونکہ آج اتوار
نہیں تھا - بولے مگر آج میلہ ہے اس لیے سب سے اچھا لباس پہننے کا ہمارے ہاں
رواج ہے اور شاید تمھارے ملک میں بھی تہواروں کی تقریب پر یہی رسم ہو - میں
نے کہا ، بے شک ہے - مسز کلفٹن نے کہا ، تو کیا تم ہمارے لیے اپنے اتوار کے
لباس کو آج کے واسطے اور تکلیف دے سکتے ہو - میں نے کہا ، بڑی خوشی کے
ساتھ - خیر میں جا کر اتوار کا لباس پہن آیا - اتوار کے روز ایک خاص قسم کا
کوٹ پہنا جاتا ہے جو زیادہ تر ترکی کوٹ کے مشابہ ہے اور اسے انگریز فراک
کوٹ کے نام سے پکارتے ہیں - بعد میں سب نے مل کر کھانا کھایا - مسز کلفٹن
کی ایک لڑکی آٹھ برس کی دوسری تین برس کی اور ایک لڑکا ہے جو سب میں بڑا

ہے - لڑکے کا نام چارلی ہے - لڑکیوں میں سب سے بڑی کا نام زیٹی اور چھوٹی کا م آئرس ہے - لڑکے نے کہا ، پاپا (ابا جان) تمھارا انعام میں لوں گا - زیٹی نے کہا ، مسٹر نرائن تمھارا انعام میں لوں گی کیوں تم دو گے نا؟ آئرس جو بالکل ... ہے ، اس نے پکلا پکلا کر میری طرف اشارہ کیا - مطلب یہ ہے کہ شیرانی تمہارے انعام کی میں حق دار ہوں - مجھے اس بچے کے فہم پر حیرت ہوئی اور ...کرا کر میں نے اس سے کہا ، اچھا - ہم گھر سے نکلے - سڑک راہ گیروں کے ہجوم سے پر تھی - کچھ دور پر نصف میل طول میں اور پاؤ میل عرض میں ایک سبزہ زار میدان ہے جس کا نام سینٹ کوئنٹن پارک ہے - اس پارک میں جگہ جگہ خیمے لگے ہوئے تھے - قرینے سے دوکانیں لگی تھیں - تماشائی بہ کثرت تھے - سب سے پہلے جو نظارہ ہم نے دیکھا وہ عجیب ہنسانے والا منظر تھا - یعنی بچوں اور جوانوں کو ہم نے گدھوں پر سوار دیکھا - وہ بڑے خوش معلوم ہوتے تھے اور گدھوں پر سوار دوڑ رہے تھے - مجھے اول تو ہنسی آئی - پھر میں نے مسٹر کلفٹن سے اس رسم کی قدامت کے متعلق سوال کیا - انھوں نے کہا ، یہ رسم قدیم ہے اور زیادہ تر اس کا تعلق مذہبی رسوم سے ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ گدھے کی سواری کیا کرتے تھے - ان کی یادگار میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے - کیونکہ یہ روز مولود مسیح ہے - میں نے کہا ، عجب اعتقاد ہے - خر عیسیٰ کی دونوں مذہب اسلام اور عیسائی عزت کرتے ہیں - اس پر انھوں نے ایک لطیف ضرب‌المثل انگریزی مجھے سنائی کہ ''مختصر مگر شیریں جیسے گدھے کی دوڑ'' - کیونکہ یہ حیوان عموماً نہایت سست رو ہے - گدھے اور پھر حضرت عیسیٰ کے گدھے کی بابت مجھے ایک حکایت یاد آئی جس کو انھوں نے پسند کیا - وہ حکایت یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دربار میں ایک شخص گدھے کے دو سم لایا - اور بادشاہ سے کہا کہ یہ سم حضرت عیسیٰ کے گدھے کے ہیں - بادشاہ چونکہ نہایت خوش اعتقاد تھا - اس نے ان سموں کی سر و قد تعظیم کی ، چوما ، آنکھوں سے لگایا اور اس شخص کو انعام سے مالامال کر دیا - کسی دل لگی باز نے یہ ماجرا سنا اور کچھ دنوں کے بعد وہ بھی گدھے کے دو سم لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور کہا کہ باقی سم خر عیسیٰ یہ ہیں - پہلے سم اگلے پاؤں کے تھے اور یہ پچھلے پاؤں کے ہیں - بادشاہ نے ان سموں کو بھی عزت سے لے لیا اور خوش ہو کر کہا ، میں عجیب خوش قسمت شخص ہوں کہ حضرت کے گدھے کے چاروں سم میرے پاس موجود ہیں - چند روز کے بعد ایک اور لطیفہ باز دربار میں آیا اور ساتھ ہی ایک سم گدھے کا لایا اور عرض کی کہ یہ سم بھی حضرت عیسیٰ کے گدھے کا ہے - بادشاہ نے حسب معمول شرائط تعظیم و تکریم ادا کیں اور لانے والے کو انعام دیا - عقل مند

وزیر نے عرض کی ، جہاں پناہ ایک سوال دل میں کھٹک رہا ہے - اجازت ہو تو عرض کروں - بادشاہ نے اجازت دی - وزیر نے کہا قبلۂ عالم یہ سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عیسیٰ کے گدھے کے پانچ پاؤں کیونکر ہو سکتے ہیں - چار تک تو خیر گذری مگر یہ پانچواں سم سمجھ میں نہیں آتا - بادشاہ خوش اعتقاد ہنسے اور کہا ، بھئی واہ تم بھی عجیب ہو - آخر حضرت عیسیٰ کا گدھا تھا - پانچ کی بجائے اگر پچاس سم ہوں تو کم - پھر کونسا تعجب ہے اگر پانچ ہی ہوں -

جب ہم گدھوں کی دوڑ سے گزرے تو ہمیں دو تین چکر نظر آئے - چکر تو ہمارے میلوں میں بھی ہوتے ہیں لیکن یہ چکر ایسے تھے جو کلوں کے ذریعہ سے چل رہے تھے - ہمارے ملک کی طرح ان چکروں میں صرف بچے ہی نظر نہیں آتے ہیں بلکہ ہر عمر کے لوگ تھے - خصوصاً عورتیں ان کی بڑی مشتاق تھیں - اس میں بڑی خوشی سے بیٹھتی تھیں اور جب چکر اپنے زور میں پھرتا تھا تو چیختی چلاتی تھیں - عورتوں اور بچوں کی خاطر سے ہم لوگ بھی سوار ہوئے - یہ چکر ہمارے ہاں کے چکروں سے دس گنا بڑا تھا - اس میں کرسیاں لگی تھیں ، جن میں مخمل کی گدی لگی ہوئی تھی - مسٹر کلفٹن نے کہا کہ اس چکر کی تیاری میں کم سے کم تین ہزار پونڈ لگے ہوں گے - جو ہمارے ہاں کے پینتالیس ہزار روپے ہوئے اور کمپنی اس چکر سے آج دن بھر میں پانچ ہزار پونڈ بڑی آسانی سے پیدا کر سکتی ہے - اس طرح سے اس کو صرف ایک ہی دن میں دو ہزار پونڈ یعنی تیس ہزار روپیہ نفع کے بچ سکتے ہیں - چکر سے گذرے جھولے نظر آئے - ان پر بچے اور عورتیں جھول رہی تھیں - یہ جھولے ہمارے جھولوں کی طرح خطرناک نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کے نیچے آرام کرسیاں لگی ہوتی ہیں ، جن پر تین چار آدمی بآسانی بیٹھ سکتے ہیں - آگے بڑھے تو ایک لمبا شہتیر زمین میں گڑا تھا اور شہتیر کے شروع سے آخر تک ہندسے لگے ہوئے تھے اور شہتیر کی جڑ میں ایک میخ لگی ہوئی تھی اور پاس ہی لکڑی کا ایک موٹا ہتھوڑا پڑا تھا - مسٹر کلفٹن نے کہا ، یہ ہتھوڑا اس میخ پر مارو - اس سے انسانی طاقت کا بہت جلد اندازہ لگ سکتا ہے - اس پر سورج بڑھے اور ہتھوڑا لے کر میخ پر مارا - اس میخ کے صدمہ سے ایک تار زمین سے نکل کر شہتیر کے درمیان میں چلا گیا - یہاں چار سو سات کا ہندسہ تھا - پھر مسٹر کلفٹن نے ہتھوڑا لگایا - اس نے پانچ سو سے زیادہ تک نمبر طے کیے - بعد میں شہتیر کے مالک نے زور آزمائی کی اب کی بار شہتیر کے اوپر کے ہندسے یعنی ہزار تک پہنچ گیا - آگے بڑھے تصویروں کی دوکان تھی اور لوگ دانتوں کا نشانہ بنا رہے تھے - یہاں میں نے ، مسٹر کلفٹن نے ، سورج نے اور دونوں عورتوں نے ایک ایک پیسے کی تین گیندیں لے کر نشانہ بازی شروع کی - اس میں صرف میں نے تین بار میں ایک

بار نشانہ لگایا اور دو پنس کے کھلونے فوراً دوکان دار نے دے دیے جو آنرس کی نذر ہوئے۔ ایک نشانہ مس ڈیزی نے لگایا۔ اور سب کے نشانے خطا گئے۔ یہاں سے آگے بڑھے۔ وہاں بندوق ہوائی سے نشانہ بازی ہو رہی تھی۔ سامنے دیوار میں بوتلیں لٹکی ہوئی [تھیں]۔ ان کو لوگ نشانہ کر رہے تھے۔ صحن میں برابر برابر میں فوارے چھوٹ رہے تھے۔ ان فواروں کے اوپر تین گیندیں علیحدہ علیحدہ ہوا میں معلق فواروں پر کھیل رہی تھیں۔ بوندوں کے زور پر کبھی نیچے گرتی تھیں اور کبھی اوپر ہو جاتی تھیں۔ سب سے پہلے مسٹر کلفٹن نے بندوق لی اور ایک گیند کو تاکا۔ نشانہ خالی گیا اور سورج صاحب نے مجھ سے کہا، آپ اپنا نشانہ دکھائیے۔ میں نے پہلی وار[1] میں ایک گیند کو تاکا اور اڑا دیا۔ انعام آنرس نے لے لیا۔ بعد میں دوسری گیند کو اڑا دیا۔ تیسرا نشانہ خالی گیا۔ چوتھے میں ایک بوتل توڑی۔ پانچویں میں گیند کو اڑا دیا۔ چھٹا نشانہ خالی گیا۔ اب بچوں میں تکرار شروع ہوئی۔ زیٹی اور چارلی کو ابھی تک کچھ نہیں ملا تھا۔ آنرس کو انعام کئی مرتبہ مل چکا تھا۔ اب ان دونوں نے اس سے مانگنا شروع کیا۔ وہ بے تو بجھ مگر ذکی۔ مسٹر کلفٹن اور سورج کی طرف اشارہ کر دے کہ تمھاری تقسیم کے مطابق تمھارا حق ان دونوں کے انعام میں ہے، نہ میرے میں۔ اس پر مسٹر کلفٹن اور سورج شرمائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سورج صاحب نے بندوق لی اور نشانے لگائے مگر تینوں نشانے خالی گئے۔ دونوں بچوں نے ماں سے اپیل کی۔ ماں نے زیٹی کو تو مس ڈیزی کا انعام دے کر خاموش کر دیا اور چارلی سے کہا، تم مرد ہو اور آنرس عورت ہے۔ مرد عورت کا حق کبھی نہیں لیا کرتے۔ ہمیشہ مرد عورتوں کو دیتے ہیں۔ اس پر چارلی نے جواب دیا، ماں تم عورت ہو اس لیے تم نے فیصلہ عورت کے حق میں کیا۔ اگر تم مرد ہوتیں تو مرد کی طرف بولتیں۔ اس پر مسز کلفٹن بگڑیں اور بولیں، خاموش لڑکے، میں تمھیں کبھی پیار نہیں کروں گی۔ مسٹر کلفٹن ہنسے اور بولے، چارلی میرے بچے تم صحیح ہو۔ مجھے دیکھو۔ میرے حصہ میں تمھاری ماں برابر کی حصہ دار ہے لیکن تمھاری ماں کے حصہ میں میرا حصہ کبھی نہیں۔ یہ عورتیں بڑی نامہربان ہیں۔ انھوں نے ہمارے تمام حقوق ضبط کر لیے ہیں۔ نامنصف مخلوق۔ مسز کلفٹن نے کچھ جواب دیا مگر مسٹر کلفٹن مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ آگے بڑھے۔ یہاں لکھا ہوا تھا 'باکسنگ' (گھونسہ بازی)۔ انگریزوں میں باکسنگ بہت مشہور ہے، لیکن میں نے یہ ہنر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس لیے میں نے مسٹر کلفٹن سے اس کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ عورتیں اور بچے اس کھیل میں شریک نہیں ہوئے اور ہم تینوں مرد اس اکھاڑے میں جا شامل ہوئے۔ چاروں طرف ہم

۱- یہاں 'بار' کو 'وار' لکھنا راجستھانی زبان کا اثر ہے۔ (مرتب)

تماشائی تھے، بیچ میں اکھاڑے کی طرح کا ایک میدان تھا - اس میں ایک جوڑا اترا - ان کی بانہوں پر موٹے موٹے دستانے چڑھے ہوئے تھے - اب انھوں نے ایک دوسرے پر گھونسوں سے وار کرنے شروع کیے - ان کی زد زیادہ تر گردن کندھوں اور منہ پر ہوتی تھی - ایک ہاتھ سے زد روکتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے مارتے تھے - چند منٹ میں یہ جوڑ چلا گیا - دوسرا آیا پھر تیسرا آیا - بعد میں ہم وہاں سے رخصت ہوئے - ہم ایسی جگہ پہنچے جہاں آدمی ناریل اڑا رہے تھے - یہ ناریل دیوار میں لٹکے ہوئے تھے - فاصلہ زیادہ تھا اور شرط سخت - کیونکہ ایک پنس میں ایک گیند دیتے تھے - مگر اس کھیل کو انگریز زیادہ پسند کرتے ہیں اس لیے زیادہ ہجوم تھا - مسٹر کلفٹن نے اپنی بیوی کو خطاب کر کے کہا ، موڈ پیاری (موڈ مسز کلفٹن کا عیسائی نام ہے - یہاں دستور ہے کہ لڑکیاں شادی سے پیشتر باپ کے نام سے پکاری جاتی ہیں اور بعد میں یعنی شادی ہونے کے بعد خاوند کے نام سے پکاری جاتی ہیں لیکن ماں باپ اور خاوند ان کو ان کے عیسائی نام سے پکارتے ہیں) کیا تم اس قدر مہربان ہوگی کہ اس کھیل کو شروع کرو - مسز کلفٹن نے کہا ، ہاں پیارے - اس پر مسٹر کلفٹن نے ایک پنس میں ایک گیند خرید کر ان کو دے دی - یہاں عورتوں مردوں اور بچوں کے لیے تین حدیں مقرر تھیں جہاں سے وہ نشانہ لگا سکتے تھے - مردوں کے لیے فاصلہ بہت لمبا تھا اس قدر کہ گیند کا پہنچنا ناریلوں تک مشکل تھا - عورتوں کے لیے یہ فاصلہ اور کم تھا اور بچوں کے لیے اور بھی کم - خیر مسز کلفٹن مقررہ فاصلے پر پہنچیں اور نشانہ تاکا لیکن گیند خطا گئی اور شرما کر واپس آئیں - اگر ہندوستان ہوتا تو ہم سب ہنس پڑتے لیکن یہ لوگ بہت مہذب ہیں - کسی نے کچھ نہیں کہا - البتہ خاوند نے بیوی کی دلدہی کے لیے کہا ، ہاں پیاری فاصلہ زیادہ تھا میں جانتا ہوں - اس پر مسز کلفٹن نے شکریہ ادا کیا اور کہا ، مگر پیارے میں امید کرتی ہوں تم میرا بدلہ لے لوگے یعنی نشانہ اڑا دوگے (ڈیر = پیارا - یہ لفظ جب بغیر نام کے استعمال ہوتا ہے تو اس صورت میں مخاطب بیٹا ، بیوی ، بیٹی یا خاوند ہوتے ہیں) - مسٹر کلفٹن بڑھے گیند پھینکی مگر ناریل نہیں اڑا - اس پر مسز کلفٹن ہنسیں اور خاوند سے خطاب کر کے کہا چارلی (مسٹر کلفٹن کا عیسائی نام) پیارے تم نے میری امید کو بارور نہیں کیا - پھر کوشش کرو پیارے - پھر مسٹر کلفٹن نے نشانہ اڑایا لیکن غلط - اب کے مسز کلفٹن بگڑیں اور خاوند سے کہا ، شریر آدمی - مسٹر کلفٹن مسکرائے اور بولے ، پیاری میرے بس کی بات نہیں - اب کے مسز کلفٹن کی بہن مس ڈیزی سے فرمائش کی گئی - وہ گئیں لیکن نشانہ خطا گیا - اس پر مسز کلفٹن جھلائیں ، ہائے کتنے پنس ضائع ہوئے - اب کے مسز کلفٹن نے مجھ سے کہا ، مسٹر شیرانی کیا تم کوشش

رہ گئے - میں نے کہا ، مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس قسم کے کھیلوں میں
بھی حصہ نہیں لیا اس لیے میں مذبذب ہوں اگر اڑا سکوں - مسز کلفٹن بولیں ،
مسٹر شیرانی تم ہمیشہ ایسا کہتے ہو - آؤ شریک ہو - خاوند سے خطاب کر کے ،
لے ایک گیند مسٹر شیرانی کے لیے - سورج سے خطاب کر کے ، اور تم مسٹر نرائن
شریک ہو کر مہرباں نہیں ہو گے - خیر اب ہم دونوں آگے بڑھے - تھوڑی
دیر تک تو ہندوستانی تکلف کرتے رہے ، پہلے تم پہلے تم پہلے آپ وغیرہ - خیر دونوں
نے ساتھ ہی گیندیں پھینکیں - سورج خالی گئے اور میری گیند اتفاقاً جا لگی اور ایک
ناریل گر گیا ادھر سے انھوں نے ایک ناریل پھینک دیا - وہ ناریل میں نے لے کر
مسز کلفٹن کو دے دیا - بڑی خوش ہوئیں - پہلے شکریہ ادا کیا پھر خاوند سے
کہا ، پیارے دیکھا یہ کیسا عقلمند ہے - اوہ شیرانی تم بڑے عقلمند ہو - سورج
نے ہنس کر کہا غضب کا یعنی غضب کا ہشیار - اس میں ایک قسم کی ہجو ملیح
پنہاں ہے - اس لیے مسز کلفٹن نے کہا ، مسٹر نرائن تم نے کچھ کیا نہیں
اس لیے اس کے حاسد ہو - پھر اپنی بہن کو ناریل دکھایا اور بولیں کیا یہ ہوشیار
نہیں ہے - انھوں نے جواب دیا ، ہاں ہے - پھر مجھ سے بولیں ، میں بہت ہی
ممنون ہوتی اگر ہمیں یہاں سے کچھ بھی نہیں ملتا - میں تمھاری بڑی شکر گذار
ہوں - اسے میں آئرس جو اتنی دیر سے ناریل کی تاک میں تھی اور میرے پاس
کھڑی تھی ، ماں کے پاس پہنچی اور ناریل کے لیے ہاتھ بڑھایا - ماں دینا تو نہیں
چاہتی تھی لیکن ناخوشی سے دے دیا - اس عرصے میں کلفٹن نے بھی ایک ناریل
گرایا - وہ حسب وعدہ چارلی کو مل گیا - اس پر سورج بہت جھینپے اور پانچ دفعہ
نشانے لگائے آخر چھٹا نشانہ کامیاب ہوا - خیر نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر کلفٹن نے
تین نشانوں میں دو نشانے اڑائے ، سورج نے آٹھ میں دو اور میں نے تین یا چار میں
دو - آتے وقت ہم نے بچوں کے لیے کچھ چیزیں خریدیں اور پھر ایک دوکان میں
جا کر ملائی کی برف کھائی -

کل دو شنبہ ۲ - مئی[1] کو میں رائل البرٹ ہال گیا - یہاں عیسائی مشنریوں کا
سالانہ جلسہ تھا - البرٹ ہال شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم شاہ حال کے باپ شہزادہ البرٹ
کی یادگار میں بنا ہے - یہ ہال ایک وسیع ہال ہے جس میں دس ہزار آدمی ایک وقت
میں سما سکتے ہیں - کل ہال آدمیوں اور عورتوں سے بالکل پر تھا - مسٹر کولڈ سٹریم
نے مجھ کو ٹکٹ بھیج دیا تھا اور وہاں ہم ہندوستانیوں کے لیے دو کمرے مخصوص

---

[1] یہاں تاریخ اور دن میں مطابقت نہیں ہے - دو شنبہ کو یکم مئی تھی اور دو
مئی کو سہ شنبہ کا دن تھا - (مرتب)

تھے - چھ بجے دروازہ کھلا - سات بجے جلسہ شروع ہوا - اس میں
ے ایشیا افریقہ میں اپنی مذہبی کامیابی کے متعلق تقریریں کیں - ا
کا لاٹ پادری ، چین کا لاٹ پادری ، یوگنڈا واقع افریقہ کا لاٹ پا
تھے - انگلینڈ کا لاٹ پادری صدر انجمن تھا - ہندوستان اور سیلو
عیسائی مذہب اپنی اشاعت کر رہا ہے وہ حیرت انگیز ہے - متحرک
ذریعہ سے بہت سے منظر دکھائے گئے - ہندوستان کے لاٹ پادری -
ہندوستان اور بالخصوص ہندوؤں میں اپنی کامیابی کی نظیریں دیں او
سنتھالی کچھ نہیں کہا جس پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا - پھر انھ
کے قدیم فرقے سنتھال پر مذہب عیسوی کے اثر پذیر ہونے پر فخر
ہندوستان کا بہت معزز فرقہ ہے - انھیں قدیم ہندوستانی ہونے کا فخر
مذہب ان پر بہت جلدی کامیابی کر رہا ہے -

میرے قریب ایک ہندوستانی (سندھی) بیٹھے تھے - انھوں نے
پوچھا - میں سمجھ گیا تھا جس خیال سے انھوں نے یہ تکلیف کی تھ
تو ان کا نام دریافت کیا جس پر انھوں نے فخریہ لہجہ میں کہا ،
بعد میں میں نے مذاق میں کہا ، فرض کرو میرا نام ''بھوجو'' ہے
ہے - اس پر وہ گھبرائے اور خاموش ہو گئے - میں نے چھیڑ کر کہ
سنتھالی سے بات نہیں کرو گے - بلحاظ ہندوستانی ہونے کے ان کو
وحشی مزاج پٹھانوں پر فوق ہے - کچھ شرمائے اور بولے ، نہیں میر
تھا - میں نے صرف نام دریافت کیا تھا - میں نے کہا ، مگر تم سن
کی نگاہ سے ضرور دیکھتے ہو - بولے حقارت کی تو کوئی بات نہیں - پا
ہونے میں مشہور ہے - بالکل غیر شائستہ اور غیر مہذب فرقہ ک
میں نے کہا ، مگر یورپین کے مقابلے میں پٹھان اور سنتھالی دونوں
وحشی ہیں - بولے ، ہاں وہ ایسا ہی کہتے ہیں کم سے کم - لیکن
ہو تو میں ایسے فرقے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھوں گا ج
شائستہ لوگ موجود ہیں - میں نے کہا ، اگر میں یہ کہوں کہ
ہوں تو شاید آپ کو افسوس ہو کیونکہ میں اسی فرقے کا ہوں جس
بولے ، کیا پٹھان ہو - میں نے کہا ہاں کہتے تو ہیں اور میرے نام
لفظ بھی ہے جس سے آپ خیال کر سکتے ہیں کہ میں پٹھان یعنی
حافظ یعنی اور بھی کٹر مسلمان ہوں - یہ دیکھیے میرا کارڈ ہے - اس
منشی فاضل ہے جو میرے کٹر مسلمان ہونے کو اور بھی خوفناک
میرا نام محمود ہے جس کے ساتھ ''بت شکن'' کا لقب ہمیشہ سے ا

یوں اور آریہ کو مسلمان بھی کیا ہے - کہیے اب تو آپ شبہ نہیں کریں گے
یں عیسائی ہوں یا ہو جاؤں گا -
چین کے لاٹ پادری اٹھے . انھوں نے بیان میں کہا کہ چین میں ہم مشنریوں
زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں جو ہمارے بھائیوں کو افریقہ اور ہندوستان میں پیش
آتیں - اول تو ملکی حیثیت سے ایک مذہب یعنی بدھ مت کا ہونا ، دوسرے
ت کا بھی وہی مذہب - تیسرے ہماری وہاں سلطنت نہیں - نہ وہ زور حاصل جو
افریقہ اور ہندوستان میں ہے - تیسرے[1] وہاں قومیت میں اختلاف نہیں ، تمام
ے منگولین ہیں - چوتھے[2] چینیوں کو یورپین لوگوں سے گذشتہ جنگ یورپ و
کی وجہ سے اور بھی دشمنی ہو گئی ہے - پھر ہمارے پاس اس قدر روپیہ نہیں جو
ایک شہر میں اپنے اپنے مشن قائم کریں ، ہسپتال بناویں اور سکول جاری کریں
رہ وغیرہ - بعد میں نتیجہ یہ نکلا کہ پریذیڈنٹ نے اٹھ کر یہ کہا کہ پچاس ہزار
ڈ سالانہ اس وقت ہمیں چین کے لیے درکار ہیں جس کے سات لاکھ پچاس ہزار روپیہ
تے ہیں - جلسہ ختم ہوا اور میں ساڑھے دس بجے گھر پہنچا -

میرے زخم بھر چکے ہیں لیکن ڈاکٹر کے ہاں جانا موقوف نہیں کیا ہے -
یوں کے مقام کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے قوت احساس جاتی رہی ہے - درد
یں وغیرہ کچھ محسوس نہیں ہوتے - ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس مقام پر یہ قوت احساس
ر آجاوے گی - کیا خدا کی شان ہے کہ آپریشن کانوں کے اوپر ہوئے - اگر یہی
ریشن چہرے پر ہوتے تو عمر بھر کے لیے داغ رہ جاتا اور صورت بگڑتی وہ الگ -
ے آپریشن کانوں کے نیچے ہیں - یہ ایسا مقام ہے کہ نہ آگے سے نظر آتا ہے اور نہ
چھے سے کیونکہ کانوں سے اور بالوں سے ڈھکا ہوا ہے - اگر کوئی غور سے دیکھے
و نظر آوے ورنہ سرسری نظر میں کچھ فرق نظر نہیں آتا ہے - خدا کی عجب
درت ہے -

میں نے اپنی تعلیم شروع کر دی ہے - کتاب بینی مجھ سے کسی حالت میں
ہں چھوٹتی - لیکن محنت اس قدر نہیں کر سکتا جس قدر کرنا چاہیے - دماغ اس
در ضعیف ہو گیا ہے کہ جہاں کتاب دیکھتے دیکھتے آنکھ اٹھائی ، آنکھوں میں
ندھیرا آ گیا ، اور پھر تھوڑی دیر کے لیے کچھ نظر نہیں آتا - اٹھا ہوں اور چکر
گیا ہے -

ہوا کو آپ ہر طرح سے میری طرف سے اطمینان دلادیں - میں ہر طرح خوش
ہوں - مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے - میں ان کے لیے اور ان کی بھو کے لیے
نی چھوٹی تصویر لاکٹ میں اتروا کر بھیجوں گا - روپیہ کے لیے گذارش ہے کہ

۱- 'چوتھے' ہونا چاہیے (مرتب) -
۲- 'پانچویں' ہونا چاہیے (مرتب) -

اپ جو مناسب خیال فرماویں بھیج دیں - مجھ کو ایک ہفتہ اور تک ضرورت نہیں
اٹھارہ مارچ سے ڈاکٹر کا حساب ادا کرنا ہے - وہ میرے خیال میں آٹھ سات پو
سے زیادہ نہیں ہوں گے - وہ بھی اس صورت میں اگر اس نے رعایت نہیں کی اور اگر
رعایت کر دی تو اس سے دہی کم ہوں گے - ڈاکٹر کنگس فورڈ بہت شریف آدمی
ہے اور مجھ پر مہربان ہے کیونکہ میں نے اس کی فیس ایک دم سے ادا کر دی تھی
یہاں ڈاکٹر اور وکیل لوگوں کے شاکی ہیں اور لوگ ڈاکٹروں اور وکیلوں کے
یہاں ایک مثل ہے کہ "خدا ہر کرسچین کو ڈاکٹروں اور وکیلوں کے ہاتھ سے
بچاوے" - باقی ہر طرح خیریت ہے - آج جمعہ ہے اس لیے اس خط کو روانہ کرتا
ہوں - بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم مشہود خان کو پیار - فقط

مخزن اگر آوے تو آپ رکھ لیں اور ماہواری لیتے رہیں - اس کی قیمت میں نے
ادا کر چکا ہوں - مقصود کو آپ ایک مرتبہ تمام مخزن پڑھا دیا کریں -

محمود

(۱۱)

"Bedgebury"
Highlever Road
May[1]

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بوجوہ قرین خیریت ہوں
گذشتہ ہفتہ خط قلمی عزیزی محمد مسعود خاں موصول ہوا خیریت معلوم ہوئی
لیکن اس میں آں حضرت نے اپنے قلم سے کچھ تحریر نہیں فرمایا تھا - امید ہے
آیندہ آں حضرت خیال فرما کر کم از کم اپنے دستخط تو ضرور فرما دیا کریں
یہ باعث تسلی بندہ ہے -

میں نے ڈاکٹر کے ہاں جانا بند کر دیا ہے - زخم انگوری آئے ہیں - ڈاکٹر
نے بیالیس روز کے چار شلنگ روزانہ کے حساب سے بل بھیجا ہے اور لکھا ہے کہ میں
کسی طرح کی کمی نہیں کروں گا - یہ رقم آٹھ پونڈ آٹھ شلنگ ہوتے ہیں - ابھی تک
میں نے دیے نہیں ہیں لیکن دو شنبہ کو بھیج دوں گا -

ہمارے کالج میں ڈنر شروع ہو گئے ہیں - میں تین ڈنر کھا چکا ہوں اور تین

۱- اس خط پر تاریخ درج نہیں - صرف انگریزی میں "مئی" کا لفظ تحریر ہے - البتہ
خط محررہ ۱۹ مئی سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیر نظر مکتوب ۱۲ - مئی (جمعہ)
لکھا ہوا ہے (مرتب) -

ں ۔ شیخ عبدالقادر خیریت سے ہیں ۔ لالہ سورج نرائن سلام کہتے ہیں ۔ لالہ جگناتھ
نعل لندن کو خیر باد کہہ دیا ہے اور اسکاٹ لینڈ کی ایڈنبرا یونیورسٹی میں
ے کے امتحان کے لیے چلے گئے ہیں ۔ وہاں تین سال پڑھ کر ایم ۔ اے کا امتحان
بعد میں بیرسٹری کا امتحان ۔ دینگے اس طرح سے انھیں یہاں پانچ چار سال اور رہنا
کا یہاں والنٹیر فوج کا ایک صیغہ ہے جس میں ہر ایک انگریز شامل ہوسکتا ہے ۔
کے علاوہ وہ غیر ملک کے رہنے والوں میں انگریزی رعایا کو بعض خاص شرائط
اتھ شامل کر لیتے ہیں ۔ میں نے اس فوج کے کرنل سے ملاقات کی ہے ۔ بعد میں
ے مجھ کو شریک ہونے کے قواعد بھیجے ۔ چندہ داخلہ تین پونڈ ہے اور دس
ے جو سالانہ ادا کرنا پڑے گا ۔ قد اور سینہ کی شرط میں پوری کر سکتا ہوں
کہ اس میں شرط ہے کہ قد پانچ فٹ پانچ انچ اور سینہ تینتیس انچ چوڑا ہو ۔ یہ
ں میں پوری کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط یہ ہے ، جو ذرا سخت ہے ، کہ چار
تک اس میں مشق کی جاوے ۔ اس شرط کو میں پورا نہیں کر سکتا کیونکہ
شاید تین ساڑھے تین سال سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا ۔ دوسرے یہ کہ ہفتہ میں
مرتبہ قواعد وغیرہ سیکھنا ہوتے ہیں ۔ یہ بھی آسان ہے کیونکہ میں پریڈ سے
قریب رہتا ہوں ۔ اس میں قواعد اور نشانہ مارنے سکھائے جاتے ہیں ۔ آپ فرماویں
تو سہی کہ مجھے کیا سوجھی ہے جو فوج میں بھرتی ہونا چاہتا ہوں لیکن اصل
ہے کہ والنٹیر ہونے کی صورت میں مجھ کو ہندوستان میں اکثر مفید صورتوں
امید ہے ۔ اس صورت میں مجھ پر ہر ایک انگریز مہربان ہوگا اور میری عزت
ے گا اور میں اپنے حقوق ہر جگہ ثابت کر سکوں گا ۔ دوسرے جسمانی لحاظ سے
کو ورزش کی عادت ہو جاوے گی ، مضبوط ہو جاؤں گا جو مجھ جیسے ضعیف القویٰ
ص کے لیے ضروری ہے ۔ ہندوستان میں یہ موقعہ حاصل نہیں ہو سکتا اور والنٹیر
نے کی صورت میں بندوق کے لیے لائسنس کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اس کے ایسے تو
جانتے ہیں کہ ہتھیار کے لیے ہندوستان خصوصاً انگریزی علاقہ میں سخت قانون
۔ آپ اس کے لیے کیا رائے دیتے ہیں ۔ یہ بھی لحاظ رہے کہ ہندوستان میں اگر یہ
نعہ کہیں ہے تو وہ صرف رئیسوں کے لیے ہے جیسے کریڈٹ کورٹ میرٹ میں ،
ں کے ممبر دربار صاحب چودہ پور ہیں ۔ وہاں عام لوگوں کے لیے کوئی اس قسم
سلسلہ نہیں ہے ۔

اس ہفتہ میں ہمارے ہاں ایک موت ہو گئی ہے جس کے سبب سے مسز کلفٹن کو
ے انتہا صدمہ ہوا لیکن باقی لوگوں کو دل لگی کا فقرہ ہاتھ آیا ۔ مرنے والے کا نام
باگی'' تھا اور مسز کلفٹن اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارتی ہیں اور اب بھی جب
کبھی باگی کا نام اس کے منہ پر آ جاتا ہے تو ایک ٹھنڈی سانس ضرور لے لیتی ہیں ۔

اس کے انتقال پر انھوں نے تین روز تک ماتمی لباس پہنا اور گھنٹوں اس کی نعش
روئیں - مختصر یہ ہے کہ باگی صاحب اپنے انتقال پر ملال سے تین روز پیشتر
ہوئے اور ساتھ ہی غذا چھوڑ دی - مسز کلفٹن کو اس امر کا بڑا قلق ہوا - خاو
(مسٹر کلفٹن) نے صلاح دی کہ ڈاکٹر کو بلا کر مریض کو دکھا دو - لیکن
مسز کلفٹن کو چونکہ مریض سے بے انتہا محبت تھی اس لیے انھوں نے کہا کہ
میرے باگی کو خود ڈاکٹر کے ہاں لے کر جاؤں گی اس لیے باگی کو کپڑوں
لپیٹا گیا تاکہ سردی نہ لگے - پھر بچوں کی ہوا خوری کی گاڑی میں انھیں سوار
اور مسز کلفٹن گاڑی کو لے کر ڈاکٹر کے ہاں پہنچیں کیونکہ باگی کا منہ کپڑ
سے ڈھکا ہوا نہیں تھا اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں اگر یہ کہا جاوے کہ
کی صورت راہ گیروں نے دیکھی - اس پر بعض خوش طبع لوگوں نے فقرے کَ
شروع کیے - ایک نے کہا ، آہا کیا چاند سا بچہ بیٹھا ہے - دوسرے نے کہا ،
کی ماں کی گود ہری رہے - کسی نے کہا ، بھلا اس کی ماں کیسی ہوگی - دوسر
ے جواب دیا ، واہ واہ ، ماں تو ساتھ ہی ہے - پہلا بولا ، میں تو سمجھا تھا یہ
کوئی آیا ہوگی - دوسرے نے کہا ، کہیں آیا کی ایسی شکل ہوتی ہے - یہ کم سے
بیگم ہے بیگم اور اس کا بچہ شہزادہ ہے شہزادہ - دیکھو نا کیسی نورانی شکل
ہے - دوسرے نے بناوٹ کے لہجے میں کہا ، مگر ماں بیٹوں کی صورت میں زم
آسمان کا فرق ہے - پہلے نے جواب دیا ، واہ بھائی غور سے دیکھو ماں بیٹے کی شَ
بالکل ایک ہے - بال بھر کا فرق نہیں اور جو نہیں مانتے تو پوچھ دیکھو - (
مسز کلفٹن سے خطاب کرکے) کیوں بیگم یہ تمھارا ہی بچہ ہے نا ؟ میرے دو
کو یقین نہیں آتا - مسز کلفٹن نے جھلا کر منہ پھیر لیا اور دونوں فقرہ باز قہقہہ
کر چلتے بنے - بمشکل تمام مسز کلفٹن ڈاکٹر کے ہاں سے اپنے گھر تک پہنچیں - ب
مریض کی دوا وغیرہ میں مصروف ہو گئیں اور ساتھ ہی روتی جاتی تھیں - وہ
گذرا ، رات گذری مگر باگی کو صحت نہیں ہوئی اور مسز کلفٹن کو اس کی طرف
مایوسی ہوتی گئی اور ویسے ہی ان کا ماتم بڑھتا گیا - میں نے باگی سے خطاب کر
پوچھا ، باگی کیا حال ہے ؟ اس پر مسز کلفٹن نے بڑی مایوسی سے کہا ، اب ا
کہاں ہے باگی تو خدا کے ہاں گیا - مگر اس وقت تک باگی زندہ تھا - ہم لوگوں
باگی سے محبت کم تھی اس لیے ہم تو حسب معمول رات کو اپنے اپنے کمروں
چلے گئے لیکن مسز کلفٹن باگی کے پاس دو بجے تک بیٹھی رہیں - غریب مسٹر کل
بھی بیوی کی وجہ سے بیٹھے رہے جاگتے رہے - جھلائے تو بہت مگر بس کس
چلتا - کبھی کبھی کہہ اٹھتے تھے موڈ خدا کے لیے میری نیند حرام نہ کر
جب بیوی کے تیور بگڑتے دیکھتے تو پھر گربہٗ مسکین بن جاتے - دو بجے تک ا

رح سے میاں بیوی مریض کے پاس رہے بعد میں تھک کر اپنے اپنے کمروں میں
ے گئے - علی الصباح مسز کلفٹن مریض کے کمرے میں گئیں - دیکھا تو مر چکا تھا
ہرا گئیں اور جا کر خاوند کو جگایا - وہ بڑبڑاتے اٹھے - موڈ خدا کے لیے سونے
ے رات بھر جاگتا ' . . . . . .

(۱۲)

Bedgebury
Highlever Road
May 19th 05

س ۱۹ مئی سنہ ۱۹۰۵ء

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

میں بخیریت ہوں اور آنحضرت کی خیریت کا طالب - دو ہفتہ سے گھر کے خطوط
ہیں جناب کے دستخط نہیں دیکھتا - پہلے ہفتہ کی بابت پچھلے ہفتہ میں عرض کر
بکا ہوں - گذشتہ ہفتہ کے خط میں بھی آنحضرت کے دستخط نہیں ہیں - امید ہے کہ
ندہ کے لیے کم از کم ہر ایک خط میں آنحضرت کے دستخط ہوا کریں گے -

یہاں میں خرچ میں ہر طرح سے میانہ روی بلکہ کنجوسی کام میں لاتا ہوں -
ندن میں رہنے کی حالت میں جہاں تک میں خیال کرتا ہوں پندرہ چودہ پونڈ سے
کم کسی صورت میں خرچ نہیں ہو سکتا اور اب گرمیاں آ رہی ہیں لوگ جو سردی
ی وجہ سے سمندر کی طرف چلے گئے تھے واپس آ رہے ہیں - اس صورت میں مکانات
کے کرائے وغیرہ اشیاء اور بھی گراں ہو جاویں گی - یہاں گرمی ایک ایسا موسم
ہے جس میں یہ لوگ ہر طرح کی خوشیاں مناتے ہیں ، سیر و تفریح کرتے ہیں -

میں جس موجودہ مکان میں رہتا ہوں یہ کالج سے نو میل کے فاصلہ پر ہے اور
اس فاصلے کے طے کرنے کے لیے پہلے ایک میل تک مجھ کو گھوڑوں کی گاڑی میں
جانا پڑتا ہے جو ہر پانچ منٹ پر چلتی ہیں - وہاں سے ایک دخانی ریلوے میں سفر
کرنا ہوتا ہے اور تین میل اس طرح طے کرنا ہوتے ہیں - باقی پانچ میل کے لیے
رقی ریلوے میں کوئنز روڈ سے چانسری لین تک گیارہ اسٹیشن طے کرنا ہوتے ہیں
یعنی گھر سے کالج تک پہنچنے کے لیے ایک گھنٹہ کم از کم درکار ہے اور ٹرین
اگر ہاتھ نہ آئے تو ڈیڑھ گھنٹہ دو گھنٹہ صرف ہو گئے - لیکچروں کا وقت کچھ
ایسا عجیب ہے کہ کوئی باضابطہ نہیں ہو سکتا (کذا) - لیکچروں کی خاطر بعض

۱- اس دل چسپ خط میں خاتون خانہ مسز کلفٹن کے پسندیدہ کتے "باگی" کی موت
کا تذکرہ ہے - افسوس کہ اس خط کا آخری حصہ دستیاب نہ ہو سکا (مرتب) -

دفعہ دوپہر کا کھانا (لنچ) باہر کھانا ہوتا ہے - جس میں تین شلنگ کا خون ہو جاتا ہے - بعض وقت لیکچر پانچ سے چھ تک ہوا - تب ڈنر سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے - یا باہر کھاؤ یا بھوکے رہو - روزانہ گھر پر ڈنر (رات کا کھانا) دیر میں نہیں مل سکتا کیونکہ گھر پر ڈنر شام کے سات بجے ہوتا ہے - یہی صورت جلسوں کی ہے - یہاں تمام جلسے عموماً شام کو ہوا کرتے ہیں - اول تو مقام جلسہ تک پہنچنے میں ایک دو شلنگ خرچ ہوئے، پھر شام کا کھانا باہر کھانا پڑا - اکٹھے پانچ چھ شلنگ کا خون ہوا - اس لیے میں اکثر جلسوں میں کم جاتا ہوں اور یہ بھی برا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کارڈ بھیجیں، بلاویں، مقام نشست میرے لیے روک رکھیں اور میں نہ جاؤں - اس صورت میں مجھے یہ امید رکھنا چاہیے کہ آئندہ وہ مجھے نہیں بلاویں گے - اسی ہفتہ میں دو کارڈ آئے - ایک مسٹر عبدالقادر نے پین اسلامک سوسائٹی کے جلسے میں شریک ہونے کے لیے بھیجا - دوسرا مس میننگ[1] نے انڈین ایسوسی ایشن میں شریک ہونے کے لیے - پہلا جلسہ اٹھارہ مئی کو یعنی کل تھا - میں نہیں گیا - دوسرا جلسہ ۲۹ کو ہے اور شاید اس میں بھی نہ جاؤں -

موسم یہاں کا عجیب ہے - آج سردی ہے کل گرمی ہے - گھنٹوں میں موسم بدلتا ہے - مکانوں کے سامنے لنڈ منڈ درخت ہرے ہونے شروع ہو گئے ہیں اور ہر ایک گھر ایک چھوٹا سا باغ معلوم ہوتا ہے - ہمارے گھر میں بھی ایک چھوٹا سا باغ ہے جو کچھ بیلوں کچھ پھولوں اور کچھ بڑے درختوں کا مجموعہ ہے - میں نے ان تمام درختوں کے نام مسٹر کلفٹن سے پوچھ پوچھ کر یاد کیے ہیں لیکن یہ حال ہے کہ بھول بھول جاتا ہوں - مسٹر کلفٹن پوچھتے ہیں اور میں غلط نام بتا دیتا ہوں تو سب ہنس پڑتے ہیں - یہ میرا قصور نہیں ہے - ہر تلفظ ایسا مشکل ہے کہ ادا ہونا مشکل ہے - ایک درخت کا نام ہے ''رہوڈوڈین ڈران[2]''- اس پر کئی مرتبہ مذاق اڑ چکا ہے - کبھی میں نے کہہ دیا 'پوئٹ ڈیفوڈل[3]'- یہ ایک اور پودے کا نام ہے کبھی کہہ دیا 'بٹر کپ[4]' یہ ایک اور پھول کا نام ہے -

---

۱- مس میننگ انڈین ایسوسی ایشن کی آنریری سیکرٹری تھیں - ہندوستان اور یہاں کے باشندوں سے بڑی محبت کرتی تھیں - دس اگست سنہ ۱۹۰۵ء کو ۷۷ برس کی عمر میں انتقال کیا - شیخ عبدالقادر نے اس موقع پر ایک مضمون لکھا تھا جو ''مخزن'' کے دسمبر ۱۹۰۵ء کے شمارے میں چھپا - مس میننگ سے شیرانی صاحب کے والد کی بھی خط و کتابت تھی - (مرتب)

۲- Rhododendron

۳- Poet daffodil

۴- Butter cup

میری صحت اچھی حالت میں ہے - پانچ ڈنر اب تک کھا چکا ہوں - چھٹا ڈنر
ہے - میں ابھی تک کبھی کا کھا چکا ہوتا لیکن ارادہ ہے کہ گرانڈ ڈنر کے
کھاؤں - اس روز جو لوگ تمام امتحانات پاس کر چکے ہوتے ہیں انہیں
سٹر ایٹ لاء کا خطاب دیا جاتا ہے - آپس میں ملاقاتیں ہوتی ہیں - تصویریں
کھائی جاتی ہیں - پرانے ، کالج کے بڑے بڑے ، طالب علموں کے حالات سنائے
تے ہیں -

میری تعلیم جاری ہے - لیکچروں میں جاتا ہوں - جہاں تک ممکن ہوتا ہے
ت بے کار نہیں جانے دیتا - لوگوں کے ہاں آنا جانا سب موقوف - نہ مسٹر آرنلڈ
پاس گیا اور نہ مس میننگ کے پاس گیا -

یہاں آج کل کرکٹ بڑے زوروں پر ہے - سردی گزرنے پر انگریزوں نے اپنی
م وردی یعنی سیاہ لباس پہننا چھوڑنا شروع کر دیا ہے - اب عموماً رنگ برنگ
لباس نظر آتے ہیں -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار -

محمود

دو ٹکٹ جلسوں کے بھیجتا ہوں - ایک پین اسلامک سوسائٹی کا دوسرا نیشنل
ین ایسوسی ایشن کا -

(۱۳)

18 Sinclair Road
N. Kensirgton W

جون سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین دام برکاتکم

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ گذشتہ سہ شنبہ کو
کو مسعود کا خط ملا جو جناب کے حکم سے لکھا گیا تھا - چونکہ آنحضرت
حود اپنے قلم سے نہیں لکھا تھا اس لیے تشویش ہوئی لیکن ساتھ ہی آخر میں یہ
ھا تھا کہ ہم اس سے ناراض ہیں اس لیے اس ہفتہ اس کو کچھ نہیں لکھیں گے -[۱]

---

[۱] والد کی ناراضگی کا باعث یہ تھا کہ شیرانی صاحب لندن کے میلوں اور جلسوں وغیرہ میں زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے - اس کے بعد وہ محتاط ہوگئے - چنانچہ آئندہ خط میں جو ۳۰ جون کو لکھا گیا ہے فرماتے ہیں : "پہلے خطوط میں میں اکثر فضولیات لکھ دیا کرتا تھا لیکن آئندہ کے لیے میں اس قسم کی تحریرات سے تکلیف نہ دوں گا اور میرے تمام خط میرے ہی حالات اور خصوصاً تعلیم کے ذکر سے مملو ہوں گے"- (مرتب)

اعضرت کی یہ ناراضگی امید ہے کہ میرے دوسرے خط کے پہنچنے کے بعد رفع ہو جاوے گی اور اس ناراضگی کے جواب میں مجھ کو صرف اس وقت ایک شعر حافظ کا یاد ہے - وہ عرض کر کے دوسرے امور عرض کرتا ہوں :

جرم و خطائے بندہ چو گیرند اعتبار
معنی عفو و رحمت پروردگار چیست

میں اپنی تعلیم میں اصل یہ ہے کہ ہر وقت مصروف ہوں اور یہی وجوہ ہیں کہ میں نے ان دنوں لوگوں سے ملنا جلنا ، آنا جانا چھوڑ دیا ہے - میں واقف ہوں مجھ کو یہاں بہت کچھ کرنا ہے اور میرے گذشتہ دراز مرض نے میرا بہت وقت ضائع کیا ہے -اب مجھ کو اس سال تمام میں بہت کچھ کرنا ہے اور شروع کر دیا ہے - میرے تمام اوقات [میں] اپنی تعلیم میں صرف کرتا ہوں اور کتاب بینی تو میری عادت میں داخل ہوگئی ہے جیسا کہ آنحضرت کو بھی تجربہ ہوگا - میں بعض وقت اپنی تعلیم کی بابت لکھوں یا نہ لکھوں جناب اس سے مخدوش طبع نہ ہوں کیونکہ بار بار ہر خط میں ایک چیز کا ذکر کرنا دوبھر معلوم ہوتا ہے - آپ یہ باور رکھیں کہ میں یہاں جس مقصد کے لیے آیا ہوں اس کو ایک لحظہ کے لیے بھی نہیں بھول سکتا - آپ مجھ پر بھروسہ کریں - ڈنر میں نے تمام ختم کر لیے ہیں اور لیکچر ابھی تک ختم نہیں ہوئے - اس مہینہ کی آخری تاریخوں میں ختم ہو جاویں گے اور اس کے بعد دوسری ٹرم اور اس کے لیکچر شروع ہو جاویں گے - مجھ کو بلحاظ صحت کسی قسم کی شکایت نہیں - میں اچھی طرح تندرست ہوں - نیند اچھی طرح آتی ہے - اب روزمرہ کے حالات اور تمام حالات میں ہر ہفتہ نہیں لکھ سکتا - ہاں بعض وقت ایسا ہو جاوے گا کہ آپ میرے روزانہ حالات کا خاکہ میرے خطوط میں دیکھیں گے لیکن جب مجھ کو ذرا زیادہ فرصت ہوگی - شیخ صاحب عرصہ ہوا پیرس سے آ گئے اور میں ان سے نہیں مل سکا - وہ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اور میں اپنے کاموں میں - مسٹر جگناتھ ایڈنبرا میں ہیں - ان کے دو کارڈ میرے نام آئے ہیں - معمولی خیر و عافیت ہے -

میں نے گذشتہ سہ شنبہ کو مسٹر کلفٹن کا مکان چھوڑ دیا ہے - اب میں سنکلیر روڈ میں آ گیا ہوں - مسٹر سورج نرائن مسٹر کلفٹن کے ہاں ہی ہیں - میرا نیا مکان چند وجوہ سے مجھ کو پسند ہے - بیس قدم کے فاصلے پر اڈیسن روڈ کا اسٹیشن ہے جہاں سے لندن کے ہر سمت ریلیں جاتی ہیں - یہاں سے مجھ کو کالج پہنچنے میں آسانی رہے گی - دوسرے چونکہ یہ مکان فیملی نہیں ہے اس لیے تمام وقت میرا ہے - کھانے میں کوئی پابندی نہیں ، چاہے جب کھاؤں اور نہ میرا اتنا خرچ ہوگا - میں اپنے وقت کا مالک ہوں - وہاں یعنی مسٹر کلفٹن کے ہاں نو بجے

ہم کو صبح کا کھانا ملتا تھا - یہاں میں نے آٹھ بجے وقت مقرر کر لیا ہے - ساڑھے
و بجے کی ٹرین سے کالج پونے گیارہ بجے پہنچ جاتا ہوں اور گیارہ بجے لیکچر شروع
ہو جاتے ہیں - کھانے کا یہ انتظام ہے کہ مرادوگا (لینڈ لیڈی) پکا دیا کرے گی
اور دام میرے ہوں گے - پکائی کا کچھ نہیں لے گی - مکان کا کرایہ دو پونڈ ہفتہ وار
ہے جس میں گیس وغیرہ چیزیں شامل ہیں - ہفتہ وار کھانے کا [خرچ] صرف ڈیڑھ
اور دو پونڈ کے درمیان میں ہو [گا] - خیال تو یہ ہے کہ ڈیڑھ پونڈ سے بھی کم ہو -
خرچ کے لحاظ سے مجھ کو مسٹر کلفٹن کے ہاں کفایت تھی لیکن وہاں یہ تھا کہ
چاہے میں کھانا گھر میں کھاؤں یا نہیں وہ پوری قیمت لے لیا کرتے تھے اور یہاں
یہ ہے کہ میں کہیں کھاؤں کوئی نقصان نہیں اور جاہے جب کھاؤں اس لیے
میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ بریک فاسٹ کھا کر یہاں سے نکلا - صبح کے وقت
باہر چائے روٹی اور مکھن کھایا اور ہر شام کو سات بجے یہاں آ کر ڈنر (رات کا
کھانا) کھا لیا -

آج دو لیکچر ہیں - پہلا ایک سے شروع ہو کر دوپہر ختم ہوگا - دوسرا تین سے
شروع ہو کر پانچ بجے ختم ہوگا - مکان میں پونے گیارہ بجے چھوڑ دوں گا - اس اسٹیشن
سے ہر دس منٹ پر ریل روانہ ہوتے ہیں - ایک بجے کا لیکچر سنوں گا - دو بجے چائے
پی کر لائبریری میں چلا جاؤں گا - تین بجے پھر لیکچر میں شامل ہو جاؤں گا -
پانچ بجے سوا پانچ بجے کی ٹرین لوں گا اور یہاں سات سے پہلے پہنچ جاؤں گا - بعد میں
کپڑے اتار کر اپنی پڑھائی میں مشغول ہو جاؤں گا -

آج کل ہمارے ہاں (میری مراد لندن سے ہے) شاہ اسپین (ہسپانیہ) مہمان ہیں -
پرسوں ان کا جلوس نکلا تھا - تمام شہر دیکھنے کے لیے نکلا لیکن میں نہیں گیا -
پھر اسی رات کو وہ معہ شاہ ایڈورڈ تھیٹر دیکھنے گئے - خلقت ان کے دیکھنے کی
اس قدر مشتاق تھی کہ ساٹھ ساٹھ پونڈ کا ایک ٹکٹ خرید کر ان کے دیکھنے کو
لوگ تماشہ میں گئے - اس سے آپ انگریزوں کی آسودگی اور مال داری کا اندازہ کر
سکتے ہیں - ساٹھ پونڈ ایک ناٹک کے ٹکٹ کی شرح جو ہمارے ہاں کے نو سو روپے
کے برابر ہیں - باقی حالات بدستور ہیں -

میں ان دنوں ذرا افسردہ ہوں کیونکہ مسٹر کلفٹن کے ہاں میں اور سورج نرائن
ساتھ تھے - یہاں اکیلا ہوں اور اجنبی بھی - گھر میں ایک اور انگریز مہمان ہے
جس سے میں ابھی تک نہیں ملا - آج کل یہاں ایک ہفتہ سے برابر رات دن بلاتوقف
مینہہ برس رہا ہے جس سے سردی پھر چمک گئی ہے - یہاں صبح ساڑھے تین بجے
سے پیشتر ہو جاتی ہے اور نو بجے رات کے شام ہوتی ہے یعنی رات قریباً کچھ کم

سات گھنٹے کی اور دن قریباً سترہ گھنٹہ کا ۔ اور کوئی نئی بات قابل تحریر نہیں ۔
بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب ۔

عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔ کہو مشہود خاں اس وقت آپ کس پر ناراض ہیں جو تیوریوں پر بل ہیں ۔ کہیے بابو[1] دادا بھی کبھی یاد آتا ہے یا بھول گئے ۔ کہو اب بھی تمہیں کوئی بائیسکل پر سیر کرانے لے جاتا ہے یا نہیں ۔ فقط

محمود
از لندن

(۱۴)

لندن ۔ کینزنگٹن
۳۰ جون

قبلہ صوری و کعبہ معنوی دام ظلہ العالی

گذشتہ ہفتہ نوازش نامہ عالی موصول ہوا ۔ گرم و سرد الفاظ و نصائح جو کچھ مرقوم ہیں وہ میری بہتری کے لیے ہیں ۔ میں اب سے اسی طرح چل رہا ہوں اور چلوں گا ۔ میرا ہر ایک وقت لندن کا قیمتی ہے اور اس کی قیمت میں جانتا ہوں ۔ پہلے خطوط میں میں اکثر فضولیات لکھ دیا کرتا تھا لیکن آئندہ کے لیے میں اس قسم کی تحریرات سے تکلیف نہ دوں گا اور میرے تمام خطوط میرے ہی حالات اور خصوصاً تعلیم کے ذکر سے مملو ہوں گے ۔ جناب کے خط میں چونکہ اس دفعہ کوئی جواب طلب امر نہیں ہے اس لیے میں گذشتہ دو شنبہ سے شروع کرتا ہوں ۔ اس روز میں سات بجے اٹھا ۔ بریک فاسٹ کیا ۔ اس روز لیکچر چونکہ بارہ بجے تھا اس لیے مجھ کو وقت تھا کہ دو ایک خطوط کا جواب دوں ۔ ایک خط مسز میننگ کا تھا جس میں مجھ کو انہوں نے اپنے جلسہ میں مدعو کیا تھا ۔ مختصر طور پر اس خط کا جواب (اور اپنی غیر حاضری کے وجوہ جلسہ سے) لکھ کر بھیج دیا ۔ دوسرا خط شیخ عبدالقادر کا تھا اس میں کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف ایک کتاب کے لیے لکھا تھا جس کا جواب نفی میں دے دیا ۔ تیسرا خط سید علی بلگرامی کا تھا ۔ جس میں انہوں نے علی گڑھ کالج کے سالانہ ڈنر میں مجھ کو مدعو کیا تھا ۔ اس کا جواب بھی نفی میں دے دیا کیونکہ ایک پونڈ یعنی پندرہ روپے چندہ تھا ۔ خیر خطوط سے فراغت ہوئی ۔ کتاب سے اور کچھ مجھ کو نقل کرنا تھا ۔ خلاصہ کے طور پر وہ نقل کیا ۔ کپڑے پہنے ، کاپیاں لیں اور سیدھا ایڈیسن روڈ[2] اسٹیشن گیا ۔

۱۔ شیرانی صاحب کو ان کے سب چھوٹے بھائی 'بابو دادا' کہا کرتے تھے ۔ (مرتب)

۲۔ Eddison Road

یسن روڈ اسٹیشن پندرہ منٹ کے فاصلے پر ہے - اس وقت پونے گیارہ تھے۔
سوار ہوا اور شیپرڈ[1] بش اسٹیشن جا اترا - یہاں سے پانچ منٹ کے فاصلے پر
ن ہے یعنی برق زمین دوز ریلوے - اس ریل میں پہنچا اور بارہ بجنے میں
ے جب چانسری لین[2] جا اترا - چانسری لین سے پانچ منٹ کے فاصلے پر
،- الغرض میں تین چار منٹ پہلے بارہ سے وہاں پہنچا - طالب علم ابھی تک
ے تھے - میں بھی ان میں جا ملا - اتنے میں بارہ بجے اور اوپر لیکچر روم
ھلا - تمام لڑکے لیکچر روم میں داخل ہوئے اور ایک منٹ میں انھوں نے
ع کیا - آج لیکچر ''رومیوں کی قوم میں مالک خانہ کے حقوق اس کی
ن مضمون پر تھا - کیونکہ یہ باب میرا پڑھا ہوا تھا اس لیے لیکچر کے
، کچھ بھی مشکل نہیں ہوئی - کیونکہ ہمارے پروفیسر صاحب کی نسبت
کو یہ شکایت ہے کہ وہ اپنے لیکچر میں لاطینی اصطلاحیں زیادہ استعمال
. اس مضمون کا خلاصہ اگر غیر ضروری نہ ہو تو میں کچھ اس کی نسبت
ر دوں -

، کی شروع تہذیب میں مالک خانہ کے حقوق اس کے افراد ذکور و
اہانہ تھے یعنی موت و زیست کے اختیار حاصل تھے - وہ ان کو بیع کر
- اس کی حین حیات اس کی اولاد کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں تھے یعنی
اپنے زور بازو سے جائیداد حاصل کرے لیکن وہ تمام باپ کی ملک تھی -
ہیز ، املاک و جائیداد کا وہ مالک تھا اور برضامندی اس کو اپنی
بچوں کو بیع کرنے کا حق حاصل تھا - بیٹے کو باپ قتل کر دے
ہیں لیکن باپ کے قاتل کی سزا نہایت سخت تھی - اس کو ایک بوری
بندر ایک سانپ اور ایک مرغی کے ساتھ بند کرکے دریا میں ڈوبا دیا
ولاد خواہ بالغ کیوں نہ ہو باپ کی مرضی بغیر شادی نہیں کر سکتی
گر کی تو یہ شادی معیوب اور ناجائز تھی - باپ کے خلاف جائز یا ناجائز
، نہیں سنتی تھی اور یہی حال شوہر کے مقابلے میں عورت کا تھا - شہنشاہ
ے ان قوانین میں نرمی کی اور اس اولاد کو جو چند سال شاہی فوج میں
چکی ہو حقوق مالکانہ عطا کر دئیے - بیٹے کے قاتل کے لیے وہی سزا
جو باپ کے قاتل کے لیے لیکن سزا کی سنگینی بحال رہی - اب پروفیسر
رومی قانون کا انگریزی پیٹریا پوٹیسٹا[3] یعنی انگریزی حقوق رشتہ داری
یا - انگریزی قانون کی رو سے باپ کو اولاد پر یا عورت پر کوئی سخت

Shepher[d] [1-]
Chancery Lane -۲
Patria P[otestas] -۳ (لاطینی) یعنی رومن باپ کے اپنی اولاد پر حقوق - (مرتب)

حق حاصل نہیں ۔ اولاد کو حقوق مالکانہ حاصل ہیں ۔ خیالات میں آزادی اور ان کی ترویج کا حق ، مالک خانہ کے مقابلے میں شادی کا حق حاصل ہے ۔ بیٹے کے گناہ کا باپ جواب دہ نہیں ۔ رومیوں میں قاعدہ تھا کہ اولاد کے فعل کا جواب دہ عدالت میں مالک خانہ ہوتا تھا ۔ انگریز اولاد کے جرم میں باپ کو اور باپ کے جرم میں اولاد کو ماخوذ نہیں کرتے ۔ رومیوں میں سزائیں قسم قسم کے بے رحمانہ عذاب تھے لیکن انگریز ہر ایک قسم کے قتل میں پھانسی ہی دیتے ہیں ۔ الغرض لیکچر بہت لمبا تھا لیکن میں نے اس کا خلاصہ کر دیا ہے جس طرح کسی نے قصہ یوسف زلیخا کا خلاصہ کیا تھا کہ پیرے بود پورے داشت ، گم کرد بازیافت ۔ لیکچر دو بجے ختم ہوا ۔ میں نے قریب کے ریسٹوران میں جا کر کھانا کھایا ۔

یہ کالج کا کتب خانہ ہے اور یہاں قانون کے متعلق ہر قسم کی کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں ۔ خیر قریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں یہاں کتاب بینی میں مصروف رہا اور چار بجے اوپر ہم سب لوگ لیکچر روم میں داخل ہوئے ۔ اب کے لیکچرار صاحب نے قانون بیع و شراکت ، معاہدہ و ٹھیکہ پر لیکچر دیا ۔ پانچ بجے لیکچر ختم ہوا اور ہم نے اپنے اپنے گھروں کا راستہ لیا ۔ سوا چھ بجے کے بعد میں گھر پہنچا ۔ منہ ہاتھ دھویا اور سات بجے سے پیشتر کھانے کے کمرے میں داخل ہوا ۔ یہاں میرے سوائے چند آدمی اور تھے ۔ ہم سب نے مل کر کھانا کھایا ۔ یہ بھی عرض کرنا بھول گیا ہوں کہ میں نے گذشتہ اتوار کو مکان بدل لیا ہے ۔ اس مکان میں میں نیا ہوں اس لیے ان لوگوں کے حالات سے واقف نہیں ہوں ۔ لیکن یہ سب لوگ خانہ بدوش اور کرایہ دار ہیں ۔ سب کے قبضہ میں ایک ایک کمرہ ہے ۔ بریک فاسٹ اور ڈنر ہم گھر پر کھاتے ہیں ، لنچ شہر میں ۔ یہاں مجھ کو ہفتہ میں کرایہ مکان خوراک وغیرہ کے تین پونڈ دینا ہوتے ہیں باقی روشنی اور دھوبی کا خرچ ہے ۔ یہ میرے ذمہ ہے کیونکہ اس کمرہ میں گیس کی روشنی ہے ۔ یہ کمرہ پانچویں منزل پر ہے بلکہ باورچی خانے کے سمیت چھٹی منزل پر اور اسی لیے یہ کچھ ارزاں ہے کیونکہ دوسری اور تیسری منزل کے کمرے گراں ہوتے ہیں ۔

الغرض آٹھ بجے کھانا ختم ہوا ۔ کھانے پر جو باتیں ہوئیں وہ میرے مذاق کی نہیں تھیں ۔ یہ لوگ اپنے اپنے شغل کی گفتگو کر رہے تھے ۔ اس لیے میں نے گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا ۔ مالک خانہ نے مجھ کو ان لوگوں سے پہلے دن ملا دیا تھا لیکن مجھ کو ان کے نام یاد نہیں رہے ۔ الغرض میں اپنے کمرہ میں کھانے کے بعد چلا گیا ۔ کپڑے بدلے ۔ پہلے آج کے لیکچروں کا خلاصہ لکھنا تھا جو آج دن کو ہمارے پروفیسر صاحب نے دئیے تھے ۔ وہ خلاصہ اس قدر لمبا تھا جس نے تین گھنٹہ لیے ۔ بعد میں کچھ کتاب پر نوٹ لکھے جن پر کل لیکچر ہوگا ۔ قریباً بارہ تھے کہ

گیا - اٹھا تو سات بج چکے تھے - دروازہ کے باہر سے گرم پانی لیا - منہ ہاتھ دھویا
پڑے پہنے ، آج یعنی منگل کو لیکچر گیارہ بجے شروع ہونے والا تھا - اس لیے میں
اپنا کھانا کھایا اور ساڑھے نو بجے گھر سے چل دیا - پونے گیارہ بجے کالج پہنچا -
ریری میں گیا - وہاں اپنی چیزیں کوٹ اور غیر ضروری کتابیں رکھیں - گیارہ
لیکچر روم میں گیا ، آج وہاں فوجداری کے متعلق لیکچر تھا - دوسرے گھنٹہ میں
م اور اس کی تعزیرات جو کچھ رومیوں کے ہاں بیان ہیں اس پر لیکچر تھا - ایک
لے کر تین تک چھٹی تھی - لائبریری میں گیا - لیکچرار صاحب کے لیکچر کی
ں کو بغور دیکھا - اس کا کتاب سے مقابلہ کیا - ریسٹورنٹ میں جا کر کھانا
ایا - تین بجے پھر لیکچر شروع ہوا - اس میں شامل ہوا - وہاں یعنی لیکچر کے
ت زیادہ تر سننے اور قلم سے ہم لوگ کام لیتے ہیں یعنی جو کچھ لیکچرار کی زبان سے
لا اس کو لکھ لیا - بعد میں گھر آ کر اس کی نقل کر لی کیونکہ لیکچروں میں
لوگ پنسل سے کام لیتے ہیں - محنت تو دو دفعہ ہوتی ہے لیکن مضمون خوب ذہن
ں ہو جاتا ہے - خیر چار بجے لیکچر ختم ہوا[1] ۔۔۔۔۔۔

(۱۵)

بقیہ اسما‌ء مہمانان[2]

تھیوڈور[3] موریسن ، سابق پرنسپل علی گڑھ کالج ، پروفیسر جی - ڈبلیو - نبل و
ں - ایچ - ٹول سکور ، ڈاکٹر پالنز سی - آئی ای ، ایل ایل - ڈی ،کرنل ڈنلاپ سمتھ
ں - آئی - ای ستانوے کی قحط سالی میں یہ صاحب راجپوتانہ میں کمشنر قحط تھے۔

---

۱ یہ خط ناقص الآخر ہے (مرتب)

۲ اس ناقص الاول خط میں علی گڑھ کالج کے سالانہ ڈنر اور اس موقع پر لیے گئے فوٹو کا تذکرہ ہے - یہ غالباً ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء سے تعلق رکھتا ہے (مرتب) -

۳ تھیوڈور ماریسن دس سال تک علی گڑھ کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد ۹ ۲-۱ کتوبر ۱۸۹۹ء کو کالج کے پرنسپل ہو گئے تھے اور یکم مارچ ۱۹۰۵ء تک اس عہدے پر فائز رہے - ان کا زمانہ علی گڑھ کالج کا سنہرا دور کہلاتا ہے (مرتب)

ٹونک میں بھی اسی تعلق کی وجہ سے آئے تھے - سر عبیداللہ خاں[1] مرحوم سے اچھی طرح واقف ہیں ، فرانسس ایچ اسکوائر ، سی - ڈبلیو ، وہش[2] اسکوائر - اے - ایں وولسٹن اسکوائر سی - آئی - اے -

فوٹو گراف میں تمام مندرجہ بالا مہمان اور ممبر شامل ہیں - تصویر کے وسط میں جو صاحب کھڑے ہیں یہ لارڈ رے ہیں جو صدر نشین ہیں - ان کے بائیں ہاتھ کی طرف میجر سید حسن بلگرامی ہیں جو اس ایسوسی ایشن کے آنریری سیکرٹیری ہیں - لارڈ رے کے سیدھے ہاتھ کی طرف جو صاحب بیٹھے ہیں اور جن کی سفید مونچھیں اوروں کی مونچھوں سے امتیاز رکھتی ہیں یہ صاحب کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور مشہور سید امیر علی ہیں - سید امیر علی کے دست راست پر جو صاحب عینک میں نظر آتے ہیں سرکاؤس جی جہانگیر[3] بیرسٹرایٹ لا ہیں اور ان کے دست راست پر جو صاحب فربہ اندام ترکی ٹوپی میں نظر آتے ہیں شمس العلما سید علی بلگرامی صاحب تمدن عرب ہیں - ان کی ترکی ٹوپی تمام حاضرین میں ان کو ممیز کر رہی ہے اور ان کے لباس میں بھی فرق ہے - ان کا کوٹ انگریزی ڈریس سوٹ سے مختلف ہے - سید علی بلگرامی کے دست راست پر کوئی انگریز صاحب ہیں اور ان صاحب کے دست راست پر پنجاب کے مشہور مقرر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر ''مخزن'' و ''آبزرور''

۱- نواب عبیداللہ خان (خلف نواب وزیر الدولہ) نبیرہ نواب امیر خان بانی ریاست ٹونک کے سربر آوردہ افراد میں سے تھے- نواب ابراہیم علی خان جب سنہ ۱۸۶۷ء میں مسند نشین ہوئے تو ریاست کا انتظام تین سال تک ایک ریجنسی کونسل کے سپرد رہا جس کے صدر نشین نواب عبیداللہ خاں موصوف تھے - بڑے روشن خیال تھے - ۱ اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا - (مرتب)

۲- (آئی - سی - ایس) صوبجات متحدہ کے بڑے نیک نام افسر تھے ریٹائر ہونے کے بعد انگلستان چلے گئے - اردو زبان کے مطالعے کے شائق تھے - ان کا ایک مضمون ''زبان اردو'' کے عنوان سے ''مخزن'' (فروری ۱۹۰۵ء) میں چھپا تھا (مرتب)

۳- بمبئی کی سربرآوردہ شخصیت تھے - ۸ جون ۱۸۵۳ء کو پیدا ہوئے- سنہ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۱ء تک بمبئی کارپوریشن کے رکن رہے - بمبئی امپروومنٹ ٹرسٹ اور کئی دوسری کمپنیوں اور کونسلوں کے ممبر تھے - سنہ ۱۹۳۰ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر ہو گئے - تینوں گول میزکانفرنسوں میں بطور نمائندہ شریک ہوئے - ۲۶ - جولائی ۱۹۳۴ء کو اکیاسی برس کی عمر میں فوت ہوئے (مرتب) -

ہیں۔ آپ ان کو انگریزی ڈریس سوٹ میں دیکھ کر تعجب کریں گے لیکن ہر
میرے و ہر رسمے کو یاد کیجیے۔ یہاں کے ڈنر کے لباس کی یہ قطع ہے جس میں
۔۔ حاضرین جلسہ نظر آ رہے ہیں۔ میری تلاش میں تو آں حضرت کو کوئی مشکل
ہیں ہوگی کیونکہ اتنے بڑے جلسے میں بھی میں نے اپنی ہندوستانیت کو جانے نہیں
۔۔ جس کے سر پر پگڑی دیکھیں سمجھ لیں کہ میں ہوں۔ دوسرے میں نے
انگریزی تقلید کو بھی ضروری نہیں سمجھا جس طرح اور ہندوستانی صاحبان نے کیا
ہے۔ مجھ کو انگریزی فراک کوٹ پسند ہے۔ وہی فراک کوٹ یہاں پہنے ہوئے ہوں
اور سر پر پگڑی باندھ لی ہے اتنے بڑے جلسہ میں ایک میں اور ایک سید علی بلگرامی
ہیں جو لباس میں اوروں سے مختلف ہیں۔ وہ اپنے حیدر آبادی اچکن کی وضع کے کوٹ
میں ہیں جو انھی کی ایجاد ہے اور ہمیشہ اسی کوٹ میں نظر آتے ہیں۔ میرے سر پر
جو ایک چھوٹا سا چہرہ نظر آتا ہے یہ صاحب علی گڑھ کے آئندہ پرنسپل ڈبلیو۔ اے
جے۔ آرچ' بولڈ ہیں۔ یہ عین میرے پس پشت بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے برابر دست راست
مسٹر ڈنلاپ سمتھ کمشنر پٹیالہ ہیں جو رخصت پر ولایت آئے ہوئے ہیں اور پھر
ہندوستان جانے والے ہیں۔ ڈنر میں ہماری نشست اس طرح ہے کہ ایک ہندوستانی،
اس کے برابر انگریز، پھر ہندوستانی پھر انگریز۔ میرے برابر مسٹر ڈنلاپ سمتھ تھے
اور میرے مقابل میز پر ڈاکٹر پالنر سی۔ آئی۔ ای، ایل۔ ایل۔ ڈی ہیں۔ ڈاکٹر پالنر
سے میری خوب خوب باتیں ہوئیں۔ یہ فارسی بھی جانتے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کہاں
سے آئے ہو۔ میں نے کہا راجپوتانہ سے۔ بولے فارسی جانتے ہو۔ میں نے کہا، ہاں۔
پھر ہم فارسی میں بولنے لگے۔ بعد میں بولے گجراتی جانتے ہو۔ میں نے کہا، سمجھ
سکتا ہوں۔ گجراتی میں بولنے لگے اور میں انگریزی میں جواب دیتا رہا۔ پھر بولے
پنجابی جانتے ہو۔ میں نے کہا، ہاں۔ ہم پنجابی میں بولنے لگے۔ پھر اردو کی نوبت
آئی اور پھر پشتو کی، پھر بنگالی کی، پھر مرہٹی کی اور میں نفی میں جواب دیتا رہا۔
مسٹر ڈنلاپ بولے کہ میں اٹھائیس سال ہندوستان میں رہا ہوں اور افسوس ہے کہ
مجھے ہندوستانی بولنا نہیں آتی۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں حیرت کرتا ہوں کہ
اٹھائیس سال تم جس ملک میں رہے اس ملک کی زبان بھی تم کو نہیں آئی۔ بولے صرف
دو جملے مجھ کو آتے ہیں۔ میں نے کہا، وہ کیا۔ بولے، چھ مہینا کا کیڈ (چھ مہینہ
کا قید) یعنی چھ ماہ قید (سزا کا آخری حکم) اور ہم افسوس کرتا ہے (ہم افسوس
کرتے ہے) بجائے میں افسوس کرتا ہوں۔ انگریزی میں کسی فعل کے نفی میں جواب
دینے کے وقت متکلم اخلاقاً تمہیداً یہ جملہ کہتا ہے کہ میں افسوس کرتا ہوں کہ

٭ یہ صاحب ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے ۳۱۔ اکتوبر ۱۹۰۹ء تک علی گڑھ کالج
کے پرنسپل رہے (مرتب)

یہ کام میں نہیں کر سکتا ۔ میں نے مسکرا کر کہا کہ اگر آپ کی اس اردو زبان دانی سے کوئی شخص آپ کی اخلاقی حالت کا موازنہ کرنا چاہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ خدا جانے کس قدر مذموم نتیجہ نکلے ۔ آپ کا پہلا کلمہ ہے کہ میں افسوس کرتا ہوں ، اس کے بعد ضرور ہے کہ آپ نے نفی میں جواب دیا ہو اور دوسرا جملہ ہے چھ مہینے کا قید یعنی اس پر بھی باز نہیں آئے تو آپ نے چھ مہینے کا حکم دیا ۔ مسٹر ڈنلاپ ہنس پڑے اور بولے ''یو وکڈ بوائے'' تم شریر النفس لڑکے یعنی نالائق آدمی ۔ یہ ایک مذاق کا کلمہ ہے جو مخاطب اپنی خوشی کے اظہار پر متکلم کو کہتا ہے ۔ ڈاکٹر پالنر نے مسٹر ڈنلاپ سے کہا ، میں خیال کرتا ہوں کہ تم نے اپنے اٹھائیس سال صرف لوگوں کو چھ مہینہ قید بھیجنے میں صرف کیے ۔ میں نے کہا میں امید کرتا ہوں کہ اپنے باقی ایام ہندوستان میں یہ اپنے کو کارآمد ثابت کریں گے ۔ تب مسٹر ڈنلاپ بولے ، ہمیں مجھے اور بھی کئی جملے آتے ہیں مثلاً 'سلام صاحب' ''ہم صاحب ہوا خوری کو جاوے گا'' ۔

میں خیال کرتا ہوں کہ میں اس جلسہ کے متعلق کافی لکھ چکا ہوں اس لیے عریضہ کو ختم کرتا ہوں ۔

راقم

اے صبا گر بجوانان چمن باز رسی　　خدمت ما برسان سرو و گل و ریحاں را

محمود شیرانی منشی فاضل

(۱۶)

Suffolk House
Brunswick Sq
Herne Bay

ہرن بے ۔ اگست ۳ سنہ ۱۹۰۵ ۔ یوم پنج شنبہ

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ فی الجملہ حیرت سے ہوں ۔ نوازش نامہ عالی مورخہ ۱۱۔ جولائی عہ کو کل دو اگست یوم چہار شنبہ کو موصول ہوا جس کے پڑھنے سے مجھ کو بے انتہا خوشی ہوئی ۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو میری تحریر پر یقین آنے لگا ۔ یہ ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے کہ میں نے جو آپ کو اتنے صرف زر کثیر کے نیچے ڈالا ہے صرف تعلیم اور اپنے اور اپنے خاندان کی بہبودی کی خاطر ۔ اس امر سے میں کسی وقت بے خبر نہیں ہوں ۔ خدا وہ دن

:ہ میں آپ کے سامنے سرخ رو ہوں اور جو وعدہ کیا ہے اس کو
ؤں ۔ لالہ سورج نرائن صاحب اور میں ایک ہی کالج میں ہیں لیکن
ں میں ۔ میں اور وہ پہلے ایک ہی درجہ میں تھے یعنی وہ بھی
س میں تھے اور میں بھی ۔ لیکن جون میں وہ رومن لاء امتحان میں
فیل ہو گئے اس لیے اب وہ کریمنل لاء یعنی قانون فوج داری کی
چر سنتے ہیں اور میں رومن لاء میں ۔ سورج صاحب کا رومن لاء طیار
گئے تو کچھ مضائقہ نہیں ۔ آئندہ وہ رومن لاء اور فوج داری کے
ے ساتھ شریک ہو جائیں گے ۔ سورج صاحب رومن لاء میں کیوں فیل
لیے کہ ان کی لیاقت میں کمی تھی ۔ نہیں ان کی انگریزی لیاقت بہت
ان کے فیل ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انہوں نے لاطینی اصطلاحوں
ؔیا اور یہی وجہ شیخ عبدالقادر صاحب کے فیل ہونے کی ہے ۔ انہوں
ں اصطلاحوں کو سرسری خیال کیا اور پرچہ امتحان کا تمام لاطینی
پر تھا ۔ نتیجہ یہ کہ دونوں صاحب فیل ہوگئے۔ شیخ صاحب کو لندن
یسرا سال شروع ہونے والا ہے ۔ انگریزی دانی کے لیے عام معلومات کا
ہے جو وقت پر منحصر ہے ۔ لیکن قانون کے لیے قانونی اصطلاحات ،
ۂریحات کا جاننا ضروری ہے ۔ سو انگریزی دانی میں یہ دونوں صاحب
ہوئے ہیں لیکن قانون میں شاید ہم سب برابر ہوں ۔ بیماری نے میرا یہ
یں اگر بیمار نہ ہوتا تو شاید شیخ صاحب اور سورج صاحب کے ہمراہ
جاتا لیکن بیماری کی وجہ سے میں شریک نہ ہو سکا اور جو کچھ تیاری
ر میں نے کی تھی، سب رائیگاں گئی ۔ اب تمام از سر نو شروع کرنا پڑا ۔
یری طرف سے کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ میں انٹرنس پاس ہوں تو کیا
ـھی تین سالوں میں انہی لوگوں کے برابر کر دکھاؤں گا اور اپنی
ماسی کو بھی پورا کر لوں گا ۔ والنٹیری کا خیال میں نے چھوڑ دیا
میسن کا معاملہ جس کو میں ضروری خیال کرتا ہوں لیکن آپ کی شرط
ہے ۔ اس صورت میں شاید میں اس میں داخل نہ ہو سکوں ۔ میرے
ق میں نہیں سمجھتا کیا لکھوں ۔ زخم کے مقام پر کبھی خارش رہتی
ں کے اندر درد رہتا ہے ۔ شاید یہ مرض ہمیشہ کے لیے رہے ۔ لیکن
ہش ہے کہ میں ولایت میں آئندہ بیمار نہ ہوؤں ۔ بلا سے جو کچھ ہو
ہو ۔ نہ میں خارش کی پروا کرتا ہوں اور نہ درد کی ۔ جہاں ذرا سا
ں گیا ، درد شروع ہو گیا ۔ خدا جانے کانوں کے پردے ضعیف ہو گئے
ان خفیف امور کی میں پرواہ نہیں کرتا ۔ زخموں کے مقام پر قوت

محسوسہ نے ابھی تک عود نہیں کیا ہے ۔ ہمارے کالج کے قریباً آٹھ لیکچرار ہیں ا،ر یہ لیکچرار میعادی ہیں ۔ بعض تین سال کے لیے ، بعض پانچ سال کے لیے اور بعض صرف ایک سال کے لیے ۔ وہ لوگ لیکچرار مقرر ہوتے ہیں جن کو قانونی اعمر مقرر کرتی ہے ۔ ان کی تقرری کی شرائط سے میں لاعلم ہوں لیکن یہ ان کی قانونی خدمات پر منحصر ہے اور قانونی قابلیت پر ۔ ان کی تنخواہیں بلکہ وظیفہ بھی مختلف ہے ۔ بعض کے سالانہ پانسو پونڈ ، سات سو پونڈ ، آٹھ سو پونڈ ہیں ۔ میعاد کے ختم ہونے پر ان کی بجائے نئے لیکچرار آ جاتے ہیں ۔ ہمارے تمام لیکچرار بیرسٹرایٹ لا ہیں ۔ بعض ان میں سے جج ہیں ، چیف جسٹس ہیں اور بعض ممبر آف ہاؤس آف کامنز اور بعض ممبر ہاؤس آف لارڈز ۔

میں نے گذشتہ جمعہ کو فاکسٹن کو الواع کہا ۔ اب میں یہاں ہرن بے میں ہوں ۔ سینچر کی شب کو میں یہاں پہنچا ۔ سنیچر کے دن مسٹر گاتھرے آ گئے ہم دونوں نے شرکت میں ایک کمرہ لے لیا ہے جس میں کفایت ہے ۔ پانچ پونڈ ہفتہ وار میں کھانا ، کمرہ ، روشنی ، غسل خانہ وغیرہ تمام چیزیں شامل ہیں جس میں ڈھائی پونڈ مجھ کو دینا ہوتے ہیں اور ڈھائی پونڈ مسٹر گاتھرے کو ۔ سنیچر کو مہینہ برس رہا تھا اس لیے ہم لوگ باہر نہیں گئے ۔ اتوار کو انگریزوں کے گرجا کا دن تھا ۔ میں بھی مسٹر گاتھرے کے ہمراہ گرجا گیا ۔ پھر کو ہم لوگ باہر کنٹری میں پھرنے گئے ۔ تمام ولایت سرسبز اور شاداب ہے ۔ سبزہ جو ہم ہندوستان میں صرف برسات میں دیکھتے ہیں یہاں بارہ مہینہ ہے لیکن لندن میں وہ لطف نہیں ہے جو اس کنٹری کی سیر میں آتا ہے ۔ تمام صحرا ایک باغ معلوم ہوتا ہے ۔ خود رو جنگل افراط سے ہیں اور ہمارے جنگلوں کی طرح یہاں کوئی جگہ نہیں بلکہ یہاں کا جنگل ہمارے باغات کے مطابق ہے ۔ منگل کو ہم کشتی میں سوار ہو کر سمندر میں گئے ۔ مسٹر گاتھرے اچھے خاصے ملاح ہیں ۔ دو شلنگ میں ہم نے کشتی لی ۔ مسٹر گاتھرے کھیتے رہے ۔ پھر میں نے بھی ڈانڈ مارنا سیکھا ۔ کل ہم پھر سمندر کی سیر کو گئے ۔ کل میں برابر دو گھنٹے تک دونوں چپوؤں سے کشتی کھیتا رہا ۔ ایک سبق میں میں بالکل کشتی کھینا سیکھ جاؤں گا آج پھر دریا پر جانے کا ارادہ تھا لیکن صبح سے مہینہ برس رہا ہے ۔ سو آج ہم لوگ دن بھر گھر ہی میں رہیں گے ۔ میں آپ کو خط لکھ رہا ہوں اور میرے سامنے مسٹر گاتھرے بیٹھے ہوئے اپنی ڈاک لکھ رہے ہیں اور بار بار مجھے کہتے ہیں واٹ اے ٹربلسم لانگ لیٹر یو آر رائٹنگ» غضب کا لمبا خط لکھ رہے ہو ۔ میں جواب دیتا ہوں ، یہ میں اپنے وطن اپنے والد کو لکھ رہا ہوں ۔ مسٹر گاتھرے اپنے دوستوں کو اس قصبہ کی عمارات اور منظر کے چھپے ہوئے پوسٹ کارڈ بھیج رہے

ہیں ۔ میں بھی آپ کو بھیجوں گا ۔ چار سے آٹھ بجے تک ہم لوگ باہر سیر کے لیے
جاتے ہیں اور دس سے چار تک ہم لوگ گھر میں رہتے ہیں ۔ جب تک مسٹر گاتھرے
میرے ہمراہ ہیں ، میں نے اپنی قانونی کاپی کی لکھائی موقوف کر دی ہے ۔ اس کی
جائے ایک انگریزی علم انشا کی کتاب دیکھ رہا ہوں جو مسٹر گاتھرے نے نہایت
مہربانی سے مجھ کو دی ہے ۔ اس کتاب کے مطالعہ میں میں مسٹر گاتھرے سے
مدد لیتا ہوں ۔ اس کتاب میں زیادہ تر انگریزی علم کلام و معانی سے بحث کی گئی
ہے ۔ میں قریباً ایک دو ہفتہ تک یہاں ہوں ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔
عزیز مشہود خاں کو دعا ۔

فقط

محمود

(۱۷)

Kensington

London

لندن ۱۱ ۔ اگست سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام برکاتکم

قبل ازیں ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں جس میں علی گڑھ کالج
ایسوسی ایشن ڈنر کی بابت کچھ عرض کیا ہے ۔ آپ جن جن اصحاب کو مناسب
سمجھیں وہ مضمون دکھاویں ۔ میرا ارادہ برن سے میں زیادہ دنوں ٹھہرنے کا تھا
لیکن وہاں اس قدر موسم خراب رہا کہ ٹھہرنا فضول تھا ۔ اگست طوفان کا مہینہ ہے
اس لیے میں اور مسٹر گاتھرے گذشتہ اتوار کو یہاں آ گئے ہیں ۔ اب میں لندن میں
ہوں اور شاید کہیں نہ جاؤں ۔

نوازش نامہ جو گذشتہ ہفتہ کو موصول ہوا اس میں کوئی نئی بات تحریر نہیں
ہے ۔ والنٹیری کی بابت آپ اجازت دیتے ہیں لیکن میں گذارش کر چکا ہوں کہ میں
نے اس کا خیال چھوڑ دیا ہے ۔ اس میں ہفتہ کی تین بار کی حاضری کی پابندی بری
ہے ۔ اور میں جب کہ قانون میں داخل ہوں ، ممکن ہے کہ بعض وقت ایسا آوے
کہ ایک ہی وقت میں دونوں مقام پر میری حاضری ضروری ہو ۔ دوسرے یہاں
بھی والنٹیری میں محنت اور جفا کشی پوری پوری ہے ۔ وردی پہننا ، پورا سپاہی
سا ، بندوق اٹھانا اور صبح ہی صبح قواعد کے لیے جانا ، نشانہ بازی ، دوڑ دھوپ ۔
مطلب یہ کہ ہے مشکل ۔ اگر تمام باتیں کر سکوں تو کیا کہنا لیکن مشکل ہے ۔

اس لیے میں والنیٹری کو تو خیر باد کہتا ہوں - رہا فری میسن کا معاملہ، یہ صحیح ہے آسان ہے - اس کا اثر بہت معنی خیز اور پائیدار ہے - اس کی ہمدردی ہندوستان اور انگلستان ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام حصہ پر اس کا اثر ہے - اس کا ممبر کبھی بھوکا نہیں رہے گا اور اس لیے غریب اس میں شامل نہیں ہو سکتا - اس کا اثر ہندوستان میں بھی اس قدر مضبوط ہے کہ کالے اور گورے کے حقوق کو اس میں ایک نگاہ سے دیکھا جاتا ہے - ہندوستانی اور انگریز برابر ہیں - سب میں بڑی وجہ اس کے مفید ہونے کی یہ ہے کہ انگریز ہندوستانی سے وہی سلوک کرے گا جو انگریز سے کرے گا - انھی حقوق کو تمام ہندوستانی روتے ہیں - ہندوستانی بے وقوف ہیں جو اس میں شامل ہونے سے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب جاتا رہے گا - ہندوستان میں انگریزوں کے فری میسن کے اشاعت پانے سے یہ ایک راز ہے جو ہندوستان میں انگریزی حکومت کو اندرونی طور پر مضبوط کر رہا ہے - مطلب یہ ہے کہ یہ ایک خفیہ جماعت ہے اور اس کے مقاصد دنیا میں ہم خیالی اور ہمدردی پھیلانا ہیں - قدیم تاریخ میں اس قسم کی بہت مثالیں ملیں گی جس میں قوموں نے اپنی خفیہ جماعتیں قائم کر کے زبردست سلطنتوں کو برباد کر دیا ہے - عرب میں اسی قسم کی جماعت نے دولت بنو امیہ کا خاتمہ کیا - مصر میں خلفائے عباسی نے اسی قسم کا پہلو اختیار کیا - اس وقت دنیا اخلاقی اصولوں میں خام تھی - سو اس قسم کی جماعتوں اور خفیہ کوششوں کے اثر کا استعمال صرف سلطنوں کی بربادی میں کیا جاتا تھا - لیکن اب دنیا شائستہ ہے اور اس خفیہ اثر سے مفید نتائج حاصل کیے جاتے ہیں خواہ وہ ملکی ہوں یا قومی - اس زمانے میں روس میں اسی قسم کی ایک جماعت جو حکمران حال خاندان کے خلاف ہے - یہ جماعت نہلسٹ کہلاتی ہے لیکن اس کی طاقت کا اور اثر کا آپ اس سے اندازہ کر لیں کہ روس جیسی طاقت ور سلطنت اس جماعت کا کچھ نہیں کرتی اور روس میں جس قدر فساد اور سرکشیاں آپ سنتے ہیں اس کے موجد نہلسٹ ہیں اور ایک زمانہ آوے گا (جو شاید نہایت ہی قریب ہے) جب کہ روس جیسی قومی سلطنت کو - بھی نہلسٹ برباد کر دیں گے - خیر یہ تو اس خفیہ اثر کی بری مثال ہے - فری میسن کو نہلزم یعنی نہلسٹ فرقہ سے کو تعلق نہیں اور نہ کوئی مشابہت - لیکن ان کے اصول ایک ہی بنیاد پر ہیں اس لیے کچھ مشابہت دے سکتے ہیں - جماعت فری میسن ایک روشن جماعت اور نہایت ہی شائستہ فرقہ ہے - اس میں شک نہیں کہ تمام اغراض ہمدردی اور بہتری پر مبنی ہیں - اس کے خواہ کچھ ہی قانون ہوں لیکن وہ خفیہ ہیں - ان میں کچھ علامتیں ہیں جن سے ایک ممبر دوسرے ممبر کو پہچان سکتا ہے - میں اس میں داخلہ کو ضروری سمجھتا ہوں - لیکن نہ اس شرط پر جو

نون قانون ، علم انشا دونوں کا مطالعہ کر رہا ہوں ۔ قانون تو ہے ہی ۔
سو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے ۔ میرا کوئی وقت بے کار نہیں ہے
ہوں جس قدر مجھ کو کرنا ہے ۔ اگر مشہود کو آپ یہاں بھیج دیں
ہو ۔ بوا کہتی ہیں کہ میں موٹا ہوں یا دبلا ۔ میں ان کی خدمت میں
ں کہ نہ دبلا ہوں اور نہ موٹا ۔ جس طرح تھا اسی طرح ہوں ۔ باقی
یت ہے ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم مقصود خان مشہود
خط آپ مودود خان سے لکھواویں تو بہتر ہے ۔ ان کی مشق ہوتی رہے
کے ساتھ ہی ایک لفافہ اور ایک پارسل فوٹو کا بھیجتا ہوں ۔ فقط
محمود شیرانی

(۱۸)

۱۹۰۵ء

قبلہ صوری و کعبہ معنوی دام برکاتکم

وقات اشغال تعلیم میں بسر ہو رہے ہیں ، قانون حسب معمول میں
دہ کو جس کو صرف پانچ چھ روز باقی ہیں ، مجھ کو لندن میں آئے
ہو جائے گا ۔ کیونکہ میں ۴ اکتوبر سنہ ۱۹۰۴ء میں لندن پہنچا
میں میں نے کیا کیا ۔ بظاہر کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کو میں
پیش کروں ۔ چار ماہ بیماری میں گزرے ۔ باقی رہے آٹھ مہینے ، ان
ں نے کیا کیا ۔ گو میں موجودہ صورت میں سوائے الفاظ کے اور
ے آپ کو یقین نہیں دلا سکتا لیکن مطمئن ہوں کہ میں نے بہت کچھ
ں نے اس قدر کیا ہے جس کی میں خود امید نہیں کر سکتا تھا ۔ سب
میں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ انگریزی میں میں اچھا ہو گیا ہوں ،
جس کا مجھ کو اشتیاق تھا ۔ میرے لندن کی زندگی کے دو سال اور
صہ میں اسی طرح اگر چلتا رہا تو بہت اچھا ہو جاؤں گا ۔ میرا رومن لاء
اکتوبر شروع ہونے پر جب کالج کھلے گا ، کریمنل لاء (قانون
لیکچر سنوں گا ۔ میں امتحان میں اس سال شریک نہیں ہووں گا ۔ اول
شکل ہیں لیکن اگر مضمون تیار ہیں تو بھی مجھ کو ابھی انگریزی طرز
اقی ہے اور اس مضمون میں خام ہوں ۔ کتاب اور کتاب کا مضمون
متحان کے وقت مضمون کو لکھنا ، ممتحن اس کا بھی بہت خیال
انگریز تو خیر انگریز ہیں لیکن دوسرے ممالک کے طلبا طرز تحریر نہ

جاننے کی وجہ سے اکثر فیل ہوتے ہیں ۔ اس لیے تاوقتیکہ میں تحریر پر پورا ملکہ پورا نہ کروں گا ، امتحانات میں شریک نہیں ہوؤں گا ۔ اس کے لیے مشق اور وقت درکار ہے ۔ میں اپنے قانون کے مضامین تیار کرتا جا رہا ہوں اور ساتھ ہی تحریر کا ملکہ سیکھ رہا ہوں ۔ بہر حال انھی باقی دونوں سالوں میں میں انشاءاللہ چاروں امتحان پاس کر لوں گا ۔ مجھ کو قطعی امید ہے ۔ تحریر کے لیے میں نے علم انشا شروع کیا ہے اور نظم بھی دیکھ رہا ہوں ۔ مطلب یہ ہے کہ انشا پردازی او تمام زبان دانی حاصل ہو ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انھی دو سال میں میں اپنے تمام امتحانات پاس کر لوں گا ۔ اس وقت میں قانون کے علاوہ لارڈ ٹینی سن اور لانگ فیلو دیکھ رہا ہوں ۔ میرا مضمون ''وکٹوریہ البرٹ میوزیم'' پورا ہو چکا ہے لیکن اس کا صاف کرنا باقی ہے ۔ جلسہ کی تصویر امید ہے کہ اس وقت تک آپ کی خدمت میں پہنچ گئی ہوگی ۔ پارسل خطوط کی بہ نسبت دیر میں پہنچتے ہیں ۔ پنڈت سکھ دیو پرشاد کا لڑکا اور ان کا سالا یہاں بغرض تعلیم آئے ہوئے ہیں ۔ مجھ کو ایک خط جودھ پور سے معلوم ہوا ۔ میرا پتہ ان کے پاس ہے جو جودھ پور سے حسنات احمد نے ان کو دیا تھا ۔ وہ اگر مجھ کو ملیں گے تو ملوں گا ورنہ میں اتنا وقت نہیں رکھتا کہ خود جا سکوں ۔ بخدمت پر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خان کو پیار ۔

فقط

محمود

(۱۹)

۲۹ ۔ ستمبر[۱] سنہ ۱۹۰۵ء

لندن

قبلہ گاہی مدظلہ العالی[۲]

تسلیمات فدویانہ کے بعد گزارش پرداز ہوں کہ میں فی الجملہ قرین خیر ہوں

۱۔ ۲۹ ۔ ستمبر ۱۹۰۵ء کا تحریر کردہ یہ دوسرا خط ہے ۔ پہلا خط وہ روانہ کر چکے ہوں گے کہ والد کا گرامی نامہ موصول ہوا جس میں علالت اور پریشانی کا تذکرہ تھا اس کے جواب میں یہ خط قلمی ہوا ۔ (مرتب)

۲۔ اس خط کے ایک کونے پر یہ سطور اضافہ کی گئی ہیں :

''مشہود کے بارے میں جو میں یہاں آنے کے لیے لکھتا ہوں اس میں کسی قدر میں بھی خود غرض ہوں کہ مشہود میرے پاس رہے کیونکہ سب سے زیادہ میں اس کو چاہتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ آپ کو اور بوا کو کس قدر پیارا ہے ۔ آپ کیسے اس کی جدائی منظور کرنے لگے ۔ مجھے سب بھائیوں میں مشہود عزیز ہے ۔ کہو مشہود کبھی بابو دادا بھی یاد آتا ہے یا بھول گئے ہو'' ۔

، کی صحت و تندرستی کا دعا گو ۔ نوازش نامہ عالی شرف صدور لایا ۔
ت کے سبب سے سخت تشویش ہوئی ۔ آپ کے ضعف کا زمانہ ہے ۔ مرض
دامن گیر ہے ۔ خدا ہم سب کی شرم رکھے اور آپ کو جملہ امراض
۔ میں آپ کے مزاج سے واقف ہوں ۔ آپ بیماری کی ابتدا میں ذرا بھی
رتے اور مرض کو بڑھنے دیتے ہیں ۔ خدا کے فضل سے آپ کے
ہیں اگر آپ اپنے امراض کی وقت سے پہلے خبر لیں اور علاج واقعہ قبل
مل کریں تو میں یقین کرتا ہوں کہ آپ بہت سے امراض سے نجات
لیکن آپ کا اصول ، آخر وقت میں معالجہ ضعف کو غلبہ کا موقعہ دیتا
ف ہزار بیماریوں کا گھر ہے ۔

کی مشکلات پر جب نظر کرتا ہوں تو مجھ کو پتہ لگتا ہے کہ آپ کی
کٹھن زندگی ہے ۔ اولاد نالائق ۔ سات میں سے ایک بھی لائق نہیں ۔
عود فرار ہیں اور بوا نصف بیمار ہیں ، ادھر خود آپ مرض کا شکار ہیں ۔
کا غم ، اولاد کا غم ، کوئی امر موجب تسلی نہیں ۔ ادھر ضعف اور
ہ ہے ۔ خدا جانے کس قدر تلخیوں سے آپ کو مقابلہ کرنا پڑتا ہے ۔
ردہ کار ہیں ، آپ کے جذبات کو محسوس نہیں کرتے لیکن جب ہم اس
اس کو سمجھنے لگیں گے وہ زمانہ بعد از وقت ہوگا ۔ لیکن آپ حکیم دانا
ور تکالیف ہر شخص پر آتی ہیں ۔ آپ پر بھی آئیں اور آپ نے ان کا مقابلہ
اور استقلال سے کیا ۔ لیکن یہ زمانہ وہ زمانہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ
پر ضعف روز افزوں غالب ہوتا جاتا ہے ۔ اس لیے آپ کا وہی اصول جو
دس برس پیشتر کارآمد ثابت ہوا تھا ، اس وقت وہ چنداں مفید نہیں
دل گیا ہے اور زمانے کے ساتھ ہی آپ بھی بدل رہے ہیں ۔ پھر اپنے
ہوں نہ بدلیں ۔ اس لیے میں آپ سے با ادب ملتمس ہوں کہ آپ ان بہت
ور کو ، جو آپ کی ذات پر غم فراواں مستولی کر رہے ہیں ، ناآشنائی
کی نگاہ سے دیکھیں ۔ بہت سے غم ہیں جو غیر ضروری ہیں لیکن وہ اب
کے سد راہ بھی ہیں اور آپ ان کے دفع کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں ۔
ا بہت زمانہ گذر چکا ہے تھوڑا باقی ہے ۔ اس لیے آپ اس تھوڑے وقت
اور اس کو اس طور سے گذاریے کہ وہ زمانہ خوشی میں کٹ جاوے :

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

شاعرانہ قول ہے لیکن انسانی زندگی بسر کرنے کا ایک فلسفیانہ طریقہ

سکھا رہا ہے ۔ آپ اس پر کاربند ہوجئیے ، اور اپنے رنج کے گھنٹوں کو خوشی میں بسر
کیجیے ۔ رنج کو رنج اور خوشی کو خوشی تصور کرنا ، یہ انسانی زندگی کا اول
درجہ ہے ۔ لیکن آپ اس درجہ کو چھوڑ دیجیے ۔ اس سے بہتر طریق زندگی کو لیجیے
جس میں رنج اور خوشی یکساں ہیں ۔ آپ بھی ان عالی ہمم اشخاص میں شامل ہو جائیں
جن کے نزدیک نہ رنج رنج ہے اور نہ خوشی خوشی ہے ۔ یہ عالی ظرف دونوں کو
یکساں نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ وہ انسان اور ان کے جذبات کے راز سے واقف ہیں اور
ان کی بلند نگاہوں میں جذبات موافق اور ناموافق ایک درجہ رکھتے ہیں ۔ غموں کی
تلخیاں بھی ان کو وہی لذت دیتی ہیں جو خوشی سے توقع کی جا سکتی ہے ۔ آپ
دانشمند ہیں ۔ اپنے غموں کو ، جن کو آپ غم کہتے ہیں ، خوشی کیوں نہیں تصور
کرتے ۔ خوشی میں اگر ذائقہ ہے تو رنج بھی اپنی لذت سے خالی نہیں :

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی ، نغمۂ شادی نہ سہی

حقیقت میں رنج اور خوشی کیا ہیں ۔ یہ دو متضاد کیفیات ہیں جو امور متوقعہ
کا نتیجہ ہیں ۔ امور متوقعہ میں کامیابی کو ہم خوشی کہتے ہیں اور ناکامی کو رنج ۔
توقع اور امید حقیقت میں کیفیت نامعلوم کا عکس [ہے] جس کو تخیل میں ہم فرض
کرتے ہیں ۔ کیفیت نامعلوم کے عکس اتارنے میں ہم اکثر غلطی کے مرتکب ہوتے
ہیں یعنی ہم صرف اس پہلو کو اختیار کرتے ہیں جس میں ہماری دلچسپی ہے ۔
دوسرے پہلو کو جو خلاف طبع ہے فراموش کر دیا جاتا ہے ۔ لیکن جب کیفیات
نامعلوم کا ظہور واقعات کی صورت اختیار کرتا ہے اور اس کی صورت اگر ہماری
دلچسپی کے مطابق ہے تو ہم کامیاب ہیں اور خوش ۔ لیکن جب وہ خلاف طبع ہوتا
ہے تو ہم ناخوش ہوتے ہیں اور یہ ہماری غلطی ہے ۔ واقعات نامعلوم کے انتظار کی
صورت میں ہمیں دونوں پہلوؤں نفی اور اثبات کا خیال رکھنا چاہیے ۔ پھر واقعات
خواہ کوئی سا پہلو اختیار کریں ہمیں اس سے دل شکستہ نہیں ہونا ہے اور نہ خوش ۔
شاعر اسی قول کی تائید کر رہا ہے :

ز رنج و راحت گیتی مرنجان دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چنین گاہے چناں باشد

آپ ان مسافروں میں سے ہیں جو دنیا سے جلد بچھڑنے والے ہیں ۔ یہ دور دور آخر ہے
اور یہ بہار آخری بہار ہے ۔ ایسے وقت میں فضول امور میں دلچسپی لینا خلاف حقیقت
ہے ۔ اولاد اور ان کے مآل کے غم کو بھول جائیے ۔ یہ طول امل ہے ۔ یہ ان کا کام

ے - چاہے سنواریں اور چاہے بگاڑیں - آپ کا ان کا تعلق مجاز ہے ، نہ حقیقت - مجاز
کو چھوڑئیے حقیقت لیجیے - بہت سے غیر ضروری اسباب ہیں جو حقیقت سے زیادہ آپ
کو رنج پہنچا رہے ہیں اور فی الحقیقت وہ غیر ضروری ہیں :

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب معاش
آنچہ مادر کار داریم اکثرے درکار نیست

ہیں اسباب معاش میں انسانی اندورنی جذبات کو بھی شامل کرتا ہوں - یہ کتاب
گی ، جو آپ کے سامنے ہے ، بہت جلد ختم ہونے والی ہے - برائے خدا جو کچھ
ی ہے اس کے مطالعہ کی داد دیجیے - اس کو اس طرح پڑھیے جس سے آپ کے مزاج
کو آزردگی حاصل نہ ہو بلکہ خوشی - یہ آخری بہار ہے - اسی بہار میں آپ سے جو
پھول چنے جاویں چن لیجیے - اگلی بہار میں خدا جانے آپ کہاں ہوں - میری یہ امید
ہ اولاد اس قابل ہو کہ آپ کو عیش دکھاوے ، گو میری دعا ہے کہ خدا اس
کو پورا کرے ، لیکن امر موہوم ہے - بظاہر یہ خوش نصیب زمانہ ہماری قسمتوں
میں نہیں کہ ہم آپ کو عیش دکھاویں - لیکن میں ناامید نہیں ہوں - خدا آپ کو
سو سی سال کی عمر عطا کرے - وہ دن آوے گا - ہم پھولیں گے پھلیں گے اور ہمارے
ے آپ نے جو جو خوشیاں قربان کی ہیں ان کا شکر کریں گے - ہم ہمیشہ اسی طرح
سمجھ اور طفلانہ مزاج نہیں ہوں گے - ایک دن آوے گا کہ ہم آپ کی قدر کریں گے
خدا وہ دن کرے کہ آپ اس وقت ہمارے سروں پر قائم ہوں - ہم اس وقت اگرچہ
نہے کو جوان ہیں لیکن فی الحقیقت نادان ہیں - خدا آپ کو جملہ آفات سے محفوظ
رکھے اور جملہ امراض سے تندرستی بخشے -

فقط
محمود

(۲۰)

لندن
۶ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلہٴ دینی و کعبہٴ دنیوی دام مجدکم

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گزارش پرداز ہوں کہ میں ہر نوع قرین خیریت
ہوں اور آں حضرت کی خیریت اور صحت کا دعا گو - خداوند کریم اپنے حبیب کے
طفیل سے آپ کو صحت کامل عطا فرماوے -

آں حضرت کی موجودہ بیماری سے میں سخت متوحش ہوں - میرا حوصلہ پریشان

اور خیالات پست ہوتے ہیں - خدا جانے تقدیر میں کیا ہے - خدا جانے میں اپنے مقصد
میں کامیاب ہوؤں یا نہیں - آپ کے ضعف کا زمانہ - ایک چھوڑ دو دو تین تین
بیماریاں موجود - گھر کی طرف سے علیحدہ پریشانی - یہ چیزیں مجھ کو مایوس کر
رہی ہیں - غیب کا علم عالم الغیب جانتا ہے - تقدیر کے لکھے سے کون واقف ہے -
اللہ پاک آپ کو صحت کامل و شفائے عاجل عطا فرماوے اور تمام آفات سے امن
میں رکھے -

آج ۶ - اکتوبر ہے - ۱۲ ماہ حال کو کالج کھلے گا اور لیکچر شروع ہوں گے -
تب میں سارا دن کالج میں حسب معمول گزارا کروں گا - بھائیوں کی فرمائش کے
مطابق جب کبھی میں ان کی تعمیل کرنا چاہوں گا آپ سے اجازت لے لیا کروں گا -
مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی فرمائش پوری کرنے کے اب تک قابل نہیں ہوں -

آپ خدا کے واسطے علاج معالجہ سے غفلت نہ کریں اور سب سے زیادہ اپنے
رنجوں اور فکروں کے دور کرنے کی کوشش کریں اور تمام امور کو خدا اور اس کی
مشیت پر چھوڑ دیں - خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے - وہی ہمیں برکت اور عزت دے گا
آپ خدا کا شکر کریں - اس نے آپ کو اس قدر توفیق دی کہ آپ نے اپنے فرض سے
زیادہ خبر گیری کی اور کر رہے ہیں - ہم اگر ناشکر گزار اور نالائق ہیں تو کیا
ہوا - آپ کی نیک نیتی میں تو کچھ شک نہیں - ہم اگر نالائق ہیں تو اس لیے کہ ہم
دور اندیش نہیں - لیکن ہم ہمیشہ یوں ہی نہیں رہیں گے - یہ تمیز ہم میں آوے گی
اور جلد آوے گی اور ہم آپ کے احسان پہچانیں گے اور آپ کا شکریہ ادا کریں گے :

عمرت دراز باد کہ تا دور مشتری
ما از تو بر خوریم و تو از عمر برخوری

میں اگر چند سطور اپنے خط میں لکھ دیتا ہوں جو ایک طرح سے سوء ادبی کا پہلو لیے
ہوئے ہوتی ہیں ، میں امید کرتا ہوں کہ آں حضرت ان کو میری بے ادبی پر محمول
نہیں فرمائیں گے - میں اگر عملاً آپ کی دل جوئی کرنے کے ناقابل ہوں تو قولاً مجھ
کو خاموش نہیں رہنا چاہیے - اگر سپاس گزاری کے ناقابل ہوں تو اس کے جذبات تو
ضرور مجھ کو ظاہر کرنے چاہیں - جن کو میں بعض اوقات خیالات کی صورت میں
قلم بند کرتا ہوں اور اگر ان کے اظہار میں جسارت کا مرتکب ہوں تو بزرگ معافی
کا امید وار ہوں -

میرے حالات بدستور ہیں - اپنی تعلیم میں شبانہ روز مصروف ہوں - انشاء
قانون اور نظم برابر چل رہے ہیں - وکٹوریہ البرٹ میوزیم اس ہفتہ ہی مخزن میں
بھیج دوں گا اور امید ہے کہ جلد آپ کی نظر سے گزرے گا یہاں تمام حالات

ور ہیں -
اب میں ایک اور امر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرتا ہوں اور امید ہے کہ
س کو اپنے ہی تک رکھیں - بادشاہ کی مدح میں میرا ارادہ قصیدہ لکھنے کا مدت
ھا لیکن اب میں آمادہ ہو گیا ہوں کہ آئیندہ سال وہ قصیدہ تحریر کرکے بادشاہ
یش کروں - چنانچہ اس خیال کو عملی صورت میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں -
تکلیف بے جا سے مجھ کو کوئی معتدبہ امید نہیں - بجز اس کے کہ یہاں کے چند
رات اس کے متعلق رائے زنی کریں اور ایک خط بادشاہ سلامت کا میرے نام پہنچے -
حال یہاں یہ کوئی بڑی بات نہیں لیکن ہندوستان کی نگاہ میں یہ بہت بڑی چیز
، - کچھ نہیں تو ہندوستان میں چرچا ضرور ہو جاوے گا - ہندوستان میں بہتر سے
ر قصیدہ گو ہیں - لیکن دو وجوہ سے میں اس قصیدہ کو نئی چیز کر دکھاؤں گا
تو یہ کہ اس کا ترجمہ انگریزی کراؤں گا تاکہ یہاں کے لوگ بھی اس سے فائدہ
سکیں - دوسرے یہ کہ ہندوستان کے شعراء اگر قصیدہ لکھتے بھی ہیں تو کسی
اس قدر حوصلہ نہیں ہوتا کہ بادشاہ سلامت کو بھیجے - ان کی انتہائی دوڑ
مرائے ہند ہوتے ہیں - لیکن مجھ کو یہاں یہ موقعہ ہے کہ بادشاہ سلامت کو بھی
جوں - خود دربار میں جانا اور قصیدہ پیش کرنا ، ممکن اگرچہ یہ بھی ہے اور اس
ذرائع بھی میرے ہاتھ میں ہیں ، لیکن اس میں کم از کم دو ڈھائی سو پونڈ کا
ہے - اس لیے اس خیال سے تو میں در گزر کرتا ہوں اور صرف بھیجنے کی تدبیر
کام میں لاتا ہوں - قصیدہ کی چھپوائی وغیرہ میں پانچ اور دس پونڈ کے درمیان
ح ہوگا لیکن اس سے کچھ زیادہ ہی فائیدہ ہو رہے گا ، اور یہ قصیدہ میرا پہلا عریضہ
راجہ جودھ پور کے پاس بھی جاوے گا - یعنی پہلے دربار[1] کو قصیدہ بھیجوں گا
اس کے ساتھ ہی عرضی ، اور دربار اس کا جواب قطعی دیں گے - خط و کتابت کا
سلسلہ بہت مؤثر ہوگا - اس کے علاوہ یہ قصیدہ میں دیگر ان افسران ہندوستان و
رسا وغیرہ کو بھیجوں گا جس کے جواب میں وہ شکریہ کی چھٹی تو کم از کم
ور لکھیں گے - غرض یہ ہے کہ شہرت اس سے اچھی خاصی ہو جاوے گی - ادھر
وستان والوں کی نگاہ میں نئی بات ہوگی - اسی طرح انگلستان والوں کے لیے یہ
، نوادرات سے ہوگا - الغرض میری نگاہ میں یہ چھوٹا سا معاملہ بہت اچھا ہے -
د ہے کہ آپ بھی اس میں میرے ہم خیال ہوں گے - قصیدہ ہونے کے لحاظ سے
ں اس قصیدہ میں کئی باتیں نئی ہوں گی - اول تو یہ کہ تمہید تمام قصیدہ گویوں
، جدا ہوگی اور علیٰ ہذا خیالات جدا - قصیدے کے لیے میں تمہید یا تشبیب مدت

---

[1] دربار سے مراد مہاراجہ جودھ پور ہیں - اپنی رعایا میں راجگان راجپوتانہ اسی لقب سے یاد کیے جاتے تھے (مرتب)

سے تلاش کر رہا تھا ۔ ہمارے فارسی شاعروں کی جس قدر تمہیدیں ہیں وہ مشرق مذاق کی ہیں ۔ مغربی لوگ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لے سکتے ۔ عشقیہ تمہیدیں ایسی ہو سکتی ہیں کہ یورپ اور ایشیا دونوں اس کو پسند کریں لیکن اس میدان میں میری رسائی نہیں اور نہ ہی زور طبیعت دکھا سکتا ہوں ۔ اس لیے کسی اور زمین کی تلاش ہوئی اور آخر بدقت تمام مل گئی ۔ اب زمین مل گئی ہے خیال آفرینی ہو جاوے گی ۔ یہ تشبیب زیادہ تر انگریزی مذاق سے ملتی جلتی ہوگی لیکن خیالات مشرقی ہوں گے ۔ یونان کے دیوتاؤں کی پرستش یونان میں بھی نہیں ہوتی ہو گی جس قدر انگریزی ادب میں ہم ان کا ذکر پاتے ہیں ۔ اس لیے میں نے اس خیال کو اپنے ذہن نشین کیا ہے ۔ تمہید میں انھی دیوتاؤں کا ذکر ہوگا اور کہیں مصری بتوں کا ، کبھی عربی بتوں کا ۔ ہندوستان کے دیوی دیوتا بھی فراموش نہیں ہوں گے اور اس طرح سے تمہید ختم ہوگی ۔ میرے خیال میں یہ تمہید نہایت اعلیٰ ہوگی ۔ شاعر شعر کہتے وقت مذہب بھول جاتا ہے ، بھولتا نہیں بلکہ مذہب کا دشمن ہوتا ہے ۔ جس مذہب کا وہ ہے ، سب سے پہلے اسی مذہب پر حملہ کرتا ہے ۔ غالب امام حسین کے مرثیہ میں لکھ رہے ہیں ۔ تمہید کا شعر :

آوارہ غربت نتواں دید صنم را
خواہم کہ دگر بت کدہ سازند حرم را

نعتیہ قصیدہ کی تمہید میں محسن کاکوروی تحریر کرتے ہیں :

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

مطلب یہ ہے کہ شاعر کا مذہب شعر کہتے وقت شعر ہے ۔ وہ جو چاہتا ہے کہہ سکتا ہے اور کوئی اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ جب میں دیکھتا ہوں کہ علمائے اسلام نے بوعلی سینا اور امام غزالی جیسے علماء کو کافر اور مرتد کہا لیکن عرفی اور فیضی کو کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ وہ مولویوں میں بھی یوں ہی عزیز تھے جس طرح دہریوں میں ، الغرض یہ تمہید عذر تمہید میں تھی کیونکہ میری تمہید نئی ہوگی اور نئے خیالات ۔ زمین اور بحر مجھ کو اس وقت تک دلچسپ نہیں ملے ۔ قافیہ کی پابندی بہت مشکل ہے ۔ علاوہ ازیں بہت سے انگریزی نام مجھ کو تحریر کرنا ہوں گے مثلاً ایڈورڈ ہفتم ، کوئین الیگزینڈرا ، آسٹریلیا ، پارلیمنٹ پرنس آف ویلز وغیرہ وغیرہ ۔ ہماری بہت سی شگفتہ بحروں میں یہ نام نہیں آ سکتے مگر جو بحر اس وقت ملحوظ خاطر ہے ، ممکن ہے کہ اس میں آ جاویں ۔ یہ بحر تو بہت اچھی ہے لیکن اس کا قافیہ مشکل ہے عرفی کا قافیہ آپ کو یاد ہوگا :

صباح عید چو ذر تکیہ گاہ ناز و نعیم
گدا کلاہ تمد کج نہاد و شاہ دیہیم

ں وقت یہ زمین مناسب معلوم دیکھتا ہوں ۔ لیکن اس کے قافیہ اکثر غیر مانوس ہیں ۔
نیہ بدلنے میں زمین شان سے گرتی ہے ۔ الغرض جیسا مناسب معلوم ہوگا کروں گا ۔
ں وقت دو چار شعر مشتے نمونہ از خروارے لکھ دیتا ہوں ۔ آپ اس سے بھی واقف
ں کہ مجھ کو فرصت بالکل نہیں ہے ۔ اس لیے اس قصیدہ کی جلد تیاری کی امید نہ
کہیں ۔ دیر آید درست آید ۔ اور جلدی بھی کیا ہے آیندہ ماہ جون تک ہر حالت
ں یہ قصیدہ طیار ہو جاوے گا ، جون میں بادشاہ کی سالگرہ پر ، تمہید کا شعر
سب منشا اس وقت تک دستیاب نہیں ہوا ہے لیکن جو ملا ہے وہ لکھتا ہوں :

بشر ہے نوع مری میرا شیوہ ہے تسلیم
ازل نے کی ہے مجھے رسم بندگی تعلیم

بتوں کے آگے مرا سر جھکا ہے صدیوں تک
گواہ جس کی ہے تاریخ سالہائے قدیم

تمیز صانع و مصنوع سے نہ تھا واقف
میں فلسفی نہ تھا مشکل تھی اس قدر تفہیم

ابھی ہوئے نہ تھے یزدان و اہرمن پیدا
عدم میں محو تھا افسانۂ بہشت و حجیم

جہاں میں چار سو سکہ تھا دین آذر کا
خلیل بن کے نہ آیا تھا اب تک ابراہیم

بہت زمانہ تھا درکار اس کو جب ہوتا
ظہور واقعہ طور و داستان کلیم

یہ کل کی بات ہے تثلیث کہیے یا توحید
میرے زمانہ میں ان کی ہوئی نہ تھی تقسیم

عجیب زمانہ تھا یادش بخیر عہد قدیم
بتوں پہ ختم تھی ساری خدائی کی تقسیم

عرض آگے بتوں کی تمہید ہوگی ۔ کیوپڈ ، ڈائنا ، جوپیٹر ، اپالو (یہ یونانی اور رومی
یوتا ہیں) لات ، منات ، عزیٰ ، ہبل ، بعل (عربی دیوتا) وغیرہ کا ذکر ہوگا ۔ فقط

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

(۲۱)

Sinclair Road,
Kensington,
London

لندن - ۱۳ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلہٴ کونین و کعبہٴ دارین مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ نوازش نامہٴ عالی شرف صدور لایا - جناب کے مرض اور اس کی طوالت سے مجھ کو سخت تشویش ہے - اللہ تعالیٰ آپ کو جملہ امراض سے صحت بخشے -

کل ۱۲ - اکتوبر سے لیکچر شروع ہو گئے ہیں - ڈنر ۲۵ - ماہ حال سے شروع ہوں گے - میں کل دس بجے لنکن ان گیا - گیارہ سے ایک تک پہلا لیکچر رہا - ایک اور دو بجے کے درمیان لنچ کھایا - دو سے تین تک دوسرا لیکچر سنا اور چائے کے وقت مکان پر آ پہنچا - گھر کے قریب اسٹیشن سے باہر شیخ عبدالقادر مل گئے - انھیں بھی میں مکان پر لے آیا - ہم دونوں نے چاء میرے ہی مکان پر پی - چھ بجے کے قریب شیخ صاحب گئے - سات بجے رات کا کھانا کھا کر میں اپنے کام میں مصروف ہو گیا - کل جو لیکچر ہوئے تھے ان سب کی نقل سیاہی سے کاپی پر اتاری - اس میں دو گھنٹے صرف ہوئے - بعد میں ایک گھنٹہ تک آئندہ مضامین پر مطالعہ دیکھا ، جن پر آج لیکچر ہوں گے - یہ واضح خاطر عالی رہے کہ اب میں کریمنل لاء قانون فوج داری یا جرائم پیشہ دیکھ رہا ہوں - اگر ناگوار خاطر اقدس نہ ہو تو کل کے لکچروں کا خلاصہ اختصار کے ساتھ عرض کروں - یہ امر مفہوم خاطر رہے کہ کریمنل لاء کے یہ پہلے لیکچر ہیں جن کو جرائم پیشہ کی تمہید کہا جا سکتا ہے ، جن سے آپ قانون فوج داری کے اصول موضوعہ و متعارفہ ، خصوصیات و مستثنیات معلوم کر سکتے ہیں - لیکچر یوں شروع ہوتا ہے -

افعال جن کو قانون نے عام غلطیاں فرض کیا ہے اور اس لیے ان کا انسداد سزا کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے ، جرائم کہلاتے ہیں - جرائم کی دو قسمیں ہیں (۱) سنگین (۲) خفیف - جرائم جو قانون کی نگاہ میں شدید ہیں سنگین کہلاتے ہیں اور جو کہ سنگین نہیں خفیف کہلاتے ہیں - فی زمانہ سنگین اور خفیف جرائم میں ما بہ الامتیاز فرق نہیں - لفظ جرم میں دونوں قسموں کا مفہوم موجود ہے لیکن گذشتہ زمانہ میں جرائم شدیدہ و خفیفہ میں ایک بہت بڑا فرق تھا یعنی شدت جرم کی صورت میں مجرم سے شخصی حقوق سلب کر لیے جاتے تھے لیکن سنہ ۱۸۷۰ء

ے یہ قانون منسوخ ہو گیا ہے اور سنگین اور خفیف دونوں جرم سمجھے جاتے ہیں
ور شخصی آزادی یا حقوق یا املاک کے سلب کرنے کا رواج نہ پہلے جرم کی
صورت میں ہے اور نہ دوسرے کی -

سنگین جرم کی سزائیں (یعنی سزائے موت ، اخراج البلد یا قید زیادہ از میعاد
ک سال) مجرم کو تاج برطانیہ کی جنگی ، بحری اور ملکی خدمات (جس میں ہر آزاد
متوطن برطانیہ داخل ہو سکتا ہے) کے حق سے ہمیشہ کے لیے محروم کرتی ہیں -

ہر فرد (سوائے پادشاہ کے) جو کہ جرم کرنے کی طاقت رکھتا ہے ، قانون کی
د میں سزا کا مستجب ہے -

سزا سے مستثنیات : (۱) بچے جو کہ خورد سال ہیں جب تک جرم کرنے کے
بل نہیں ، سزا سے بری ہیں - بعض صورتوں میں شادی شدہ عورتیں سزا سے بچ
سکتی ہیں - جب کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ وہ شوہر کے حکم یا خوف سے مرتکب
جرم ہوئیں - بچے سات برس سے نیچے قانوناً سزا سے بری ہیں - اور یہ فرض کر لیا
لیا ہے کہ وہ اس عمر میں صاحب تمیز نہیں ہوتے - بچے چودہ برس کی عمر کے اندر
صاحب تمیز مان لیے گئے ہیں - ان کی شہادت مانی جاتی ہے لیکن سزا کی صورت میں
منصف کا فرض ہے کہ حتی‌الامکان نرمی کا سلوک کرے - اگر یہ ثابت ہو جاوے
کہ لڑکے کو اس عمر میں تمیز نیک و بد حاصل تھی اور جرم کو جرم سمجھ کر
وہ مرتکب ہوا اس صورت میں وہ اس سزا کا مستوجب ہے جو قانون اپنے اختیار
سے دے سکتا ہے - قانونی تاریخ میں ایک مثال موجود ہے جس میں ایک لڑکے نے
صرف آٹھ سال کی عمر میں ارتکاب قتل عمد کیا - ارتکاب جرم میں اس کا منشا انتقام
تھا - اس امر کے ثابت ہونے پر اس کو سزائے موت کا حکم دیا گیا جس کی باقاعدہ
تعمیل ہوئی - یہ واقعہ سترھویں صدی میں پیش آیا -

(۲) جنونی پاگل اور دیوانے سزا سے بری ہیں کیونکہ ان کے افعال وجہ اور
سبب پر منحصر نہیں اور ان کے افعال میں ان کا منشا نہیں ہوتا اس لیے وہ
مرفوع‌العلم ہیں -

(۳) منکوحہ عورت اگر خاوند کی موجودگی میں جرم کی مرتکب ہو ، قانون
ان کی سزا خاوند کو دے گا نہ عورت کو - اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ وہ خاوند
کے کہنے سے مجبور تھی - لیکن قتل ، زہر خورانی اور جان ستانی کی صورتوں میں وہ
سزا سے بری نہیں ہو سکتی -

(۴) سفرائے دول خارجہ - یہ امر غیر یقینی ہے کہ وہ بھی اس ملک کے قانون
کی پابندی پر اسی طرح مجبور ہیں ، جس طرح اور باشندگان برطانیہ - کیونکہ ان کا

تعلق دول خارجہ سے ہے - لیکن وہ جرائم جن کو تمام دنیا جرائم کہ
قتل - اس قسم کے جرائم کی سزا اس ملک کا قانون ان کو دے سکتا
کی صورت میں اختلاف ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ منصب سف
سے بہت جلیل ہے - اس لیے یہ طریقہ رکھا گیا ہے کہ ایسی صورت تو
اس ملک سے نالائق ثابت کر کے واپس اس کے ملک میں بھیج دیا جا
اپنے مالک کے ہاتھوں سے سزا پاوے - یہاں یہ بھی ظاہر کر دیا جات
سفیر کی شخصی آزادی یا اس کی حفاظت میں مخل ہونا اول درجہ کا
ہے - سفیر کی گرفتاری یا نظر بندی ، خواہ کیسا ہی شدید جرم
حالت میں ایک سلطنت کی ہتک کے برابر ہے -

الغرض اسی طرح سے یہ تمہید چلی جا رہی ہے - گذشتہ اتوار ک
کا کھانا شیخ عبدالقادر صاحب کے ہاں کھایا تھا - آج جمعہ ہے -
پیشتر یہ خط شروع کیا تھا - باقی بریک فاسٹ کے بعد ختم کر رہا
طرح سے خیریت سے ہوں میری صحت اچھی حالت میں ہے - سردی
کھر کا روز بروز زور ہوتا جاتا ہے - میں یہ خط ختم کر کے کالج
وہاں سے آج چار بجے لوٹوں گا - بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عز
جاں کو پیار -

ف

محم

(۲۲)

Sinclair Road,
Kensington,
London
Oct. 27th

لندن - ۲۷ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ
بہبودی ہوں [اور] آں حضرت کی خریت اور صحت مزاج کا ہر دم
نامۂ عالی شرف صدور لایا - چک (ہنڈوی) مبلغ سرسٹھ پونا
امولک چند نے اس ہفتہ رجسٹری کر کے بھیجا جو بخیریت موصول

سید معلوم کیجیے - فری میسن میں جس طرح جناب کی منشا ہے ٹھہر کر داخل ہوں گا - جنوری میں ان کا سہ ماہی جلسہ ہوگا جس میں نئے لوگ شامل کیے جاتے ہیں - اس وقت میں بھی داخل ہو جاؤں گا - اکتوبر کا سہ ماہی جلسہ ختم ہو چکا ہے - اس لیے مجھ کو آیندہ جلسہ تک انتظار کرنا ہوگا - میں جناب کو جو خطوط لکھتا ہوں وہ انگریزی قلم سے لکھتا ہوں - فارسی لکھنے کے قلم یہاں عنقا ہیں - میں نے موٹے پین سب جگہ تلاش کیے لیکن اس سے موٹے نہیں ملتے - اس لیے وجود تاکید آں حضرت بدرجہ مجبوری اسی قلم سے لکھنا پڑتا ہے -

بڑی والدہ کے باب میں جناب نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے سب بجا اور درست ہے لیکن والکاظمین الغیظ و العافین عن الناس کے جو لوگ مصداق ہیں ، ان کے بڑے درجے ہیں اور یہی چشم داشت مجھ کو آں حضرت سے ہے -

کل شیخ عبدالقادر صاحب کا ایک خط میرے نام آیا - ان کو کوئی ہندوستانی صاحب عبداللہ یوسف علی[1] آئی - سی - ایس - سابق ڈپٹی کلکٹر گورکھ پور حال مقیم لندن نے آج جمعہ کو بہ تقریب چاء نوشی بلایا ہے - ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ اگر شیخ صاحب اپنے دو ایک دوست اپنے ہمراہ لاویں تو اور بھی اچھا ہوگا - اس پر شیخ صاحب نے مجھے بھی بلایا ہے -

گیارہ سے ایک تک میرا لیکچر ہے - اس کے بعد چھٹی ہے - لنچ شہر میں کھاؤں گا اور تین بجے شیخ صاحب کے مکان پر پہنچ جاؤں گا - ساڑھے چار بجے چاء کا وقت ہے - ہمارے ڈنر دوسری نومبر سے شروع ہوں گے اور چھبیس نومبر کو ختم ہوں گے - ہمارے لیکچرار مسٹر بلیک اوجر ، کے - سی - ہیں جو کریمنل لاء پر لیکچر دیتے ہیں - ان کی عمر چالیس سے اوپر ہے اور آواز ذرا دھیمی ہے - کل کے لیکچر کا خلاصہ یہاں چند سطروں میں بیان کرتا ہوں - یہ لیکچر سزا کے متعلق تھا - صاحب لیکچر نے اول تو سزا کی تاریخ بیان کی اور پھر سزا دہی کے طریقے بیان کیے - اس میں بیان کیا کہ سزا دہی کے طریقہ کی ایجاد سے دو فائدے مقصود ہیں - پہلا مقصد یہ کہ مجرم کے جرم کی تلافی کی جاوے ، اگر ممکن ہے - لیکن اگر تلافی

---

[1] علامہ عبداللہ یوسف علی سے شیرانی صاحب کی یہ پہلی ملاقات تھی - آگے چل کر یہ تعارف دوستی میں بدل گیا - شیرانی صاحب کی اسلامیہ کالج کی ملازمت کے دوران عبداللہ یوسف علی کالج کے پرنسپل بھی رہے - «پنجاب میں اردو» شیرانی صاحب نے انھی کی فرمائش پر لکھی تھی - آخر عمر میں انگلستان چلے گئے تھے اور گوشہ نشینی کی زندگی گزارتے تھے - دس دسمبر ۱۹۵۲ء کو وفات پائی - (مرتب)

ممکن نہیں مثلاً قتل کی حالت میں تو اس صورت میں سزا دہی سے ہمارا
حاصل ہوگا یعنی دوسروں کو عبرت ہوگی اور وہ اسی جرم کے اقدام
کریں گے ۔ الغرض جرم کی سزا دہی میں ہر جج کو یہ دو صورتیں مد
چاہییں ۔ ایک تلافی دوسرے عبرت ۔ ہر سزا سے اگر تلافی ممکن نہیں
ہے اور ہر منصف کو انصاف کرتے وقت ان دونوں لحاظوں کو یاد ر
بعض منصف صرف ایک لحاظ کو یاد رکھتے ہیں اور دوسرے کو بھول
جرم کی سزا میں سخت پاداش دیتے ہیں ۔ لیکن جب کہ قانون ظالمانہ ہ
اپنی ہر دلعزیزی رعایا اور عوام کے دل سے اٹھا دیتا ہے ، جس کا نتیج
مدعی اپنی فریاد سے در گذرے گا ، گواہ اپنے چشم دید واقعات ظاہر نہ
حضوری مجرم کے ساتھ رعایت کرے گی اور علاوہ ازیں عوام مجرم کے
کریں گے ۔ گذشتہ زمانہ میں انگلستان میں بیسیوں جرموں کی سزا
پھانسی دی جاتی تھی ۔ ایک بھیڑ کا چور بھی سولی پاتا تھا جس طرح
روپیہ کے چور کی سزا پھانسی ، منتر جنتر کرنے والے کی سزا پھا
بیسیوں خفیف جرموں کی سزا میں مجرم بےگناہ پھانسی دیے جاتے تھے
صرف چار جرم ہیں جن کے ارتکاب کی صورت میں قانون مجرم کی جا
رکھتا ہے اور وہ چار جرم یہ ہیں :

(۱) بغاوت (۲) قتل (۳) سمندر میں جہازوں کی گرفتاری
جنگی جہازوں میں آتش زنی ۔

تمام دوسرے جرائم میں سزا کی یہ صورتیں ہوں گی :

(۱) جلا وطن و اخراج البلد ۔ میعادی یا بے میعاد ۔ (۲) دوسر
یا صرف قید ۔ (۳) بید لگانا ۔ (۴) جرمانہ ۔

الغرض سزا کے متعلق یہ کچھ ہے جو مختصراً بیان کیا گیا ۔

میں سب و روز اپنی تعلیم میں مصروف ہوں ۔ کوئی وقت بے کا
بروز اپنی تعلیم کی طرف سے تسلی اور اطمینان ہوتا جاتا ہے ۔ امید بڑھ
اگر اسی طرح محنت جاری رہی اور حرج نہیں ہوا تو میں اپنے تمام اس
لوں گا ۔ خدا آپ کو سلامت با کرامت رکھے ۔ گذشتہ ہفتہ میں قط
شعر لکھے گئے لکھے گئے ۔ جب سے اب تک اس کی نوبت نہیں آئی ۔ ع
کے اشعار میں تازہ اضافہ نہیں ہوا ۔ میری تقسیم اوقات بدستور ہے ۔ ص
اٹھتا ہوں ، نہانے سے فراغت پا کر کپڑے پہنے ۔ نو بجے بریک فاسٹ
دس بجے کی ٹرین سے کالج روانہ ہوا ۔ گیارہ بجے کالج پہنچا اور لیکچرو

ہوا ۔ روزانہ دو لیکچر ہوتے ہیں ، جن کے وقت مقرر نہیں ۔ الغرض سات بجے تک
گھر واپس آتا ہوں ۔ آ کر ڈنر کھایا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا ۔ آج
صرف ایک لیکچر ہے جو گیارہ بجے سے ایک تک ہے ۔ باقی سب طرح خیریت ہے ۔
میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ دسمبر کی ٹرم میں مجھ کو اپنا فوٹو کالج بھیجنا
ہوگا تب آپ کو بھی ایک فوٹو بھیجوں گا ۔ ابھی فوٹو اتروانے کی نوبت نہیں
آئی ہے ۔ بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔
فقط

مودود مقصود کو تاکید نوشت و خواند معلوم ہو ۔

محمود
از لندن

(۲۳)

18 Sinclair Road,
Kensington
November 10th 05

لندن ، ۱۰ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

بعد تسلیمات فدویانہ گذارش پرداز ہوں کہ فی الجملہ قرین خیریت ہوں اور
حضرت کی خیریت کا معہ خیریت جملہ اہل خانہ دعا گو ۔ نوازش نامۂ عالی شرف
صدور لایا ۔ میرے خط کے نہ پہنچنے کی شکایت درج تھی ۔ میں نہیں سمجھ سکتا
اس کی کیا وجہ ہے ۔ میں حسب معمول خطوط یہاں سے ہر ہفتہ بلا ناغہ ارسال
کرتا رہا ہوں ۔ کوئی ہفتہ سوائے فروری کے دو ہفتوں کے ناغہ نہیں گیا ۔

میں اپنی تعلیم میں ہر وقت بہ سرگرمی تمام مصروف ہوں ۔ انشاء اللہ تمام کام
حسب دل خواہ انجام پاوے گا ۔ اگرچہ میں اب تک کسی امتحان میں شریک نہیں
ہوا ہوں لیکن دیر آید درست آید ۔ ارادہ تھا کہ دسمبر میں شریک امتحان ہوؤں
لیکن کامل بھروسہ نہیں تھا ۔ اس لیے اس میں نام نہیں بھیجا ۔ اگلی سہ ماہی میں
یعنی مارچ سنہ ۱۹۰۶ء میں شریک ہوؤں گا ، اگر خدا نے بھی چاہا ۔ میرا سچا
ارادہ ہے اور پڑھائی بھی اس وقت تک قابل اطمینان ہو جاوے گی ۔ میں اس وقت
دونوں قانون رومن لاء اور کریمنل لاء دیکھ رہا ہوں ۔ رومن لاء اچھا تیار ہے اور
کریمنل لاء کی ابھی ابتدا ہے ۔

میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ بخدمت ہردو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم
محمد مشہود خاں کو پیار ۔

کل ہمارے لیکچرار نے ایک لیکچر رومی قانون کی تاریخ پر دیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہ مضمون آپ کو بھی دلچسپی دے گا۔ اس لیے آئندہ صفحات میں اس کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔

فقط

محمود

تاریخ روم

رومی قانون پر مورخانہ پہلو سے نظر ڈالتے وقت ہمیں قانون روم کی تاریخ میں بڑے انقلاب نظر آویں گے۔ یہ انقلابات اگرچہ حقیقت میں دولتی انتظام اور سیاسی تبدیلیوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کا بڑا اثر ملک کے ہر آئینی فروع پر ہوا انہی انقلابات نے روم کو چند چھوٹی چھوٹی بستیوں کے درجہ سے ابھار کر ترقی کے اس زینے پر چڑھا دیا کہ وہی چند متحدہ ریاستیں ایک عظیم الشان سلطنت کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں۔ سیاسی امور اور معاشرتی قوانین میں اس ملک نے اس تاریک زمانے میں جو ترقی کی وہ ہمیشہ کے لیے یورپ کے واسطے ایک مثال اور چراغ راہ ثابت ہوئی۔ آنے والی شائستہ قوموں نے اس کی تقلید کی اور ترقی کی اس معراج پر پہنچ گئیں جو قوموں کی ناپائیدار عمر اور قبیلوں کی متحدہ کوششوں سے ممکن تھا۔

قریباً تیرہ صدیوں کے زمانے میں جو کہ روم کی زندگی کا زمانہ ہے، جس کی ابتدا حضرت مسیح سے ۷۵۳ برس پیشتر سے لے کر ۵۲۷ سنہ مسیح تک پہنچتی ہے۔ اس زمانے کی تقسیم تین انقلاب میں یوں ہے۔ سنہ ۷۵۳ق م سے ۵۰۹ ق م تک اس ملک میں شخصی سلطنت یا بادشاہی رہی۔ سنہ ۵۰۹ ق م سے ۳۱ ق م تک اس میں جمہوری سلطنت کا دور دورہ رہا۔ سنہ ۳۱ ق م سے ۵۲۷ء تک اس ملک میں شہنشاہی رہی۔ قانونی تاریخ پر یہ تین زمانے بہت بڑا اثر رکھتے ہیں۔

شاہی زمانہ

یہ زمانہ قدیم اور شخصی سلطنت کا زمانہ تھا۔ اس زمانے کی مکمل تاریخ معدوم ہے۔ متفرقات سے جو امور قانونی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں، ان سے ہم کو ایک دھندلی اور ناکامل تاریخ ملتی ہے جس کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ بادشاہ اس وقت کامل خود مختار ہوتے تھے اور طریق حکم رانی میں ان کو فوجی قوت پر بھروسہ ہوتا تھا۔ ان کے تحت میں ایک سو آدمیوں کی اور بعد میں تین سو آدمیوں کی مجلس ہوتی تھی جس کو ان کی اصطلاح میں ''سینیٹ'' کہا جاتا تھا بادشاہ کی منظوری سے یہ کونسل نئے قانون اجراء کرتی تھی۔ سینیٹ میں خواص

اور ذی رتبہ اشخاص شامل ہوتے تھے -

سینیٹ کے بعد ایک اور کونسل تھی جس میں عوام شامل تھے - اس کونسل کا نام ''کمیٹیا کیوریاٹا[1]'' تھا - کچھ عرصہ کے بعد ایک اور کونسل عوام کی قائم ہوئی - اس کا نام ''کمیٹیا سینچوریاٹا[2]'' تھا - ان کمیٹیوں سے بھی قانون وقتاً فوقتاً اجرا ہوتے رہے جو سینیٹ اور شاہی منظوری کے بعد مشتہر ہوتے تھے - جب شاہی سلطنت پر ضعف آیا اور بادشاہ بہت جلد ملک سے نکالے گئے - اب نیا دور شروع ہوا اور شاہی خود مختار سلطنت کے بجائے روم میں جمہوری سلطنت قائم ہوئی -

جمہوری سلطنت

اس سلطنت کا انتظامی طریقہ یہ تھا کہ ملک کو چھوٹے چھوٹے اضلاع میں تقسیم کرکے ان پر عامل یا حاکم مقرر کیے جاتے تھے - ان پر بڑے عامل ، جو صوبوں پر ہوتے تھے ، با اختیار ہوتے تھے ان پر سرکاری کونسل یا سینیٹ با اختیار تھی - سینیٹ پر دو شخص حکمران ہوتے تھے جن کو اصطلاح میں کونسل کہا جاتا تھا - دونوں کونسل برابر کے حریف اور برابر اختیار رکھتے تھے اور ہر سال بدل دیے جاتے تھے اور نئے کونسل سینیٹ سے انتخاب ہوا کرتے تھے - اس وقت تک رومی قانون کتاب کی صورت میں مدون نہیں ہوا تھا اور نہ ہی تحریر میں آیا تھا -

سینیٹ کے حکم سے تین شخص یونان بھیجے گئے تاکہ یونانی طریق حکومت کا معائنہ کرکے وہاں سے وہ قانون لاویں جو جمہوری سلطنت کے لیے مفید ہو - سنہ ۴۵۴ ق م میں یہ اشخاص واپس آئے اور بڑا ذخیرہ یونانی قانون کا اپنے ہمراہ لائے - اس کے بعد دس عامل پورے اختیارات کے ساتھ اس غرض سے ایک سال تک کے لیے مقرر ہوئے کہ ملک میں نئے قانون جاری کریں اور یونانی طرز حکومت کی تقلید کریں - ان عاملوں نے دس مجموعہ قوانین تیار کیے - ایک سال بعد اس میں.......................[3]............ اصطلاح میں ''ٹویلو ٹیبل'' یا دوازدہ قانون

کہا جاتا ہے - یہ تمام قانون سینیٹ اور کمیٹیا سینچوریاٹا میں بڑے غور و خوض سے معائنہ ہونے کے بعد بارہ تختیوں پر کندہ کیے گئے - بعد میں یہ قانون رومیوں کے لیے دستور العمل رہے اور رومیوں کے تمام فن قانون کا یہی دوازدہ قانون ماخذ و مخزن ہے - دوازدہ قانون وہی اصلی قانون نہیں ہے جو کہ اس سے قبل ملک میں

۱- Comitia Curiata (لاطینی)

۲- Comitia Centuriata (لاطینی)

۳- یہاں سے خط پھٹا ہوا ہے اور اس کا ایک ٹکڑا غائب ہے - (مرتب)

جاری تھا - ہم اس اصلی قانون کی بابت کچھ نہیں جانتے کہ وہ ک
دوازدہ قانون بہت کچھ اس قدیم قانون کے مشابہ ہے اور خود د
مجموعہ رومی قدیم قانون اور قدیم رسوم میں چند اصلاحات کے بعد
گیا ہے - دوازدہ قانون پہلا قانون ہے جو کہ مدون ہوا -

دولت جمہور کے زمانے میں سینیٹ کا وجود تو قائم رہا لیکن
بنانے سے کچھ زیادہ سروکار نہیں رہا - ایک تیسری مجلس عوام کی ا
جس کا اصطلاحی نام "کمیٹیا ٹرائی بیوٹا"[1] ہے - ابتدا میں اس مج
نافذ کرنے کا حق حاصل نہیں تھا - لیکن بعد میں "کمیٹیا سینچوربا
قانون "لیک ہاٹینسیا" کی رو سے یہ حق اس کو مل گیا اور وقتاً فوقتاً
اس مجلس سے جاری ہوتے رہے - عدالتوں کے حکام اس وقت "پری
تھے - گویا اس زمانے کے ججوں اور منصفوں کے برابر ہوتے تھے -
سال اپنے فیصلے شائع کیا کرتے تھے - یہ فیصلے جو کتاب کی ص
فوقتاً مدون ہوتے رہے ، پچھلی نسلوں کے لیے نظیر اور قانون بنے - ا
دوازدہ قانون میں نئے قوانین کا اضافہ ہوتا رہا - یہ نیا اضافہ "حب
کہلاتا ہے - دوازدہ قانون یا "حبس ہونوریم"[2] یہ جو کچھ بھی تھا
اور خالص رومی نسل کے باشندوں کے لیے تھا - دوسرے الفاظ میں
سکتا ہے دیسیوں کے لیے - پردیسی اس رعایت سے مستفید نہیں ہو سکتے
جمہوری زمانے میں جب کہ رومیوں کے تعلقات ممالک غیر کے
حرفت ، آمد و رفت اور تجارت کے ذریعہ سے مستحکم ہوئے ....
پردیسیوں کے حقوق کی نگرانی کے لیے[3]

(۲۴)

Sinclair Road,
Kensington,
London

لندن ، ۲۰ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین دام برکاتکم

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ آج ہمارے

۱- Comitia Tributa (لاطینی)
۲- Jus Honorium (لاطینی)
۳- خط ناقص بھی ہے اور نامکمل بھی (مرتب)

ہو چکی ہے ۔ نشست کے کمرہ میں لوگ بھرے ہیں ۔ میں نہ اس کمرے کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں اور نہ ہی یہاں لمبا خط لکھ سکتا ہوں ۔

مالک مکان کا بھانجا ، عمر چوبیس سال ، جو دو ہفتہ سے بطور مہمان یہاں آیا ہوا اور بیمار تھا ۔ آج علی الصباح قریباً ساڑھے چار بجے فوت ہوگیا ۔ سردی لگ کر نمونیا ہوگیا تھا ۔ اس وقت ہمسایہ اور رشتہ دار آ رہے ہیں ۔ میں حسب رسم کام کروں گا ۔ اگر دوسرے کرایہ دار اپنے اپنے کام پر نہیں گئے تو میں بھی لیکچروں میں نہیں جاؤں گا ۔ جنازہ تو کئی روز بعد اٹھے گا ۔ میں اس سے پیشتر چار تصویریں ہیں نشست کی بھیج چکا ہوں ۔ فوٹو گرافر نے تصویر پانچ مرتبہ اتاری لیکن دو ہائی ، میں نے ناپسند کیں ۔ تصویریں یا تو اس خط کے ساتھ آپ کو پہنچیں گی یا خط سے ایک ہفتہ بعد ۔

تمام مکان کے پردے گرا دئیے ہیں ۔ گھر بھر میں اندھیرا ہے ۔ جس گھر میں یہاں موت ہوتی ہے اس گھر کے تمام پردے اتار دئیے جاتے ہیں ۔ اس وقت زیادہ لکھنے کا موقعہ نہیں ، اس لیے معافی مانگ کر رخصت ہونا ہوں ۔ اگر کالج گیا اور موقعہ ملا تو وہاں سے کچھ اور حالات لکھ سکوں [گا] ۔ میں خیریت سے ہوں اور میری تعلیم بہت اچھی حالت میں ہے ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خان کو پیار ۔

فقط

محمود

(۲۵)

لندن

۲۹ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ حاجات و کعبۂ مرادات دام ظلکم

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ گذشتہ ہفتہ صاحب خانہ کے ایک قریبی عزیز کے انتقال کی وجہ سے مجھ کو اس قدر موقعہ نہیں ملا کہ مفصل عریضہ ارسال خدمت اقدس کرتا ۔ ”کاؤن روم“ سے جو عریضہ مرسل خدمت والا ہوا وہ بھی نہایت مختصر تھا ۔ اس طرح سے گویا میں نے گذشتہ ہفتہ دو عرضداشت روانہ کیں ۔ اس دفعہ ارادہ ہے کہ ایک لمبا خط لکھوں تا کہ تلافی مافات ہو جاوے ۔ اجازت دیجیے کہ عید کی مبارکباد ادا کروں ۔ کل عید تھی ، ہم لوگوں نے جیسے کچھ عید کی وہ آئندہ عرض کروں گا ۔

یہ شخص جس کا گذشتہ جمعہ کو انتقال ہوا ، ایک نوجوان میرا ہم سن تھا ۔ صاحب مکان کا حقیقی بھانجا اور یہاں بطور مہمان ایک ہفتہ سے ٹھہرا ہوا تھا ۔ یکایک

سردی لگی ، زکام ہوا ، پھر نمونیا ہوگیا اور چوتھے دن آناً فاناً میں دم دے دیا ۔

اس قوم کے مراسم ماتم داری کے اصول سب دانشمندانہ اور حکیمانہ ہیں
جوان جہان کی ناگہانی موت ہمارے ہاں تو محلہ بھر میں تہلکہ ڈال دیتی لیکن یہاں
ذرا چرچا نہیں ہوا ۔ لوگ ماتم پرسی کے لیے آئے ۔ ہمسائے میں سے وہی لوگ آئے
جن سے کسی قسم کا سابقہ تعلق یا شناسائی تھی ۔ اجنبی ہمسایہ نے آ کر جھانکا
تک بھی نہیں اور نہ ہی صاحب خانہ نے اس کے نہ آنے پر کسی قسم کی شکایت
ظاہر کی ۔ رشتہ داروں اور دوستوں کو معمولی اطلاعی ماتمی خطوط لکھ دے گئے
قریبی اور خونی عزیزوں کو تار بھیج دیے ۔ بعض خود آئے اور بعض نے جواب میں
تعزیتی خط پر اکتفا کی ۔ جو آئے وہ بھی کچھ عرصہ ٹھہرے اور بعد میں کام کاج
کو چلے گئے ۔ گھر میں جس قدر ہم لوگ مہمان تھے سب حسب معمول اپنے
اپنے کام کاج کو وقت پر گئے اور حسب روزمرہ واپس آئے ۔ حسب دستور کھانا
وقت مقررہ پر ملتا رہا یعنی ہمیں باہر کھانے کی تکلیف نہیں اٹھانا پڑی کفن ساز
آیا اور کفن کا ناپ لے کر چلا گیا اور اسی روز کفن بھی تیار ہو کر آ گیا ۔ یہ
خیال رہے ہمارے ہاں کفن کپڑے کا دیتے ہیں اور ان کے ہاں کفن بالکل تابوت
کی طرح کا ہوتا ہے ، خوش نما سیاہ رنگ کا ۔ جسم کے حجم کے مطابق لمبا او
چوڑا صندوق ۔ اس صندوق میں مردہ کو رکھا جاتا ہے جو شب خوابی کے
گون میں لپٹا ہوا ہوتا ہے ۔ اس صندوق یا تابوت کو انگریز کوفن کہتے ہیں
فرق صرف تلفظ میں ہے ورنہ لفظ وہی ہے جسے ہم کفن کہتے ہیں ۔ یہ لفظ اردو
میں فارسی ، عربی کے ذریعہ سے یونانی زبان سے آیا ہے ۔ اسی طرح انگریزی میں
فرانسیسی اور لاطینی کے وسیلہ سے یونانی سے لیا گیا ہے ۔

جمعہ کو وفات ہوئی ۔ پیر کو جنازہ اٹھانے کی ٹھہری اس طرح سے گو
مردہ تین روز تک گھر میں پڑا رہا ۔ اس قدر وقفہ کے بعد دفن کرتے ہیں ۔ یہ
مصلحت ہے کہ مردہ شخص کسی خواب آور بے ہوشی میں مبتلا نہ ہو یعنی
اس کی زندگی کا امتحان مقصود ہوتا ہے ۔ شک کی صورت میں اس سے بھی زیادہ
عرصہ تک مردہ گھر میں رکھا رہتا ہے ۔ دیر تک مردہ رکھنے کی ابتدا یہ تھی جو
ذکر ہوئی لیکن اب یہ رسم چلی ہے ۔ اس لیے خواہ موت کا یقین وثوق کے ساتھ ہی
کیوں نہ ہو ، میت کئی روز تک گھر میں رکھی جاوے گی ۔ امرا شرفا میں بعض
وقت یہ میعاد دو دو ہفتہ تک پہنچ گئی ہے ۔ اس عرصہ میں ڈاکٹر اپنی
طبی معائنہ کی سند دے گا اور اس سند کے ذریعہ سے عدالت سے مردہ کے دفن کرنے
کی اجازت لی جاوے گی ۔ ہمارے ہاں تعزیتی خطوط لکھنے کا رواج کفن دفن کے بعد

ہے لیکن یہاں اس قسم کے خطوط موت اور تجہیز و تکفین کے درمیان پہنچنے
چاہیں۔ مردہ پر رونا اسلام میں مذہباً منع ہے اور یہاں یہ ممانعت رواجاً ہے۔
لیکن شاید رسم کا اثر مذہب کے اثر سے بھی زیادہ طاقت ور ہے کہ ہمارے ہاں
ایسے موقعوں پر اکثر اوقات عورتوں کے بین سنے جاتے ہیں لیکن یہاں زور سے رونا
چلانا نہایت شاذ ہے۔ جنازہ ہمارے ہاں کندھوں پر اٹھایا جاتا ہے۔ یہاں جنازہ
لے جانے کے لیے ایک مخصوص کرایہ کی گاڑی ہوتی ہے جس کی تمام آرائش سیاہ
چیزوں سے ہوتی ہے۔ گاڑی بالکل سیاہ، گاڑی کھینچنے والے گھوڑے بالکل سیاہ۔
جنازہ گاڑی کے بعد عزاداروں کی گاڑی میں میت کے خونی عزیز ہوتے ہیں۔ اس
کے بعد دوسری گاڑی میں دیگر رشتہ دار اور ہمسایہ وغیرہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔
یہ سب گاڑیاں جنازہ گاڑی کی طرح سیاہ ہوتی ہیں۔ گھوڑے بھی سیاہ ہوتے ہیں۔
اور گاڑی کی سواریاں تمام ماتمی لباس میں ہوتی ہیں۔ اس طرح سے جنازہ نکلتا ہے۔
گاڑیوں کی رفتار نہایت دھیمی اور ماتمیانہ ہوتی ہے۔ اس جلوس کے وقت راہ گیر اور
راہگیر گاڑیاں حتی الامکان جنازہ کو نہیں روکیں گے۔ پولیس مین جنازہ کے لیے
راستہ نکال دے گا اور یہ جلوس برابر چلتا رہے گا حتی کہ قبرستان آ جاوے گا۔

ہمارے ہاں کے گورستان اور اس کی برباد تعمیریں، ٹوٹی پھوٹی قبریں اور
شکستہ تعویذ، ان تمام خستہ چیزوں کا منظر بجائے خود عبرت ناک اور ماتمیانہ ہے
جس سے جذبات بھرا دل ضرور گداز ہوتا ہے لیکن انگریزی گورستان بھی اس قسم
کے عبرتناک جذبات ضرور پیدا کرتے ہیں۔ اسلامی گورستانوں کا نظارہ دل پر یاس
اور مایوسی اکثر صورتوں میں پیدا کرتا ہے۔ یہی یاس انگریزی گورستان میں
بھی ظاہر ہے۔ لیکن اس یاس کے ساتھ ہی ایک قسم کی امید اور حرارت دل میں
پیدا ہوتی ہے۔ فنا کا نقشہ دونوں گورستان پیدا کرتے ہیں لیکن پچھلی چیز اداسی
کے ساتھ ہی ایک قسم کی روشنی دل میں ڈال دیتی ہے۔

ایک خاموش اور غیر آباد احاطہ ہے جس میں قدم قدم پر سنگ تربت قد آدم
کھڑے ہیں۔ قبروں پر مختلف قسم کے پھولوں کے درخت لگے ہیں۔ بعض تازہ
قبروں پر پھول اور پھولوں کے ہار پڑے ہیں۔ گوشہ میں ایک طرف ایک سیاہ
عمارت ہے۔ یہ گورستان کا گرجا ہے۔ جنازہ دروازہ پر پہنچ گیا۔ پادری اس کے
استقبال کو آیا۔ تمام لوگ سواریوں سے اتر کر جمع ہوئے۔ پادری نے مختصر سی
نماز ادا کی۔ یہ نماز جنازہ ہے۔ اب میت کو قبر میں لے جانے کی تیاریاں ہوئیں۔

یہ قبر ایک روز پہلے سے کھد رہی ہے اور اس اکیلی قبر میں اس میت کے
بچے اور عزیز وقتاً فوقتاً دفن ہوتے رہیں گے۔ یہ قبر ستائیس فٹ گہری ہے، کیونکہ

چھ شخصوں کے لیے خریدی گئی ہے۔ اس گز ڈیڑھ گز زمین کی خریداری ،
پچاس پونڈ یعنی سات سو پچاس روپے خرچ ہوئے ہیں۔ یہ ولایت ہے جہاں ز
اس قدر ہیں کہ مردوں کو جگہ نہیں ملتی۔ اس لیے ایک قبر میں اوپر تلے
مردے رکھے جاویں گے۔ یہ قبر ایک خاندان کی قبر ہے نہ صرف ایک شخص ک
اس لیے اس قدر گہری ہے کہ چھ سات مردے اوپر تلے دفن ہو جاویں۔ اس
تابوت اتار دیا گیا۔ اس تابوت یا صندوق کی بھی قیمت سن لیجیے سولہ پونڈ ی
دو سو چالیس روپیہ۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں بھلے آدمی کا مرنا آسان کام نہیں
جہاں ہمارے ہاں دس بارہ روپیہ تجہیز و تکفین میں خرچ ہوتے ہیں ، یہاں ساٹھ
پونڈ کا صرفہ ہوتا ہے۔ تابوت اتار کر اور تھوڑی سی مٹی ڈال کر لوگ چلے گئے
گورکنوں نے قبر کو بھرنا شروع کیا۔ اس کے بعد جب کہ قبر برابر ہو
نہایت قریبی اعزہ نے قبر پر پھول اور ہار چڑھائے۔ یہاں پھول عموماً مہنگے ہو
ہیں اور نہایت گراں یہ ہار ہمارے ہاں کے ہاروں سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ ہار شاخ
پھول اور پتوں سے بنائے جاتے ہیں۔ قبر پر چڑھانے کے نہایت مہنگے ہیں۔
پانچ شلنگ یعنی پونے چار روپیہ سے لے کر اسی اسی روپیہ تک ملتے ہیں۔ نہایت
قریب کے عزیز ہار چڑھاتے ہیں اور دوست وغیرہ عموماً پھول۔ اس وقت تک قبر
خام ہے ، لیکن رفتہ رفتہ اس پر پختہ تعویذ بنا دیا جاوے گا اور لوح تربت پر مردہ
کی عمر ، نام ، تاریخ پیدائش اور وفات درج ہوگی۔ یہ گویا لازم ہے۔ اکثر اوقات
مردہ کی مخصوص صفات سنگ تربت پر درج ہوتی ہیں۔ اور یہ عبارتیں جب کہ
مختلف قبروں پر مطالعہ میں آتی ہیں انسان کے دل پر ایک اچھا اثر پیدا کرتی
ہیں۔ اس قسم کی مثالیں ہمارے ملک میں شاذ ہیں۔ اگر نامناسب نہ ہو تو چند
مثالیں اس قسم کی ذکر کرتا ہوں۔

معمولی اشخاص کی قبروں پر اس قسم کے فقرے کندہ ہوتے ہیں: «یہ
سعادت مند فرزند ، محبت کرنے والا خاوند اور مہربان باپ تھا» گویا اس میں مردہ
کے تمام تینوں فرائض کی ادائیگی کا اقرار ہے جو ہر انسان کامل پر واجب اور لازم
ہیں۔ یا «یہ جنگ واٹرلو کے شہیدوں میں سے ہے» یا «یہ مشہور سیاح نامور ادیب
اور اچھا مہندس تھا»۔ بعض وقت اسباب موت ظاہر کیے جاتے ہیں مثلاً «آتش زدگی
سے مرا» یا «پانی میں ڈوب کر مرا»۔ عورتوں کی قبر پر بھی اس قسم کے فقرات
درج ہوتے ہیں «ناز پرور بیٹی نامراد بیوی اور سچی ماں»۔ بعض وقت مرنے والے
خود وصیت میں کوئی نہ کوئی فقرہ اپنے لیے تجویز کر لیتے ہیں اور اس قسم کے
شعر یا فقرے جب کہ شاعروں کی زبان سے نکلتے ہیں نہایت درد خیز اور عبرت ناک

ہوتے ہیں ، اگرچہ ہمارے شاعروں کے شعروں کی طرح لطیف نہیں ہوتے ۔ اس موقعہ پر میں دو تین مثالیں دونوں ملک کے شعرا کے انتخاب کی دوں گا ۔ بہرحال اس معاملے میں فارسی شعرا کو میں کامل مانتا ہوں ۔ انگریز شعرا ان کے مقابلے میں اجڈ اور گنوار معلوم ہوتے ہیں ۔ میں یہ امر اس لیے نہیں کہتا کہ مجھ کو فارسی سے ضرورتاً لگاؤ ہے، نہیں امر واقعی یہی ہے ۔

سر آئزک (اسحاق) نیوٹن کی تربت پر یہ عبارت خود مرحوم کی تجویز کردہ لکھی ہوئی ہے : «یہ مقام آئزک نیوٹن کا فانی جسم رکھتا ہے جس کو فطرت ، وقت اور آسمان نے لازوال بنا دیا ہے» ۔ پوپ ایڈرین (چارمین) کے مزار پر یہ الفاظ اسی کے قلم سے نکلے تحریر ہیں : «پوپ ایڈرین (چہارم) یہاں سوتا ہے جس نے اپنی تمام عمر میں حکومت کرنے سے زیادہ کوئی ناخوش تجربہ نہیں کیا» ۔ سینٹ پال گرجا (واقع لندن) میں سر کرسٹوفر رین کی قبر پر یہ الفاظ کندہ ہیں : «اگر اس کی یادگار تلاش کرو تو یہیں اردگرد دیکھ لو» واضح رہے یہ شخص اس گرجا کا مہندس تھا اور یہ عظیم‌الشان گرجا اسی کی رائے سے تعمیر ہوا تھا ۔ کونٹ سیٹر کووسکی کی قبر پر یہ جملہ تحریر ہے جو حسب حال ہے «ٹھہراو سورج گردش نہ کر» ۔ اس کونٹ نے یہ ثابت کیا تھا کہ شمس ثابت ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے ۔ ایک بخیل کی قبر پر کسی ٹھٹھولی شاعر نے دو شعر طرح کہے ہیں «یہاں سوتا ہے ایک کنجوس جو ٹکے بچانے کے لیے مر گیا» ۔ سویڈن کے ایک مشہور جنرل کی قبر پر درج ہے «شاد آخرکار» ۔ جنرل واشنگٹن فاتح امریکہ کی قبر پر صرف اس قدر درج ہے «واشنگٹن» ۔ انگریزوں کا خدائے سخن اور ملک‌السعرا شیکسپیر کی قبر پر اسی کے دو شعر درج ہیں «دوست برائے مسیح ان سنگ ریزوں کو نہ چھیڑ ۔ لعنت اس پر جو ان پتھروں کو بکھیرے گا شاباش اس کو جو ان کو جمع کرے گا» ۔

اس موقعہ پر مجھ کو ایک اور کتبہ یاد آیا جو میں نے برٹش میوزیم میں دیکھا تھا ۔ ملک ولد حسین کوئی شخص تھے ۔ ان کی قبر پر ایک قطعہ کندہ تھا ۔ وہ قطعہ بجنسہٖ یہاں لایا گیا ہے ۔ دسویں صدی ہجری میں ان صاحب نے وفات پائی ۔ وہ قطعہ یہ ہے ۔ پہلا شعر تو خیر بھرتی ہے لیکن دوسرا شعر لاجواب ہے :

درون قبر گر آہے کشم از سینۂ چاکم
شود بریاں اگر مرغے نشیند بر سر خاکم

پس از مرگم نسوزد ہیچ کس بر جان غمناکم
مگر شمع بسوزد گاہ گاہے بر سر خاکم

مزنگ میں میں نے ایک قبر پر یہ شعر دیکھا تھا :

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

انارکلی کی قبر پر جہانگیر نے یہ شعر اور فقرہ کندہ کرایا تھا :

تا قیامت شکر گویم کردگار خویش را
آہ گر من باز بینم روئے یار خویش را

(مجنوں سلم اکبر)

لیکن زیب‌النسا کا شعر خود اس کے مزار پر سب سے زیادہ لاجواب ہے :

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا
کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

حزیں ، صائب وغیرہ کے کتبہ جات تو مشہور ہیں - ہمارے ہاں جس طرح تاریخ وفات لکھنے کا چرچا ہے وہ انگریزوں میں نہیں - حروف ابجد تو ان میں بھی موجود ہیں -

اب میں کچھ حالات ہمارے کالج کے گرانڈ ڈنر کے ذکر کرتا ہوں -

اس روز لنکز ان میں ایک خاص ڈنر ہوتا ہے جس میں دیگر افسر بھی مدعو ہوتے ہیں اور طلبا کو مہمان لے جانے کی اجازت بھی دی جاتی ہے - اس جلسہ کے کرسی نشین عموماً پرنس آف ویلز ہوتے ہیں لیکن ان کی غیر حاضری میں صاحب ٹریزرر تشریف لاتے ہیں - اس دفعہ بڑے بڑے جلیل‌القدر امراء ، ڈیوک ، ارل ، کونٹ ، ممبران پارلیمنٹ ، سفرائے دول خارجہ مدعو تھے - ان کی آمد کے لیے ان کے دروازے پر شامیانہ تانا گیا تھا گویا اور دنوں سے زیادہ تکلف کیا گیا - طلبا دوسرے دروازے سے آتے تھے اور مہمان وغیرہ دوسرے راستے سے - اور دنوں ہمارا ڈنر چھ سے شروع ہو کر سات بجے ختم ہو جاتا ہے لیکن اس روز ڈنر سات سے شروع ہوا اور دس بجے تک جلسہ رہا - کھانا کہیں نو بجے ختم ہوا - طلبا کے علاوہ سو ڈیڑھ سو مہمان تھے - ہم میں اور مہمانوں میں فرق یہ تھا کہ مہمان کرسیوں پر تھے اور ہم طلبا بنچوں پر - کھانے کے کمرے میں آتے وقت جس طرح طلبا سیاہ گون روزمرہ پہنتے ہیں اسی طرح مہمانوں کے لیے بھی گون تھے - یہ گون صرف اس لیے دیے جاتے ہیں کہ اول تو کھانے کے داغ دھبوں سے کپڑے خراب نہ ہوں - دوسرے تمام حاضرین ایک لباس میں نظر آویں - گون پہننے کے بعد لباس تمام چھپ جاتا ہے - اب اگر کچھ فرق رہتا ہے تو وہ قدرتی رہتا ہے یعنی رنگوں کا - تو اس اعتبار سے یہاں سب ہی قسم کے لوگ تھے - یورپین میں سے

مریکن ، فرانسیسی ، جرمن ، آئرنیز ، اسکاچ ، روسی اور انگریز تھے ۔ ایشیائیوں
ہیں سے عموماً ہندوستانی اور ہندوستانیوں میں بھی تمام رنگوں کے لوگ ۔ پارسی
چمپئی رنگ کے زردگوں ، بنگالی پستہ قد اور گندم گوں ، برہمی بالکل چینیوں سے
ملتے جلتے ، پنجابی سانولے ، علیٰ ہذا سندھی ۔ علاوہ ازیں دو جاپانی ، تین چار
مصری عیسائی ، افریقہ سے حبشی کافر ۔ یہاں کافر کا استعمال باعتبار رنگ کیا گیا ہے
نہ بلحاظ مذہب ۔

اب ہم کھانے والوں میں تفرقہ ہوتا ہے ۔ بعض گوشت خوار ہیں بعض سبزی
خوار جو گوشت نہیں کھاتے ۔ بہت سے انگریز گوشت نہیں کھاتے ۔ یہ لوگ
ویجیٹیرین (سبزی خوار) کہلاتے ہیں ۔ اب گوشت خواروں میں بھی کئی تقسیمیں
ہیں ۔ پہلی تقسیم میں وہ لوگ ہیں جن کو کسی قسم کے گوشت سے پرہیز نہیں
جو رواجاً مستعمل ہے ۔ انگریزوں کو گوشت میں کچھ پرہیز نہیں ، اس میں
وہ رسم کے پابند ہیں ۔ دوسری تقسیم میں وہ لوگ ہیں جو کسی خاص گوشت کے
کھانے سے پرہیز کریں مثلاً مسلمان ۔ یہاں خنزیر بھی عموماً دعوتوں کے موقعوں
پر ہوتا ہے ۔ تیسرے ہندو انھیں گائے سے پرہیز ہے ۔ گویا ہندو مسلمان اضداد میں
سے ہیں ۔ ایک گائے کھاتا ہے ، دوسرا اس کے خلاف ۔ ایک خنزیر کھاتا ہے ،
دوسرا اس کے خلاف ۔ اس لیے ہمیں اپنی اپنی نشست دیکھ کر لینا ہوتی ہے ۔

نو بجے قریباً کھانا ختم ہوا ۔ صاحب کرسی نشین نے معمولی تقریر کی ۔ اس کے
بعد حاضرین کا شکریہ ادا کیا گیا ۔ ان کے جام صحت پئے گئے ۔ کامیاب طلبا کو ،
ان سے پابندی قانون سوسائٹی کی قسمیں لے لے کر ، ان کو خطابات اور ڈگریاں
دے دی گئیں ۔ انعامات تقسیم ہوئے ۔ کامیاب طلبا میں پانچ سات انگریز ، ایک
حبشی ، دو ہندوستانی تھے ۔ اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا ۔ مہمانوں میں یہ لوگ
مدعو تھے ۔ بعض مشہور لوگوں کے نام لکھ دیتا ہوں :

صاحب ٹریزرر ۔ ان کے دائیں بائیں سفرائے دول خارجہ تھے ۔ ایک طرف سفیر
امریکہ ، دوسری طرف سفیر جرمنی ۔ فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹ سپیکر ہاؤس آف
کامنز ، آنریبل روڈلف سالسٹر جنرل کینیڈا ، مونسیو چٹو مقتن فرانس ، سرفراسٹ
ریکارڈ آف لندن ، مسٹر کاپر وائس چانسلر لنکاسٹر ، رائٹ آنریبل لیونارڈ ایچ ۔
کوانٹی ، لارڈ جسٹس میتھیو ، لارڈ چانسلر ، رائٹ آنریبل الفریڈ لائی ٹن ، مسٹر
سیسل رسل وغیرہ وغیرہ ۔

اب ہماری عید یا لندن میں عید کے حالات مختصراً عرض کرتا ہوں ۔ اگرچہ
گذشتہ سال کی طرح سے دھوم دھام سے نہیں ہوئی لیکن جو کچھ ہوئی غنیمت ہے ۔

اٹھائیس ماہ حال کو یہاں ہم لوگوں نے عید منائی - میں قریباً دس بجے کپڑے بدل کر شیخ عبدالقادر صاحب کے ہاں چلا گیا - اس سے اگلے روز میرے ان کے وعدہ ہو گیا تھا - آج میرے لباس میں اور دنوں سے یہ فرق تھا کہ سر پر انگریزی ہیٹ کی بجائے ترکی ٹوپی تھی - گلیوں سے گذرتے ہوئے اکثر راہ گیروں نے دیکھا اور چونکہ ترکی ٹوپی اور سانولا رنگ مجھ کو ان سے ممیز کرتا تھا اس لیے خواہ مخواہ ان کے لیے ایک عجوبہ تھا - ایسی حالت میں انسان میں ایک قسم کی بے چینی یا جھجک پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خواہ مخواہ تمام کی نگاہیں ایک شخص پر آ کر ٹھہرتی ہیں - ابتدا میں یہ جھجک مجھ کو زیادہ بے آرام کرتی تھی لیکن اب تو عادی ہو چلا ہوں -

شیخ صاحب کا مکان آیا - ابھی تک حضرت کھانے سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے - مجھ کو دیکھ کر بولے - تو مجھ کو بھی ترکی ٹوپی پہننا پڑی - شیخ صاحب کے ساتھ ایک اور شخص رہتے ہیں مسٹر عبدالعزیز (یہ صاحب سول سروس میں داخل ہیں) انھوں نے بھی حرصا حرصی ترکی ٹوپی پہنی - اتنے میں مسٹر بشیر احمد خاں پیرزادہ محمد حسین[1] جج بھی تشریف لے آئے - آپ کے سر پر حسب معمول انگریزی ٹوپی تھی - انھیں دیکھ کر شیخ صاحب بولے ، بھئی تم ہمارا کام خراب کرو گے - ہم سب سرخ پوش ہیں - تم عید کے دن بھی ماتمی ٹوپی لگائے ہوئے ہو - انھوں نے عذر کیا کہ ان کے پاس ترکی ٹوپی نہیں ہے خیر چونکہ وقت تنگ تھا اس لیے ہم فوراً گھر سے روانہ ہوئے - ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا - برقی ریلوے کے اسٹیشن تک ہم پیدل گئے - وہاں سے ریل میں سوار ہوئے - انگریزوں کے لیے ہم لوگ تماشہ تھے - اس پر شیخ صاحب نے کہا دیکھو بھئی اختلاف رنگ و لباس کیا شے ہے، کچھ بھی نہیں - لیکن پھر بھی یہ لوگ ہمیں کس قدر اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں - میں نے کہا، لیکن آپ ہندوستان کا تصور کیجیے - جب کوئی انگریز ہمارے شہر کی گلیوں میں

۱- پیرزادہ محمد حسین ، پنجاب یونیورسٹی کے تمرہائے اولیں میں شمار کیے جاتے ہیں - شاہ عبدالحکم مہمی کے اخلاف سے تھے - ۱۰- ستمبر ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوئے سنہ ۸۳-۱۸۸۲ء میں اورینٹل کالج سے ایم - اے (فارسی) کیا تھا - دہلی میں ڈسٹرکٹ جج رہے پھر چیف جج ہو کر کشمیر چلے گئے - ان کی منظومات «مخزن» میں شائع ہوا کرتی تھیں - «عارف» تخلص کرتے تھے - کئی کتابوں کا ترجمہ کیا - ۳- مارچ ۱۹۲۸ء کو دہلی میں انتقال ہوا - بشیر احمد صاحب کے مضامین بھی مخزن میں چھپا کرتے تھے - یہ زیادہ تر انگریزی انشائیوں وغیرہ کے تراجم ہوتے تھے یہ بارایٹ لاء تھے اور اسی جہاز میں ولایت گئے تھے جس میں علامہ اقبال تشریف لے گئے تھے - (مرتب)

جاتا ہے تو لڑکوں کا غول کا غول اس کے پیچھے ہو جاتا ہے ۔ شکر کیجیے یہ
معاملہ نہیں ہے ورنہ ناک میں دم ہو جاتا ۔ بولے ہاں یہ بات حیرت انگیز ہے ۔ اصل
یہ ہے یہ قوم فرداً فرداً آراستہ اور مہذب ہے اور ہمارے ہاں تہذیب صرف چند افراد
میں ہے اور باقی بالکل نیم شائستہ ۔

برٹس میوزیم سٹیشن پر ہم ریل سے آترے وہاں سے ہوبرن ریسٹرا کا راستہ
۔ یہ ریسٹرا عوام کے جلسوں کے وقت کرایہ پر مل جاتے ہیں ۔ اس لیے جلسے
اور میٹنگ اس قسم کے مقامات پر ہوتے ہیں ۔ یہاں ہمارے لیے ایک بڑا ہال نماز کے
واسطے لیا گیا تھا ۔ دروازہ پر ملازم کھڑا تھا ۔ ہمیں دیکھتے ہی ہمارا رہبر ہو گیا ۔
ریسٹرا میں گھس کر کئی موڑ اور زینے طے کرتے ہوئے ہم لوگ نماز کے ہال
پہنچے ۔ یہاں ایک ہندوستانی صاحب نے ہمارا استقبال کیا اور ہمیں کمرے میں
لے گئے ۔ کمرے میں قریباً چالیس ہندوستانی اور تھے اور تمام بے قاعدہ کھڑے
ہوئے گفتگو میں مصروف تھے ۔ ایک طرف دیوار دوز انگیٹھی میں آگ روشن تھی ۔
یہاں دستور ہے کمرے میں آتے وقت ٹوپی اتار دیا کرتے ہیں لیکن چونکہ ہم
ترکی ٹوپی میں تھے اس لیے ہم نے ٹوپی نہیں اتاری ۔ ایک طرف چھتریاں رکھیں
دوسری جگہ اپنے اپنے اوور کوٹ اتار دیے ۔ اس وقت تک تمام لوگ بوٹ پہنے
ہوئے تھے لیکن اب سب نے اتارنا شروع کیے ۔ اب نماز کے لیے صف بندی ہونے
لگی ۔ جو لوگ ننگے سر تھے انھوں نے اپنے اپنے دستی رومال سروں پر لپیٹ لیے ۔
عبد جدیر آفندی ہمارے امام تھے ۔ ان کے سر پر ترکی ٹوپی اور اس پر سفید عمامہ
بندھا ہوا تھا ۔ جسم پر ایک سیاہ عبا تھی ۔ خیر تکبیر ہوئی اور امام نے اللہ اکبر
کہا ۔ ہم سب نے نیت باندھی ۔ ہمارا منہ قبلہ کی طرف تھا لیکن نہ ہندوستان کی طرح
سے مغرب میں بلکہ مشرقی گوشہ میں ۔ خیر نماز خیریت سے ادا ہوئی ۔ اب امام
صاحب نے خطبہ پڑھنا شروع کیا ۔ خطبہ میں سلطان وقت کے نام کی بجائے پہلے
سلطان غازی عبدالحمید خاں کا نام پڑھا گیا ، اس کے بعد سلطان عبدالمجید خاں
کا، اس کے بعد سلطان محمود خاں کا ۔ اور پھر اللہ اکبر کے نعروں سے تمام ہال گونج
گیا ۔ خطبہ اور دعا کے ختم ہونے کے بعد مسٹر عبداللہ المامون سہروردی نے
رمضان المبارک کے تقدس اور برکت کے اظہار میں انگریزی میں ایک مختصر سی
تقریر کی جس میں رمضان المبارک کے متعلق تمام حدیثیں ، روایتیں بیان کیں ۔
اس کے بعد جلسہ برخاست ہوا اور ہم ایک دوسرے سے گلے ملے ۔ اس وقت امام
صاحب نے اٹھ کر کہا کہ آج سفیر ترکی تمام حاضرین نماز سے عید سعید کی تقریب
پر ملنا پسند کریں گے ۔ جو صاحب ان سے ملنا چاہتے ہیں خوشی کے ساتھ تشریف

لے جاویں ۔ اس پر کئی اصحاب متفق ہوئے ۔ شیخ صاحب نے ؛
ان لوگوں کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ ورنہ میں تین بجے جا
سفیر صاحب سے باتیں بھی اچھی طرح ہوں گی اور اس وقت ہجوم
لطف نہیں رہے گا ۔ میں نے کہا ، جیسے آپ کی مرضی ، میں تین
پر آ جاؤں گا ۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ جب سفیر ترکی کے چلتے
سفیر ایران کے ہاں نہ جاویں ۔ بولے ، انھوں نے ہمیں بلایا نہیں ۔
اگر نہیں بلایا تو بن بلائے سہی ۔ آج کے دن میں کچھ حرج نہیں ۔
کہاں کہ دونوں جگہ جاویں ۔ اور میں ایک صاحب سے وعدہ کر
نے سویوں میں بلایا ہے اور یہ ترغیب زبردست ہے ۔

اس کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ میں پہلے سفیر ایران کے ہاں جاؤ
آیندہ کے لیے اس قسم کے موقعوں پر باز دید کی اجازت لوں ۔ بعد از
شیخ صاحب کے ہاں پہنچ جاؤں ۔ وہاں دو تین اور شخص ہوں گے ،
کروں اور بعد میں سب مل کر سفیر ترکی کے ہاں جاویں ۔ اس
ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ۔ میں حسب تجویز سیدھا کارنوال
اس محل میں سفیر ایران تشریف رکھتے ہیں ۔ دروازہ پر محراب میں
شاہی نشان کھدا ہوا ہے اور محل پر ایرانی شاہی نشان لہرا رہا
ملاقاتی گھنٹی جو دروازہ پر نصب تھی ہلائی ۔ جواب میں چند ،
ملازم آیا اور مجھ کو اندر لے گیا ۔ میں نے اس کو اپنا کارڈ دے د
نشست کے کمرے میں چھوڑ گیا ۔ میرا خیال تھا کہ ایرانی سفیر
شیشہ آلات اور قالینوں سے سجا ہوا ہوگا اور اسی کے زیادہ تر مجھ
آرزو تھی ۔ لیکن اس میں مجھ کو یک قلم مایوسی ہوئی ۔ ملا
انگریزی وضع کا اور محل کی تمام اشیاء انگریزی ساخت کی ۔ میرا خی
کے دن تو سفیر صاحب کم سے کم مکان پر تشریف فرما ہوں گے او
کے مطابق دربار لگا ہوگا لیکن اس امید میں بھی مایوسی دیکھنا پڑ؛
خود بدولت جنرل مرزا محمد علی خاں علیہ السلطنت باہر تشریف فرم
کونسلر مرزا مہدی علی خاں معین الوزرا بھی انھی کے ہمراہ
دونوں سیکریٹری مرزا عبدالغفار خاں اور مرزا حسین خاں موج
حسین خاں تشریف لائے ۔ انھوں نے گفتگو انگریزی میں شروع کی
ے فارسی میں دیا ، مردے ہستم اجنبی از دیار ہند ۔

مرزا 'اسم مبارک'
میں 'حافظ محمود'

انھوں نے کارڈ پر نظر ڈالی ۔ میں نے کہا 'ایچ ایم اختصار اسم منست چنانکہ ..ور اہل اروپا است ۔

مرزا 'بسم اللہ بسم اللہ'

اس کے بعد میں نے حرف مطلب کہا: 'خواستم کہ بتقریب عید سعید شرف اندوز باز .. علی السلطنت شوم و ہمیں توقع دیگر اصحاب من کہ از ممالک ہندی آیند از جناب .. السلطنت می دارند۔ حالا از پیش خدمت معلوم می شد کہ جناب شان تشریف ندارد۔

مرزا : 'اگر فردا وقت چاشت بے آئی خیلے بہتر است'۔

میں : 'من اندیشناک ہستم کہ فردا وقت چاشت فرصت ندارم با کسے دیگر وعدہ .. ستم' ، اس کے بعد انھوں نے کہا 'ادریس شما چیست' ۔ اس پر میں نے اپنا پتہ .. کو دیا یعنی وقت مناسب پر وہ سفیر صاحب سے پوچھ کر مجھے بلا لیں گے ۔ اس .. بعد انھوں نے گوڈ بائی اور میں نے خدا حافظ کہا اور رخصت ہوا ۔

وہاں سے میں سیدھا شیخ صاحب کے ہاں پہنچا ۔ شیخ صاحب گھر پر نہیں تھے .. ان کا ایک تار ان کے مالک مکان کے نام آیا ہوا تھا جس میں لکھا تھا .. .. صاحب نہیں آ سکتے ۔ مالک مکان نے مجھ کو وہ تار دکھایا ۔ اتنے میں مسٹر .. عبدالعزیز آئے اور بولے ، شیخ صاحب یہاں نہیں آویں گے ۔ آپ کو اگر سفیر صاحب .. ہاں جانا ہے تو خود ہی جائیے ۔ یہی انھوں نے بغدادی صاحب کو لکھا ہے ۔ .. آپ کچھ دیر ٹھہریں تو وہ بھی آئے ہوں گے ۔ اسی عرصہ میں بغدادی صاحب .. ۔ میں ان سے پہلے سے واقف نہیں تھا ۔ مسٹر عبدالعزیز نے مجھ کو ان سے مسٹر .. المجید کے نام سے ملایا ۔ یہ صاحب بغداد کے ہیں ۔ فارسی عربی میں گفتگو کر .. ہیں ۔ عربی مادری زبان ہے ۔ یہاں انگریزی سیکھنے کی غرض سے آئے ہیں اور .. سال سے تشریف رکھتے ہیں ۔ آپ حاجی بھی ہیں اور ساتھ ہی سلسلۂ تجارت میں .. ۔ اس وقت تک انگریزی پر کافی مہارت نہیں ہے ۔ یہ بھی اس وقت میری طرح .. تھے اور یہ معلوم کر کے کہ میں فارسی جانتا ہوں ، میرے ساتھ سفیر صاحب .. ہاں جانے کے لیے راضی ہو گئے ۔ ان سے فارسی میں باتیں کرتے وقت بڑا لطف .. ۔ سفیر صاحب کے ہاں جاتے وقت میں نے پہلے سے تمام مضمون فارسی میں سوچ .. تھا لیکن ان کے ساتھ اچانک فارسی میں باتیں کرتے ہوئے انگریزی الفاظ .. سلط کرنے لگا اور یہ تمام بات دماغ پر منحصر ہے ۔ اگر ہم دماغ میں کسی .. میں سوچتے ہیں تو قدرتاً اسی زبان میں گفتگو کریں گے ۔ اب مجھ کو انگریزی .. سوچنے کی عادت ہو گئی ہے ، لہٰذا فارسی نہیں بول سکتا اور نہ ہی پہلے سے .. ہے ۔ یہی حالت اردو کی ہے ۔ بعض وقت ایک ایک لفظ کو منٹوں سوچتا ہوں

۔ اس سے پہلے علیہ السلطنت لکھا ہے اور یہاں اور اس کے بعد علی السلطنت (مرتب)

جب کہیں ملتا ہے - انگریزی الفاظ جلد مل جاتے ہیں لیکن فارسی دیر میں - میر
ان سے بڑی لمبی باتیں ہوئیں اور میں وہ تین گھنٹہ تک ساتھ رہے - قریباً ساڑھے
چار بجے ہم سفیر صاحب کے ہاں پہنچے ان کا مکان ۱۸۹ نمبر کوئنز گیٹ میں
واقع ہے - مکان پر ترکی ہلال لہلہا رہا ہے - حسب معمول گھنٹی بجائی - نوکر
نکلا ، ہمیں اندر لے گیا - سفیر صاحب موجود تھے ، ان سے ہاتھ ملایا - چونکہ میں
نے اپنا کارڈ نوکر کے ہاتھ بھیجا تھا اس لیے میں ہی آگے تھا - پہلے میں نے اپنا نام
لیا - انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا - بعد میں میں نے بغدادی صاحب کو حاجی عبدالمجید
کے نام سے معرف کرایا اور کہا کہ یہ صاحب ٹرکش سبجیکٹ (رعایائے سلطان)
ہیں اور میں ہندی نژاد اور نیٹو پرنس (ہندی شہزادہ) کی رعیت ہوں ، جو برٹش
گورنمنٹ سے دوستی کا معاہدہ رکھتے ہیں - میں مسلمان ہوں - میں ، میرے ہم وطن
نیز ہمارا حکمران سہزادہ، سلطان المعظم سلطان عبدالحمید خان غازی کو امیرالمومنین
اور خادم حرمین الشریفین اور دنیائے اسلام کا گرینڈ ماسٹر (پیشوا ، سردار ، سید)
مانتے ہیں - اس ملک میں چونکہ آپ ہمارے امیرالمومنین کے نائب ہیں اس لیے آج
کے دن کی خوشی میں ، جب کہ تمام دنیائے اسلام جشن عید منا رہی ہے ، میں اور
میرا دوست آپ کو مبارک باد دیتے ہیں - اس قسم کی تقریر اس لیے بھی کہ سفیر
ترکی عیسائی اور یونانی عیسائی ہیں - ان میں اور انگریزوں میں فرق صرف یہ ہے کہ
سفیر صاحب کے خط و خال اعلیٰ درجے کے تھے اور رنگ انگریزوں کی بہ نسبت
گہرا تھا - یہاں بھی مکان کی آرائش کے متعلق وہی مایوسی مجھ کو ہوئی جو سفیر
ایران کے محل میں ہوئی تھی - سفیر صاحب کا جواب صرف ''میں خوش ہوں'' اور
''پاشا ہم چوق یشا'' (خدا ہمارے پادشاہ کا حافظ و ناصر) تھا - اس جملے کے کئی
معنی مجھ کو بغدادی صاحب نے بتائے ہیں - وہ تھوڑی سی ترکی جانتے ہیں - اس کے
بعد ملاقات ختم ہوئی -

میں بغدادی صاحب کو اپنے ساتھ مکان پر لایا - ہم دونوں نے گھر پر چائے
پی - میں نے ان کو اپنی تصویریں دکھائیں - عرب وغیرہ کی بابت پوچھتا رہا - یہ
صاحب سیاح جہاں گرد ہیں - ایران ، عرب ، مصر اور فرانس میں رہ آئے ہیں - اثناء
ذکر میں کہنے لگے کہ انھوں نے دو مرتبہ شیر کا شکار کیا ہے اور بڑے شکاری
ہیں - پوچھا انگریزوں کی بابت کیا رائے ہے - بولے فرانسیسیوں میں اور ان میں یہ
فرق ہے کہ فرانسیسی بغیر غرض کے بھی تم سے ملاقات پیدا کرے گا اور اس کو
قائم بھی رکھے گا لیکن انگریز بغیر کسی غرض کے تم سے نہیں ملے گا اور غرض
پوری ہونے کے بعد یار نہیں ، کہنے لگے میں ہندوستانیوں کو پسند کرتا ہوں -
وہ بغیر غرض سے محبت کریں گے ، ملیں گے اور تمھاری عزت کریں گے - میں نے

کہا ، ہندوستانیوں سے آپ کی مراد مسلمان ہندوستانی ہیں یا ہندو۔ بولے میں بت پرستوں کا ذکر نہیں کرتا ، کلمہ گویوں کا کہہ رہا ہوں ۔ میں نے کہا ، تب میں آپ کی رائے سے مخالفت کرتا ہوں ۔ ہندی مسلمان اگر آپ کی نظر میں آپ سے بے غرض ملتے ہیں تاہم وہ اپنی غرض رکھتے ہیں اور یہ تو دنیا میں قانون فطرت ہے کہ بے غرض آپ کسی سے بات بھی نہیں کریں گے - ہندی مسلمانوں کا آپ سے اظہار محبت غرض پر مبنی ہے ۔ وہ غرض کیا ہے ۔ آپ عرب ہیں اور مسلمان ۔ عرب کا تقدس مسلمانوں میں جو کچھ ہے وہ آپ پر روشن ہے ۔ ہندوستانیوں میں اور عربوں میں جو تعلق ہے وہ ظاہر ہے لیکن اب عربوں اور انگریزوں کا مقابلہ کرو ، ان میں کس قدر تفاوت ہے ۔

محمد بحدیر آفندی ، ہمارے امام ، یہ صاحب سفارت خانہ ترکی [کے] ساتھ رہتے ہیں اور سفارت خانہ کے امام ہیں ، جو کہ سلطان کی طرف سے مقرر ہیں ۔

میں ہر طرح خیریت سے ہوں ۔ موسم ان دنوں بہت خراب ہے ۔ ابر ہر وقت محیط ہے ۔ اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں اور میں چراغ کی روشنی میں یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں ۔ ابر ہونے کی وجہ سے کہر تو غائب ہے لیکن اس کا قائم مقام مینھہ ہے ۔ کل دن بھر برستا رہا ۔ رات بھر بوندا باندی ہوتی رہی ۔ اس وقت بارش موقوف ہے لیکن برفانی ہوا سائیں سائیں چل رہی ہے ۔

آج ہمارا کالج بند ہے ۔ کوئی لیکچر نہیں ۔ دوسری دسمبر کو کالج کرسمس کی تعطیلوں میں بند ہو جائے گا ۔ پھر کہیں جنوری میں کھلے گا ۔ میں اپنی تعلیم میں بدستور مصروف ہوں ۔ محنت میں کمی نہیں کر رہا ہوں ۔ آپ دعا کیجیے کہ امتحان میں کامیاب ہوؤں - بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔

ممکن ہے کہ میرے اور مہربان دوست اور پرسان حال اس خط کو پڑھ کر کسی قسم کی دلچسپی حاصل کریں ، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ اپ ان کو بھی اس قسم کا موقعہ عنایت فرماویں گے ۔

وقت تنگ ہو رہا ہے اور میں لکھتے لکھتے تھک گیا ہوں ۔ نظر ثانی کرنے کی فرصت نہیں ۔ اس لیے میں اسی طرح اس خط کو بھیجتا ہوں ۔ امید ہے کہ غلطیوں کو درست کر لیا جاوے گا ۔ زیادہ حد اداب ۔

فقط

محمود شیرانی

(۲۶)

قبلہ گاہی[1]

شیخ صاحب سے میں ملا تھا ۔ آپ کی تحریر جو کچھ ان کے متعلق تھی ان کو دکھا دی ہے ۔ امید ہے کہ وہ آپ کو لکھیں گے ۔

گذشتہ ہفتہ منگل کو آرنلڈ صاحب نے چاہ کے لیے مجھ کو بلایا تھا ۔ چار بجے پہنچا ۔ سات بجے تک وہاں رہا ۔ مختلف مضامین پر باتیں ہوتی رہیں ۔ یہاں انھوں نے مجھ کو ایک یاد گار دکھائی جو علی گڑھ کالج کی انجمن 'الفرض' نے ان کو کالج چھوڑتے وقت دی تھی ۔ یہ ایک زربفت کا ٹکڑا ہے اور اس پر زر دوزی میں علی گڑھ کالج اور انجمن الفرض کا نام لکھا ہے اور ذیل میں یہ دو شعر مولانا شبلی نعمانی کے تحریر ہیں :

آرنلڈ آں کہ دریں شہر و دیار آمد و رفت
دلبرے بود کہ مارا بکنار آمد و رفت
آمد آنگونہ بکالج کہ بہ گلزار نسیم
رفت ز آنگونہ تو گوئی کہ بہار آمد و رفت

بعد میں ہندوستان کی اور اشیاء ، مختلف مقامات کی تصویریں دکھاتے رہے ۔ اس میں مولوی محمد شعیب کی بھی ایک تصویر تھی ۔

آج کل کرسمس کی تعطیلات ہیں ۔ تمام لندن میں ایک قسم کی دھوم ہو رہی ہے دوکانیں عجب عجب انداز سے سجائی جا رہی ہیں ۔ لوگوں کی اس وقت یہاں اس قدر کثرت ہے کہ دو قدم پیدل چلنا دشوار ہے ۔ محکمہ ڈاک نے اپنا انتظام خاص طور پر اس موقعہ پر بدل دیا ہے ۔ ممکن ہے کہ اس سال بھی ہندوستان کی ڈاک دیر یا جلد آجاوے جس سے میں اس وقت تک لا علم ہوں ۔ اگر ڈاک جمعرات کو نکل گئی تو آپ کو یہ خط اس ہفتہ نہیں ملے گا اور مجھ کو اس وقت تک تحقیق نہیں ۔ اخبارات میں اس کی بابت کوئی ذکر نہیں ۔

موسم آج کل خشک ہے ۔ کہر نہیں ہے ۔ سردی البتہ زیادہ ہے ، جس سے شہر میں عموماً فصلی امراض کی شکایت ہے ۔ میری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ باقی سب طرح خیریت ہے ۔ بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

---

۱ ۔ گو اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں تاہم اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرسمس کی تعطیلات (یعنی ماہ دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء) کا تحریر کردہ ہے (مرتب)

(۲۷)

لندن

۲۹ - دسمبر سنہ ۱۹۰۵ء

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین مدظلہ العالی

تسلیمات فدویانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ نوازش نامۂ عالی حسب معمول شرف صدور لایا - آن حضرت کے پانووں میں درد کی کیفیت معلوم کرکے سخت تشویش ہوئی - اللہ آن حضرت کو اپنے حبیب کے طفیل سے صحت بخشے اور جملہ امراض اور آفات سے اپنی حفاظت میں رکھے - میں یہاں خیریت سے ہوں - مینھہ اور کہر ہر وقت موجود میں - خیر یہ تو موسم کی کیفیت ہے - میری تعلیم کی کیفیت حسب اطمینان ہے- اپنے کام میں شبانہ روز مصروف ہوں- یہ میری عمر بھر کی خواہش تھی کہ انگریزی آجاوے - اب امید ہو چلی ہے کہ آ جاوے گی - کوشش میں برابر مصروف ہوں - اور خدا کامیابی دے گا - قانون ہر وقت دیکھتا رہتا ہوں اور جب اس کے مطالعہ سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے تو دوسری کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہو جاتا ہوں -

مضمون وکٹوریہ البرٹ میوزم معلوم نہیں اب تک شائع ہوا یا نہیں - جب میرے پاس پہنچے گا ، میں جناب کی خدمت میں بھیج دوں گا -

جناب افضل الامرا منتظم الملک بہادر[۱] کی خدمت میں جناب کے حسب الحکم ایک عرضی ارسال کی ہے - میں نے حتی الامکان اس قسم کے امور تحریر کیے ہیں کہ وہ جواب دیں اور اگر نہ دیں تو ان کی مرضی- اسی خط کےساتھ ایک نظم ٹیپوسلطان جو مخزن میں شائع ہو چکی ہے ، بھیج دی ہے اور ایسے لوگوں کو خط لکھنا بھی کارے دارد - خط میں لکھوں تو کیا لکھوں - خیر صاحب زادہ صاحب موصوف کو میں نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے - گو میں نے ان کو ایک ہی مرتبہ دیکھا ہے-

---

۱- صاحب زادہ عبدالرحیم خاں نام تھا - ریاست کی افواج کے جرنیل اور نواب ابراہیم علی خاں کے حقیقی بھائی تھے - علم دوست آدمی تھے - ان کا ذاتی کتب خانہ بہت بڑا تھا جس کے لیے باقاعدہ کتاب دار ملازم تھا - ان کی سرپرستی میں ایک مدرسہ بھی قائم تھا جو مدرسہ ناصریہ کہلاتا تھا - مولانا سیف الرحمن ٹونکی مہاجر کابل اسی مدرسے میں درس دیتے تھے - مولانا حیدر حسن خاں نے بھی تدریس کا آغاز یہیں سے کیا تھا - عبدالرحیم خاں کا انتقال ۱۰ مئی سنہ ۱۹۲۱ء (یکم رمضان ۱۳۳۹ھ) کو ہوا - ان کی عالی شان حویلی ٹونک کے محلہ مہندی باغ میں ، اسماعیل خاں شیرانی کی حویلی سے تھوڑے فاصلے پر تھی (مرتب)

شروع میں میں نے اپنا شکریہ میرے خط کے ملاحظہ کی بابت ادا کیا ہے۔ بعد میں ان کے مدرسہ کی بابت جو کہ کئی سال سے ٹونک میں جاری ہے اور جس میں محض دینیات اور عربی فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے ، اس سلسلہ میں صنعت و حرفت کی تعلیم کے اجرا کی درخواست کی ہے اور ساتھ ہی یہ امر ثابت کیا ہے کہ مسلمان اور بالخصوص ٹونک کے مسلمانوں کو صنعت و حرفت کی سخت ضرورت ہے۔ بعد میں یہاں کے میوزیم کے لیے ٹونک کی طرف سے چند چیزیں بھیجنے کی درخواست کی ہے اور نواب امیرالدولہ[1] صاحب بہادر اور نواب محمد ابراہیم علی[2] خاں صاحب بہادر کی تصویریں ، ٹونک کے قدیم و جدید سکے مانگے ہیں۔ بعد میں اپنے حالات اور یہاں کے لوگوں سے ملاقات کا ذکر مختصراً لکھ دیا ہے۔

صاحب زادہ[3] عبدالمجید خاں صاحب ناظم دیوانی کو میں آج ہی ایک شکریہ کا خط لکھتا ہوں۔ ولی عہد بہادر[4] کو میں نہیں سمجھتا کیا لکھوں۔ اگر وہ علی گڑھ کالج دو سال کے لیے گئے تو اس وقت ان سے خط و کتابت کا سلسلہ پیدا کر لوں گا۔

نماز عیدالفطر کے حالات قلم بند کر چکا ہوں ۔ گذشتہ ہفتہ شیخ عبدالقادر صاحب سے ملنا نہیں ہوا۔ میرے ہاں حاجی عبدالمجید بغدادی آ گئے تھے ان سے فارسی میں باتیں ہوتی رہیں۔

۱- نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک مراد ہیں۔ ولادت ۱۱۸۲ھ (۶۹ - ۱۷۶۸ء)۔ ایک عرصے تک مہاراجہ ہلکر کی رفاقت میں اور پھر تنہا ایسٹ انڈیا کمپنی سے میدان داریوں کے بعد نومبر ۱۸۱۷ء میں انگریزوں سے ایک معاہدے کے بعد ریاست ٹونک کا قیام عمل میں آیا تھا۔ امیر خاں کا انتقال ۱۸۳۴ء میں ہوا (مرتب)

۲- ولادت ۱۸۴۹ء۔ ریاست کے چوتھے نواب تھے۔ اپنے والد نواب محمد علی خاں کی معزولی کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۸۶۷ء کو مسند نشین ہوئے۔ ۲۳ جون ۱۹۳۰ء کو وفات پائی (مرتب)

۳- ریاست ٹونک کے بانی نواب امیر خاں کی اولاد (نواب وقت کے علاوہ) صاحب زادگان کہلاتی تھی اور یہ لقب ان میں سے ہر ایک کے نام سے پہلے لگایا جاتا تھا (مرتب)

۴- نواب ابراہیم علی خاں صاحب کے بڑے صاحب زادے عبدالحفیظ خاں جو ریاست کے ولی عہد تھے ۔ یہ اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے اسی لیے ابراہیم علی خاں صاحب کے بعد ان کے منجھلے صاحبزادے سعادت علی خاں نواب بنے (مرتب)

ٹونک کے جو نئے ایجنٹ[1] کوٹہ[2] سے آئے ہیں ، ان کا نام بلکہ پورا نام اور عہدہ
ں مجتبیٰ[3] صاحب سے لکھوا کر بھیج دیجیے ۔ ممکن ہے کہ کسی وقت ان کے
ی رشتہ دار سے ملنا ہو جاوے ۔

یہات کز سدیر و خورنق نشان نماند بر آرزوی منذر نعمان گریستم

سدیر عربی اور فارسی سہ دیر ہے ۔ خورنق عربی اور فارسی خور نگاہ مخفف
رن گاہ ہے ۔

سدیر اور خورنق یہ دو قدیم عمارتیں تھیں جو نعمان بن منذر کے حکم سے سخار
ایک رومی انجینئر نے تعمیر کی تھیں ۔ یہ عمارتیں اغلباً حیرہ میں تعمیر ہوئی
ں ۔ ان عمارتوں میں مہندس نے یہ وصف رکھا تھا کہ آفتاب کی گردش کے ساتھ
کا دروازہ بھی گردش کرتا تھا ۔ یعنی اگر آفتاب مشرق میں ہے تو دروازہ مغرب
اور اگر آفتاب مغرب میں تو دروازہ مشرق میں ۔ دوسرا وصف یہ تھا کہ اس
ت پر اس قسم کی استر کاری کی گئی تھی کہ صبح اور شام ، دن اور رات مختلف
ک بدلتی تھی اور یہ تمام خوبی آفتاب کی شعاعوں کے اثر سے تھی ۔ یہ عمارات
ن بن منذر نے بہرام گور بن قباد کے واسطے تعمیر کی تھیں ۔ بہرام گور کا بچپن کا
۔ عرب میں گذرا ہے اور تعلیم بھی نعمان بن منذر کی نگرانی میں پائی ہے ۔ بہرام گور
ی میں پہلا شاعر گذرا ہے ۔ اس کا یہ شعر مشہور ہے :

منم آن پیل دمان و منم آن شیر یلہ نام بہرام مرا کنیت من بوجبلہ

ام کی زبان پر عربی کا اثر صرف اسی شعر سے ظاہر ہے ۔ کنیت اور بوجبلہ عربی لغات
۔ یہ عمارتیں اسلام کے زمانے سے پیشتر ہی برباد ہو گئی تھیں ۔ ان عمارات کی
۔ یہ قصہ ، جو اوپر درج ہوا ہے ، صحیح ہو یا غلط لیکن اس میں شک نہیں کہ
عمارتیں اہرام مصری ، قصرالحمرا ، تاج گنج آگرہ کی طرح سے عجائبات میں
ہوئیں ۔

جب یہ عمارات تیار ہو چکیں اور نعمان بن منذر نے انھیں ملاحظہ کیا تو نہایت
خوش ہوا اور ایک بڑی رقم سخار کو انعام میں دی ۔ اس پر سخار نے کہا کہ
مجھ کو یہ خبر ہوتی کہ نعمان مجھ کو اس قدر گراں بہا انعام دے گا تو میں اس

---

[1] ہر اہم ریاست میں انگریزوں کی جانب سے ایک پولیٹیکل ایجنٹ رہا کرتا
تھا (مرتب)

[2] کوٹہ ، ہاڑا چوہانوں کی ریاست تھی ۔ دہلی بمبئی مین لائن پر ریلوے جنکشن
ہے (مرتب)

[3] سید حسن مجتبی صاحب شیرانی صاحب کے گہرے دوست تھے ، سادات قافلہ سے
تعلق رکھتے تھے ۔ ان کے نام شیرانی صاحب کے دو خط آگے درج ہیں (مرتب)

سے بھی بہتر عمارت تیار کرتا ۔ نعمان نے یہ سن کر کہا کہ اگر سنمار اور کہیں جاوے گا تو ضرور ہے کہ ان عمارات سے بھی بہتر عمارت تیار کرے گا اور پھر میری یہ عمارات جو اس قدر زر کثیر کے خرچ کے بعد تیار ہوئی ہیں کسی شمار میں نہیں رہیں گی ۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ سنمار کو دیوار خورنق سے گرا دیں ۔ اس طرح سے وہ نامی مہندس ہلاک ہوا ۔ اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

اس سال کرسمس کی وجہ سے روانگی ڈاک ہندوستان میں گزشتہ سال کی طرح کوئی وقت تبدیل نہیں ہوا ۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ میرا عریضہ وقت پر پہنچے گا ۔ موسم آج کل نہایت خراب ہے ۔ کہر اکثر گھری رہتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی بارش کا زور ، پھر اس پر سردی غضب ڈھا رہی ہے ۔ شہر میں بیماری کی بہت شکایت ہے ۔

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ آپا صاحبہ[۱] ، دولھا بھائی[۲] ، دادا بھائی[۳] اور اسرائیل دادا بھائی کی خدمت میں تسلیمات ۔ زہرہ بہن[٤] اور وکیل صاحب[٥] کو سلام باسنی کے مولوی صاحب[٦] (سراج الرحمن خان) کی خدمت میں سلام ۔ خاتون[۷] مسعود ، مودود ، مقصود کو دعا ۔ نوری[۸] اور کلن دادی[۹] کو سلام ۔ ننھے محمد مشہود خاں کو پیار ۔

فقط

محمود

۱- بڑی بہن
۲- بڑی بہن کے شوہر ، عبدالرحمن
۳- محمد ابراہیم خان ، راجپوتانہ میں بڑے بھائیوں کو دادا بھائی کہنے کا دستور ہے (مرتب)
٤- منجھلی بہن
٥- منجھلی بہن کے شوہر ، نیاز محمد خان ۔ شیرانی پورہ (رتلام) کے رہنے والے اور پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے (مرتب)
٦- چھوٹی بہن کے شوہر ، کچھ عرصہ ناگور کے نواحی قصبے باسنی میں رہے تھے اس لیے مذاقاً لکھا ہے (مرتب)
۷- چھوٹی بہن۔
۸- شیرانی صاحب کے صاحب زادے محمد داؤد خان (اختر شیرانی) کی ددا (کھلائی) تھیں (مرتب)
۹- پڑوس کی ایک بوڑھی ، نادار ، نابینا خاتون تھیں (مرتب)

(۲۸)

لندن
. . فروری سنہ ۱۹۰۶ء

قبلہ گاہی مدظلہ العالی

آداب تسلیمات کے بعد گزارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں ۔
یری صحت اچھی حالت میں ہے ۔ میرے اوقات بالتمام تعلیم کے نذر ہوتے ہیں ۔
متحان کے دن قریب آ رہے ہیں اور مجھے ایک قسم کا خدشہ لگا ہوا ہے ۔ خدا
رے یہ زمانہ جلد آوے اور مجھے اس سے نجات ہو ۔ فروری اور مارچ اور درمیان
یں ہیں ۔ میری تیاری میرے خیال میں اچھی ہے ۔ خدا کرے پاس ہوؤں ۔ آپ
. . فرماویں اور بھی التجا والدہ سے کرتا ہوں ۔
ڈنر وغیرہ ختم ہوئے ۔ لیکچر جاری ہیں جو مارچ کے شروع میں ختم ہوں گے ۔
لکچر تو میں نے گذشتہ سال اس قدر سنے ہیں کہ اپریل تک مجھ کو سننے کی
ضرورت نہیں لیکن یہ بھی امتحان میں شرط ہے کہ امیدوار کم سے کم دو تہائی
لیکچروں میں حاضر رہ چکا ہو ۔ لیکچروں کے زمانے میں وقت اپنے ہاتھ میں نہیں
رہتا ۔ ایک لیکچر کے دو اور گھنٹے ضائع ہوتے ہیں ۔ یہ وقت آنے جانے میں صرف
ہوتا ہے ۔ میرا آج کل لوگوں سے ملنا جلنا بالکل چھوٹا ہوا ہے ۔ خواندگی سے اس
در فرصت نہیں ملتی کہ ملنے جاؤں ۔ ۵ ۔ فروری کو عیدالضحیٰ ہے ۔ امید ہے کہ
پ لوگ یہ مبارک دن خوشی اور مسرت سے گزاریں گے ۔ مجھ کو تو برسوں ہوئے
د گھر عید نہیں کی ۔ خیر کبھی یہ دن بھی میسر آوے گا ۔ ایک دو ورق رومن لاء
کے بھیجتا ہوں ۔ اس سے غرض یہ ہے کہ آپ کو بھی معلوم ہوتا رہے کہ یہ قوم
(رومی) اپنے زمانے میں کس قدر ترقی یافتہ رہ چکے ہیں ۔ اب تو اس قوم کو مٹے
یک ہزار سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے اور اس مدت میں دنیا نے سینکڑوں رنگ
بدلے ۔ ہزاروں انقلاب آئے ۔ تمدن ترقی کرتے کرتے کہیں سے کہیں جا پہنچا لیکن
دنیا کی تاریخ میں اس قوم کا نام عرب سے پہلے اور یونان کے بعد سنہری حرفوں
میں لکھا ہوا ہے ۔ عرب سے اس قوم کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ
رومی اگرچہ عربوں سے مقدم تھے لیکن تمدن میں عرب سے افضل ہیں ۔ عرب کا زمانہ
یک حباب کا سا زمانہ تھا ، ادھر آیا ادھر گیا ، ہم مسلمان ، اسلام کی وجہ سے ،
عرب کو اپنی نگاہ میں تمام دنیا پر فوقیت دیں لیکن اصل یہ ہے کہ وہ مقابلتاً رومیوں سے
بہت کم ہیں ۔ یورپ کو ابھی تک روم کی اس قدر تاریخ بھی معلوم نہیں کہ اس قوم
کی حکومت کی حد بندی کر سکیں ۔ یہ ایک بالکل تاریک مسئلہ ہے اور تمام تاریخیں

اس باب میں خاموش ہیں ۔ افریقہ میں ان کی سلطنت کا آج تک پتہ نہیں چلا ، کہ
کہاں تک بڑھی ۔ افریقہ کے ممالک متوسط کی پرانی یادگاریں جو اس زمانہ میں
برآمد ہو رہی ہیں ، ان سے پتہ چلتا ہے کہ رومی افریقہ کے سینہ تک پہنچ گئے تھے ۔
ہندوستان کے متعلق یہ ایک غیر مفصل شدہ مسئلہ ہے کہ رومیوں نے ہندوستان
میں بھی اپنی کوئی آبادی قائم کی یا نہیں ۔ ہندوستان سے سینکڑوں ایسی اشیا برآمد
ہوئی ہیں جن سے رومی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ اسباب
ہندوستان کیونکر پہنچیں ۔ ایران میں ان کے عروج کے آثار برآمد ہوئے ہیں اور
آخر یہ ماننا پڑتا ہے کہ انگریزوں کی طرح ان کی سلطنت تمام دنیا پر تھی ۔ اس
وقت انگریز خود مانتے ہیں کہ سلطنت کی وسعت میں رومی انگریزوں سے بڑھے
ہوئے تھے ۔ فقط

خدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ محمد مشہود خاں کو دعا ۔ جملہ پرسان حال
کو سلام ۔

محمود

(۲۹)

18 Sinclair Road,
Kensington, London

لندن، فروری ۱۵ سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام افضالکم

میں اس وقت اجازت مانگتا ہوں کہ ان صفحات میں مختصراً عیدالضحیٰ کے
حالات مندرج کروں کیونکہ میرا خیال ہے آپ اور دیگر اہل وطن لندن کی عید کے
حالات سننے کے منتظر ہوں گے ۔ اس کے لیے مجھ کو واپس دو شنبہ پانچ فروری کے
دن میں جانا ہوگا ۔ مجھ کو علم نہیں کہ ہندوستان میں کس روز عید قربان ادا کی
گئی ۔ مصر میں جیسا کہ مجھ کو علم ہے چار فروری کو ہوئی تھی یعنی لندن سے
ایک روز پیشتر[1] . . . . بولے[2] اس میں راز کی کونسی بات تھی ۔
یہی مشورہ تھا کہ لندن کیونکر فتح کریں ۔ اس کے بعد فارسی میں بولے ، میگفتم

۱۔ اس انتہائی دلچسپ مکتوب کے پہلے دو ورقوں کا نیچے کا نصف حصہ غائب ہے
جس کے باعث اس میں چار مقامات پر خلا آتے ہیں جن کے پر کرنے کی کوئی
صورت نہیں ۔ (مرتب)

۲۔ یہ حاجی عبدالمجید بغدادی کی گفتگو ہے ۔ اس سے پہلے مکتوب نمبر ۲۵ میں ان
کا تعارف ہو چکا ہے ۔ (مرتب)

۔نگ ایڈورڈ را سے گیریم، مسلمان مے کنیم و بخانۂ کعبہ مے بریم تا حاجی شود ہمچو
ن و ہم مجاور روضۂ آنحضرت صلعم شود ۔ میں نے اس کا ترجمہ کر سنایا ۔ سب کے
ب ہنس پڑے ۔ حاجی صاحب اپنے مذاق سے باز نہ آئے ۔ بولے ، حالا او کنگ
بادشاہ) ایڈورڈ ہست ۔ بعدش حاجی کنگ ایڈورڈ مے شود ۔ اس ظرافت کی بھی ہم
ے داد دی ۔ ایک میم صاحب بولیں، دیکھو، ہندوستانی اتنے نڈر یا گستاخ نہیں
وتے جیسے یہ عرب ہیں ۔ میں نے کہا، ہم ہندوستانیوں کو وہ آزادی کہاں حاصل
ہے جو اس قوم عرب کو حاصل ہے یا جو انگریزوں کو حاصل ہے ۔ ہماری زبانیں
ی اسی طرح بند ہیں جس طرح ہمارے ہاتھ ۔ سڈیشن لاء[1] نے سب کو باندھ دیا
ہے ۔ ایک صاحب بولے مسٹر شیرانی ، میرا خیال تھا کہ تمہاری زبان تمہارے منہ
ں ہے لیکن معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہے ، وہ سڈیشن لاء کے ساتھ بندھی ہوئی ہے ،
ں یہ سن کر نہایت غمگین ہوں، اس کے لیے میری دلی ہمدردی قبول کیجیے ۔
ں نے جواب میں کہا، مشکور ہوں لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ[2]. . . . . .
ا سکتے ہیں ۔ یہ گاڑیاں ہزاروں کی تعداد میں لندن کے گلی کوچوں میں دن رات چلتی
ہتی ہیں ۔ ایک خاص مقام تک ہم لوگ بس میں رہے ۔ وہاں سے ایک دوست کے
ام پر پہنچے، مسٹر غلام محمد ۔ یہاں ہمیں میر ایوب خان بھی مل گئے ۔ میر ایوب
ان نے حاجی صاحب کو اردو میں خطاب کیا «حاجی جی» ۔ حاجی صاحب فرماتے
ں، حاجی فہمیدم ۔ این جی جی چیست ۔ خیر میں نے ان کو 'جی' کے معنی سمجھائے
کہ صاحب کی بجائے استعمال ہوتا ہے، کہ ہندیاں بجائے صاحب 'جی' میگویند ۔ حاجی
احب بولے، چرا بفارسی حرف نمی زنی ۔ ایوب خان بولے، من شیعہ نیستم ۔ اتنے میں
ک اور صاحب مولوی محمد نامی تشریف لائے ۔ یہ صاحب کلکتہ سے ہیں ۔ فرقتاً شیعہ
ں اور شیعہ بھی متعصب ۔ شیعہ کا نام انہوں نے سن لیا تھا ۔ آتے ہی بولے ، یہ
یعہ کس نے کہا ۔ اس کا قائل خارجی ہوگا ۔ اب تمام گفتگو انگریزی میں تھی
ور وہی پرانی بحث سنی اور شیعہ کی چھڑ گئی ۔ مولوی صاحب تفضیل علی اور
کذیب ہر سہ صحابہ پر مصر رہے ۔ میر ایوب خان اور غلام محمد ان کو جواب
یتے رہے ۔ ہمارے بزرگ جو موجودہ نئی نسل کے انگریزی خوانوں کو مذہب سے
کل آزاد کہتے ہیں، اسی گفتگو کو اگر سنیں گے تو وہ اپنی رائے واپس لیں گے ۔
س یہ بحث دیر تک رہی ۔ بعد میں غلام محمد صاحب نے مجھ سے کہا ، تم کیوں
ں[3]. . . . . ہیں ۔ چاروں ہمارے بزرگ ہیں ۔ واجب التعظیم ہیں ۔

۱۔ Sedition Law ۔
۲۔ دوسرا خلا (مرتب)
۳۔ تیسرا خلا (مرتب)

جیسا کچھ اس زمانے نے یا زمانے کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا ہے آپ اسی پر راضی ہوئے جو کچھ تقسیم اس وقت ہوئی درست تھی - ہر خلیفہ نے اپنے اپنے وقت میں خدمت اسلام کی ہے - ہم کو تنگ چشم نہیں ہونا چاہیے - ہمیں ان کی خدمتوں کا اعتراف کرنا چاہیے - آپ ذرا اپنے اخلاق کو محدود نہ کیجیے، وسیع کیجیے - جہاں حضرت علی کو مانتے ہیں وہاں باقی صحابہ کبار کو بھی جگہ دیجیے - حضرات شیعہ کچھ بھی نہیں صرف اخلاق کمزوری ہیں - آپ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان پر الزام لگاتے ہیں کہ حضرت علی کا حق غصب کر لیا، نادر پر وہی الزام نہیں لگاتے کہ صفویوں کا حق غصب کر لیا - اس کے وجود سے ہی انکار کر دیجیے - جہاں آپ کے نزدیک حدیثیں غلط، ان کے راوی غلط، تاریخیں غلط، وہاں یہ یہاں بھی غلط کر دیجیے کہ کوئی نادر نہیں تھا - بڑے افسوس کی بات ہے - انگریز حضرت عمر کو مدبر، منصف، مقنن اور اپنے زمانے کا جنرل مانتے ہیں لیکن حضرات شیعہ ان کی خدمات کے معترف نہیں ہوتے - قصہ مختصر اسی سلسلۂ بحث میں سے ہم لوگ اٹھے اور نماز کے لیے جانے کی تیاریاں کرنے لگے - مولوی محمد صاحب صرف اس وجہ سے کہ نماز[1] . . . . یہاں سول سروس میں پڑھ رہے ہیں - اتنے میں ایک اور صاحب تشریف لائے - یہ بھی سول سروس میں شامل ہیں - ان کا نام عبداللطیف ہے اور ناگ پور سے آئے ہیں - خان خدا داد خان آئے - ان سے مصافحہ ہوا - یہ صاحب سندھی ہیں - پتلون کے علاوہ تمام لباس سندھی تھا - ہندوستانی کوٹ اور سر پر کلاہ اور لنگی - ایک صاحب عبدالعلی آئے - یہ صاحب میمن ہیں اور تجارت کے سلسلے میں تشریف لائے ہیں - ان سے میں غلام محمد صاحب کے ذریعہ سے معرفی ہوا - ایک اور صاحب لطف علی آئے - شیخ صاحب نے ان سے مجھے انٹروڈیوس کرایا - یہ صاحب قانون میں ہیں اور برہما سے تشریف لائے ہیں - مشیر حسین صاحب قدوائی[2] تشریف لائے - یہ صاحب ممالک متحدہ سے تشریف لائے ہیں - تمام لباس ہندوستانی تھا - بالکل دولہا بنے ہوئے تھے - شیخ صاحب کی معرفت ان سے ملاقات ہوئی -

---

۱- چونتھا حلا (مرتب)

۲- مشیر حسین قدوائی گدیا (ضلع بارہ بنکی) کے تعلقدار تھے - بیرسٹری کرنے لندن گئے ہوئے تھے - آگے چل کر ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی - پین اسلامزم کے حامی اور صاحب تصنیف ہوئے - ان کی خدمات کے اعتراف میں سلطان ترکی عبدالحمید خان نے ان کو خطاب عطا کیا - متعدد بار مرکزی لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے رکن ہوئے - علامہ اقبال کی اسرار خودی میں حافظ پر تنقید کے جواب میں انہوں نے کئی مضامین لکھے جن میں سے ایک «زمیندار» کی ۲۳ مارچ سنہ ۱۹۱۶ء کی اشاعت میں چھپا تھا - (مرتب)

الغرض اور بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوئی ۔ اس مجمع میں کوئی خاص لباس نہیں
بعض بالکل انگریزی لباس میں، بعض ہندوستانی لباس میں اور بعض کے لباس میں
، انگریزی اور کچھ دیسی ۔

ساڑھے گیارہ بجے نماز شروع ہوئی ۔ جن کے سروں پر انگریزی ٹوپیاں تھیں ، وہ
سر تھے لیکن نماز کے وقت انہوں نے سر پر دستی رومال لپیٹ لیے تھے ۔ میرے
مسٹر بشیر احمد خلف پیرزادہ محمد حسین جج کھڑے تھے ۔ ان کا سر بالکل
تھا ۔ نہ معلوم گھبراہٹ میں یا رومال نہ ہونے سے، خیر کسی وجہ سے انہوں
رومال نہیں لپیٹا ۔ پہلی صف میں چونکہ تمام ایسے صاحبان تھے جن کو عمر بھر
شاید خاص خاص موقعوں ہی پر نماز پڑھنے کی تکلیف ہوئی ہوگی ۔ مطلب یہ ہے
کسی نے تکبیر نہیں پڑھی اور نہ ہی امام صاحب نے پچھلی صف والوں کو
ہ دیا اور نیت باندھ کر اللہ اکبر کہہ دیا اور بعد میں الحمد شروع کر دی ۔
ختم ہوئی ۔ خطبہ شروع ہوا ۔ درمیان میں امام صاحب خاموش ہوئے اور مقتدیوں
یہ چاہا کہ تکبیر پڑھیں لیکن سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ۔ آخر دوسری
، میں اس کی تعمیل ہوئی اور بعد میں سب باقاعدہ پڑھنے لگے ۔ وقفہ وقفہ کے بعد
ر پڑھی گئی ۔ امام صاحب کے منشا پر مقتدین میں سے ایک نے آیت الکرسی
ی ۔ آخر میں سلطان المعظم اور دیگر سلاطین اسلامیہ اور اسلامی اشاعت کی دعا
ی گئی ۔ دعا پر خاتمہ ہوا ۔ اس کے بعد پندرہ منٹ تک ہم لوگ ایک دوسرے
معانقہ کرتے رہے ۔ جلسہ ختم ہوا اور لوگ گروہ گروہ میں ویسٹرا سے نکلے ۔

شام کے سات بجے عید الضحیٰ کا ڈنر تھا ۔ ہم سات بجے ڈنر ہال (دعوتی کمرہ)
پہنچے ۔ لباس میں کوئی تخصیص نہیں تھی ۔ کوئی شام کے لباس میں، کوئی
ولی لباس میں اور کوئی ملاقاتی لباس میں ۔ اتنے میں بدرالدین طیب جی[1] تشریف
ئے ۔ ان کے صاحب زادہ بھی ان کے ساتھ تھے ۔ مجھ کو شیخ عبدالقادر نے ان سے
رف کرایا ۔ انہوں نے مجھ سے وطن کا حال پوچھا ۔ میں نے کہا ٹونک راجپوتانہ،
ے میں تمام عمر میں اس شہر کے لوگوں سے نہیں ملا ۔ پھر ٹونک کا حال پوچھا ۔
ں نے مختصر سا ذکر کر دیا ۔ میرے منشی فاضل کے خطاب کو سن کر بولے،

۱۔ (جسٹس) بدرالدین طیب جی ۸ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوئے ۔ سنہ ۱۸۶۷ء
میں مڈل ٹمپل سے بار ایٹ لاء کیا ۔ وہ بمبئی میں پریکٹس کرنے والے پہلے مقامی
بیرسٹر تھے ۔ ۱۸۹۵ء میں بمبئی ہائی کورٹ کے جج ہو گئے ۔ انہوں نے بمبئی
میں انجمن اسلام قائم کی اور اس کے سیکرٹری بنے ۔ بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے
رکن رہے ۔ لندن میں ۱۲ اگست ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا ۔ (مرتب)

تم سچے ہندوستانی ہو - ہم تو انگریزوں کے نقال ہیں - بولے، تمام طلبہ قریباً قانون میں آئے ہیں - شیخ صاحب نے فی البدیہہ کہا کہ ہم سب آپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں - میں نے کہا، مجھ کو کسی دوسرے صیغہ میں داخلے کی امید نہیں تھی اس لیے قانون لیا - پھر ان کے بیٹے سے میری باتیں ہونے لگیں - بہت روشن خیال شخص ہے - اتنے میں ہز ایکسلینسی مسوری پاشا سفیر دولت عثمانیہ تشریف لائے - سر پر ترکی ٹوپی تھی - سینہ پر تمغات کارگزاری لٹک رہے تھے - میں سفیر صاحب کو پہلے بھی دیکھ چکا ہوں - ان کو سب سے پہلے مسٹر عبداللہ المامون[1] سہروردی نے لیا - بعد میں مسٹر بدرالدین طیب جی ان سے انٹروڈیوس ہوئے - پھر شیخ صاحب نے مصافحہ کیا - پاس ہی میں کھڑا تھا - میں نے ہاتھ ملایا - پوچھا، یہاں کون سی عام زبان سمجھی جاتی ہے - میں نے کہا، انگریزی ہم سب بولتے اور سمجھتے ہیں - شیخ صاحب بولے، ہماری زبان اردو عام فہم ہے - میں نے کہا، تیسرا نمبر فارسی کا ہے کہ اس جلسہ کے قریباً تمام ہندوستانی بولتے اور سمجھتے ہیں - سفیر صاحب بولے، فرنچ آپ نہیں سیکھتے - میں نے کہا، قریباً نہیں - سفیر صاحب کے آتے ہی ترکی ٹوپیوں پر ایک رونق سی آ گئی - کیونکہ ان کے اسٹاف کے تمام آدمی ترک اور ترکی ٹوپیوں میں تھے - کچھ دیر بعد معزالممالک تشریف لائے - یہ صاحب ہز ہائی نس شہزادہ محمد علی خان، سفیر ایران کے صاحبزادے ہیں - میں ان کے نام سے واقف نہیں - معزالممالک ان کا خطاب ہے اور اسی خطابی نام سے مسٹر عبداللہ المامون سہروردی نے مجھ کو ان سے معرفی کرایا - معزالممالک نہایت ہی پستہ قد اور منحنی ہیں - یہ اور ان کے ہمراہی اکثر ایرانی ٹوپیوں میں [تھے] - اس طرح سے اس جلسہ میں تمام ہی قسم کے لوگوں کا اجتماع تھا - انگریز، ایرانی، ترک، عرب، مصری اور ہندوستانی - اور ایک محفل میں مختلف قوموں کے لوگوں کا جمع ہونا نوادرات سے ہے -

ساڑھے سات بجے اور کھانے کی تیاری کی اطلاع آئی - سب لوگ ڈنر ہال میں جانے لگے - چونکہ نشست کی قید نہیں تھی اس لیے جس شخص نے جہاں جگہ پائی

۱- مولانا عبیداللہ العبیدی سہروردی پروفیسر ہوگلی کالج کے صاحبزادے، کرنل حسان سہروردی وائس چانسلر کلکتہ یونیورسٹی کے بڑے بھائی اور حسین شہید سہروردی سابق وزیراعظم پاکستان کے ماموں تھے - وہ پین اسلامک سوسائٹی لندن کے بانی معتمد تھے - انگلستان سے واپسی پر کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھایا - کلکتہ یونیورسٹی میں محمڈن لاء کے پروفیسر ہوئے - بنگال کی لیجسلیٹو کونسل کے کئی سال ممبر رہے - رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے فلالوجیکل سکرٹری تھے - ۱۳ جنوری ۱۹۳۵ء کو وفات پائی - (مرتب)

وہیں بیٹھ گیا۔ میرے دست راست پر میرے دوست مسٹر غلام محمد تھے اور میرے بائیں طرف میرزا جواد ایک ایرانی صاحب تھے۔ مسٹر غلام محمد کے دست راست پر مسٹر محمود خاں اتاچی سفارت ایران تھے اور ان کے برابر سید محمد علی بن ...ی بے، ایک ترک تھے اور ان کے برابر شیخ عبدالقادر۔ ہمارے سامنے دو ہندو ...حبان تھے۔ ہندوستان میں ہندو صاحبان چاہے سلطان المعظم کو گالیاں دیں یا ...چھ کریں لیکن یہاں یوروپین تہذیب نے ان کو سلطان کے جام صحت پینے پر مجبور کیا۔ اس معاملے میں انگریز نہایت تنگ حوصلہ اور وحشی ہیں۔ انھوں نے باوجود رقعۂ دعوت ایسے جلسہ میں آنے سے انکار کر دیا جہاں کہ سلطان یا ...کر سلاطین اسلامیہ کا جام صحت پیا جاوے۔ لیکن انگریز عورتیں اپنے مردوں کی ...رح تنگ چشم نہیں اور نہ ہی ان میں ان کے مردوں کی طرح مادہ تعصب پایا جاتا ہے۔ اس لیے چند لیڈیاں اس جلسہ میں بھی شریک تھیں۔ ایک دو کے سوا ...گریز کوئی بھی نہیں۔ یہاں میں ایک لطیفہ لکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے ...ے ایک دوست مسٹر ہال نامی سے کہا کہ دیکھو ہمارے جلسہ میں باوجود بلانے کے کوئی انگریز شامل نہیں ہوا۔ انھوں نے جواب دیا، اوہ کوئی انگریز ایسے جلسہ میں شریک نہیں ہوگا جہاں ہمیں سلطان کے جام صحت پینے کا اندیشہ ہو۔ میں نے مذاقاً کہا، اگرچہ ایسے موقعہ پر ان کو اپنے قومی بادشاہ کنگ ایڈورڈ کے جام صحت نہ نوش کرنے کا نقصان بھی گوارا کرنا پڑے۔ کیونکہ جلسہ کے پروگرام میں سلطان سے پہلے کنگ ایڈورڈ کا جام صحت تھا۔ پھر میں نے کہا، تہذیب کی کوتاہی انسان میں اس قدر بد نما نہیں جس قدر اخلاق کی کوتاہی بد نما ہے۔ اس کا جواب انھوں نے صرف ایک تبسم سے دیا۔ انگریز کے برابر دوسری قوم مشکل سے حلیم ہوگی۔

کھانا مختلف اقسام کا تھا۔ آہستہ آہستہ قریباً ایک گھنٹہ میں ختم ہوا۔ کھانے کے ختم ہونے پر صدر نشین جلسہ ہزایکسلنسی مسوری پاشا اٹھے۔ ان کے اٹھنے پر ...یاں ہوئیں۔ اس کے بعد انھوں نے کنگ ایڈورڈ ہفتم کا جام صحت نوش کیا، جس کی تمام حضار نے تقلید کی۔ اس کے بعد مسٹر بدرالدین طیب جی اٹھے۔ انھوں نے سلطان کی بابت ایک مختصر سی تقریر کی اور اس کے بعد سلطانی جام صحت پیا گیا۔ ان کی تقریر قریب قریب یہ تھی۔ ہم آج عیدالضحیٰ کی رسم کی ادائیگی کے لیے ...ں جمع ہوئے ہیں۔ اس موقعہ پر اگر اس شخص کی جو کہ تمام اسلامی دنیا کا ...اہ اور حرمین شریفین کا خادم سلطان عبدالحمید ہے، جو اس زمانے میں سکندراعظم کی جولاں گاہ کا حکمراں ہے اور جس کی بے تعصبی صرف مسوری پاشا کی

زندہ مثال ہے جو کہ اس وقت اس جلسہ کے پریذیڈنٹ ہیں ، ظاہر ہے ۔ اس سے زیا
کون سا روئے زمین کا بادشاہ اپنی بلا تعصبی کی دلیل دے سکتا ہے کہ اس
انگلستان میں اپنی جانشینی کا عہدہ ایک یونانی عیسائی کو دے رکھا ہے ۔ پھر ای
شخص کا ہم جام صحت کیوں نہ پئیں ۔ اس پر ہرا اور تالیوں کا شور مچا اور
میں جام صحت پیا گیا ۔ اور تالیاں دیر تک ہوتی رہیں ۔ اس سے ظاہر تھا کہ سلط
ہر حاضر جلسہ کے دل میں جگہ رکھتے ہیں ۔ تالیوں کے بند ہونے پر صاح
موصوف نے اپنی تقریر کو جاری رکھا اور کہا اس دفعہ میں شہنشاہ ایران
کے قائم مقام اس جلسہ میں شہزادہ معز الممالک ہیں ۔ اگرچہ شہنشاہ موص
سلطان المعظم کی طرح اپنی رعایا پر کوئی دینی یا روحانی حکومت کا اظ
نہیں کرتے لیکن وہ دنیائے اسلام کے معزز گروہ فرقہ شیعہ کے بادشاہ ہیں
ہندوستان کا ایران سے تعلق نہایت قریبی اور قدیمی ہے ۔ فارسی زبان
ہندوستان میں عموماً مسلمانوں کی گذشتہ صدی تک زبان تھی ، اس میں
ایرانیوں کے مشکور ہیں اور یوں بھی ایران دنیا کے بہت سے ممالک پر قدیمی ا
رکھتا ہے ۔ اس لیے میں آپ سے شہنشاہ ایران کے [لیے] بھی جام صحت کی ا
کرتا ہوں ۔ حسب معمول تالیاں ، غل اور شور ہوا اور جام صحت پیا گیا ۔ ا
پر معزالممالک نے اٹھ کر شکریہ ادا کیا ۔

اس کے بعد شیخ عبدالقادر اٹھے ۔ انھوں نے اپنی تقریر شروع کی ۔ میر
حصہ میں امیر افغانستان ، خدیو مصر اور سلطان مراکو کی جام صحت نوشی
ہے ۔ یہ امر ظاہر ہے کہ یہ تینوں پادشاہ دنیائے اسلام سے علاقہ رکھتے ہیں ۔ مص
اپنے مقام میں یوں بھی تمام دنیا پر احسان رکھتا ہے ۔ یہی ملک ہے جہاں تہذ
اور شائستگی کی روشنی سب سے پہلے چمکی ۔ تمام حکمائے یونان کے استاد مصر
ہی ہیں ، جن کے شاگرد علمائے اسلام ہیں ۔ یہ وہ زمین ہے جہاں خدا نے اپنا اق
پورا کیا ۔ فراعنۂ مصر اور ان کا عروج آج تک ایک ضرب المثل ہے ۔ اہرام مصر
آج تک ہماری نگاہوں میں تعجب خیز اثر پیدا کرتے ہیں ۔ یہ بھی مصر ہی
احسان ہے کہ ہماری مذہبی زبان عربی آج تک زندہ ہے ۔ پھر خدیو مصر کے ہما
برٹش گورنمنٹ کے ساتھ بھی نہایت دوستانہ تعلقات ہیں ۔

مراکو ایک قدیم سلطنت ہے جس کو آج کل مراکو کانفرنس کے مسئلہ
جو اس وقت چل رہا ہے ، اور بھی تمام دنیا کی نگاہیں اس کی طرف متو
کر دی ہیں ۔

افغانستان ہمارے ہندوستان کا پھاٹک ہے ۔ پٹھانوں کی قوم ہمارے مذہب

ذیشان ہے ۔ یہ ملک وطن ہے محمود غزنوی اور احمد شاہ ابدالی کا ۔ امیر مرحوم
امیر عبدالرحمان خاں کی شہرت ہمارے حافظہ سے ابھی تک گم نہیں ہوئی ۔ اور یہ
چھوٹا سا ملک مسلمانوں کا جاپان ہے ۔ کیونکہ امیر مرحوم کے زمانے سے وہاں
ترقی کی طرف لوگوں کا رجحان ہو گیا ہے ۔ اس کی مثالیں وہاں کے کارخانے ہیں ۔
اس سے بھی امیر حال روشن خیال اور اپنے پدر مرحوم کے جائز جانشین ہیں ۔ علاوہ
ازیں وہ گورنمنٹ آف انڈیا کے دوست بھی ہیں ۔ اس لیے میں تحریک کرتا ہوں
عباس ثانی خدیو مصر ، امیر حبیب اللہ خاں امیر افغانستان اور مولائے عبدالعزیز
سلطان مراکو کے جام صحت کی ۔ اس پر تالیاں ہوئیں ، شور ہوا اور جام صحت
پیے گئے ۔ بعد میں اور جام صحت ہوئے ۔ اسلام کا جام پیا گیا ۔ مہمانوں کا جام ۔
مسٹر عبداللہ یوسف علی سی ۔ ایس ۔ نے اسلام کی بابت مختصر سی تقریر کی ۔ اس کے
بعد مسٹر عبداللہ المامون سہروردی اور دیگر اصحاب نے تقریریں کیں ۔ اس پر
جلسہ ختم ہوا ۔ بعد میں کچھ دیر تک ملاقاتیں ہوئیں ۔ اور قریباً ساڑھے دس بجے
جلسہ ختم ہوا ۔

میں یہاں آ کر مختلف قومیت اور مختلف[۱] کے لوگوں سے ملا ہوں ۔ مسلمانوں
میں عربوں ، ایرانیوں اور مصریوں [سے] لیکن کسی ترک سے نہیں ملا تھا ۔ اتفاق
سے یہ موقعہ مجھ کو اس جلسہ میں مل گیا ہے ۔ سید محمد علی خلف شوقی بے ترک
ہیں اور کھانے کے وقت ان سے باتیں ہوئیں اور آتے وقت ملاقات ہوئی ۔ ہم
نے آپس میں کارڈ بدل لیے اور جلسہ کے اختتام پر میں نے ان سے آیندہ اتوار کو
ملنے کا وعدہ کر لیا ۔ اور یہ ٹھہرا کہ اتوار کا دوپہر کا کھانا وہ میرے ہاں
کھاویں گے ۔ میں سید محمد علی کو آپ سے اسی طرح معرفی کراتا ہوں کہ
ان کے والد کا نام شوقی بے ہے ۔ ارض الروم سے تشریف لائے ہیں ۔ ترکی مادری
زبان ہے ۔ اس کے علاوہ عربی ، جرمن ، فرنچ ، انگریزی اور ڈینش زبانیں جانتے اور
بولتے ہیں ۔ زبانوں کی تعلیم قسطنطنیہ کے مدرسہ السنہ میں پائی ۔ وہاں سے جرمنی
گئے ۔ تکمیل علوم کیے ۔ فرانس آئے ۔ تین سال وہاں رہے ۔ وہاں سے مصر گئے ۔
چار سال وہاں رہے ۔ مصر سے انگلستان آئے ۔ دو سال سے یہاں ہیں اور لندن کے
رائل کالج آف سائنس میں داخل ہیں ۔ کیمسٹری پڑھ رہے ہیں ، جس کے نصاب کے
اختتام کے لیے دو سال اور لگیں گے ۔ شکل و شباہت میں یہ بالکل یوروپین سے ملتے
ہیں ۔ خود کہتے ہیں کہ جرمنی میں انہیں فرنچ خیال کیا اور فرانس میں جرمن ،
انگریز جانتے ہیں کہ روسی ہیں ۔ یورپ کے تمام ممالک میں انھوں نے سفر کیا ہے ۔

۱۔ یہاں عجلت میں ایک لفظ لکھنا بھول گئے ہیں ۔ (مرتب)

عمر قریباً ستائیس سال ہوگی ۔ معلومات اور مہارت اس قدر ہے کہ ہزاروں انگریزوں سے اچھے ہیں آدمی متین اور نہایت سنجیدہ ہیں ۔ متانت اور صبر تو ترکوں کی ایک قومی پہچان ہے ۔ سب سے پہلے میں نے ان سے سلطان کی بابت پوچھا ۔ بولے، ہر وقت خاص کے لیے شخص خاص مقرر ہے ۔ سلطان عبدالحمید اس وقت کے لیے نہایت موزوں اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ اور کون سا موزوں از خاب ہوگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارا سلطان اپنے عیب نہیں رکھتا ۔ ہر شخص اپنے قصور رکھتا ہے ، وہ بھی اپنے قصور رکھتا ہے لیکن اس کی خوبیاں اس کے عیوب کے مقابلہ میں بے شمار ہیں ۔ لوگ کہتے ہیں ، وہ اپنے آدمیوں پر بھروسہ نہیں کرتا ، وہ وہمی ہے ۔ لیکن یہ امر کا قصور نہیں ۔ اس نے مراد کو زہر کھاتے دیکھا ہے ، چچا زاد بھائی دو خون میں نہاتے دیکھا ہے پھر وہ کس پر اعتبار کرے ۔ یورپ اور عیسائی اس کے دشمن ہوں یا نہ ہوں خود اس کی قوم اس کی دشمن ہے ۔ اس کو ہلاک کرنے کی دھمکیاں دی ہیں ، اس پر بم کے گولے پھینکے گئے ہیں ، اس پر گولیاں چلائی ہیں اور اب بھی لوگ اس کے در پے ہیں ۔ یورپ ، بجائے اس کے کہ اس کے اور اس کی اصلاحات کے ساتھ ہمدردی کرے ، آئے دن روز نئے حیلے اور نئی مسکلات اس کے راستہ میں کھڑی کرتا ہے ۔ کبھی ٹرکی کے حصے بخرے کیے جا رہے ہیں ، کبھی اس کو دھمکی دی جا رہی ہے اور کبھی اس کی رعایا میں فتنہ و فساد کی ریشہ دوانیاں کی جا رہی ہیں ۔ یورپ نے تمام دنیا میں ہمیں وحشی خون خوار اور دشمن علم مشہور کر رکھا ہے ۔ اس میں سب سے بڑھ کر انگریز ہیں ، جن کی نہ دوستی ہی قابل اعتبار ہے اور نہ دشمنی ۔ یہ قوم کی قوم مطلب کی غلام ہے ۔ جب تک ہم سے مطلب تھا ہمارے دوست رہے اور جب مطلب نکل گیا ، ہمارے دشمن ہو گئے ۔ کریمیا میں ہمارے ساتھ لڑے ۔ اس لیے کہ ان کو ہندوستان میں روس کا خوف تھا ۔ جب اس طرف سے انھیں امن ہوا ، انھوں نے ہماری دوستی کو بھی سلام کہہ دیا ۔ تبت پر قبضہ کر لیا اس لیے کہ تمام بودھ مت والوں کو ایک طرح اپنے قبضہ میں کر لیں ۔ اسی طرح عرب میں انھوں نے تجویز کی تھی کہ مکہ لے لیں ۔ حال کا فساد یمن کیا ہے قبضۂ مکہ کا پیش خیمہ ۔ خدا کا شکر ہے اس میں اس وقت تک تو انھیں ناکامی ہوئی ہے ۔ ٹرکی ہم نے بزور شمشیر لی ہے اور جو کوئی ہم سے بھی لے گا بزور شمشیر لے گا ۔ ہمیں یورپ میں ہجرت مور از ہسپانیہ اور ہندوستان میں انتزاع لکھنؤ اچھی طرح یاد ہیں ۔

بولے میں نے سنا ہے ہندوستان میں مسلمان ، سلطان کا خطبہ نماز میں نہیں پڑھتے ۔ میں نے کہا ، میں اس امر سے بہ خوبی واقف نہیں ۔ ان اضلاع میں جہاں

یہ ہم امرائے اسلام رکھتے ہیں مثلاً میرا وطن ٹونک وہاں خطبہ ہمارے سرکار
اب محمد ابراہیم علی خاں بہادر کا پڑھا جاتا ہے کیونکہ یہ نواب حال ہیں ۔ اسی
ح دیگر اضلاع میں وہاں کے نواب یا امیر کا خطبہ پڑھا جاتا ہے ۔ ان اضلاع
ں جو کہ انگریزی قبضہ میں ہیں ، مجھ کو جہاں تک علم ہے ، سنی مسجدوں
ں سلطان المعظم کا خطبہ پڑھا جاتا ہے اور جہاں لوگ سلطان کے نام سے واقف نہیں
ان سلطان زمانہ کہہ دیتے ہیں۔ بولے آپ کے وطن میں آپ کے رئیس کے نام سے پیشتر
طان کا نام بلحاظ امیرالمومنین کیا نہیں لیتے ۔ میں نے کہا میں اس کا جواب یقین
ے دے نہیں سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ شاید لیتے ہوں کیونکہ میں خود مقر ہوں
، انہیں لینا چاہیے ۔ لیکن مجھ کو وطن چھوڑے اس قدر عرصہ ہوا کہ مجھ کو
، کے متعلق کچھ علم نہیں ۔ لاہور ایک انگریزی شہر ہے ۔ اس کی بابت میں
ی جانتا ہوں کہ سلطان کا نام خطبہ میں لیا جاتا ہے اور ہر نماز کے بعد سلطان کے
حق میں دعائے خیر کی جاتی ہے ۔ بولے میں نے سنا ہے علی گڑھ کالج میں جو کہ
سید احمد خاں کا کالج ہے ، اس میں مسلمان سلطان کو سلطان نہیں مانتے ۔ میں نے
کہا ، ممکن ہے کہ وہ سلطان کے اس قدر ہمدرد نہ ہوں ، اور یہ اثر انگریزی تعلیم
کا ہے لیکن وہ سلطان کو سلطان ضرور مانیں گے ۔ مجھ کو اس کے متعلق اچھی
طرح علم نہیں کیونکہ میں اس کالج میں کبھی گیا نہیں لیکن ایک امر یقینی ہے کہ
سرسید کے کالج کے لباس میں طربوش (ترکی ٹوپی) ضروری ہے اور سرسید [احمد] خاں
خود پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں ترکی ٹوپی کو رواج دیا ہے ۔ اس طرح
سے علی گڑھ کالج جزاً ترکوں کا ہمدرد ہے ۔ بولے عام ہمدردی سلطان کے ساتھ
کیسی ہے ۔ میں نے کہا ، ہم وہ ہمدردی سلطان کے ساتھ رکھتے ہیں جس کے وہ
مستحق ہیں یا جو ہم سے ممکن ہے ۔ بولے ، حجاز ریلوے میں ہم کو سرمایہ کی
ضرورت تھی ۔ اس میں مسلمانان ہند کا چندہ بالکل قلیل ہے ۔ حالانکہ وہاں کثیر تعداد
مسلمانوں کی ہے ۔ میں نے کہا، وہ جو کچھ ہوا ہے ہزار غنیمت ہے ۔ ہم ہندوستانی
بہت غریب ہیں ۔ بولے ، یہ غریب کیسے ۔ صدیوں ہندوستان میں تم نے حکومت
کی ۔ ابھی قریباً ساٹھ ستر برس قبل تمہارے ہاتھ میں حکومت تھی ۔ میں نے کہا ،
، خدا کی حکمتیں ہیں ، اس میں کسی کا کیا دخل ۔ پچاس سال پیشتر ہم امیر تھے
لیکن آج غریب ہیں اور غریب بھی کیسے کہ سرسید نے تیس سال برابر صرف
دس لاکھ روپیہ کے لیے کوشش کی ۔ وہ اس حسرت میں مر گیا ۔ لیکن دس لاکھ
روپیہ سات کروڑ مسلمانوں سے جمع نہیں ہو سکا ۔ اس کے مقابلے میں ایک پارسی
شخص نے پچیس لاکھ روپیہ ایک یونیورسٹی کے لیے دے دیا ۔ ہم جب مالدار تھے
تو ہم نے تاج محل جیسی عمارتیں ، تخت طاؤس جیسے تخت بنائے ، کوہ نور جیسے

ہیرے۔ انگریزی راج اور ہندوؤں کے ملک میں رہتے ہیں۔ ہم ترکوں کے خیرخواہ ہیں۔ سلطان کے جان و مال کو دعا دیتے ہیں۔ درویشوں اور غریبوں کے پاس صرف دعا ہے۔ اور پھر غریبوں سے جو کچھ بن سکتا ہے، وقت پر دے بھی دیتے ہیں۔ زخمیان کریٹ کے لیے ہم نے چندہ کیا، حجاز ریلوے میں ہم دے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں سلطان امیرالمومنین ہونے پر بھی ہماری طرف سے بھی اس قدر بے پرواہ ہیں کہ وہ ہم سے کوئی تعلق ہی رکھنا نہیں چاہتے۔ ہمیں سفر حجاز میں سلطانی علاقے سے گذرنا ہوتا ہے۔ اس میں جس قدر مشکلات ہمیں سلطانی علاقہ میں پیش آتی ہیں اس کا عشر عشیر بھی ہمیں دیگر ممالک میں دیکھنا نہیں پڑتا۔ پھر بھی ہم بد دل نہیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ وہاں آئینی انتظام مشکل ہے، خاموش رہتے ہیں۔ خود سلطان کیا، ترک ہم سے اتنے بے خبر ہیں کہ گویا ہم سے کچھ واسطہ ہی نہیں۔ ہمیں دیکھیے باوجود ترکی نہ جاننے کے بھی چار اخبار ہم ہندوستانی ایسے رکھتے ہیں جن کا مقصد صرف ترکی کی حمایت اور ترکوں کے حالات پر روشنی ڈالنا ہے مثل «وطن» لاہور۔ اس سے متعلق ایک ایجنسی بھی جس کا نام حمیدیہ ایجنسی ہے۔ بمبئی میں ایک اخبار پیمانہ رنگ بھی انگریزی نکلتا ہے۔ اس مطبع کا نام بھی 'مطبع حمیدیہ' سلطانی نام کی یادگار میں ہے۔ ادھر لاہور میں ایک مدرسہ انجمن حمایت اسلام کی نگرانی میں ہے جس کا نام بھی مدرسہ حمیدیہ ہے۔ دور کیوں جاویں اسی مسئلہ مقدونیہ میں ہندوستان کے مختلف اضلاع میں ترکی حمایت میں ہم نے جلسے کیے۔ یہاں خود لندن میں جلسہ کیا۔ ان سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانان ہند سلطان کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دراصل یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ترکی اسلام کی بڑی طاقت ہے۔ اگر ترکی ہم نے کھودی، وہ دن اسلام کے زوال کا ہوگا۔ ترکی کا مغلوب ہونا، ترکی کا مغلوب ہونا نہیں ہوگا بلکہ اسلام کا عیسائیت کے مقابلے میں شکست ماننا ہوگا، بیت‌المقدس اور مکہ کا مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلنے کا دن ہوگا۔ میں تعجب کرتا ہوں کہ سلطان اپنی اس بے انتہا فوجی طاقت سے جو بہ حیثیت خادم حرمین شریفین اور امیرالمومنین ان کی قدرت میں ہے کیوں نہیں کام لیتے۔ ترکی، مصر، مراکو، افغانستان، ایران، بخارا کا اتحاد ایک بہت بڑی قوت ہے، جس کو اکیلا نپولین بھی نہیں توڑ سکے گا۔ ہمیں دیکھیے صرف رعایا ہو کر اپنی گورنمنٹ کے منہ آتے ہیں اور بعض وقت اڑ بھی بیٹھتے ہیں۔

مسٹر محمد علی بولے ہاں تم سچ کہتے ہو لیکن اصل یہ ہے کہ دنیا بھر نے ہماری کمزوری کو تسلیم کیا لیکن ہم نے اپنی کمزوری کو کمزوری ہی نہیں مانا۔ ہم یہی سمجھتے رہے کہ ہم عادتاً ویسے ہی طاقت ور ہیں۔ سلطان محمود خان نے

لیکن قوم نے نہیں سنا ۔ آخر متواتر کی شکستوں اور زکوں نے
وا دیا ۔ سلطان حال نے ہر ایک صیغہ سلطنت میں اصلاح کی ہے ۔
، میں ہم ساٹھ ہزار سپاہی بھی نہیں نکال سکتے تھے لیکن اب ہم
ن چار لاکھ سپاہی بھیج سکتے ہیں ۔ بحری جنگ میں پہلے ہم بالکل خام
ہت کچھ بڑھ گئے ہیں اس وقت مدرسۂ السنہ ہم دنیا بھر میں سب
نے ہیں ۔ ہم نے زبانوں کی کمزوری پوری کر لی ہے ۔ اس وقت ہمارا
ں یوروپین ملک کی ڈاکٹری سے کم نہیں ہے ۔ ہم میں جو کمی ہے
ہے ۔ اس کی طرف بھی ہم نے توجہ کی ہے ۔ ہر تیسرے سال پچاس
ن میں اسی غرض سے بھیجے جاتے ہیں ۔ میں نے کہا ، انگلینڈ میں
، طالب علم سے آپ کے سوا نہیں ملا ۔ بولے ، اس کی دو وجہ ہیں ۔
قوموں انگریز اور ترک میں قومی کشیدگی ۔ ایک ترک کو تمام
ں قوم اس قدر حقیر نہیں جانتی جیسے انگریز ۔ دوسرے جرمن ،
علوم میں بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں ۔ وہ ملک علم کا ملک ہے ۔ اور
جرمن جس طرح تمام قوموں پر فائق ہیں اسی طرح ان کے سکھانے
نہیں کرتے ۔ دوسرے ملکی پالیسی بھی اس میں بہت بڑا اثر رکھتی
ل میں اگرچہ سگ زرد برادر شغال ، جرمن اور انگریز ایک ہی ہیں ،
دوست اور نہ وہ ، لیکن ہمارے تعلقات جرمن سے دوستانہ ہیں ۔
اً وہاں جاتے ہیں ۔ بعد میں فرانس کا نمبر آتا ہے ۔ ہر سال پانچ
جے جاتے ہیں ۔ میں نے کہا ، آپ کی پولیٹیکل رائے کیا ہے ۔
ر محدودالاختیار ، خدائی طاقت والی شخصی سلطنت کا حامی نہیں
شخصی سلطنت کے خلاف ہوں ۔ ترک ایسی قوم ہے جو اپنے
سلطانوں کی پرستش کرتے ہیں ۔ ہماری تاریخ قدیم دیکھیے ۔
لطانوں کی ہزاروں زیادتیاں سہیں ، ان کے ناز اٹھائے ، ان کی
کاروائیوں کو بجا مانا ، ان کے ہزاروں ظلموں پر بھی ہم نے
ردانی کا خواب نہیں دیکھا ۔ اگرچہ جمہوری اصول سے ہم ابتدا
، اور اس کے فوائد سے بھی بے خبر نہیں لیکن ہمیں ہمارے سلطان ان
اوجود بھی عزیز ہیں ۔ ہم سلطان پرست قوم ہیں اور کیا یہ تعجب کی
ی عثمان خاں کا خاندان ، جو اب سے سات صدیاں پیشتر ہمارے
تھا ، اسی کی اولاد اور وہی خاندان ہم پر اس وقت بھی حکمران
ے سلطان نہایت عزیز ہیں ۔ ہم نہیں چاہتے کہ جس خاندان کی

اس قدر دراز صدیوں میں ہم نے خدمت کی ہے ، اس کی ترقی اس سے چھین لیں ۔ نہ صرف میں بلکہ میرے اور دوست بلکہ ہماری تمام انجمن ، جس میں اس وقت تک چالیس ہزار ممبر شریک ہو چکے ہیں ، یہ چاہتے ہیں کہ ہم سلطان کے غیر محدود اور خدائی اختیار محدود کر لیں ۔

میں نے کہا ، تب آپ کے خیالات اس قسم کی گورنمنٹ کے سے ہیں جیسی انگریز اپنے ملک میں رکھتے ہیں ۔ بولے ، میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارا سلطان بھی کنگ ایڈورڈ یا پوپ کی طرح صرف خطابات دینے یا برکت اور دعا دینے کا آلہ بن جاوے ، نہیں ، ہم چاہتے ہیں کہ اس کو لامتناہی اختیار نہ دیں بلکہ شہنشاہ جرمنی کی طرح اصول سلطنت ہو ۔ اگر آپ جرمن سیاسی امور میں دلچسپی لیتے ہیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ شہنشاہ نہ ہی مسلوب الاختیار ہے اور نہ ہی خود مختار ۔ میں نے کہا ، میں جرمن سیاسی نظام سے محض نابلد ہوں ۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ ایک حد تک اپنے اختیارات اپنی قوم پر مرعی کر سکتا ہے ۔ بلکہ اس کے اختیارات کنگ ایڈورڈ اور سلطان روم کے بین بین ہیں ۔ بولے ، ہاں ہم یہی چاہتے ہیں ۔ میں نے کہا ، بے شک آپ کی رائے سالم ہے لیکن مجھ کو اندیشہ ہے کہ اس کٹھن کے وقت ، جب کہ ترکوں کو اتفاق سے ہر وقت رہنا چاہیے ، اس قسم کی دو عملی رائیں کسی بڑے انقلاب اور خون ریزی کے اسباب نہ ہوں ، اور اس طرح ترک اگر آپس میں ہی کٹ مرے تو گویا تمام ترکی تمام شد کا سا حال ہوگا ۔ یوں بھی یوروپ ہر وقت کمین میں ہے ، صرف موقعہ کا منتظر ہے ۔ اس سے اچھا نصیب دشمنان اس کو اور کون سا موقعہ ملے گا ۔ بولے ، اس کے بغیر ہم اور ہماری قوم ابھر نہیں سکتے ۔ ہمارے بزرگ اور وہ فرقہ جس کے ہاتھوں میں اس وقت موجودہ سلطنت ہے ، تمام پرانے مدرسہ کے لوگ ہیں ۔ وہ اس وقت تک سلطان بایزید اور سلطان سلیم اول کے زمانے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ جس ایک حالت یا طاقت کو جس میں صدیوں سے ترکی چلی آئی ہے، اسی پر خوش ہیں اور اسی پر دلدادہ ہیں۔ وہ ترقی اور حرکت کے قائل نہیں ۔ ہمیشہ ترقی کے طرف داروں پر لعن طعن کرتے چلے آتے ہیں ۔ تمام ملک میں اس معاملہ پر ایک شور مچا ہوا ہے ۔ باپ بیٹے میں نہیں بنتی ۔ اس پر میں نے کہا ، خیر ترکی تو ترکی ہے ، ہندوستان میں خود یہی حال ہے ۔ وہاں بھی نئی امت اور پرانی امت کی روز چخ چلتی رہتی ہے ۔ جوان کہتے ہیں بوڑھے سٹھیا گئے ہیں ۔ ملک اپنے ہاتھوں کھو بیٹھے اور پھر بھی ترقی کو نہیں مانتے ، اسی لکیر کے فقیر ہیں ۔ بوڑھے کہتے ہیں ، تم نالائق ہو ، باپ دادا کا مذہب اور طریقہ چھوڑتے جاتے ہو ، دین میں رخنہ اندازی کرتے ہو اور کرسٹان بنتے ہو ، وغیرہ وغیرہ ۔ بولے ، تعجب ہزار تعجب ، آپ کے ہاں بھی یہی جھگڑا

. میں سمجھتا تھا ہندوستان کے مسلمان غیر قوموں میں رہنے کی وجہ سے زیادہ
سنہ اور روشن خیال ہوں گے اور سلطنت کا چھن جانا ان کے لیے ایک بڑا سبق
ؑ. میں نے کہا ، ہم نے اس نقصان کو نقصان ہی محسوس نہیں کیا ۔ اب تک
ہی سمجھتے ہیں کہ سلطنت ہماری ہے اور خصوصاً ہندوؤں کے مقابلے میں یہ
ہ پھر ظاہر ہوتا ہے [کذا] ۔ جن ممالک میں کہ اس وقت بھی اسلامی حکومت
، مثلاً میرا وطن ٹونک وہاں ہم ہندوؤں کو اسی نگاہ اور اسی لحاظ سے نہیں
کھتے جس طرح غیر قوموں کو دیکھتے ہیں ۔ ہماری نگاہ میں ہندو جانور ہے ۔
ے مزے کی بات ہے ۔ ہم انگریز سے ڈرتے ہیں اور ہندو ہم سے ڈرتا ہے ۔ وہ سبک
تی جو ہندوؤں کی بابت ہمارے دلوں میں ہے وہ ایک خمار ہے اس نشہ کا جو ہم
، کبھی سلطنت کے رنگ میں پیا تھا ۔ بولے ، میں یہ سن کر نہایت افسوس کرتا
ں ۔ میرا خیال تھا کہ ہندوستان کے مسلمان ہم سے نہایت ترقی یافتہ ہوں گے لیکن
ا خیال ہے اس حساب سے وہ ہم سے بھی پیچھے ہیں ۔ ہم بے شک اپنے سلطان اور
سی بادشاہ کے سایہ میں ہیں لیکن ہمیں ترقی کا موقعہ نہیں ملتا ۔ تم اگرچہ غیر قوم
حکومت میں ہو لیکن ترقی کے راستے تم پر کھلے ہوئے ہیں ۔ میں نے کہا ، زمانہ
ں بڑی طاقت ہے ۔ وہ طاقت جس نے اب سے تیرہ صدی پیشتر قبلہ بیت المقدس
، کعبہ کی طرف پھرا دیا ۔ وہ طاقت جس نے انگریز جیسی قوم کو نیم وحشی قوم
، اٹھا کر آج دنیا کے صدر پر بٹھا دیا ۔ وہی طاقت ہم کو بھی ایک جگہ نہیں
کھے گی ۔ ہمارے بزرگ ٹھہرے اور کرے ۔ وہ ہمیں آج آزادی نہ دیں ، روکیں ،
، ہمارے بچے وہ کام جو ہمارے کرنے کا تھا کریں گے ۔

بولے ، کل امر مرھون با وقاتھا ۔

اس کے بعد میں نے اپنی قومی نظم کا ایک بند ان کو سنایا ۔ بڑے خوش ہوئے ۔
لے ، شاعری ایک طاقت ہے ۔ میں نے کہا ، بشرطیکہ اس کا استعمال موقعہ پر کیا
اوے ۔ وہ بند یہاں بھی لکھ دیتا ہوں :

ہوا سست بازوئے شمشیر رانی　　اڑی رونق چہرۂ ارغوانی
تشدد میں ہے گردش آسمانی　　سلف کی ترقی ہوئی اک کہانی

نہ وہ بزم باقی نہ وہ یار باقی
مگر رات کے باسی ہیں ہار باقی

یورپ میں ترکوں کا جو خانداں ہے　　مسلمانوں کی شان و شوکت وہاں ہے
جب اس کی قدرت عجب اس کی شاں ہے　　صلیبوں کے اندر ہلالی نساں ہے

ابھی گونجتی ہے ایا صوفیہ پر
موذن کی آواز اللہ اکبر

پہلا بند غلطی سے لکھ دیا - میں نے انہیں پچھلا بند ترکوں کی بابت سنایا
بڑے خوش ہوئے ، ہاتھ ملایا - صوفیہ اور اللہ اکبر اور موذن سمجھ گئے تھے
نہایت خوش ہوئے -

محمود از لندن

(۳۰)

18 - Sinclair Road,
Kensington,
London

۲ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی مدظلہ العالی

تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ اس ہفتہ دو نوازش نامجات موصو
ہوئے - جملہ حالات سے آگاہی حاصل ہوئی - مبلغ ستر پونڈ اس ہفتہ موصول ہوئے

میں گذشتہ سہ شنبہ سے بیمار ہوں اور جب سے اس وقت تک بستر میں ہوں
کل تک سینہ اور سر میں درد تھا لیکن رات سے گلے میں سخت تکلیف ہے - رات
نیند بھی مشکل سے آئی - یہ ایک عام بیماری ہے جو سردی کی وجہ سے یہاں ہو
ہے - اس قسم کی بیماری ہمارے ملک میں کمیاب ہے - آج کل موسم سخت خرا
ہے - پچھتر فی صدی شخص سردی کی وجہ سے کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہیں
شمالی برفانی ہوائیں چلنا شروع ہو گئیں ہیں - امید ہے کہ یہ بیماری میرا زیادہ حر
نہیں کرے گی - امتحان میں پورا ایک مہینہ باقی ہے -

یہاں لندن میں ایک صاحب حاجی وولی نامی رہتے تھے - ان کا وطن کیپ ٹاؤ
واقع جنوبی افریقہ ہے - یہاں معہ خاندان اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لیے ٹھہرے ہو
تھے - بڑا بیٹا ، جو ڈاکٹری میں پڑھتا تھا ، ابتدائی فروری میں ڈاکٹری میں بڑ
امیدوں اور امنگوں کے بعد پاس ہوا اور حاجی صاحب وطن کی طرف لوٹنے کی تیار
میں مشغول تھے کہ اچانک ۹ فروری کو انتقال فرما گئے - انا للہ و انا علیہ راجعون
لندن میں مسلمان تو بہت سے ہیں اور ہم لوگ اگر جھوٹ بھی کسی انگریزی جلـ
کا نام سنتے ہیں تو دس کام چھوڑ کر وہاں جاتے ہیں لیکن حاجی صاحب کی وفا
کے موقعہ پر باوجود علم ہونے کے نہیں گئے - مسٹر عبداللہ المامون سہروردی اپ
تمام کام چھوڑ کر ادھر ادھر مسلمانوں کو کہنے گئے لیکن کوئی نہیں آیا - میر

ـ بھی اسی غرض سے آئے ـ یہ ۱۹ ـ فروری کا ذکر ہے ـ

۲۰ ـ فروری کو میں اور مسٹر سہروردی اور خداداد خاں تینوں حاجی صاحب کے مکان پر پہنچے ـ سب نے مل کر ان کو غسل دیا ـ ۲۱ ـ کو جنازہ کا دن ٹھہرا ـ ہیں بھی اس روز گیا ـ ہندوستانیوں میں سے صرف میں اور خداداد خاں تھے ـ میں نے ـر جنازہ پڑھائی ـ کفن کے بارہ میں ہمیں مشکلات پیش آئیں ـ ہم میں سے کوئی ہی واقف نہیں تھا اور ترکی سفارت خانہ کا امام کہیں باہر تھا ـ الغرض یہ مشکلات ـک کتاب کے ذریعہ سے حل ہوئیں ـ حاجی صاحب مرحوم سے میں ان کی حین حیات ـبھی نہیں ملا ـ ان کی عمر ساٹھ سال تھی ـ بڑا لڑکا جو حال ہی میں ڈاکٹر ہوا ہے ، ڈاکٹر محمد عمر نام ہے ، عمر قریباً اٹھائیس انتیس سال ہے ـ دوسرا لڑکا ، نام ـمد صالح ہے ، عمر سترہ سال ، کیمسٹری پڑھ رہا ہے ـ ایک لڑکی عائشہ نام ، ـمر قریباً اکیس سال ہے ـ دو بچے اور ہیں ، خورد سال ، میں ان کے نام بھول گیا ـ کی مادری زبان ڈچ ہے ـ ولایت میں عرصہ سے رہنے کی وجہ سے انگریزی ہی اچھی بولتے ہیں ـ یہ لوگ عرب سے افریقہ پہنچے اور افریقہ سے یہاں ـ یہاں سے پھر واپس افریقہ جانے والے ہیں ـ گذشتہ اتوار کو ہم لوگ پھر حاجی صاحب کی ـر پر گئے ، فاتحہ خوانی کے لیے ـ یعنی میں ، محمد عمر اور محمد صالح ـ اس کے بعد واپسی میں میں انھیں اپنے مکان پر لایا ـ چاء پلائی ـ

گذشتہ دو شنبہ یعنی پیر کو میں میجر پریچارڈ کے ہاں گیا ـ انھوں نے جمعرات کو مجھے دعوت دی ـ کھانے پر بلایا ـ ان کی یہ بڑی مہربانی تھی ـ لیکن افسوس ہے کہ اسی عرصہ میں میں بیمار ہو گیا اس لیے خط لکھ کر اپنی غیر حاضری کی معافی مانگی جس کا جواب کل جمعرات کو مجھے موصول ہوا ، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ وہ انگلینڈ سے باہر جانے والے ہیں اس لیے اس سے پیشتر وہ اپنے چند دوستوں کو جانے سے قبل دیکھنا چاہتے ہیں ـ جس کے لیے وہ لندن سے کچھ دن کے لیے باہر رہیں گے ـ جب وہ اس سے فارغ ہو کر لندن آویں گے ، اس وقت مجھ کو لکھیں گے ـ گذشتہ دو شنبہ کو میں اس لیے گیا تھا کہ ان کو اپنے ہاں کھانا کھانے کے لیے بلاؤں لیکن اس کی بجائے انھوں نے یہ تجویز کی کہ میں جمعرات کو ان کے ہاں کھانا کھاؤں ـ کیونکہ کچھ اور دوست بھی آنے والے ہیں چنانچہ میں نے بھی منظور کر لیا تھا لیکن اپنی موجودہ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکا ـ مجھ کو معلوم ہے کہ شیخ عبدالقادر صاحب کے خطوط آپ کو نہ پہنچے وہ مجھ سے پانچ چھ مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ وہ آپ کو لکھ چکے ہیں ـ

میری پڑھائی اچھی حالت میں ہے ـ اس ہفتہ میں میرا حرج ہوا کیونکہ دو تین روز کتاب برابر چھوٹی رہی ـ اب اس وقت بستر میں بیٹھا ہوں ، یہ خط لکھ رہا

ہوں لیکن حالت یہ ہے کہ پسینہ برابر چلا آ رہا ہے ، ناک علیحدہ برابر بہہ رہی ہے اور باہر موسم کی یہ کیفیت ہے کہ ہوا سائیں سائیں کر رہی ہے ، آسمان پر ابر چھا رہا ہے اور طوفان کے آثار ظاہر ہیں - میجر ہریچارڈ کو میں پین اسلامک سوسائٹی کے جلسے میں نہیں لے جا سکا کیونکہ اس وقت وہ لندن سے باہر تھے - اس جلسہ کی تصویریں آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں - میجر ہریچارڈ سے میں آٹھ سات مرتبہ مل چکا ہوں -

انجمن الفنون - یہ ایک سوسائٹی ہے - اس کے بانی کے نام سے میں واقف نہیں لیکن یہاں ہزاروں ایسی انجمنیں ہیں جن کو چند خاص بامذاق شخص قائم کرتے ہیں - اس قسم کی تمام انجمنوں سے غرض رفاہ عامہ ہے اور ایسی تمام انجمنوں کے قیام اور ان کے اخراجات کا مدار صرف چندہ پر ہے - بہت سی ایسی انجمنیں ہیں جن کے نام مرے ووے لوگوں نے بہت سا روپیہ چھوڑا ہے اور اس روپیہ ہی کے سود سے وہ انجمنیں قائم ہیں - گذشتہ زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سر پرستی میں بہت سی انجمنیں قائم تھیں - ان انجمنوں کا مقصد یہ تھا کہ انگریزوں کو عام ترغیب ہندوستان میں ملازمت کرنے کی طرف دلائی جاوے - ان کے علاوہ اور بہت سی انجمنیں قائم ہوئیں۔ بعض میں ہندوستان کی گذشتہ تاریخ پر لیکچر دیئے جاتے تھے - بعض میں ہندوستان کی طرز زندگی ، آب و ہوا اور جغرافیائی حالات سے بحث کی جاتی تھی - ان میں سے بہت سی انجمنیں اس وقت تک زندہ ہیں - بہت سی ٹوٹ گئیں - ہمارے ملک میں انجمنوں کا رواج نہیں لیکن یہاں ان سے وہ وہ کام لیے جاتے ہیں جو کروڑوں روپیہ اور لاکھوں سپاہیوں سے نہیں ہو سکتے - مثلاً انگلینڈ اور فرانس کی صلح ، جو اس سے پیشتر بالکل ناممکن خیال کی جاتی تھی - یہ دونوں قومیں ہزاروں برس سے ایک دوسرے کے ہمسایہ میں رہتی ہیں - صرف ایک پانی کی لکیر درمیان میں ہے - ان دونوں قوموں کی دشمنی ضرب المثل تھی لیکن اب یہی دونوں قومیں ہیں جو ایک دوسرے کی دوست ہو گئی ہیں - پہلے دوستی کا خیال انجمنوں کے ذریعہ سے رعایا میں پھیلا - بعد میں رعایا نے گورنمنٹ کو مجبور کیا - اب دونوں سلطنتیں ایک دوسرے کی بہی خواہ ہیں - ان دونوں عظیم الشان طاقتوں کا اتحاد نہ صرف یوروپ بلکہ دنیا کی تاریخ بدل سکتا ہے - اسی کی دیکھا دیکھی ہمارے دوست مسٹر عبداللہ الماموں سہروردی نے پین اسلامک سوسائٹی قائم کی - اس انجمن کے مقاصد میں فرقجات اسلام میں اتفاق ، لندن میں مسجد کا تعمیر کرنا اور باقاعدہ انگلستان میں دعوت اسلام کرنا -

سید امیر علی جج ، سید علی بلگرامی ، شیخ عبدالقادر اور دیگر بہی خواہان قوم ، بالخصوص جو کہ علی گڑھ کالج سے ہمدردی رکھتے ہیں ، سہروردی صاحب کے

خلاف ہیں - صاحبان مسبوق الذکر فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا گورنمنٹ کے خلاف عمل کرنا ہے اور بالخصوص انگریزوں میں دعوت اسلام کرنا گورنمنٹ کی نگاہ میں بغاوت کا ثبوت دینا ہے - سہروردی صاحب کہتے ہیں ، آپ گورنمنٹ سے اتنا ڈرا کریں ، میں نہیں ڈرتا اور دعوت اسلام سے اور گورنمنٹ سے کیا مناسبت ہے - میں نے اب تک بارہ لوگوں کو مسلمان کر لیا ہے اور انشاءاللہ ، اگر زندگی بخیر ہے ، انھی انگریزوں میں سے اور سینکڑوں کو مسلمان کرتا ہوں - میں کہتا ہوں سہروردی صاحب شاباش میں تمھارے ساتھ ہوں تم سچے مسلمان ہو باقی ہم تو صرف کہنے کے مسلمان ہیں -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - مشہود خاں کو پیار -

فقط

محمود

(۳۱)

18 Sinclair Road,
Kensington, London

۲۳ - مارچ سنہ ۱۹۰۶ء لندن

قبلۂ کونین و کعبۂ دارین ، مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں - نوازش نامۂ عالی شرف صدور لایا - اس سے پہلے ہفتہ کی بابت عرض کر چکا ہوں کہ خط نہیں پہنچا تھا گویا ایک ہفتہ ناغہ گیا اس خط سے جو گذشتہ ہفتہ موصول ہوا ، معمولی خیریت اور عافیت معلوم ہوئی -

میں اس ہفتہ گھر سے بالکل باہر نہیں نکلا - موسم اس قدر خراب ہے کہ کبھی تند ہواؤں کا زور ہے ، کبھی برسات نمودار ہے اور کبھی برف باری - موسم میں اس قدر جلدی تغیر عجائبات سے ہے -

آج سے نو روز اور امتحان میں باقی ہیں - خدا کرے یہ دن بھی جلد گذریں - میں اپنی طرف سے دن اور رات امتحان میں اور اس کی تیاری میں مشغول ہوں - آگے خدا کے ہاتھ ہے ، جو کچھ ہونا ہوگا پیش آوے گا - میں اس وقت بیم و رجا میں ہوں - کبھی امید طاری ہے اور کبھی مایوسی - مجھ کو اس خط میں بہت کچھ لکھنا نہیں - نئی چیز یہ ہے کہ آخر کار امتحان میں نام بھیج چکا ہوں - میں نے اپنے پچھلے کسی امتحان میں اس قدر محنت نہیں کی جس قدر اس میں کی ہے ، اور پھر بھی اگر فیل ہو جاؤں تو مجھ کو نہایت ہی افسوس ہوگا ، اور یہ افسوس یوں اور بھی

موجب دل شکنی ہوگا کہ میں اپنے پچھلے امتحانات میں فیل نہیں ہوا ہمیشہ پاس ہوتا رہا ۔ یہ میرے لیے ایک نئی بات ہوگی ۔ دوسرے تعین اوقات میں بہت بڑا فرق ہو جاوے گا ۔ یعنی اس میں میں اگر پاس ہو گیا تو میرے تربیتی اوقات جاری رہیں گے ورنہ گویا ڈیڑھ سال بلکہ قریباً ہونے دو سال یونہی ضائع جاوس گے اور باقی وقت میں چاروں امتحان پاس کرنا نہایت مشکل ہوگا۔ سب کے نزدیک قابل ملامت ٹھہروں گا اور محنت جو اکارت گئی وہ رو کن میں ۔ خدا ہی ہے جو شرم رکھے ۔

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب ۔ آپا صاحبہ ، زہرہ بہن کو سلام ۔ تمام بھائیوں اور دیگر اصحاب کو درجہ بدرجہ سلام دعا ۔ نوری اور کان دادی کو سلام ۔

عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار ۔ مشہود خاں سے کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے تمام امتحانات میں پاس ہو گیا تو ایک بائیسکل ان کی نذر کروں گا ۔ وہ معصوم ہیں ان کی دعا قبول ہوگی ۔

فقط

محمود شیرانی

(۳۲)

18 Sinclair Road,
Kensington,
London

لندن ، ۳۰۔ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی مدظلہ العالی

آداب تسلیمات فدویانہ کے بعد گذارش پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں اور آں حضرت کی خیریت کا ہر وقت دعا گو ۔ نوازش نامۂ عالی گذشتہ دو شنبہ کو حسب معمول شرف صدور لایا ۔ جملہ خیریت معلوم ہوئی ۔

آج ۳۰۔ مارچ ہے ۔ تین روز امتحان میں اور باقی ہیں ۔ شنبہ ، یک شنبہ ، دو شنبہ درمیان میں ہیں ۔ سہ شنبہ کو امتحان ہے ۔ امتحان دس بجے شروع ہو کر ایک بجے ختم ہوگا گویا تین گھنٹہ رہے گا ۔ دوسری ڈاک سے گویا آپ کو میرے امتحان کی بابت مفصل حالات معلوم ہوں گے کہ پرچے کیسے گذرے ۔ کامیاب ہونے اور فیل ہونے کا نتیجہ امتحان سے ایک ماہ بعد معلوم ہوگا ۔

میرے خیال میں میری خواندگی خوب تیار ہے ۔ ایک چھوڑ سات کتابیں اسی مضمون کی دیکھی ہیں ۔ توقع تو ہے کہ پاس ہوؤں ، آگے تقدیر ہے ۔ اصل یہ ہے کہ لاطینی زبان کی اصطلاحات نے بہت پریشان کر رکھا ہے ۔ ان کو یاد

کرتے کرتے دق ہوگیا ہوں - ایک غیرمانوس زبان، نہ جس کے صرف و نحو سے واقف اور نہ لغات سے - لمبے چوڑے الفاظ یاد کرنا ہوتے ہیں - اور پھر بعد میں مغالطہ میں پڑ جاتا ہوں کہ فلاں لفظ کے فلاں معنی ہیں ، لیکن جب دیکھا تو میں غلط تھا - دو چار اصطلاحات ہوں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں - تقریباً دو ہزار کے قریب لغات ، الفاظ ، اصطلاحات اور ضرب الامثال ہیں - اگر امتحان میں ان اصطلاحات کے معنی غلط لکھ دئیے تو پھر خیر نہیں۔ تمام محنت اکارت جاتی ہے -

ہمارے ملک کی یونیورسٹیوں میں ایک تہائی پرچہ لکھنے سے طالب علم پاس ہو جاتا ہے - یہاں کی یونیورسٹیوں میں ممکن ہے یہ قاعدہ ہو لیکن قانونی امتحانات میں ایک تہائی پرچہ کی کوئی سند نہیں - اس کا دارو مدار صرف ممتحن کی مرضی پر ہے - اس کے خیال میں جس کا پرچہ اچھا ہے ، وہ پاس ہے باقی فیل ہیں - میرا پہلا امتحان ہے ممتحن کے معیار سے اس وقت تک بالکل ناواقف ہوں - پھر ہمارے ریڈر مسٹر ہیٹ ایک دشوار پسند ممتحن ہیں - طلبا ان کے طرز سوال سے ہمیشہ شاکی ہیں - ان کے سوال کرنے کا ڈھب بھی دنیا جہان سے نرالا ہے - طالب علم کو تمام کتاب حفظ ہے - اسی میں سے انھوں نے ایک سوال دیا - لیکن سوال کا سمجھنا مشکل ہے - جب کوئی سوال ہی نہ سمجھے تو طالب علم جواب کیا خاک دے - ان کی طرز سوالات کو سمجھنے کے لیے میں نے گذشتہ سالوں کے پرچے خریدے - انھی میں ایک سوال تھا کہ «ایک غلام کے فطرتی اور قانونی مالکان کے حقوق میں کیا فرق ہے - ان کی کیا کیا چارہ جوئیاں ہیں - مفصل جواب بحوالہ اقوال جسٹینین دو» (جسٹینین شہنشاہ روم کا نام ہے - بہت بڑا مقنن تھا - اس کی کتاب انسٹیٹیوٹ آف جسٹینین برائے نام ہمارے امتحان میں داخل ہے) - میں نے اپنی تمام کتابوں کو اس سرے سے اس سرے تک الٹ ڈالا لیکن کہیں اس سوال کا جواب نظر نہیں آیا - کالج کے کتب خانہ میں گیا - وہاں بھی ناکامیاب رہا - آخر مسٹر ایڈورڈ بیرسٹرایٹ لاء کے پاس گیا - ان سے پوچھا - وہ بولے ، واللہ اگر خود جسٹینین اپنی قبر سے اٹھ کر آوے تو اس سوال کا جواب نہیں دے سکے گا - یہ سوال کیا ہے ، صرف صاحب ممتحن کے دماغ کا نتیجہ ہے -

الغرض میری ہر طرح ہی سے مشکل ہے - تین گھنٹہ کا تحریری پرچہ ہوگا - اس کے بعد تقریری امتحان ہوگا - اس تقریری امتحان سے جدا روح کانپ رہی ہے - دیکھیے اس وقت کیسی بنے - اگر جواب وقت پر یاد نہ آیا تو بس خاتمہ ہے - میں اس امتحان کے ختم ہونے پر نتیجہ کا انتظار نہیں کروں گا ، خواہ پاس ہوؤں یا فیل - اپنی پڑھائی دوسرے امتحان کی اس امتحان کے ختم ہوتے ہی جاری کر دوں گا - اس امتحان میں اگر پاس تو فہوالمراد ورنہ آیندہ دونوں امتحانوں میں شریک ہوں

ہوگا - اب تو ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم - فیل ہوؤں یا پاس ، مجھ کو چاروں امتحان پاس کرنا ہیں - میں فیل ہونے سے ڈرتا نہیں لیکن اس بات سے شرم آتی ہے کہ میں اس سے پہلے کبھی فیل نہیں ہوا - اب اگر فیل ہوا تو میرے لیے بالکل ایک نئی بات ہوگی - خیر تقدیر میں جو کچھ ہوگا پیش آوے گا لیکن مجھ کو یہ افسوس نہیں رہے گا کہ میں نے محنت نہیں کی - میں نے محنت میں کسی طرح کی کمی نہیں کی ہے - اب تین روز اور باقی ہیں ، خدا کرے جلد گذر جاویں -

امتحان اور پڑھائی کے سوا مجھ کو دنیا جہان کی خبر نہیں ہوتی - بریک فاسٹ کھا کر کرسی پر ایسے بیٹھتا ہوں کہ رات کے گیارہ بجے وہاں سے اٹھتا ہوں - بستر میں بھی کتاب ہے ، پڑھ رہا ہوں - جب نیند نے غلبہ کیا تب سو گیا - رات بھر کچھ اسی قسم کے خواب آتے رہتے ہیں -

بخدمت ہر دو والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمود مشہود خاں کو پیار - زیادہ حد آداب -

محمود سیرانی

(۳۳)

لندن

۱۸ - مئی سنہ ۱۹۰۶ء

قبلۂ صوری و کعبۂ معنوی دام ظلہ

تسلیمات فدویانہ کے بعد عرض پرداز ہوں کہ میں بہمہ وجوہ قرین خیریت ہوں - نوازش نامۂ عالی حسب معمول شرف صدور لایا - خیریت مندرجہ سے آگاہی ہوئی -

میں اپنی تعلیم میں حسب معمول مصروف ہوں - اس ہفتہ سے کچھ اور حصہ (انگریزی قانون تدبیر سلطنت) کا بھیجتا ہوں[1] - اس سے آپ کو بھی کچھ کچھ حالات اس عظیم‌الشان سلطنت کی تدبیر سیاست مدن کی بابت معلوم ہوتے رہیں گے - میں یہ خلاصہ اور خلاصے جو کچھ آج تک بھیج چکا ہوں ، نہ تو وہ کوئی ترجمے ہیں اور نہ ہی مفصل مضمون - نو سو صفحے کی کتاب میں سے جگہ جگہ سے ایک ایک بات بہم پہنچانا ہوتی ہے اور لکھتے وقت نہ تو الفاظ کا خیال ہوتا ہے اور نہ ہی سلسلۂ عبارت کا - زیادہ تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ مطلب مختصر عبارت میں

---

۱ - اس خط کی پشت پر یہ حصہ ایک قسط کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے - یہ زیر نظر خط کے بعد ملاحظہ کیجیے - (مرتب)

ہو لیکن اس صورت میں جگہ جگہ سلسلۂ عبارت ٹوٹ جاتا ہے ، بے جا الفاظ استعمال ہوتے ہیں - یہ نقص نظر ثانی میں درست ہو سکتا ہے لیکن اس قدر فرصت کہاں - بہر حال جو کچھ بھیجا کرتا ہوں ، پہلا مسودہ اور خلاصہ ہوتا ہے - علاوہ ازیں انگریزی کی مزاولت کی وجہ سے وقت پر اردو کے الفاظ یاد نہیں آتے - اس لیے بجائے موقعہ کے الفاظ تلاش کرنے کے غیر استعمالی الفاظ درج ہوتے ہیں - چونکہ ان خلاصوں سے میری غرض اشاعت نہیں ہے اس لیے اور بھی ضروری لوازم نظر انداز کر کے مطلب پر اکتفا کرتا ہوں - مولوی محمد حسن خاں صاحب کا رسالہ دربارۂ قدامت افغانان وصول ہوا - میں مولوی صاحب کی تکلیف کا دل سے مشکور ہوں -

آج کل یہاں موسم نہایت خراب ہے - ابر ، بارش ، سردی ، وقت بے وقت ان میں سے کوئی نہ کوئی موجود رہتا ہے - اس وقت ابر محیط ہے - نہایت اندھیرا ہو رہا ہے - دن کے بارہ بجے چکے ہیں - ایک بجے کھانا کھا کر کالج جاتا ہوں - باقی حالات بدستور ہیں -

بخدمت والدہ ماجدہ آداب - عزیزم محمد مشہود خاں کو پیار -

فقط

محمود شیرانی

انگریزی قانون تدبیر سلطنت

اس طرح سے ہوس آف لارڈز کی طاقت بہت کچھ متزلزل ہوئی - لیکن کچھ عرصہ کے بعد ملک کی مزدور پیشہ جماعت نہایت اہمیت کا دم بھرنے لگی اس لیے سنہ ۱۸۶۷ء میں نئی ترمیمیں جاری ہوئیں جن کی رو سے ضلعوں کی تمام پیشہ ور جماعتیں انتخاب میں حصہ لینے لگیں اور یہ شرط ہوگئی کہ مالکان اراضی یا کرایہ دار جن کے قبضہ میں بارہ پونڈ آمدنی یا محصول کی زمین ہے ، انتخاب کرنے کے مجاز ہوں گے - قصبات میں یہ شرط دس پونڈ تک مقرر ہے - اس طرح سے مزدور پیشہ جماعت کی کثیر تعداد جو اس سے پہلے اظہار رائے کی مجاز نہیں تھی اب عملاً انتخاب میں حصہ لینے لگی - حال میں بھی یہی طریقہ جاری ہے لیکن اضلاع میں یہ دستور صرف سنہ ۱۸۸۴ء سے جاری ہے -

سنہ ۱۸۸۵ء کے انتخابی قانون نے منظور کیا کہ ہر بڑا شہر یا قصبہ پارلیمنٹ میں دو ممبر بھیجنے کا مجاز ہے اور اوسط درجہ کے قصبات صرف ایک ممبر بھیجیں گے - باقی حصے ضلعوں میں تقسیم کر لیے گئے اور ہر ضلع کو ایک ممبر بھیجنے کا اختیار مل گیا - موجودۂ بالا ذکر کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انتخاب کرنے والی

جماعت میں یہ یہ لوگ شامل ہوں گے ۔ مالکان اراضی ۔ یہ شرط صرف ضلعوں کے لیے ہے ۔ قابضان اراضی جس کی سالانہ آمدنی دس پونڈ ہو ۔ مقامی کرایہ دار جو دس پونڈ سالانہ محصول ادا کرتے ہیں ۔ مقامی کرایہ دار سے وہ لوگ مراد ہیں جو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے لیے ایسے مکان میں رہائش رکھیں گے ۔ انتخاب کرنے والوں میں اور لوگ بھی داخل ہیں مثلاً یونیورسٹیوں کے خطاب یافتہ ممبر یعنی جو بی ۔ اے کا امتحان پاس کر چکے ہیں ۔ ایسے لوگ اپنی اپنی یونیورسٹی کے لیے ممبر انتخاب کرنے کے مجاز ہیں ۔ شہر لندن کے عام شہری اس شہر کے ممبروں کے انتخاب کے مجاز ہیں ۔

وہ جماعت جو ممبر انتخاب نہیں کر سکتی ۔ اس میں یہ لوگ شامل ہیں ۔ پردیسی ، سرکاری عہدہ دار ، عورتیں ، بچے ، لایعقل اشخاص ، شیرف اور ریٹرنگ افسر ۔ ریٹرننگ افسر وہ افسر ہے جس کا [کام] انتخاب کی نگرانی ہے ۔ انتخاب کے متعلق عام قسم کی ذمہ داریاں اس افسر کے سپرد ہیں اور جب کہ منتخبین کا نمبر دونوں ممبروں لبرل اور کنزرویٹو کے حق میں مساوی ہے اس وقت ریٹرننگ افسر اپنی فیصلہ کن رائے دینے کا مجاز ہے یعنی جس ممبر کے حق میں وہ رائے دے گا وہی ممبر انتخاب میں تجویز ہوگا ۔ جرائم پیشہ اور دیگر ایسے لوگ جو کہ ممبر پارلیمنٹ نہیں ہو سکتے انتخاب میں بھی علی ہذا حصہ نہیں لے سکتے ۔

انتخاب کرنے والوں کے نام ایک کتاب میں مندرج ہوتے ہیں ۔ یہ کتاب ہر سال شائع ہوتی رہتی ہے اور تمام تغیر اور تبدل اس میں سالانہ درج رہتا ہے ۔ کوئی ایسا شخص جس کا نام اس کتاب میں درج نہیں انتخاب کرنے میں حصہ لینے کا قانوناً مجاز نہیں ۔ (باقی آیندہ)

محمود شیرانی

بنام محمد ابراہیم خان صاحب
(برادر بزرگ حافظ محمود شیرانی)

بخدمت اخوان صاحب قبلہ محمد ابراہیم[1] خان صاحب

تحریر مرقومہ آنجناب مطالعہ میں آئی ۔ دعا کیجیے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوؤں ۔ میرے خطوط یقیناً برابر جناب کی نظر سے گزرتے رہتے ہوں گے ۔ علیحدہ نیاز نامہ کی تحریر کی مجھ کو فرصت نہیں اور یقین ہے کہ جناب بھی مجھ کو معاف

---

۱ - یہ خط ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء کو تحریر کیا گیا ہے ۔ جس صفحے پر یہ لکھا گیا ہے اس کی پشت پر اپنے والد کے نام ایک نامکمل خط کا ابتدائی حصہ ہے ۔ جس پر یہ تاریخ درج ہے ۔ (مرتب)

ہیں گے ۔ آپ بھی معلوم کریں گے کہ میں کس قدر مشغول ہوں ۔ اگر علیحدہ
ہ خط لکھوں تو میرا جمعہ کا دن ڈاک لکھنے ہی میں صرف ہو جاوے ۔ اس لیے
ہی شیوہ اختیار کر لیا ہے کہ گھر ایک خط اور وہ بھی والد کے نام لکھوں
میرے تمام خورد و بزرگ اس کو دیکھ لیں اور سن لیں اور میری خیریت سے
ہو جائیں ۔ دولھا بھائی اور وکیل صاحب اور سراج الرحمن خان بھی اس زمرہ
شریک ہیں ۔

اگر ان میں سے کوئی صاحب مجھ سے اس وجہ سے ناراض ہوں کہ میں نے لندن
آ کر ان کو ایک سطر بھی نہیں لکھی تو میں ان کی ناراضی سر آنکھوں پر قبول
کے ان سے معافی کا خواستگار ہوں اور مستدعی ہوں کہ سر دست ایک عرصہ تک
کو اس امر سے معاف دیویں، نہایت ہی مشکور ہوؤں گا اگر گاہ گاہ یہ صاحبان مجھ
یاد فرماتے رہیں گے ۔ زیادہ حد آداب ۔ آپا صاحب کی خدمت میں آداب ۔ زہرہ بہن
سلام ۔ بچوں کو دعا ۔

محمود

بنام محمد مسعـــود خان صاحب

(برادر خورد حافظ محمود شیرانی)

(۱)

18 Sinclair Roa
Kensington W,
London.
اگست سنہ ۱۹۰۵ء

پیارے بھائی مسعود خان

میں یقین کرتا ہوں کہ تم اپنے بڑے بھائی سے ناراض ہو اور شاید تم اپنی رنجش
وجوہات میں اپنے آپ کو درست ہی پاؤ لیکن میں بجائے اپنی معذوری ظاہر کرنے
تم سے اس قدر تساہل کی معافی مانگتا ہوں ۔ کچھ میں قدرتاً سست ہوں، کچھ
ری پارسل وغیرہ پہنچنے میں 'سائر'[1] وغیرہ کے معاملات میں دقتیں پیش آتی ہیں ۔

---

[1] ریاست ٹونک میں ایک محکمہ سائرات (کسٹم) تھا جس کو تخفیفاً 'سائر' کہہ دیتے تھے ۔ اس کا کام یہ بھی تھا کہ ریاست کے باہر سے آنے والے اور ریاست سے باہر جانے والے تمام پارسل وغیرہ کھول کر دیکھیں اور چھان بین کریں کہ کوئی خطرناک (والئی ریاست کے نقطۂ نظر سے) چیز تو ریاست کی حدود میں نہیں لائی لے جائی جا رہی ۔ ظاہر ہے کہ اس کام میں وقت بہت ضائع ہوتا تھا ۔ (مرتب)

اس کے علاوہ میں گھڑی کی طرف سے مطمئن نہیں تھا کہ وقت ٹھیک دے گی یا کیا۔
نتیجہ یہ ہے کہ یہ گھڑی وقت ٹھیک نہیں دیتی - ہمیشہ پانچ سات منٹ سلو ہے۔
بظاہر اور کوئی خرابی اس میں نہیں ہے - اس کو ایک ہفتہ میں ایک مرتبہ کوک
کافی ہے - یہ گھڑی بغیر چابی کی ہے (کذا) - اس کو برابر کوکتے جاؤ حتیٰ کہ
ایک موقعہ پر آ کر ایک خفیف سی آواز، کوک کی آواز سے برخلاف اس میں سے
نکلے گی - اس وقت تم سمجھ لو کہ زیادہ کوکنے کی ضرورت نہیں - اس گھڑی کے
فیس پر گھنٹہ کی سوئی کے علاوہ ایک اور سوئی ہے جس کے بازوؤں پر F اور S لکھا
ہوا ہے - اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گھڑی کو فاسٹ کرنا چاہو تو اس سوئی کو
فاسٹ کی طرف کر دو، فاسٹ چلے گی - اگر سلو کرنا چاہو تو سلو کی طرف کر دو۔
ایک دو مرتبہ کے امتحان سے تم خود سمجھ جاؤ گے یا کسی گھڑی ساز سے یہ امر
دریافت کر لینا -

بائیسکل وغیرہ کی چیزیں - ٹیوب تو میں بھیج سکتا ہوں لیکن ٹائر کا بھیجنا
یہاں سے مشکل ہے - تم دیکھو، ڈاک کے سوا اور کوئی صورت یہاں سے ان چیزوں
کے بھیجنے کی نہیں اور محصول ڈاک ولایت سے ٹونک تک نہایت گراں ہے - ٹیوب کا
بھیجنا تو ممکن ہے - میرے خیال میں تو مناسب ہے کہ یہ چیزیں تم لاہور سے مسٹر
جی - رستم جی کے ہاں سے منگواؤ -

کلو میاں کے خط کا میں نے جواب دے دیا، ایک عرصہ ہوا - لیکن اگر وہ
بندوق کے واقعی شوقین ہیں اور چاہتے ہیں تو ان کو پہلے قیمت بندوق ادا کرنا ہوگی
اور تم سمجھ لو کہ یہ میرے لیے ایک جھگڑا ہے - دوکان پر جاؤ، دیکھو، یہ کرو
وہ کرو وغیرہ - بہر حال تمہارے لیے اور تمہاری خاطر سے میں یہ کروں گا لیکن
قیمت وغیرہ ان کو پہلے بھیجنا ہوگی تب میں آرڈر دوں گا ورنہ خاموش ہوں -

مجھ کو پرتاپ سنگھ جی رگے جی وغیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا - میں اپنی
تصویریں والد کو بھیجوں گا - باقی سب طرح خیریت ہے -

گھڑی میں آج ہی رجسٹری کر کے روانہ کرتا ہوں - ڈاک خانہ سے وصول
کر لو - گھڑی پر پتہ صرف تمہارا نام اور علی گنج، مہندی باغ ہے -
والدہ کو آداب - بھائیوں کو پیار -

فقط
محمود

(۲)

لندن
۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۰۵ء

ڈیر مسعود خاں

دعا - بھائی میں تو یہی کہوں گا، تم جوان ہو، ہر طرح تمہارے حواس درست

باوا جان جو کچھ کریں ان کو کرنے دو اور چشم پوشی کرو - صرف ایک
ن ضعیفی اور آخری وقت پر رحم کرو - وہ تیز مزاج ہمیشہ سے ہیں - تم نے ہمیشہ
کے مزاج کو برداشت کیا ہے اور ہمیشہ سلیم الطبع اور ملائم رہے ہو - اب بھی
الطبع رہو - اسی نرمی سے کام لو - اب اپنی اس فرشتہ نفسی کو نہ بدلو -
اری بشرط استواری اصل ایمان ہے - بھائی، اسی میں تم کو دنیا اچھا کہے گی
تم اس کا اجر پاؤ گے -

میں تم کو شاباش دیتا ہوں ، مقصود کا جو تم نے انتظام کیا - بھائی ، یہ میرا
ں تھا کیونکہ عمر میں میں تم سے بڑا ہوں لیکن میرے فرض کو تم نے اپنے سر
میں تمہارا مشکور ہوں اور ممنون - مقصود کو دلاسا دو اور ہر طرح اس کے آرام
دبیر میں کوشاں رہو - وہ ان سمجھ بچہ ہے اور ہماری تمہاری مدد کا محتاج -
سے جو کچھ ہو سکے گا اس میں کوتاہی نہیں کروں گا لیکن مجھ سے زیادہ مدد کی
نہ رکھو - اس پردیس میں میرا کوئی نہیں ہے - باوا جان کے وظیفہ پر پڑا ہوں،
صرف سد رمق کو کافی ہے - مودود کا جب کبھی پتہ لگے اس کی بھی خبر لو -
ود دانا اور ہوشیار ہو - میں فخر کرتا ہوں خدا نے مجھے ایسا نیک بھائی دیا -

مقصود کو ایک گھڑی آیندہ ہفتہ [ڈاک] سے بھیجتا ہوں - اس کو پڑھنے کی
نہ تاکید کرتے رہو - مناسب جانو تو ٹونک بلا لو ورنہ جے پور ہی رکھو -
رفتہ رفتہ اس کے خرچ کا انتظام کر دیں گے - ان کی عادت سے تم واقف ہو -
میاں اس خاندان کی شرم رکھے -

میں نے تم کو جو گھڑی بھیجی تھی پہنچی یا نہیں - اب تک اس کی رسید مجھ
نہیں ملی - میں نے مقصود، شیخ جی اور مولوی عبدالرحمن کو اس ہفتہ خط
حدہ علیحدہ لکھے ہیں - والسلام
بخدمت والدہ ماجدہ آداب -

فقط

محمود شیرانی

(۳)

18 Sinclair Road,
Kensington W,
London.
February 22nd, 19

ڈیر مسعود

بعد دعا مطالعہ کریں ہم دونوں بخیریت ہیں - تمہارے لفافہ کا جواب اسی ہفتہ

دے چکا ہوں ۔ اسی کے ساتھ یہ خط پہنچے گا ۔ مس ٹمانس وغیرہ نے جو خطوط[1] لکھے ان کا تم نے بوا کی طرف سے اب تک جواب نہیں دیا ۔ یہ صاف تمہاری غفلت کی دلیل ہے ۔ تم ہندوستانیوں کو چاہے لکھو یا نہ لکھو لیکن جب انگریزوں سے معاملہ ہو تو انصاف کرو ۔ اس کے کیا معنی کہ جواب نہیں دیا ۔ میجر برکلے سے تم اب تک ملے یا کیا ۔ مقدمات[2] کی کیا حالت ہے ۔ تم مجھ کو اصل حالات سے پوری اطلاع دیا کرو کہ میں اس قدر قابل ہو جاؤں کہ اگر یہاں سے کسی کام کی بابت چاہوں تو ایجنٹ کو یا کسی اور افسر کو لکھ سکوں ۔ یہ یاد رکھو کہ اصلی اور واقعی حالات سے اطلاع دینا ۔

تم جب اس امر کے بھی قائل ہو کہ صاحب زادگان عبدالرحیم[3] خاں و عبدالسمیع[4] خاں تم کو مدد دے رہے ہیں تو تم اس قدر مضطرب اور پریشان کیوں نظر آتے ہو نیاز محمد[5] خاں 'ہاہو' تو ہیں نہیں جو اس قدر ڈرے جاتے ہو ۔ بشیرالدین احمد صاحب گذشتہ ہفتہ سے مرزا محمد علی خاں کو تمہارے معاملے میں لکھ چکے ہیں ۔ ان کا اس مضمون کا خط میرے پاس آ چکا ہے ۔

مشہود خیریت سے ہے اور میں خوش ہوں کہ وہ ترقی کر رہا ہے ۔ اگرچہ میں بہ سبب کثرت مشاغل ان دنوں خود اس کو پڑھا نہیں سکتا ۔ کل مشہود خان اپنی آنٹ گریس کے ساتھ بازار گئے تھے ۔ فوٹو بھی اتروایا ہے ۔ دیکھئے کیسا اترتا ہے ۔ جب طیار ہو جاوے گا تو ایک آدھ کاپی میں تم کو بھی بھیجوں گا ۔ تم تمام فوٹو سنبھال کر رکھنا اور میلے نہ ہونے دینا ۔

مشہود کا اور میرا بوا کو سلام ۔

محمود شیرانی

۱۔ یہ تعزیتی خطوط ان کے والد کی وفات پر لکھے گئے تھے ۔ (مرتب)
۲۔ والد کے فوت ہونے کے بعد دونوں بیویوں کی اولاد کے مابین جائیداد کی تقسیم کے مسئلے پر مقدمہ بازی شروع ہو گئی تھی ۔ انہی مقدمات کی طرف اشارہ ہے ۔ (مرتب)
۳۔ صاحب زادہ عبدالرحیم خان کا تعارف اس سے قبل شیرانی صاحب کے والد کے نام خطوط کے ضمن میں آ چکا ہے ۔ (مرتب)
۴۔ عبدالسمیع خاں، صاحب زادہ عبدالرحیم خان کے بڑے صاحب زادے تھے۔ (مرتب)
۵۔ نیاز محمد خاں، ابراہیم خاں اور اسرائیل خاں کے سگے بہنوئی اور پیشہ کے لحاظ سے وکیل ہونے کے باعث ان کے قانونی مشیر بنے ہوئے تھے ۔ (مرتب)

(۴)

18 Sincla
Kensingtc
London.
۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خاں

اشید ۔ خط تمہارا پہنچا ۔ حالات معلوم ہوئے ۔ میں نہیں سمجھتا یوسف
متعلق کیا کیا جاوے ۔ صاحب زادہ محمد عبدالسمیع خاں صاحب کی
۔ تم اپنے بچاؤ میں کمی نہ کرو ۔ تم نے مجھ کو یہ تو لکھ دیا کہ تم
، وہاں سے بھیجو لیکن مجھ کو مقدمے کی بابت ضروری اطلاع نہیں دی ۔
یں کچھ بھی نہیں کر سکتا ۔ اور یہ عذرداری کس کے نام بھیجنی چاہیے ۔

اپنے کاموں میں مصروف ہوں ۔ مشہود اپنے کام میں مصروف ہے ۔
لا ہے ۔ بلا کا ہنسوڑ ہے ۔ گھر بھر کو ہنساتا رہتا ہے ۔ مزے مزے
تا ہے ۔ جب سے یہاں آیا ہے کوئی تین انچ کے قریب بڑھ گیا ہے ۔

لام عبداللہ کوئیلم گذشتہ جمعہ کو میرے ہاں تشریف لائے تھے ۔ ان
کے بیٹے بلال کوئیلم بھی تھے ۔ مشہود خاں کوئیلم صاحب کی گود میں
باتیں ہوتی رہیں ۔ شیخ عبداللہ کوئیلم فاضل اجل ہیں ۔ عربی بہت کم
یسے نہایت لائق اور عمدہ تقریر کرنے والے آدمی ہیں ۔ آیندہ ستمبر میں
ی سوسائٹی میں تقریر کرنے کے لیے بلاویں گے ۔ انگریزوں میں یہ پہلے
ہوں نے اسلام قبول کیا ۔ اس کے بعد انہوں نے تبلیغ اسلام اپنا طریقہ
اب تک دو سو سے زیادہ مسلمان ہو چکے ہیں ۔ سلطان عبدالحمید خاں
کو شیخ الاسلام ، آفندی اور بے وغیرہ کے خطابات دئے ۔ اسلامی دنیا
بڑے مشہور اور معروف شخص ہیں ۔ کسی انگریزی یونیورسٹی سے ان
، ۔ ڈی کا خطاب ملا ہے ۔ اسلام پر کئی کتابیں انہوں نے تصنیف کی
بار ہفتہ وار اور ایک رسالہ ماہوار اسلامی مضامین پر نکالتے ہیں ۔ اللہ ان
کھے ۔

وئیلم صاحب لیورپول میں رہتے تھے اور پیشے کے اعتبار سے سالسٹر تھے ۔
لقادر نے «مخزن» کے ستمبر ۱۹۰۸ء کے شمارے میں «چند گھنٹے لیورپول
عنوان سے، ان سے ملاقات کا حال لکھا تھا ۔ (مرتب)

ہوا کو میرا اور مشہود کا سلام - مقصود ملا یا کیا ہوا - اللہ اس کو راہ راست پر لاوے - بڑا ہو کر نہایت دق کرے گا - مودود کو میری طرف سے کہہ دو کہ بھائی تم کچھ سیکھتے رہو - اس قدر کہ آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل ہو جاؤ - ورنہ بڑی مصیبت ہوگی کہ تم سے اور سب سے چھوٹا بھائی پڑھ لکھ گیا اور تم یوں ہی رہ گئے - ابا نے اللہ بخشے اپنی زندگی آبرو کے ساتھ گزار دی - یہی زندگی ہمیں بھی کاٹنا ہے - جینے کو سب انسان جیتے ہی ہیں لیکن زندگی زندگی میں فرق ہے - ایک زندگی ایک گنوار جاہل کی ہے ، دوسری زندگی ایک آبرو دار بھلے مانس کی ہے - اب تم یہ سوچو کون سی زندگی اختیار کروگے - اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ تم چاہو تو اپنے بزرگوں کے نام کو روشن کر سکتے ہو اور خواہ اس پر پانی پھیر دو - باپ مر گئے لیکن خدا کے فضل سے تم اب بھی روٹی کپڑے کی طرف سے پریشان نہیں ہو - یہ وقت ہے، کر لو - موقعہ ہے ورنہ باپ کا پس ماندہ ہمیشہ نہیں رہے گا - وہ کچھ دنوں کے لیے ہے اور بعد میں کام اپنی قوت بازو سے چلے گا - تم اس وقت کے آنے سے قبل اپنے آپ کو طیار کر رکھو - ابھی دریا میں پانی ہے اور کھیتی ہری - جو کچھ کرنا ہو کر لو - گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں -

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اٹھتی جوانیاں ہیں

تمھیں اگر اپنے پڑھے لکھے بھائیوں کے ساتھ رہنا ہے تو اس قابل تو ہو جاؤ کہ ان سے کسی معمولی مضمون پر گفتگو کر سکو - میں تم سب کے ساتھ رہنے کو طیار ہوں بشرطیکہ تم پڑھو لکھو ورنہ مجھے ڈر ہے کہ تمھارا جہل میری تعلیم پر غالب آ جائے گا - اور تم مودود یہ یاد رکھو کہ میں غریب آدمی کی صحبت سے نہیں گھبراتا کیونکہ غریبی کوئی عیب نہیں لیکن جہالت عیب ہے - اس عیب کو تم دور کرو - تمھارا بچپن گزر گیا - وہ جب گزرا گزرا لیکن جوانی اس طرح نہ گزارو - اس میں تو کچھ سیکھ لو - میں خود غریب آدمی ہوں اور غریب ہی رہوں گا لیکن میری یہی آرزو ہے کہ علم میں نام کروں - والد مرحوم کی یہی آرزو تھی - تم بھی ان کی یہ آرزو پوری کرنے میں سعادت مند بیٹوں کی طرح کام کرو - بد لگامی ، بد شعوری ، یہ تو طفلانہ حرکتیں ہیں - اب تو تقاضائے عمر ہے کہ اس قسم کی حرکات سے تم پرہیز کرو - میں اپنے پچاس کاموں میں، تعلیم میں، میل ملاقات میں، تم لوگوں کو خط لکھنے کے لیے وقت نکال لیتا ہوں لیکن خدا جانے کہاں کے عدیم‌الفرصت [ہو] کہ باوجود تاکید مجھ کو خط نہیں لکھتے - بھائی آیندہ سے عہد کر لو کہ ہمیشہ لکھتے رہو[گے] - مجھ کو جب وہاں کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں تو پڑھنے میں کیفیت آتی ہے - والسلام

محمود شیرانی

(۵)

18 Sinclair Roa
Kensington W.
London.
16th August, 19(

عزیزم محمد مسعود خاں سلمہ

منشی جمنا پرشاد صاحب کی خدمت میں میرا سلام کہو اور کہو کہ آپ نے جن
احب کا پتہ دریافت فرمایا ہے مجھ کو ان کی تلاش میں دیر ہوئی کیونکہ اول تو ان
ے نام میں غلطی تھی، دوسرے وہ ریٹائرڈ افسر ہیں ۔ بہرحال جو کچھ معلوم ہو سکا
بل میں لکھتا ہوں ۔ افسوس ہے کہ ان کا موجودہ پتہ اب تک معلوم نہیں ہو سکا
یکن میں تلاش میں ہوں ۔ جس وقت معلوم ہوا لکھوں گا ۔ یہ پتہ جو ذیل میں لکھتا
وں، ڈیڑھ سال پیشتر کا ہے ۔ اس پتہ پر خط و کتابت کرنے سے ، اگر صاحب
وصوف اب تک زندہ ہیں تو، خط ان کو آسانی سے مل سکتا ہے :

Denndry, Major General Thomas, K.C.I.E. 1896: Extra Groom in-Waiting to the king since 1901; Served in Santhal Compaign 1855-56; Indian Mutiny, 1857-58; Political Agent Dholepur Raj 1879-85; Extra Groom-in-Waiting the queen since 1888.

Address: 89 Jermyn Street, London, S.W. England.

چاہو تو منشی صاحب موصوف کو یہ پرچہ دکھا دو ۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ
بنرل موصوف اگر زندہ ہیں تو اس وقت لندن میں نہیں ہیں لیکن پتہ بالا پر لکھنے سے
خط ان کو آسانی سے پہنچ سکتا ہے ۔

جب کبھی تم بنگلے کی طرف نکلو تو منشی شمس الحق صاحب کو میرا سلام
کہہ دینا ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۶)

18 Sinclair Road,
Kensington W
London
۳۰۔ اگست سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خاں

بعد ضروریات واجب مطالعہ کریں کہ میں اور مشہود دونوں فضل الہی سے

خیریت سے ہیں اور تمہاری سب کی خیریت مطلوب - پچاس پونڈ تمہارے فرمنہ
گذشتہ ہفتہ پہنچے - ان کی رسید لو - اس سے پیشتر الور والوں کی بابت ہم کو :
چکا ہوں کہ وہ روانہ ہندوستان ہو گئے ہیں - اس ہفتہ بندر سعید[1] سے ٹھا کر گو
سنگھ کا خط آیا تھا - ن کے کچھ کپڑے یہاں لندن میں ہوٹل میں رہ گئے ہیں
ان کی بابت لکھا تھا - ان کے متعلق میں نے تلاش کی لیکن یہاں ان کا کچھ
نہیں چلتا - بہر حال میں اس کے متعلق ان کو بعد تحقیق کامل لکھوں گا -

تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری سفارش کہیں کر دوں جہاں تمہیں سو دو
روپیوں کی نوکری مل جاوے - میں نہیں سمجھ سکتا ، یہ کیوں کر ہو سکتا ہے
تم اول اپنی اس قدر لیاقت تو پیدا کر لو - اب تم ہی سوچو کہ اول تو نوکری ہ
کچھ ہے نہیں اور بعد میں نوکری ایسی مفت کہاں پڑی ہیں جو آسانی سے ،
جاویں گی ، اور وہ بھی ایک دم سے سو دو سو کی - میں تم کو لکھ چکا ہوں ا
پھر لکھتا ہوں کہ اول تو نوکری کے لیے کوئی انگریز سفارش نہیں کرے
اور جو کرے بھی تو کس سے کرے - میرے خیال میں تو یہی تجویز [ـ
کہ تم اس قسم کے خیالات سے باز رہ کر تجارت میں لگو - تم تجارت کے کام کے ہو !
اور اسی میں پھلو گے- نوکری کے لیے تم اور تمہارے قویٰ اور نیز تمہاری لیاقت ک
نہیں - اگر ٹونک میں نہ رہو تو پھر جے پور میں کوئی کام کھولو - وہاں ـ
بھی کام کرو اور نیز اپنے چھوٹے بھائیوں کو کام میں لگاؤ - اس طرح وہ لڑکے بو
کچھ عرصہ میں سنبھل جاویں گے - تم نوکری کی طرف سے منہ موڑو - کو
ضرورت نہیں کہ کچھ دے دلا کر نوکری لو اور کچھ دنوں کے بعد بدنامی
ساتھ اس کو چھوڑنا پڑے - ابراہیم خاں وغیرہ جو کچھ کر رہے ہیں ، میں تم .
پھر کہتا ہوں کہ کچھ نہیں ہوگا - اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ پانچ روپیہ والد
پاس تھے اس کا ثبوت سب سے پیشتر ان کو دینا ہوگا - اگر یہ کہتے ہیں کہ پنجای
ناجائز ہے اس کا بھی ثبوت ان کے سر ہوگا - اب تک وہ کچھ نہیں کر سکے
آیندہ بھی کچھ نہیں ہوگا اور جو تم خواہ مخواہ کا اپنے دل میں خدشہ پیدا کر
اور پھر اس پر کڑھو اور دوسروں کو کڑھاؤ تو دوسری بات ہے - تم مجھ
اس ترکیب سے لکھا کرتے ہو کہ وہاں سے سب کچھ کرتے آنا ، گویا تمام ؟
ہندوستان پر میرا قبضہ ہے - تم بھی وہیں سے نوکر ہو کر چلے آنا - اب تم
سوچو کہ نوکری کیا میرے ہاتھ میں ہے کہ جب چاہوں گا لے لوں گا - نوکر
ملتے ملتی ہے - کام طریقہ طریقہ سے ہوتا ہے - بہر حال تم مجھ کو اس ق

۱- اصل خط میں «بندر بور سعید» (کذا) تحریر ہے - (مرتب)

ہدایتیں نہ کرو اور اپنے متعلق لکھو کہ آیندہ تمہیں کیا کرنا ہے - اب کیا اپنی ساری عمر اس پنچایت کے غم میں گنوا دو گے یا کوئی اور کام بھی کرو ے - اب تک جو تمہارے خطوط پہنچتے رہے ہیں ان میں وہی فقط ایک شکایت راہم خاں اور پنچایت وغیرہ وغیرہ ہوا کرتے ہیں - اب یہ سوچو کہ یوں تو کام کب تک چلے گا آخر تم کو کچھ اور کام بھی دنیا میں کرنا ہے - تم خود نہیں ڑھتے ، مودود اور مقصود نہیں پڑھتے ، پھر کچھ کام کرو اور وہ کام کیا ہے - دو نی[1] دھندا کھولو - سردست چار پیسے اسی ترکیب سے پیدا ہوں گے اور اسی رح سے تمہارے چھوٹے بگڑنے سے بچیں گے - میں ان دنوں سر توڑ کوشش کر رہا وں - امتحان بہت قریب ہے اور پڑھائی اس قدر ہے کہ کبھی جی چاہتا ہے کہ ب کو چھوڑ چھاڑ دوں - بہر حال ایسے خیالات سے کام نہیں چلتا ، کام کرنا ڑے گا - ایک امتحان اکتوبر میں ہے - خدا کرے اس میں پاس ہو جاؤں تو ک اور باقی رہ جاوے گا - تم مرد بنو اور ہراساں نہ ہو - خدا سب کام آسان رے گا - ہر کام میں مصلحت اور دور بینی سے کام لو اور بہت جلد کوئی ایسی رکیب کرو کہ چار پیسے جس سے گھر میں آویں - اسلامیہ کالج (انجمن حمایت سلام - لاہور) اکتوبر میں کھلے گا - اگر تم اس پر تلے ہو کہ اس کو وہاں بھیجیں تو میں تمہارے واسطے سہروردی صاحب کے نام خط لکھ دوں گا - لیکن جھ کو کم امید ہے کہ وہ وہاں علی گڑھ میں رہ کر سنبھلے گا - بہرحال یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے - اس کے متعلق جو مناسب چاہو کرو - اب اس کے لیے صرف دو صورتیں ہیں - ایک تو کام میں لگانا دوسرے لاہور بھیجنا میں پہلی ترکیب کو ناسب سمجھتا ہوں - آگے تم جانو - مشہود بخیریت ہے - سب کو سلام کہنا ہے - بوا کو میرا اور مشہود کا سلام - تم یہ لکھو کہ آیندہ کیا کرنا چاہتے ہو - کب تک تم اور مودود بے کار رہو گے -

فقط

محمود شیرانی

میجر ڈکسن پنشن یافتہ افسر ہیں - وہ ہندوستان اگر آئے تو کسی ملازمت کے سلسلے میں نہیں آویں گے بلکہ بطور سیاحت - وہ ممکن ہے کہ دوستانہ تمہاری سفارش کسی سے کر دیں لیکن ملازمت کے لیے نہیں کریں گے - میں نے تمہاری ملاقات کے لیے ان سے جو کہا ہے تو وہ ملاقات کے لیے کہا تھا - یہ اس غرض سے نہیں تھا کہ تم کو نوکری دلا دیں -

---

۱- مقصود خاں مراد ہیں - (مرتب)

(۷)

18 Sinclair Road,
Kensington W.
London
Sept 6th, 07

عزیزم محمد مسعود خاں

بعد دعا مطالعہ کریں گذشتہ ہفتہ تمھارا کوئی خط نہیں پہنچا - تمھاری خیریت
کی طرف سے متفکر ہوں - امید ہے کہ تم خیریت سے ہو -

میں اپنی تعلیم میں مشغول ہوں - امتحان سخت مشکل ہے - پاس ہونے کی امید
نہیں - اگر کافی طیار ہوا تو اکتوبر میں جاؤں گا ورنہ دسمبر میں اور آخری امتحان
کے لیے مارچ - مشہود سب طرح سے اچھا ہے - اب کچھ کچھ پڑھنے میں دل لگتا
ہے - اکتوبر میں یہاں مدرسے کھلیں گے - اس وقت ان کو مدرسہ میں داخل
کر دیا جائے گا - انگریزی میں اچھی طرح چل نکلا ہے - بوا کو مشہود کی طرف
سے تشویش پیدا ہوتی ہوگی لیکن ان سے کہہ دو کہ وہ یہاں نہایت ہی آرام سے ہے
سب لوگ اس کو پیار کرتے ہیں - کسی قسم کی تکلیف نہیں ہے - نہ ہی تو وہ
حافظ جی کی مار ہے جیسی بچے ہندوستان میں برداشت کرتے ہیں اور نہ ہی ہر وقت
کی بندش ہے جیسی وہاں رہتی ہے - تاہم اس کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے شوق سے
پڑھ لیتا ہے - ذہن البتہ نہایت خراب ہے لیکن اس کا کیا [کیا] جاوے - اس وقت
میرے پاس کھڑا ہے - میں نے کہا ، بوا کو کیا لکھواؤ گے - کہا ، کہ پیار
لکھ دو اور داؤد[1] کو بھی پیار لکھ دو - پھر مجھ سے کہا کہ داؤد کو یہاں سے
انگریزی کھیل کھلونے بھیجوں گا - کس قدر خرچ ہوگا - میں نے کہا ، بہت صرف
ہوگا اس لیے ایسی تکلیف نہ کرو - مشہود اب اردو قریباً بھول گیا ہے - میں ہر چند
تاکید کروں گا کہ اردو میں بول تاہم وہ انگریزی ہی میں بولے گا - میں ہمیشہ
اردو میں اس سے بولتا ہوں لیکن وہ نہیں بولتا - خیر کچھ دنوں کے عرصہ میں جو
کچھ بھولا ہے سیکھ لے گا -

تم اپنی بابت کہو کیا ارادے ہیں - مقدمات وغیرہ تو ہوتے ہی رہیں گے - اب
تم ان کی زیادہ فکر نہ کرو بلکہ اپنے کام میں مشغول ہوؤ - اگر تم کو ٹونک میں
اقامت اختیار کرنا ہے تو وہاں ہی کوئی کاروبار کھولو ، اور جو ایسا نہ کرو تو

۱- مکتوب نگار کے صاحب زادے محمد داؤد خاں (اختر شیرانی) جو اس وقت ڈیڑھ
برس کے تھے (مرتب)

ے ہور یا کسی اور جگہ - لیکن اب تم وقت ضائع نہ کرو - چھوٹے بھائی بھی بےکاری
ے خراب ہو جاویں گے - کچھ نہ کچھ حیلہ بہانہ اوقات بسری کے لیے ضرور چاہیے -
ں تم تینوں بھائیوں کے لیے یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ تجارت لو - اسی میں تم
ھہ کر سکو گے - تم نوکری کا خیال دل سے نکال ڈالو - اول تو نوکری کے لیے
لی درجہ کی لیاقت ضروری ہے - اس قابلیت کی غیر حاضری تم سے موجود ہے -
وسرے نوکری میں اس قدر آمد نہیں - تیسرے تمھارا ارادہ مصاحبت کرنے کا ہے -
ور اس کے متعلق تم یہ سمجھ لو کہ مصاحبتیں دو قسم کی ہیں - ایک تو پرانی
صاحبت جس کی جھلک تم ٹونک میں دیکھتے ہو - اس قسم کی دربار داری اگرچہ
ہندوستان میں مرسوم ہے لیکن وہ ابتدا ہی میں اصولاً غلط ہے اور اس قسم کی اغلاط
ی ترویج ملک اور قوم دونوں کے لیے بےانتہا ضرر رساں ہے - بہر حال میں کبھی
ہیں چاہوں گا کہ میرے بھائیوں میں سے بھی کوئی اس غلط پیشگی کو اپنا شیوہ
اوے - تم خواہ کچھ بھی مصاحبت پیشگی کے حق میں عمدہ رائے رکھتے ہو لیکن
س میں شک نہیں کہ اس ذلیل پیشہ نے تمام دنیائے اسلام کو تباہ کر دیا ہے -
ن خوشامد پیشہ لوگوں کی بدولت سلطنتیں برباد ہو گئی ہیں اور ملک چھن گئے ہیں
ہی نہیں ، اس پیشہ نے ملک کو اور مذہب کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور ذلت
ور دروغ گوئی ہزار دوسرے عیبوں کا منبع ہے - بہر حال ''مصاحبت'' اس وقت
معرض زوال میں ہے - وہ مر رہی ہے اور یہ چند نسلیں جو اس وقت تم ہندوستان
یں دیکھ رہے ہو ، ان کی بدولت اس میں کچھ سانس باقی ہے - ان کے مرنے پر اس
رسم قبیح کا خاتمہ ہو جاوے گا -

رہی دوسری مصاحبت پیشگی ، دوسرے الفاظ میں کہو ''جوان مصاحبت'' -
س کے متعلق تم یہ سن لو کہ یہ بھی اصالتاً اسی قدر فضول ہے جس قدر ''پرانی
مصاحبت'' تاہم وہ حسب زمانہ ہے اس لیے اس قدر معیوب نظر نہیں آتی جس قدر
س کو ہونا چاہیے - ایسا شخص جو اس میں داخل ہونا چاہتا ہے اس کو مندرجہ
وصاف سے موصوف ہونا چاہیے -

یہ کہ وہ باخبر ہو یعنی وسیع معلومات رکھتا ہو ، حاضر دماغ ہو ، ہر ایک
صحبت کے کام کا ہو - خوبصورت طاقت ور وغیرہ ہو کرکٹ خوب جانتا ہو ،
پولو کھیلتا ہو ، گھوڑے کا خوب سوار ہو ، فیشن ایبل ہو اور انگریزی بھی
جانتا ہو - باقی اور جس قدر کھیل ہیں ان میں بھی مشاق ہو وغیرہ وغیرہ - اب
تم سوچ لو اگر تم میں یہ اوصاف مذکورہ اور باقی اور مثلاً شکار اور نشانہ بازی [ہیں]
تو تم اس سلسلہ میں جانے کا ارادہ کرو - اس کے علاوہ ایک اور بات سن لو کہ
انگریز اس مصاحبی کے سخت خلاف ہے - اس کا جہاں تک بس چلے گا وہ اس گروہ

کو برباد کرے گا ۔ ہندوستان میں انگریزوں کو ابھی اور زیادہ عروج ہوگا ۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم پہلے ہی سے ایسے سلسلے میں جانے سے پرہیز کرو اور اگر میرے دل کی بات پوچھو تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم کہیں دس روپیہ کی حلال ملازمت میں گھسو تو میرے نزدیک ہزار درجہ بہتر ہے بہ نسبت اسی مصاحبی کے جس میں تم چار سو پانسو ماہوار کما سکتے ہو ۔ اسلام کی نگاہ میں مصاحب پیشگی حرام ہے ۔ بس یہ تمھارے لیے کافی ہے ۔ مجھ کو امیری پسند نہیں ہے ۔ اسلام غریب ہے اور غریبی ہی ہمارا فخر ہے ۔ ہماری خوبی یہی ہے کہ ہم میں جوہر اخلاق ہو اور جوہر علم ۔ اس کے علاوہ اگر ہم سے ہو سکے تو بنی نوع انسان کی خدمت کریں ۔ اگر میں اور تم ان تین فرائض میں سے ایک بھی ادا سکے تو یہ سمجھ لو کہ ہم نے اپنی زندگی کا جواب دے دیا ہے جس کے لیے خدا نے ہمیں پیدا کیا تھا ۔ بوا کو میرا اور مشہود کا سلام ۔

محمود شیرانی

(۸)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
N

۱۱ ۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خان

میں بخیریت ہوں ۔ تمھارا خط پہنچا ۔ حالات معلوم ہوئے ۔ مشہود خان مدرسہ جانے لگے ہیں ۔ مدرسہ گھر کے قریب ہی ہے ۔ صبح نو بجے سے جاتے ہیں ۔ بارہ بجے آ جاتے ہیں ۔ دوبارہ دو بجے جاتے ہیں اور پانچ بجے آ جاتے ہیں ۔ پہلے تین دن تک تو بڑے شوق سے جاتے رہے لیکن کل ذرا برخاستہ خاطر تھے کیونکہ معلم نے مشکل مشکل الفاظ یاد کرنے کو دیئے ۔ کہتے ہیں اب میں بڑا آدمی ہوگیا ہوں کیونکہ مدرسہ جاتا ہوں ۔ میں نے کہا ، اس میں ذرا بھی شک نہیں لیکن تم اب محنت کیا کرو ورنہ ایسا نہ ہو کہ انگریز بچوں میں تمھاری بے آبروئی ہو اور استاد سزا کے لیے تمھیں کونے میں کھڑا کر دے ۔ بولے ، بابو دادا ایسا نہیں ہوگا ۔ میں نے کہا ، تم انگریزوں کے بچوں سے لڑنا مت ۔ بولے ، نہیں میں نہیں لڑوں گا ۔ میں نے کہا ، کبھی کبھی چھیڑنے کی خاطر وہ تمھیں کالا کلوٹا کہا کریں گے ۔ تم برا مت ماننا اور ٹال جانا ۔ بولے ، اگر وہ مجھ کو دھکا دیں تو کیا کروں ۔ میں نے کہا ، مرد آدمی تم ایسی نوبت ہی کیوں آنے دو ۔

مسعود تم ٹونک کی کیفیت دیکھ رہے ہو اور پھر ملازمت کے خواب دیکھ

ہو ۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ تم ان خیالات کو اپنے دل سے دور کرو اور
ب میں پڑو ۔ تم اسی سلسلے میں پھولو گے پھلو گے ۔ مقصود کو میں کچھ دنوں
لیے باہر جانے میں کوئی خرابی نہیں دیکھتا ۔ اس کو بھیج دو ۔ لیکن لاہور
میرے دوست عبداللہ المامون سہروردی استعفیٰ دے چکے ہیں ۔ گذشتہ ہفتہ
کی اطلاع مجھ کو ملی ہے ۔ نہیں معلوم اس کی کیا وجہ ہے ۔ بہرحال اگر اس
و لاہور بھیجتے ہو تو جس کسی کی نگرانی میں رکھو اس کو مقصود کے حالات
عادات سے مفصل اطلاع دے دو تاکہ سعید الدین خان صاحب کی طرح بعد میں
کو کوئی الزام نہ دے ۔ اس کے متعلق تم مفتی عبداللہ صاحب سے ملنا ۔ وہ
من حمایت اسلام کے پریذیڈنٹ ہیں ۔ لیکن ان سے یہ نہ کہنا کہ وہ اس کو اپنے
ہر رکھیں ۔ وہ انجمن حمایت اسلام کے بورڈنگ ہاؤس میں رکھ کر وہیں اس پر
راں ہو سکتے ہیں ۔ یہ کام تم کو گذشتہ سال کرنا چاہیے تھا ۔

ٹونک میں پنجابی کیسے ۔ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا ۔ تم ان لوگوں پر
روسہ کر سکتے ہو ۔ ٹونک والوں کی بہ نسبت یہ لوگ زیادہ مردانہ اور قابل
شار ہیں ۔ شیخ محمد اقبال[1] کا اب تک پتہ نہیں ۔ جب وہ آویں گے میں تمہاری
ت ان سے کہوں گا ۔ میجر جنرل[2] ڈکسن کی بابت کہہ چکا ہوں کہ وہ ہندوستان
ور سیاحت آویں گے نہ کہ ملازمت کے سلسلے میں ۔ تم ان سے ملاقات کی امید
کھو ۔ وہ آج کل میں لندن آنے والے ہیں اور میں آئندہ ہفتہ ان سے دریافت کرکے
ھوں گا کہ کب وہ ہندوستان جاویں گے ۔ ممکن ہے کہ اس عرصہ میں انھوں نے
ا ارادہ بدل دیا ہو ۔ تم نے یہ نہیں لکھا شیخ عبدالقادر[3] آج کل کہاں ہیں ۔ آیا وہ
ندہ دہلی ہی میں قیام رکھیں گے یا لاہور رہیں گے ۔ اعتماد اور مشورے کے قابل
رف شیخ عبدالقادر ہیں ۔ تم ان سے مشورہ لے کر دہلی میں کوئی کام شروع
کیوں [نہیں] کرتے ، اگر اس کو مناسب جانو ، یا لاہور میں ۔ وہاں مفتی عبداللہ
کو مشورہ دے سکتے ہیں ، یا جے پور میں ۔ الور والے راجپوت ہیں پرانے خیال
کے لوگ ۔ تم ان پر بھروسہ نہ کرو ۔ ان کو ایسا ہی خیال کرو جیسے ٹونک
لے ۔ ان سے زیادہ پنجابی لوگ قابل اعتبار ہیں ۔ تم اگر شیخ عبدالقادر صاحب کے

۱۔ حضرت علامہ اقبال مراد ہیں جن سے شیرانی صاحب کے قیام لندن میں دوستانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے ۔ (مرتب)

۲۔ ایک گزشتہ خط میں ان کو شاید غلطی سے میجر ڈکسن لکھا گیا تھا ۔ یہاں ان کا عہدہ میجر جنرل کا درج ہوا ہے ۔ (مرتب)

۳۔ شیخ صاحب ان دنوں دہلی میں پریکٹس کرتے تھے اپریل سنہ ۱۹۰۹ء سے لاہور میں پریکٹس شروع کی ۔ (مرتب)

صحیح پتہ سے واقف ہو تو ان کو میرا حال کا پتہ بھیج کر لکھو کہ میں ان سے چند ضروری[1] معاملات کے متعلق خط و کتابت کرنے والا ہوں - اس لیے مہربانی کر کے اپنا پتہ مجھ کو لندن بھیج دیں -

بوا کی خدمت میں میرا اور مشہود کا آداب -

والتسلیم
محمود شیرانی

(۹)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
N. London

۲۵ - اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم محمد مسعود خاں بعافیت باشند

تمہارا خط پہنچا - کیفیت معلوم ہوئی - میں اسی ڈاک سے سید اسد علی کو لکھوں گا - وہ آدمی کام کا ہے اور قابل اعتبار - تم اس کے ذریعہ سے یا اس کے مشورہ سے کوئی کام کی بات کر سکتے ہو - میں یہ سن کر بہت خوش ہوں کہ اسد علی کو ارجن سنگھ جی کے ہاں ڈیڑھ سو کی ملازمت مل گئی ہے - بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا - میں اس خبر سے بہت ہی خوش ہوں -

مسعود میں ہر مرتبہ تم کو لکھتا رہا ہوں کہ تاوقتیکہ تمام طرف سے تم اپنے خیال کو سمیٹ کر ایک طرف نہ جموگے کام نہیں چلے گا - تم اور تمام خیالات کو دور کرو صرف تجارت کو لو اور اسی میں خدا تم کو کامیابی دے گا - میں علم کا جویا ہوں اور تم کو خوش حالی کی ضرورت ہے - خدا ہمیں دونوں کو کامیاب کرے - تمہارے اس خط کے پڑھنے سے مجھ کو بڑی خوشی ہوئی کہ تمہارے فضول وسواس اور وہم دور ہوتے جاتے ہیں اور اس خط میں کسی قدر طمانیت برستی ہے - یہ بالکل سچ ہے کہ یہ جھگڑے اور ایسے جھگڑے ہمیشہ ساتھ رہیں گے - انسان کو ان سے نجات نہیں اور تم اگر ان کی طرف سے ہمیشہ ایک قسم کا غیر ضروری خطرہ اپنے دل میں رکھو تو اس میں شک نہیں کہ وہ تم کو بہت تکلیف دے گا - لیکن انسان تکلیف میں، مصیبت میں، خطرہ میں ہمت نہیں ہارتا اور ان پر غالب آتا ہے - تم بھی مرد ہو - باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے - اور مضبوط بنو، اور استقلال سے کام لو - جب زیادہ مصیبت ہو تو زیادہ مستقل مزاج بنو اور صرف اسی مستقل مزاجی سے کام چلے گا -

---

۱- اصل خط میں ''ضروری چند'' لکھا ہے - (مرتب)

میں اور ایک بات تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ تم جن لوگوں کو اپنی دوستی کے لیے انتخاب کرو وہ دغا پیشہ اور غرض کے یار نہ ہوں بلکہ سچے دوست، دوستی کی خاطر (کذا) اور جو کہ وقت پر کام آویں - بہرحال تم کو اس کے متعلق کچھ نہ کچھ تجربہ ضرور ہوگا اور محتاط رہنا تم نے سیکھ لیا ہوگا - صاحب زادہ ایوب خاں اور ان کا قرض[1] - بھئی میں نہیں سمجھتا - اس کی کیا ترکیب کی جاوے - ممکن ہے میری تحریر دیکھ کر وہ بالکل ہی منکر ہو جاویں - نیز تم نے مجھ کو اس کے متعلق پوری کیفیت نہیں لکھی کہ آیا کوئی تمسک یا چٹھی انہوں نے اس کی بابت دی ہے یا نہیں تم اس کے متعلق مجھ کو اطلاع دو - بہرحال یہ امر کہ اس قرض کا مجھ کو علم ہے یا والدہ کو - صاحب زادہ ایوب خاں پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا - اگر ان کی نیت میں فساد ہے تو میرا اور والدہ کا علم کیا کر سکتا ہے - بہرحال تم نے آدھی بات لکھی ہے اور اس سے میں کوئی پوری رائے قائم نہیں کر سکتا - تم ان دوستانہ قرضوں سے برائے خدا بچو - ممبر صاحب کے صاحب زادے عنایت اللہ خاں کو میرا سلام اور شکریہ کہہ دو - جس ذریعہ سے کوئی پیغام آوے اسی ذریعہ سے مجھ کو جواب دینا چاہیے - تم خواہ مخواہ کی یہ زڑ کیوں لگا دیتے ہو کہ جس کسی سے تمہارا مسل ہو میں اس کو پہلے خط لکھوں - وہ اگر مجھ کو لکھیں گے، میں جواب دوں گا ورنہ تمہارے اور ان کے تعلقات اور رسم تمہارے لیے کافی ہیں - تم مجھ کو بیچ میں کیوں ڈالتے ہو -

گذشتہ ہفتوں سے میں صاحب زادگان عبدالسمیع خاں اور عبدالرحیم خاں صاحب کی خدمت میں خطوط لکھتا رہا ہوں اور ان خطوں میں میں نے زور بھی دیا ہے کہ صاحب زادہ عبدالسمیع خاں لندن برائے تعلیم قانون تشریف لاویں - بہرحال تم بھی اگر ممکن ہو تو باپ بیٹوں کو اسی خیال پر آمادہ کرو کیونکہ یہ تجویز سب کے حق میں مفید ہوگی - ٹونک کے لوگ جہالت اور غفلت میں پڑے ہیں - ان کی بیداری کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے -

مشہود خاں مزے میں ہیں - روزمرہ مدرسہ جانا ہوتا ہے - کند ذہن بہت ہے، اس کا کوئی علاج نہیں اور اس لحاظ سے اس میں (سے؟) میں مایوس ہوں - اس کا لندن آنا شاید اس قدر مفید نہ ہو جیسا میں نے تجویز کیا تھا - بہرحال ٹونک کی گوار بنانے والی آب و ہوا سے بچا ہے، یہ سب میں بڑا فائدہ ہے جو میں مشاہدہ

---

[1] - مسعود خاں کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ صاحب زادہ ایوب خاں، ان کے والد مرحوم کے مقروض ہیں لیکن کوئی تحریری ثبوت نہ تھا - اسی سلسلے میں انہوں نے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ حافظ صاحب براہ راست صاحب زادہ صاحب کو لکھیں - اس کے جواب میں یہ سطور تحریر ہوئیں - (مرتب)

کرتا ہوں ۔ بوا کی خدمت میں میرا اور مشہود کا آداب ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۱۰)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
London

۶- دسمبر سنہ ۱۹۰۷ء

عزیزم مسعود خاں

میں خیریت سے ہوں اور تمہاری خیریت کا طالب ۔ گذشتہ ہفتہ تمہارا خط نہیں پہنچا کیا وجہ ہے ۔ میں اپنی تعلیم میں مشغول ہوں ۔ امتحان دسمبر میں ۱۷- کو ہوگا ۔ یہاں سردی شدت سے پڑ رہی ہے، دو چار مرتبہ گھپ کہر بھی ۔

میں تم کو لکھ چکا ہوں کہ عطا محمد صاحب[1] انجینیر جو ٹونک میں آئے ہیں شیخ محمد اقبال کے بھائی نہیں ہیں ۔ تمہارے تجارتی معاملات کی نسبت میں بعد میں دریافت کرکے لکھوں گا ۔ اس میں ذرا دیر لگے گی ۔ خط و کتابت کرنا ہوگی ۔ بالفعل میں امتحان میں مصروف ہوں ۔ مشہود خیریت سے ہے ۔ بوا کی خدمت میں میرا اور مشہود کا سلام ۔

محمود شیرانی

(۱۱)

19 Adolphus Road,
Finsbury Park
3rd Jan. 08

عزیزم محمد مسعود خاں

بعد دعا مطالعہ کریں ، خط پہنچا ، حالات معلوم ہوئے ۔ ان دنوں میں بیمار ہوں کبھی زکام کبھی سردی کبھی سر درد غرض ناک میں دم ہے ۔ سردی بے انتہا پڑ رہی ہے ایسی سردی پہلے دیکھنے میں نہیں آئی ۔ مشہود[2] کی طبیعت بھی خراب ہے ۔ آج کل وہ مدرسہ نہیں جاتا ۔ کرسمس کی چھٹیاں ہیں ۔ بوا[3] کی اور تمہاری شکایتوں کے

۱- یہاں پھر حضرت علامہ اقبال مراد ہیں جن کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد بھی انجنیئر تھے ۔ (مرتب)

۲- اصل خط میں یہاں غلطی سے مقصود لکھا دیا ہے ۔ (مرتب)

۳- مسعود خاں کیونکہ بھائی کے اخراجات سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے اس لیے اپنے خط میں لکھ دیا تھا کہ ''والدہ کہتی ہیں کہ یہ پیسے آخر کب تک بھیجے جاتے رہیں گے'' اور ان کی طرف سے فرضی شکایتیں بھی لکھی تھیں ۔ (مرتب)

جواب کیا دوں - تم لوگ اگر سوچو تو ان کا خود ہی جواب پیدا کر سکتے ہو اگر نہ سوچو اور سمجھو تو میرے جوابات بھی تم کو تشفی نہیں دے سکیں گے تمہاری اور ہوا کی بے آرامی اور تفکرات، اس کا میں جواب کیا دوں - تم کو اگر غیروں نے فرضاً تکلیفیں دی ہیں تو ان کی اس میں غرض تھی یا فائدہ تھا لیکن تم نے مجھ کو جو پریشانیاں دیں اس کا کیا جواب ہے - طرفین میں سے اس میں کسی کا نفع بھی متصور نہیں بلکہ دونوں طرف نقصان متصور ہے - جب میں ہندوستان تھا تو اس قدر فیاض بن گئے کہ میرے اخراجات کا بوجھ خواہ مخواہ اپنے سر لے لیا اور اس کے بعد جس طرح تم نے اپنا وعدہ نبھایا ہے وہ خدا ہی جانتا ہے - تم پر جو بلائیں آئیں وہ تمہارے نامہربان بھائیوں[۱] کے طفیل لیکن میری مصیبتیں میرے مہربان بھائیوں کی وجہ سے ہیں - بہرحال میری وہی کیفیت ہے مردہ بدست زندہ - جب تمہاری ہی چاہے مجھ کو خرچ بھیج دو اور پھر لطف یہ کہ احسان کا احسان، شکایت کی شکایت - "تم ۱۹۰۴ء میں گئے تھے"[۲] لیکن تم یہ بھول گئے کہ میں یہاں اکتوبر میں پہنچا تھا اور دسمبر میں بیمار ہو گیا تھا - اگر تمہارے دل ہوتا اور آنکھیں ہوتیں تو معلوم کر لیتے کہ آخر اس ڈیڑھ مہینہ میں میں کیا کیا کر لیتا - اس کے بعد میں نے بیماری سہی - خیر اس وقت اگر تمہیں یقین نہیں آیا تو نہ آیا لیکن جب تم نے اپنی آنکھوں سے اور ہوا نے میری کیفیت[۳] دیکھ لی تو تم کو یقین آنا چاہیے تھا اس کے بعد سنہ ۰۶ء میں میں ہندوستان آیا - یہ مانا کہ میں نے حماقت کی لیکن وقت تو اس میں ضائع گیا - ہندوستان جب میں آیا تو میری آٹھ ٹرمیں پوری ہوئی تھیں چار اور باقی تھیں اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اکتوبر ۰۶ کی ٹرم ضائع گئی - آخر میں مارچ سنہ ۰۷ء کی ٹرم میں شریک ہوا - تو بہرحال مجھ کو مارچ سنہ ۰۸ء تک ٹھہرنا چاہیے - یہ باتیں تو معمولی عقل کی ہیں، ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے - لیکن خدا نے تم کو عقل دی ہوتی تو یہ باتیں کاہے کو ہوتیں - تمہیں اگر باپ کے کفن کی شرم ہوتی، تمہیں اگر بھائی کا درد ہوتا تو تم سمجھتے کہ آخر میں جو رلا رلا کر خرچ بھیج رہا ہوں تو وہ کم بخت لندن میں کس طرح گذارہ کر رہا ہوگا - وہ اکیلا ہی نہیں ہے اس کے ساتھ ایک اور تحفہ علت بھی ہے - آخرکار اس پر کچھ نہ کچھ خرچ ضرور آتا ہے - تمہاری اس دیدہ دلیری کا کیا علاج کہ میں جو تم کو لکھوں اس کو جھوٹ مانو، بیہود

۱- مراد سوتیلے بھائی ہیں - (مرتب)

۲- یہ فقرہ مسعود خاں کے خط سے نقل کیا ہے - (مرتب)

۳- حافظ صاحب کے دونوں کانوں کے پیچھے آپریشن کے نشانات تھے - جب والد کے انتقال پر کچھ عرصے کے لیے وطن آئے تو والدہ اور بھائی کو دکھائے ہوں گے - (مرتب)

سمجھو اور پھر کہے جاؤ کہ اس قدر خرچ ہوگیا ۔ آپ کو اپنی سعادت مندی اور
بوا کی تابعداری کا خیال میرے ہی معاملہ میں آتا ہے ۔ والد کے انتقال کے بعد اب
تک آپ نے جو فیاضی میرے ساتھ کی ہے وہ میرے حق سے زیادہ نہیں کی ہے ۔ اس
قدر تو میرے حصہ ہی میں غالباً آ جاتا اور ساتھ ہی مشہود کا بوجھ میں نے اپنے سر
لیا ۔ تمہارا صرف ایک اصول ہے کہ روپیہ کمایا جاوے، لیکن کس طرح اور کیونکر
اس سے بحث نہیں ۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس کے لیے بھی لیاقت ذاتی
اور لیاقت علمی درکار ہے ۔ تمہیں اگر علم اور لیاقت سے نفرت ہے تو ہو لیکن
دوسرے جو اس طرف متوجہ ہیں ان کو کیوں روکتے ہو ۔ خالی روپیہ کسی کام کا
نہیں ۔ تمہارے اپنے گھر میں تمہارے دو بڑے اور دو چھوٹے موجود ہیں ۔ ان کی
مثال سے تم بہت کچھ نصیحت لے سکتے ہو ۔ تم کو اگر مشہود کی تعلیم میں دلچسپی
نہیں تو مجھے تو ہے ۔ ٹونک میں رہ کر وہ بھی تباہ ہوتا ۔ اس کے واسطے تمہیں اور
بوا کو دو پونڈ ماہوار بھی گراں گزرتے ہیں اگرچہ یہ لندن ہی کا خرچ کیوں نہ ہو ۔
مجھے لندن پہنچے تیرھواں مہینہ گزر رہا ہے، یاد رکھو تیرھواں مہینہ[1] ۔ اب سولہ کو
تیرہ میں ضرب دے کر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے، دو سو آٹھ پونڈ ۔ من جملہ ازیں ۔
نے مجھے بھیجے ہیں ماہواری خرچ کے لیے ۔ آتے وقت ستر پونڈ دیے جن میں سے صرف
۳۵ پونڈ مجھ کو لندن کے مصارف کے لیے بچے ۔ الغرض جنوری سنہ ے میں ۳۵، مئی
میں ۶۵، اگست میں ۵۰ ۔ جن کی کل میزان ہوتی ہے ۱۵۰ پونڈ ۔ جب یہ رقم ۲۰۸
پونڈ میں سے تفریق کی جاتی ہے تو باقی نکلتے ہیں ۵۸ پونڈ اور میں اس وقت تک
۷۰ پونڈ کا قرض دار ہوں ۔ اس کے علاوہ تین ماہ اور مجھ کو اپنے امتحان میں
لگیں گے ۔ ان تین مہینوں کا خرچ ۴۸ پونڈ[2] ہوگا ۔ علاوہ ازیں ۶۰ پونڈ مجھ کو
بیرسٹر کی ڈگری ملنے پر ادا کرنا ہوں گے ۔ الغرض کامل بیرسٹر ہونے تک مجھ کو
۱۷۸ پونڈ پہنچنا چاہییں، یاد رکھو ایک سو اٹھہتر پونڈ ۔ اس رقم سے گریز نہیں
خواہ میں روؤں اور خواہ تم ۔ یہ رقمیں ضروری ہیں تمہیں بھیجنا ہوں گی ۔ اور اگر
نہیں بھیجو تو ہمیں اپنی تقدیروں پر چھوڑ دو اور جواب جلد دو ۔ والسلام

محمود شیرانی

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والد کے انتقال کے بعد حافظ صاحب دوبارہ دسمبر
سنہ ۱۹۰۶ء میں لندن پہنچے تھے ۔

۲۔ اصل خط میں یہاں غلطی سے ''روپیہ'' لکھا گیا ہے ۔ (مرتب)

بنام سید حسن مجتبیٰ صاحب

(محلہ قافلہ - ٹونک)

(۱)

16 Kildare Terrace,
Bayswater W,
3-2-1905

ڈیر سید حسن مجتبیٰ صاحب زاد عنایتکم

تسلیم - دو ہفتہ پہلے اب سے آپ کا عنایت نامہ پہنچا - میں مشکور ہوں - بالخصوص آپ کے کتاب بھیجنے کے ذکر کا شکریہ ادا کرتا ہوں - ذکر کیوں ، اس لیے کہ اب تک عنایت نامہ وصول ہونے کے بعد دو ہفتہ گذر جانے پر بھی وہ کتاب اب تک مجھے نہیں ملی ہے - میں نے طامس کک کی بابت دریافت کیا - وہ کہتے ہیں کہ کوئی پارسل آپ کے نام نہیں آیا - اس لیے میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ پوسٹ آفس ٹونک سے تفتیش کریں - میں نہیں چاہتا کہ اس قدر قیمتی کتاب یوں ضائع ہو جاوے -

آپ کو مبارک ہو کہ محمڈن ایسوسی ایشن لندن نے آپ کے علی گڑھ کالج کے لیے ایسا پرنسپل تلاش کیا ہے جس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ تمام گذشتہ پرنسپلوں سے بہتر ثابت ہوگا - ان کا نام W.A. Archbold M A.[1] ہے - کیمبرج یونیورسٹی کے لیکچرار ہیں اور سول سروس کے بورڈ آف ایگزیمینرز میں بھی ان کا نام ہے - صاحب تصنیف ہیں - اس وقت کیمبرج یونیورسٹی کی ہسٹری لکھ رہے ہیں - اس لیے جولائی سے پیشتر[2] ہندوستان نہیں جا سکتے - اکثر انڈین سی - ایس - ان کے شاگرد ہیں اور سیکریٹری آف گورنر جنرل ان کے بڑے دوست ہیں - یہ سخص ہیں جن کو شیخ عبدالقادر ، سید امیر علی جج اور ڈاکٹر ایس - حسین[3] نے انتخاب کیا ہے - نواب محسن الملک نے انہیں منظور کر لیا ہے - تار آ چکا ہے -

---

۱- اتفاق سے مسٹر آرچ بولڈ علی گڑھ کالج کے ناکام پرنسپل ثابت ہوئے - (مرتب)

۲- مسٹر آرچ بولڈ نے ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء کو علی گڑھ کالج کے پرنسپل کی ذمہ داری سنبھالی تھی - (مرتب)

۳- غالباً نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی مراد ہیں - یہ سید علی بلگرامی اور سید حسن بلگرامی کے بڑے بھائی تھے - حیدر آباد دکن میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور خطابات حاصل کیے - ۱۹۲۶ء میں بعمر ۸۳-۸۴ برس ، انتقال کیا - (مرتب)

ان کی تنخواہ بارہ سو ماہوار ہوگی - آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں آداب - فقط
محمود

تینوں چٹھیاں دوسرے لفافے میں روانہ کرتا ہوں - محمود

(۲)

18 Sinclair Road,
Kensington W,
London
April 12th, 1907

ڈیر حسن

عنایت نامہ کی وصولیت کا شکریہ قبول کیجیے - اس کا جواب مجھ کو گذشتہ ہفتہ ہی دینا چاہیے تھا لیکن عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس ہفتہ تک مجھ کو اور آپ کو انتظار کرنا پڑا -

آپ کے خط سے مجھ کو بہت سے تفکرات کے رفع کرنے میں مدد ملی ہے - اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ کا خیال اس مقدمہ[1] میں اسی طرح آئندہ بھی کچھ نہ کچھ حصہ لیتا رہے گا -

سید زبیر[2] کا خط جو گذشتہ ہفتہ موصول ہوا ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیب دشمنان آپ علیل ہیں - گرت درد سرے باشد مرا بر گرد سرگرداں - خدا صحت کامل عطا کرے -

آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ میں Constitutional Law اور Legal History میں کامیابی حاصل کر چکا ہوں - گذشتہ دس اپریل کو نتیجہ ٹائمز میں شائع ہوا - اب دو اور امتحان باقی ہیں - خدا کرے ان میں بھی یوں ہی کامیابی حاصل ہو - مجھ کو ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے اور بہت کچھ پڑھنا ہے لیکن جلد ان امتحانات سے فراغت ملے -

میں نے آپ کو جو کسی غصہ سے جنوری یا فروری میں ایک خط لکھا تھا جس کو اس وقت A Fanatical Letter کے نام سے یاد کروں گا ، اس میں شک نہیں کہ وہ اسی مزاج کا خط تھا لیکن میں کیا کروں - ٹونک والے کچھ ہیں ہی ایسے مزاج کے - تاوقتیکہ ان کو صاف صاف گالیاں نہ دی جاویں وہ مانتے ہی نہیں - بہرحال میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا یہ لمبا خط اثر ہے اسی خط کا ورنہ

۱- وہی خاندانی مقدمہ مراد ہے - (مرتب)

۲- پروفیسر مولانا سید طلحہ حسنی کے برادر بزرگ اور معتمد الملک سید محمد ، ظفر جنگ ناظم پرگنات (کلکٹر) کے صاحب زادے تھے - سید محمد ، حضرت سید احمد شہید کے بڑے بھانجے سید محمد علی صاحب مصنف "مخزن احمدی" کے حقیقی ہوتے تھے - سید زبیر نے سنہ ۱۹۶۸ء میں کراچی میں انتقال فرمایا - (مرتب)

بھائی سید تو کچھ دوانے ہیں وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں

کا مضمون تھا - مقصد اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر آپ نے آئندہ پھر میرے معاملات سے غفلت کی تو میں پھر اسی تجربہ کے دوہرانے پر طیار ہوں اور اس دفعہ گالیاں دینے سے بھی تامل نہیں کروں گا - اس سے تو بہتر یہ ہے کہ آپ اس تکلیف کے بغیر خود ہی سمجھ جاؤ اور بغیر کہے سنے مجھ کو برابر وہاں کے حالات اور مقالات سناتے رہو اور مسعود کے معاملات میں دلچسپی لیتے رہو ورنہ یار زندہ و صحبت باقی -

حسن ، تم یہ یاد رکھو کہ میں یہاں خوش نہیں ہوں - مشہود کو لے آیا ہوں یہ ایک اور غلطی کی - میرا آنا ہی پہلی غلطی تھی - میں اس وقت قعردریا میں ہوں - ساحل سے دور - نہیں سمجھتا کہ کیا کروں - دونوں ساحل مجھ سے دور ہیں - کبھی سوچتا ہوں کہ واپس لوٹ جاؤں اور کبھی شرم آتی ہے اور سوچتا ہوں کہ اس قدر کیا ہے ، آگے بڑھا چلا جاؤں لیکن میرا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جن کو میرے خیال اور میرے مذاق سے ذرہ بھر بھی آشنائی نہیں - والد مرحوم کو میرے مذاق سے کچھ مذاق تھا لیکن ان کے مٹنے پر وہ بھی مٹ گیا -

کس زبان مرا نمی فہمد بعزیزاں چہ التماس کنم

میں خالی خولی سبز باغوں میں یہاں چلا آیا اور شاید وہ دن نہایت قریب ہے جب کہ میں اس بلندی سے گروں - میں ، اگرچہ حالات نہایت ہی بدمزہ اور واقعات ناسازگار ہیں تاہم کوشش میں ہوں کہ اگلے امتحان کے لیے طیاری کروں -

میں اس وقت پین اسلامک سوسائٹی کا جائنٹ سیکریٹری ہوں لیکن کچھ ہی عرصہ میں سیکریٹری بن جاؤں گا - اس وقت میرا ارادہ ہے کہ اس کی اشاعت میں از سر نو کوشش کی جاوے اور لیکچروں کا سلسلہ باقاعدہ جاری کیا جاوے - اس میں میں بھی ذاتی طور پر عملاً حصہ لوں گا - اس سوسائٹی کے مقاصد ، آپ کو اگر معلوم نہ ہوں تو یہ ہیں :

۱- عالم اسلام کی تمدنی اور اخلاقی اور علمی اصلاح - مسلمانوں کے لیے ایک مرکزی طاقت کا قیام - ان میں کل مومن اخوۃ کا عمل -

۲- غیر مسلم اقوام سے اسلام کی بابت غلط فہمی کا رفع کرنا - در پردہ اس میں داخل ہے اشاعت اسلام -

الغرض اور بھی اسی قسم کی اغراض ہیں جن سے صرف مفاد اسلامی مقصود ہے - اس سوسائٹی کی بہت سی شاخیں مختلف اسلامی مرکزوں میں قائم ہوگئی ہیں - مثلاً مصر ، شام ، عرب ، موراکو ، ٹیونس ، الجیریا ، ٹریپولی ، ایران ، مقامات وسط ایشیا ، قسطنطنیہ ، سراندیپ ، برمہا اور ہندوستان کے بعض مقامات میں مثلاً کلکتہ ، اودھ وغیرہ -

ٹونک والوں سے سوسائٹی کو امید تو اسی قسم کی تھی لیکن میں ٹونک کے حالات سے واقف ہوں - وہاں ایسی تحریک کا پیش کرنا آئینہ بد ست کوراں دادن ہے - بہرحال یہ خیال تسلی دیتا ہے کہ اسلام کا مولد خوش قسمتی سے ٹونک نہیں تھا بلکہ ریگستان عرب کا مرکز مکہ معظمہ - ٹونک والے کہنے کو مسلمان ہیں اور مسلمان بھی کیسے مجاہد اور مجاہدوں کی اولاد جو سید احمد صاحب کے علم کے نیچے لڑے لیکن ان کے بچوں میں ان کے اجداد کے اوصاف عنقا ہیں اور ان کا اسلامی جوش جو میراث میں انھوں نے اپنے بچوں کو دیا ، نسلوں کے بٹنے اور عمروں کے گذرنے پر مٹ گیا لیکن اس کا بقیہ نقیہ نسلی جہالت کی وجہ سے تعصب کی صورت میں جلوہ گر ہوگیا - اس تعصب کو ان کے گرد و نواح کی ہندو ریاستوں میں رہنے سے اور بھی ترقی ملی اور یہ ترقی اللھم زد فزد امید تو ہے ترقی ہی کرتے جاویں گے -

کچھ دنوں سے سرسید کا کالج پیدا ہوا ہے اور بعض علم دوست والدین اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے لگے ہیں - ٹونک والوں نے بھی اس سے فیض اٹھایا ہے لیکن ان کے کالج سے مجھ کو ہمدردی نہیں - اگرچہ کالج کا تماشائی اس کی لمبی چوڑی عمارت اور مسلمان بچوں کا ایک گروہ کثیر وہاں دیکھ کر خیرہ ہو جاتا ہے لیکن میں اس تعلیم کو Anti-Islamic Movement کے نام سے یاد کروں گا کیونکہ وہ کالج مسلمانوں کو اچھا خاصہ انگریز بنا دیتا ہے اور جب یہ انگریز زیادہ پڑھ لکھ جاتا ہے تو وہ اسلامی علماء ، حکماء اور فلسفیوں کو تو بھول جاتا ہے اور بات بات میں اپنے قول کی تائید میں کسی انگریز کو پیش کرے گا - وہ اگر چاہے تو ابن رشد کو اپنے قول کی تائید میں پیش کر سکتا ہے لیکن نہیں، وہ لارڈ بیکن ہی کو پیش کرے گا - سعدی وہ بھول جاوے گا اور دوڑ کر شیکسپیئر کو لاوے گا - حالنکہ سعدی شیکسپیئر سے ہزار درجہ اور دس ہزار درجہ بڑھا ہوا ہے ' خواہ قبولیت کے لحاظ سے خواہ قابلیت کے لحاظ سے - وہ اگر چاہے تو شہاب الدین مقتول کا حوالہ دے سکتا ہے لیکن نہیں وہ ڈارون کا حوالہ دے گا - الغرض یہ تعلیم اگرچہ علمی لحاظ سے نہایت مفید ہے لیکن ایسی حالت میں وہ اسلامی ہمدردی کا خون کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ہماری ایشیائی ہوا اور ایشیائی تہذیب کے خلاف (کذا) -

میں طول امل سے گھبراتا ہوں اس لیے اس خط کو یہیں تمت بالخیر کہتا ہوں - والتسلیم -

بخدمت قبلہ بخشی[1] صاحب آداب - بی[2] کی خدمت میں تسلیمات - محمود شیرانی

۱- سید حسن مجتبیٰ صاحب کے ماموں سید محمد عثمان ریاست میں بخشی الملک کے عہدے پر فائز تھے - (مرتب)

۲- سید حسن مجتبیٰ صاحب کی والدہ محترمہ - (مرتب)

مجموعۂ خیال

بنام ڈاکٹر مولوی عبدالحق[1] (بابائے اردو) مرحوم

(۱)

۱۰ منڈی[2] - لاہور

بخدمت آنریری سیکرٹیری
انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد

مخدومی و محترمی جناب مولوی صاحب

السلام علیکم - میں ان صفحات میں شاہنامہ[3] فردوسی کے ایک جدید اڈیشن

۱۔ مولوی صاحب مرحوم کے نام شیرانی صاحب نے یقیناً بڑی تعداد میں خطوط لکھے ہوں گے - افسوس کہ ان میں سے اکثر خطوط میسر نہ آ سکے - خدا جانے سنبھال کر رکھے بھی تھے یا نہیں اور اگر رکھے ہوں تو ۱۹۴۷ء کی قیامت صغریٰ میں دہلی میں انجمن کا دفتر نذر آتش ہونے پر یہ بھی ضائع ہو گئے ہوں گے - غرض مجھے صرف تین خط مل سکے ہیں - ان میں پہلا اور تیسرا خط شیرانی صاحب مرحوم کے کاغذات میں اور دوسرا خط محترم سید الطاف بریلوی سے دستیاب ہوا - (مرتب)

۳۔ یہ طویل خط دس اوراق پر مشتمل تھا جن کے صرف ایک ہی طرف تحریر موجود ہے - ان میں سے پانچواں ورق غائب ہے - اس کا صرف ایک کونہ مل سکا -

یہ اصل خط کی نقل بلکہ رف پروف معلوم ہوتا ہے - کاغذ نہایت باریک اور خستہ ہے جس کے سبب جگہ جگہ سے کنارے شکستہ ہو گئے ہیں - اس طرح جو عبارت ضائع ہوئی ہے میں نے قوسین میں اسے مکمل کرنے کی کوشش کی ہے - البتہ جہاں کوئی اہم چیز غائب تھی وہاں میں نے اس کی تکمیل کی بجائے تین نقطے لگانے پر اکتفا کی ہے -

اس خط پر تحریر کی تاریخ موجود نہیں - اوپر میوہ منڈی کا پتہ لکھا ہوا ہے - میوہ منڈی والے مکان میں شیرانی صاحب سنہ ۱۹۲۳ء کے منتصف دوم اور ۱۹۲۴ء کے اوائل میں صرف چند ماہ ٹھہرے تھے - ظاہر ہے کہ خط اسی عرصے میں لکھا گیا ہوگا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں ان کی اسلامیہ کالج لاہور کی ملازمت کسی وجہ سے مخدوش ہو گئی تھی - چنانچہ مولوی صاحب مرحوم کے ایما پر انھوں نے یہ خط نما درخواست نظام حیدر آباد کی خدمت میں روانہ کی - افسوس کہ اس اسکیم پر نظام گورنمنٹ کی جز رسی کے سبب عمل نہ ہو سکا ورنہ شاہنامہ کا ایک مثالی ایڈیشن تیار ہو جاتا - مولوی

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۰)

کی ضرورت کے متعلق آپ کی خدمت میں تصدیعہ پرداز ہوں اور امید
آپ ان سطور کو توجہ کے ساتھ ملاحظہ فرماویں گے اور اگر میر
ہمدردی کر سکیں تو مہربانی فرما کر اس کے کامیاب بنانے کی کوش
مجھ کو اپنا منت گزار دائمی تصور فرمائیں ۔

میں ایک عرصہ سے شاہنامہ فردوسی پر کام کر رہا ہوں اور وقتاً
مضامین بھی لکھتا رہا ہوں جن میں سے بعض شائع ہو گئے ہیں اور با
کے منتظر ہیں ۔ جہاں میں نے فردوسی کے حالات اور زمانہ کے متعلق
وہاں شاہنامہ کے متن پر بھی نگاہ ڈالی ہے اور ایک طویل معا
رائے قائم کی ہے کہ مروجہ شاہنامے چنداں قابل اعتبار نہیں ہیں ۔ ان م
ترمیم و اصلاح کی ضرورت ہے ۔ مختلف قلمی اور قدیم نسخوں کے
معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اور مطبوعہ شاہناموں میں نمایاں اختلاف ہے

سنہ ۱۸۲۹ء شاہنامہ کی تاریخ میں ایک یادگار سال ہے جب کہ ٹر
سب سے پہلی مرتبہ اس کو مرتب کرکے کلکتہ . . . مصارف طباعت
انڈیا کمپنی نے ذمہ داری لے لی تھی لیکن جب اڈیٹر اس پر بہت کچھ
روپیہ ضائع کر چکا، کمپنی مذکور نے مسٹر ہیرنگٹن کی مخالفت کی بنا پر
ادائیگی سے صاف انکار کر دیا ۔ اڈیٹر مایوس ہو کر اپنی محنت
ہونے والا تھا کہ اعلیٰ حضرت نصیرالدین حیدر فرماں روائے ملک ا
واقعات کی اطلاع ملی ۔ شاہ موصوف نے مشرق فیاضی سے کام لیتے
مصارف اپنے خزانہ سے عطا کر دیے ۔ اس طرح یہ کلکتہ والا نہایت مش
طبع ہوا ۔

ٹرنر میکن اور اس کے شریک محنت علمائے ہندوستان نے، جن کے
ہم ناواقف ہیں، اس میں شک نہیں کہ شاہنامہ کا صحیح متن طیار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۰)

صاحب شیرانی صاحب کے نام اپنے ۲- فروری ۱۹۲۵ء کے خط میں
«جن حالات کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے وہ بہت
ہیں اور ایسی صورت میں آپ کا وہاں رہنا دشوار ہے . . . آ
والی سکیم میں نے تیار کی تھی لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ
ہی سے حضور نظام کے دماغ میں تخفیف کا خیال پیدا ہوا
جنون کی سی ہو گئی ۔ یہ مانیا کم ہو تو آپ کی اسکیم
صورت نکالوں»۔ (مرتب)

بے حد جاں فشانی سے کام لیا ہے جس کا اس بیان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نسخہ کی طیاری کے وقت ان کے پاس اونیس نسخے شاہنامہ کے موجود تھے جن کی تفصیل یہاں درج ہے :

(۱) شاہنامہ بخط ایران نوشتہ مولانا عبدالرحیم بن مولانا عبداللہ القریشی - سنہ کتابت ۱۰۲۱ھ -
(۲) شاہنامہ نوشتہ محمد حافظ رہتکی سنہ ۱۰۰۸ھ -
(۳) شاہنامہ بخط نسخ نوشتہ ملک عرب سنہ ۸۸۰ھ -
(۴) ایضاً نوشتہ ملک ایران - تاریخ نامعلوم -
(۵) نسخہ سید انعقات حسین نوشتہ حاجی علی المشہور بکاتب سنہ ۸۹۹ھ -
(۶) نسخہ رکتس صاحب نوشتہ عبدالصمد بن علی محمد الحسینی - سنہ ۱۰۲۰ھ -
(۷) نسخہ منتظم الدولہ بخط ایران تاریخ نامعلوم -
(۸) نسخہ دیگر مقبوضہ منتظم الدولہ نوشتہ ہندوستان سنہ ۱۰۵۲ھ -
(۹) نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - خط ایرانی ، نوشتہ نظام بن محمد شیرازی تاریخ نامعلوم -
(۱۰) نسخہ مڈلٹن صاحب نوشتہ ابن حسن نورالدین اصفہانی ، شیراز ، سنہ ۱۰۱۶ھ -
(۱۱) نسخہ کہنہ و بوسیدہ و خط ہندوستان ، سنہ ۱۰۰۳ھ -
(۱۲) نسخہ بخط ہندوستان نوشتہ عبدالکریم بن عبدالغنی جونپوری ، سنہ ۱۰۲۰ھ -
(۱۳) نسخہ لسٹر صاحب ، تاریخ نامعلوم -
(۱۴) نسخہ ببر جنگ متوفی ، خط ایران ، نوشتہ سنہ ۸۲۱ھ -
(۱۵) نسخہ ٹرنر میکن ، نوشتہ ۹۴۹ھ -
(۱۶) نسخہ ٹرنر میکن نوشتہ محمد خان قزوینی -
(۱۷) نسخہ ایرانی ہدیہ خلد مکان شاہ اودھ -
(۱۸) نسخہ ایرانی از ابتدائے داستان کیکاؤس تا بر تخت نشستن لہراسپ -
(۱۹) نسخہ فرستادۂ میرزا علی بخط غیر ایران -

اس قدر نسخوں سے مقابلہ ہونے کے بعد خیال کیا جا سکتا ہے جو نسخہ طیار ہوا ہوگا مستند اور لاثانی ہوگا چنانچہ میکن کے نسخہ کے متعلق اب تک یہی رائے قائم ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹرنر میکن نے شاہنامہ کے نسخوں کے انتخاب میں محققانہ سلیقہ سے کام نہیں لیا - ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کتاب جس قدر پرانی ہوگی

اسی قدر صحیح اور مستند ہوگی اور یہی اصول ہے جس پر میکن کاربند نہیں ہوا ۔

سنہ ۸۲۹ھ میں شاہزادۂ بایسنغر میرزا کے حکم سے شاہنامہ کا ایک نیا اڈیشن طیار ہوا جس کے لیے اسی شاہزادہ کے حکم سے ایک طویل و بسیط دیباچہ لکھا گیا اور اس عہد کے بعد یہی اڈیشن مقبول عام ہوا ۔ چنانچہ ٹرنر میکن نے اسی نسخہ پر اپنے نسخہ کی بنیاد رکھ دی ۔ قصہ مختصر اس کے اکثر نسخے جو گیارھویں اور نویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں ، نسخہ بالیسنغری سے منقول ہے ورنہ میکن کے عہد میں اس سے بہتر نسخے آسانی کے ساتھ دستیاب ہو سکتے تھے ۔ اس زمانہ میں تین چار ایسے زبردست کتب خانے موجود تھے جو آج مفقود ہیں [یعنی] نوابان اودھ کا کتب خانہ ، حافظ رحمت خاں کا کتب خانہ اور دہلی میں شاہان مغلیہ کا کتب خانہ ۔

علاوہ بریں ٹرنر میکن کو قلمی نسخوں کی شناخت میں زیادہ ملکہ معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جہاں وہ کوئی زیادہ خوش خط نسخہ دیکھتا ہے اس کو بالعموم ایرانی کہہ دیتا ہے حالانکہ اکبر اور جہانگیر و شاہجہاں کے زمانوں میں اچھے اچھے ہندوستانی کاتب ملتے ہیں جو ہر لحاظ سے ایرنی خوش نویسوں کے ہم پلہ مانے جا سکتے ہیں ۔ مثلاً فہرست بالا میں نسخہ نمبر اول کو میکن ایرانی بیان کرتا ہے حالانکہ اس کے کاتب مولانا عبدالرحم اکبر و جہانگیر کے دوسرے درجہ کے کاتبوں میں شمار ہوتے تھے ۔ مولانا عبدالرحیم کا ذکر آئین اکبری میں ملتا ہے ۔ اسی طرح نمبر دوم نسخہ محمد حافظ اپنے آپ کو رہتک کا باشندہ کہہ رہا ہے جو دہلی کے قریب ایک شہر ہے ۔

میری رائے میں میکن کے شاہنامہ میں کئی نقص موجود ہیں ۔ پہلا یہ کہ اس نے مختلف نسخوں میں جو اہم اختلافات تھے ان کو نہیں دکھایا ۔ دوسرا یہ کہ اپنے نسخہ کی اساس قدیم نسخوں پر نہیں رکھی اور نہ شاہنامہ کے پورے اشعار کے حاصل کرنے کی کوشش کی چنانچہ اس کے ہاں پچپن ہزار اشعار ہیں حالانکہ در اصل اصلی اشعار کی تعداد ساٹھ ہزار ہے ۔

مروجہ شاہنامے ، جس قدر ہیں ، قریب قریب سب کے سب میکن کے اڈیشن کے مقلد ہیں ۔ بمبئی میں سنہ ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۷۵ھ میں شاہنامہ طبع ہوا ۔ اسی طرح چند سال ہوئے ہمارے پارسی ہم وطنوں نے ایک نیا اڈیشن نکالا ہے۔ لیکن یہ تینوں نسخے کلکتہ والے نسخہ کے خوشہ چین ہیں ۔ نول کشور پریس میں کئی مرتبہ شاہنامہ چھاپا گیا ہے لیکن وہ نہایت غلط ہے اس لیے قابل ذکر نہیں ۔ میکن کے نسخہ کے بعد یورپ میں مول کا نسخہ قابل اعتبار ہے لیکن میکن کی جزوی فروگذاشتوں

ی ترمیم کے سوا مول کوئی نمایاں اضافہ شاہنامہ کے متن میں نہیں کرتا ۔ اس کے ہاں اشعار کی تعداد میکن سے بھی کم ہے ۔

یہاں میں میکن کے نسخہ کے بعض خصوصی نقائص کا ذکر کرتا ہوں اس لیے کہ یہی نسخہ ہمارے ہاں رائج ہے ۔ اس نسخہ میں مختلف نوع کے سقم موجود ہیں :

(۱) الحاق : اس سے میرا یہ مقصد ہے کہ اس میں ایسے اشعار بھی موجود ہیں جو فردوسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ۔

(۲) منسوخ : اس سے میری یہ مراد ہے کہ مختلف موقعوں پر فردوسی کے اصلی اشعار خارج کر دیے گئے ہیں ۔

(۳) اختلاق : اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ فردوسی کے اصل کلام میں جا و بے جا حک و اصلاح کی گئی ہے ۔

(۴) بے ربطی : یعنی اشعار میں مختلف مقامات پر ربط بیان میں تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے ۔ جو شعر پہلے آنا چاہیے بعد میں لکھا گیا ہے اور جو بعد میں لایا جاتا پہلے آ گیا ہے ۔

ان امور کے متعلق ذیل میں بعض امثال پیش کرتا ہوں جو شاہنامہ طبع بمبئی سنہ ۱۲۶۲ ھ سے منقول ہیں ۔ اس کا ایک نسخہ آپ کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے اسی لیے میں نے اس کو اور نسخوں پر ترجیح دی ہے تاکہ آپ کو مقابلہ میں آسانی رہے :

(۱) جلد اول شاہنامہ ، صفحہ ۱۱۲ پر ایک غزل ملتی ہے جو اس شعر سے شروع ہوتی ہے :

سرایندۂ این غزل ساز کرد   دف و چنگ و نی راهم آواز کرد

اس غزل میں کل چودہ شعر ہیں اور فردوسی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے ۔ میکن مانتا ہے کہ وہ الحاق ہیں لیکن اس نے بعض وجوہ کی بنا پر اس غزل کو شاہنامہ میں داخل کر لیا ۔

(۲) جلد اول ، صفحہ ۴۷۱ پر اٹھاون اشعار کا ایک قطعہ آتا ہے جس میں سہراب کے عشقیہ جذبات کا ماہ آفریں سے اظہار مذکور ہے ۔ اس قطعہ سے علامہ شبلی نے بھی (شعرالعجم صفحہ ۱۴۹-۱۵۱ ، طبع سوم) بعض اشعار فردوسی کی عشقیہ شاعری کی مثالوں کے تحت میں درج کیے ہیں لیکن یہ تمام قطعہ الحاق ہے اور میکن کو اعتراف ہے ۔

(۳) جلد چہارم ، صفحہ ۱۴۹۱ پر علیحدہ سرخی کے ذیل میں نوشیرواں کے

ایک خواب کا ذکر ہے جس کی تعبیر کے مطابق یہ خواب رسول مقبول کی بعثت اور مذہب اسلام کی اشاعت سے تعلق رکھتا ہے۔ پینتالیس ابیات میں اس خواب کا مذکور ہے لیکن وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم نسخوں میں یہ ابیات موجود نہیں۔

(۴) جلد اول، صفحہ ۹۲۔ منوچہر کی وفات کے موقعہ پر یہ اشعار آتے ہیں:

جہاں کشت زاریست با رنگ وبو　　درو مرگ وعمر آب و ما کشت او
چنانچوں درو راست هموار گشت　　همه مرگ را ایم ما خوب و زشت
بجائیم همواره تازه براه　　بدیں دو نوند سپید و سیاه
چنیں کاروانے کزیں شهر بر　　بود شاں گزر سوے شهر دگر
یکے پیش و دیگر ز پس مانده باز　　بنوبت رسیده بمنزل فراز

یہ قطعہ در اصل اسدی طوسی کا ہے اور اس کے گرشاسپ نامہ میں ملتا ہے جو اس کے مشہور اور چیدہ اشعار میں ہوتا ہے۔ اس پر متقدمین اور متاخرین متفق ہیں۔ میکن نے سہو سے اس قطعہ کو شاہنامہ میں داخل کر لیا ہے۔

(۵) جلد اول، صفحہ ۱۰۹ پر یہ دو شعر ملتے ہیں:

چه برآب دیدے چه برخشک راه　　بروز از خورافزوں بدو شب ز ماه
بے مورچه بر پلاس سیاه　　شب تیره دیدے دو فرسنگ راه

یہ اشعار قدیم شاہناموں میں نہیں ملتے البتہ گرشاسپ نامہ اسدی میں ملتے ہیں۔ آخری شعر اسدی کے مشہور اشعار سے ہے۔

(۶) جلد اول، صفحہ ۱۷۷:

فرا زندۀ طاق فیروزه فام　　بر ارندۀ صبح ز ایوان شام
شب عنبریں هندوے بام او　　شفق دردی آ شام از جام او
خور از راه جوئی چو خوباں چیں　　پرستارۀ چار بالش زمیں
مه نو زراه سر افکندگی　　بگوش اندروں حلقه بندگی

قدیم شاہناموں میں ان اشعار کا سراغ نہیں چلتا اور نہ فردوسی کے رنگ میں ہیں۔

میں الحاقی اشعار کی اسی قدر امثال پر قناعت کرتا ہوں ورنہ اور صدہا ایسے موقعے ہیں جہاں جعلی اشعار داخل کیے گئے ہیں۔

(ب) فردوسی نے جیسا کہ شاہنامہ میں آتا ہے:

بود بیت شش بار بیور هزار　　سخن هاے شایسته غم گسار

(صفحہ ۵۱، جلد

در اصل ساٹھ ہزار اشعار لکھے تھے لیکن میکن کو ان کی تعداد مختلف نسخوں
ہیں چھیالیس سے چھپن ہزار تک ملی ہے ۔ اس بنا پر وہ فردوسی پر اعتراض کرتا
ہے کہ شاعر اپنے بیانات میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر جاتا ہے لیکن فردوسی پر
میکن کا یہ اعتراض ، اس کے بعض اور اعتراضوں کی طرح غلط فہمی پر مبنی
ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ قریباً پانچ چھ ہزار اشعار شاہنامہ سے خارج کر دے گئے
ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہنامہ زیادہ تر قصہ خوانوں اور داستان گوؤں
کے قبضہ میں رہا ہے ۔ انھوں نے درحقیقت ایسے اشعار کو نکال دیا ہے جو نفس
اصہ سے غیر متعلق تھے ۔ بات یہ ہے کہ فردوسی نے اخلاق پند و نصائح [کے علاوہ
خود اپنے] متعلق بھی شاہنامہ میں بہت کچھ کہا تھا ۔ اگر آج یہ تمام مواد محفوظ
ہوتا تو شاعر کے حالات سے ہم کو صحیح واقفیت ہوتی اور اس کے متعلق غلط
فہمیاں نہ پیدا ہوتیں ۔ قصہ کے ضمن میں ان امور سے برہمی پیدا ہو جاتی تھی
اس لیے قصہ خوانوں کو یہ باتیں ناگوار تھیں ۔ اس لیے انھوں نے اس غیر ضروری
مواد کو شاہنامہ سے خارج کر دیا ۔ صرف داستانوں کی تمہید اور خاتمہ کے اشعار
کو سلامت چھوڑا ہے ۔ اسی پر اکتفا نہیں کی گئی ہے بلکہ متعدد موقعوں پر . . .
بیات خارج کر دیے گئے ہیں ۔ جب ہم قدیمی شاہناموں کا مطالعہ کرتے ہیں تو
ان میں ایسے اشعار کثرت سے نظر آتے ہیں جو مروجہ شاہناموں [میں نہیں
ملتے] ۔

نصف دوم شاہنامہ نوشتہ سنہ ۷۵۲ھ چند سال ہوئے میری نظر سے گذرا ہے ۔
اس میں کثرت سے ایسے اشعار میری نظر میں آئے ہیں [جو میکن کے مرتبہ شاہنامہ]
میں نہیں ملتے ۔ یہ امر یاد رہے کہ [یہ نسخہ] میکن کے قدیم سے قدیم نسخہ سے قریباً
سو سال بڑا ہے ۔ بدقسمتی سے اس وقت یہ نسخہ میرے پاس نہیں ہے ورنہ میں
اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی مثالیں نقل کرتا تاہم اور ضروریات سے میں نے
اس سے جو کسی قدر امداد لی تھی اس میں سے بعض اشعار نقل کرتا ہوں :

(۱) اشکانیوں کے ذکر میں ساسان و بابک کے ذکر میں یہ شعر آتا ہے :

ز ساسان و بابک چہ داری خبر   بخواں ھیں بشہ برھمہ سر بسر

میکن اس شعر سے بالکل بے خبر ہے حالانکہ فردوسی کے حالات کے سلسلہ
میں یہ ایک نہایت اہم شعر ہے جس سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ داستان اردشیر
[سلطان محمود کے] سامنے سنائی گئی ہے ۔

(۲) باربد رامش گر کی داستان کے خاتمہ میں (صفحہ ۱۰۵۷) یہ ابیات مطبوعہ
شاہناموں میں ملتے ہیں :

سر آمد کنوں روز بر باربد | مبادا کہ باشد ترا یار بد
کہ روز کہان و مہان بگذرد | خرد مند مردم چرا غم خورد

ان اشعار کے درمیان نسخہٗ سنہ ۷۵۲ھ میں ابیات ذیل آتے ہیں :

کہ شاہ جہانی و امید ما | شب تیرہ را همچو خورشید ما
بمحمودیاں روز محمود گشت | ز فرش مرا بخت مسعود گشت
مکن جفت دل ناتوانی نو اشک | کہ آں در دل مرگ باشد پز شک
تو چوں خویشتن دیگراں را بخواہ | از اندوہ بیشی مکن جان تباہ
مگو راز دل خیرہ با ہر کسی | کہ شایستہ مردم نیابی بسی
ز رنجش فزونی نیابی مپوی | چو گفتن شود راست خیرہ مگوی
ہمہ بودنی خواست یزداں بود | ہماں بہ کہ بندہ بفرماں بود
بداد و دہش کوشئی بہ بود | ہمیں رای بر رایہامہ بود[1]

فردوسی نے داستان باربد اپنی عمر کے چھیاسٹھویں سال میں لکھی (یعنی سلطان محمود غزنوی کی تخت نشینی کے سال) :

ہر آنکہ کہ شد سال بر شصت و شش
نہ نیکو بود مردم کینہ کش

محمود کی تخت نشینی کا واقعہ سنہ ۳۸۸ھ میں رونما ہوتا ہے ۔ ناصرالدین سبکتگین ۳۸۷ھ میں وفات پاتا ہے اور اس کی وصیت کے مطابق امیر اسماعیل تخت نشین ہوتا ہے غزنیں پر اسماعیل کا قبضہ تھا ۔ محمود چاہتا تھا کہ غزنیں پر خود قابض ہو جائے اور اسماعیل کو اس کے عوض میں نیشاپور دے دے ۔ اسماعیل کو یہ مقاسمہ منظور نہ تھا ۔ اس پر بھائیوں میں جنگ ہوئی ۔ اب محمود کے طرف دار محمودی کہلائے اور اسماعیل کے ہوا خواہ اسماعیلی ۔ چونکہ محمود کی فتح ہوئی تھی اس لیے شاعر کہتا ہے کہ محمودی ظفریاب ہوئے ۔ اس قدر بیان سے یہ ظاہر ہوگا کہ یہ شعر کس قدر اہم ہے جو ایک تاریخی واقعہ پر روشنی ڈالتا ہے لیکن بدقسمتی سے مروجہ شاہناموں سے خارج کر دیا گیا ہے ۔

(۲) خسرو پرویز کی گرفتاری کے حالات ، فردوسی نے جب کہ وہ بلخ میں تھا کسی موبد سے سن کر لکھے ہیں ۔ چنانچہ قلمی نسخہ سنہ ۷۵۲ھ کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

چنیں یادارم ز موبد بلخ | بخسرو چو شد ایں جہاں تا رو تلخ

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مطبوعہ شاہناموں میں یہ شعر نہیں ملتا ۔

---

[1] ۔ اس مقام سے اس طویل خط کا ایک ورق غائب ہے ۔ (مرتب)

می نسخہ سنہ ۷۵۲ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے اپنا یہ
:

، رنج بردم دریں سال سی عجم گرم کردم بدیں پارسی

«عجم زندہ کردم» رائج ہے) در حقیقت خاتمہ شاہنامہ میں لکھا تھا
ین نے شاہنامہ سے خارج کر کے ہجو میں داخل کر دیا ہے چنانچہ اب
یں [ملتا ہے] -

استان یزد جرد ، خاتم تاجداران عجم ، مروجہ شاہناموں میں ایک ابتر
ملی ہے جس سے گمان گذرتا ہے کہ فردوسی [نے شاہنامہ نامکمل حالت]
ہے اور شاید اسی قسم کے خیالات کے زیر اثر ہمارے ہاں وہ نظریہ
ہ جس کا ذکر دولت شاہ نے اپنے [تذکرے میں کیا ہے] کہ داستان
دوسی نے نہیں لکھی ہے بلکہ اس کی درخواست پر اس کے استاد
ی نے نظم کی ہے - اگرچہ ہم کو [یقین ہے کہ اس] داستان کا ناظم
ں ہے لیکن عربوں کے خلاف اس کے دوران میں صریح معاندانہ جوش
ں کے لیے جنبہ داری کی زبردست لہر سے [اندازہ ہوتا ہے] کہ اس میں
ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اگر قدیم شاہناموں کی طرف رجوع کی
س داستان کے متعلق عجیب [و غریب انکشافات کی] توقع ہو سکتی ہے -
ے پاس جو شاہنامہ ہے اس سے تمام ایسے اشعار ، جو اعراب اور
م کے خلاف ہیں ، مطلق غیر حاضر ہیں - چونکہ یہ نسخہ میکن کے تمام
قدیم ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اس پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے -

امنامہ سنہ ۷۵۲ھ سے ، جس کا کئی بار ذکر آ چکا ہے ، کم از کم
تو معلوم ہوئی یعنے اس میں قریباً [ڈھائی سو؟] اشعار ایسے موجود ہیں جو
ناموں سے غیر حاضر ہیں - ان اشعار میں اس جنگ کے واقعات کی تفصیل
د بن وقاص رضی اللہ عنہ اور رستم سپہدار یزد جرد میں رونما ہوئی -
ناموں میں یہ جنگ ، جو اگرچہ غیر تاریخی صورت میں بیان کی گئی ہے ،
شعار میں ختم کر دی گئی ہے لیکن اس نسخہ میں تمام واقعات بالتفصیل
جن کا مختصراً یہاں ذکر کیا جاتا ہے :

ں معمول دونوں سپہ سالاروں میں جنگ ہوتی ہے - رستم حضرت سعد
، کو قتل کر دیتا ہے - آپ گر جاتے ہیں - رستم چھا جاتا ہے اور
یتا ہے - قتل کے ارادہ سے تلوار نیام سے نکالتا ہے - اس کی چمک دمک
ا گھوڑا چمک جاتا ہے - حضرت سعد اس طرح رہائی پا جاتے ہیں - آپ

رستم پر تلوار کا وار کرتے ہیں - وہ زخمی ہو جاتا ہے - ایرانی لشکر اپنے سپہ سا
کے قتل کے واقعہ سے بے خبر برابر مصروف جنگ ہے - آخر شدت تشنگی سے
مجبور ہو جاتے ہیں (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے ایرانیوں پر پانی بند کر
تھا) - جب ایرانیوں کو رستم کے مارے جانے کی اطلاع ملتی ہے ، وہ اپ
زبردست حملہ کر دیتے ہیں جس سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوتا ہے - آخر پیا
نے ان کو اور ان کے جانوروں کو بے تاب کر دیا - پیاس کی شدت سے وہ عا
آ گئے - ادھر عربوں نے زور کیا اور ایرانی بھاگ نکلے - طیسفون تک عربوں
تعاقب کیا - یزد جرد اس وقت بغداد میں موجود تھا - فرخ زاد بن ہرمز نے ک
سے نکل کر [عربوں کا راستہ روکا] تب کہیں وہ رکے اور واپس لوٹ گئے - فرخ
لوٹ کر یزد جرد کے پاس آتا ہے اور تسلی اور دلاسا دیتا ہے - [مجلس مشاو
منعقد ہوتی] ہے - فرخ زاد مشورہ دیتا ہے کہ آمل اور ساری کی طرف کوچ
جائے اور تازہ دم فوجیں لے کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے - [رائے یہ] قرار پائی
ایک مرتبہ اور جنگ کی جائے - دوسرے روز لڑائی ہوتی ہے اور بڑے گھمس
کا رن پڑتا ہے - بارہ ہزار عرب اور [ایک لاکھ؟] ایرانی قتل ہوتے ہیں - ایرانی صر
چھ ہزار بچتے ہیں - یہ بقیتہ السیف قسم کھاتے ہیں کہ ہم کل پھر جنگ کریں گے
فرخ زاد اس فوج کا [سالار ہے] - یزد جرد تاج پہن کر بہ سواری فیل رزم گاہ م
آتا ہے - اس روز بھی معرکہ خیز جنگ ہوتی ہے - عرب بڑی تعداد میں قتل ہو
ہیں اور ان کا زور کم ہو جاتا ہے -

یزد جرد سو جاتا ہے - خواب میں دیکھتا ہے کہ درگاہ الٰہی میں حاضر ہے
یہاں وہ عربوں کی یورش اور [زیادتی کی] شکایت کرتا ہے اور اپنے لیے رحم ا
معافی گناہاں کا ملتجی ہے - وہ التماس کرتا ہے کہ ایران میرے ہی قبضہ م
رکھا جائے اور سلطنت ساسان کو مزید ایام حیات مل جائیں - خدائے غفورالر
کی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے - اس کی درخواست منظور ہونے والی ہے
اتنے میں کوئی موبد آ کر اور بادشاہ کو سوتا دیکھ کر کسی ضرورت سے ج
دیتا ہے - یزد جرد بیدار ہو جاتا ہے - اپنا خواب [بیان] کرتا ہے اور موبد پر بے
ناراض ہوتا ہے اور سخت و سست کہتا ہے -

حضرت سعد مدینہ خط لکھتے ہیں اور مدد مانگتے ہیں - خلیفہؓ ثانی عمر
معدی کرب کو معہ فوج امدادی روانہ کرتے ہیں - تین دن میں دو جنگیں ہو
ہیں - چوتھے روز یزد جرد خاقان چین سے امداد طلب کرنے کے خیال سے خرا
کی طرف روانہ ہو جاتا ہے» -

اب یہ تمام تفصیل میکن کے شاہنامہ سے غیر حاضر ہے - ممکن ہے کہ

شمار فردوسی کے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہوں لیکن میرا دعویٰ ہے کہ
موجودہ شاہناموں کا متن اتنا قابل اعتبار نہیں ہے کہ ہم قدیم نسخوں کے دعوے
سے قطع نظر کر لیں ۔ آخر یہ بیان ایک ایسے نسخہ میں [ملتا ہے جو] بایسنغری
ایڈیشن سے بھی ستر سال بڑا ہے ۔

(٦) پروفیسر نولد یکے نے ایک اور شعر کا ذکر کیا ہے جس میں فردوسی
کی عمر کے چھہترویں سال کی طرف تلمیح ہے ۔ یہ شعر میکن کے شاہنامہ سے
غیر حاضر ہے :

کنوں سالم آمد بہ هفتاد و شش غنوده همی چشم منشار فش

(۷) اس شاہنامہ سنہ ۷۵۲ھ کے خاتمہ پر سلطان محمود غزنوی کے حق میں
ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر کے اگرچہ ایک عرصہ ہوا کہ
سلطان سے تعلقات ختم ہو چکے ہیں تاہم وہ اس کی مدح کر رہا ہے جس سے ہجو کا
احتمال بہت کچھ ضعیف ہو جاتا ہے ۔ بد قسمتی سے یہ شاہنامہ اس وقت میرے
پاس نہیں ہے ۔ صرف ایک شعر مجھ کو یاد ہے جو یہاں لکھ دیتا ہوں :

همش جاه و هم دولت و هم نسب چراغ عجم آفتاب عرب

(ج) اختلاف اشعار کی امثال کا نقل کرنا ایک طول امل ہے ۔ اس کے متعلق
میں آذر صاحب آتش کدہ کی رائے لکھ دیتا ہوں ۔ ان کا بیان ہے کہ «شاہنامہ میں
اس قدر تبدیلیاں اور تصرفات ہوئے ہیں کہ اب ایک شعر بھی فردوسی کی طرف
منسوب نہیں کیا جا سکتا» ۔ یہ بیان اگرچہ اصلیت سے دور ہے اور مبالغہ سے خالی
نہیں تاہم اس میں شک نہیں کہ تغیرات و تصرفات و الحاقات سے شاہنامہ [میں
بے انتہا] تصرف کیا گیا ہے اور فردوسی کے اصل کلام کی بے اندازہ ترمیم و تحریف
کی گئی ہے ۔ میں بخوف طوالت صرف ایک شعر پر کفایت کرتا ہوں :

جلد چہارم ، صفحہ ۱۵۳ ۔ ذکر بہرام اور مزد کے موقعہ پر ایک شعر یوں
ملتا ہے :

یکی سرو قدی و سیمیں بدن دلارام و خوش خوی و شیریں سخن

لیکن شاہنامہ قلمی ۷۵۲ھ میں یہی شعر یوں آتا ہے :

یکی پور ترکی چو گوری بتن کہی بر کہن هنگ او شصت من

... کے دور میں مثنوی کی زبان خالص فارسی میں لکھی جاتی تھی اور عربی الفاظ
... کی دستبرد کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اب شاہنامہ میں سات فی صدی ... ان الفاظ
سے علاوہ ہیں جن کو فردوسی نے استعمال کیا ہے ۔

(د) شاہنامہ میں سلسلہ کلام میں بے ربطی اور تقدیم و تاخیر اکثر مقامات

پر مشاہدہ کی جاتی ہے - تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں - آپ اسی سے انداز، کر سکتے ہیں کہ خود شاہنامہ کے افتتاحیہ اشعار [تک اس سقم] سے خالی نہیں۔ شاعر ادراک وجود باری کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عقل انسانی انھی اشیاء کے وجود کو تسلیم کرتی ہے جو مشاہدہ میں آ جائیں لیکن ذات باری کا ادراک حواس کے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کی ذات پاک ہمارے تخیلات سے بھی بالا ہے - اس مقصد کو اس نے تین مسلسل ابیات میں یوں ادا کیا ہے :

خرد گر سخن بر گزیند کہ بیند همی | هان را گزیند کہ بیند همی
به بینندگان آفریننده را | نہ بینی مرنجان دو بیننده را
نیابد بدو نیز اندیشہ راه | کہ او برتر از نام و از جای گاه

بدقسمتی سے مطبوعہ شاہناموں میں ان اشعار کا تسلسل بالکل توڑ دیا گیا ہے -

اسی طرح دیباچہ شاہنامہ میں ، ذکر آسمان میں ، ایک غیر ضروری شعر ، جو فردوسی کے قلم کا نہیں ہے ، داخل کر لیا گیا ہے ، جس سے بیان میں بے ربطی پیدا ہو جاتی ہے - وہ شعر یہ ہے :

ز یاقوت سرخ است چرخ کبود | نہ از باد و آب و نہ از گرد و دود

یہ شعر درحقیقت فردوسی کے بیان افلاک کے خلاف ایک اعتراض ہے جو کسی معترض نے کیا ہے - یہ اعتراض حاشیہ پر [ہونا چاہیے تھا] لیکن بدقسمتی سے اس کو متن میں جگہ مل گئی ہے جس سے سلسلۂ کلام میں بالکل بے ربطی پیدا ہو گئی ہے -

یہ جو کچھ میں نے اوپر عرض کیا ہے آپ اس کو مشتے نمونۂ از خروارے سمجھیں - اس میں شک نہیں کہ شاہنامہ میں بے حد [تغیرات و تصرفات] ہوئے ہیں - اگرچہ میکن نے صحیح متن کے حاصل کرنے میں ہر قسم کی کوشش کی ہے اور ہم کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے [اپنی دست رس کے مطابق] ایک ایسا اعلیٰ نسخہ شاہنامہ کا طیار کر دیا تاہم یہ تصور نہ کرنا چاہیے کہ اس کا نسخہ ہر قسم کے سقم سے پاک ہے - اس پر بہت [کچھ اصلاح و اضافہ کی گنجائش باقی] ہے - شاہنامہ کی جو اہمیت ہے وہ بھی ظاہر ہے - ایران ، ہندوستان ، ٹرکی اور ممالک مغرب میں اس کی مقبولیت . . . اور ہر ملک میں ایک خاص جماعت شاہنامہ میں دلچسپی لیتی ہے - ہندوستان میں اگرچہ فارسی کا کافی رواج ہے اور [متعدد علم دوست اصحاب فارسی] ادبیات کی خدمت پر مامور ہیں تاہم بیرونی ممالک میں ہماری خدمات کا سرد مہری کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے -

ان خیالات کے زیر اثر میرا ایک عرصہ سے ارادہ ہو رہا ہے کہ شاہنامہ کا ک نیا اڈیشن نکالا جائے جس میں مسطور ذیل کا [اضافہ] ہو :

(۱) شاہنامہ کے حالات اور فردوسی کے پیش رو - فردوسی کے حالات موجودہ عیتات پر مبنی ہوں -

(۲) دیباچہٴ قدیم - دیباچہٴ بایسنغر خانی -

(۳) . . . کی محنت کے بعد مختلف شاہناموں سے مقابلہ کر کے مرتب کیا تھا[۱] - س کا بیان ہے کہ ابتدا میں شاہنامہ میں ساٹھ [ہزار اشعار تھے لیکن] موجودہ ...وں میں پچاس ہزار سے زیادہ اشعار نہیں ملتے - اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہنامہ کے نسخے زیادہ تر بے پروا اشخاص کے . . . ہیں - اس لیے میں نے مختلف نسخوں کو جمع کر کے اس کی تعداد ساٹھ ہزار اشعار حاصل کر لی ہے اور یہ نسخہ مرتب کیا ہے -

حمداللہ متوفی اپنے عہد کا مشہور اور معتبر مورخ اور شاعر ہے اور جو نسخہ اس نے طیار کیا ہے بہت کچھ قابل اعتبار مانا جا سکتا ہے لیکن بدقسمتی سے اس تالیف نے زیادہ رواج نہیں پایا اور معرض گمنامی میں رہی - چنانچہ میکن اور مول ہی اس نسخہ سے بے خبر رہے ہیں -

آٹھویں ساتویں قرون کے نسخے اب بھی ہندوستان میں مل سکتے ہیں چنانچہ صرف ٹونک اور جے پور میں تین ایسے نسخے موجود ہیں - اگر تلاش کی جائے تو حیدرآباد ، رام پور وغیرہ میں اور قابل اعتبار نسخے دستیاب ہو سکتے ہیں -

(۴) فرہنگ شاہنامہ - شاہنامہ کی کئی فرہنگیں ہیں لیکن وہ اکثر پرانی طرز کی ہیں - میں چاہتا ہوں کہ جدید طرز میں ایک طیار کی جائے جس میں پہلوی ذخیرہ سے بھی امداد لی جائے - شاہنامہ کی لغوی حیثیت ، آپ خیال کر سکتے ہیں ، نہایت ضروری اور بلند پایہ ہے -

(۵) انڈکس - اس کے بغیر شاہنامہ ایک مقفل چیز ہے - ایرانی تاریخ قدیم کے علاوہ شاہنامہ ضمناً خود فردوسی کے ایام کے رسوم و رواج پر بھی روشنی ڈالتا ہے - انڈکس ان سب امور کی توضیح کر سکتا ہے -

(۶) فردوسی کے حالات کا ذخیرہ ، جو متقدمین نے چھوڑا ہے ، اس کو آخر میں اضافہ کر دیا جائے -

---

۱- یہ غالباً بایسنغری ایڈیشن کا ذکر ہے - سنہ ۸۲۹ھ میں شاہزادہ بایسنغر میرزا کے حکم سے شاہ نامہ کا ایک نیا ایڈیشن تیار ہوتا ہے - (مرتب)

اس قسم کا نسخہ ، اس میں شک نہیں ، بے حد تلاش ، تحقیق اور صرا
بعد طیار ہو سکتا ہے ، جس کے لیے کئی سال [کی مدت درکار ہے] - میر
سال سے فردوسی پر مصروف ہوں اور اس عرصہ میں میں نے بہت کچھ ز
فردوسی کے حالات پر ڈالی ہے :

''کہ فردوسی نے تقریباً داستان بیژن سنہ ۳۶۵ھ میں اپنی بیوی کی
سے نظم کر دی - اس نظم نے عوام پر [اس کی شاعرانہ صلاحیتوں کا سکہ
دوستوں کی تحریک و تحریص پر [وہ] سنہ ۳۷۰ھ سے شاہنامہ کی نظم پر
لگا - بیس یا اٹھارہ سال طوس میں . . . میں اس کے فرزند کا انتقال ہوا
زیادہ دامن گیر ہوا ، غزنین چلا آیا - اس وقت امیر محمود اور اس کے بھائی اس
[میں مقابلہ کے بعد محمود] فتح یاب ہو گیا تھا - غزنین [میں] فردوسی سب
خواجہ ابوالعباس فضل بن احمد اور سلطان کے بھائی امیر نصر سے ا
[استوار کرتا ہے] اور خواجہ ابوالعباس کے وسیلہ سے دربار سلطانی میں بار
ہے - سب سے پیشتر داستان کیخسرو دربار میں سناتا ہے اور تازہ جوش
شاہنامہ کی نظم پر مصروف ہو جاتا ہے اور برابر چھ سال تک سنہ ۳۸۸ھ
تک سلطان سے اس کے تعلقات بہت اچھے اور خوش گوار رہتے ہیں اور سلط
کا رسوخ اس قدر ہو جاتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر بعض اوقات فردو
کو پند و نصیحت بھی کرتا ہے - وہ سلطان کو اردشیر بابکان ا
انوشیروان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کرتا ہے - اس عرصہ میں جو
اہم واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں ، ان کا بھی ذکر کرتا ہے مثلاً تاج پوشی
سال سلطان کا رعیت کو ایک سال کا خراج معاف کر دینا - جلوس کے پا
سیستان کے علاقہ میں کان طلا کا دریافت ہونا وغیرہ - اس چھ سال کے
سرتوڑ محنت کے بعد وہ شاہنامہ کو قریب قریب ختم کر دیتا ہے - اب فر
عمر کا سب سے زیادہ تلخ واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے - یعنی اس کے د
بدگوئی کی بنا پر سلطان محمود فردوسی اور اس کے شاہنامہ میں کوئی دلچ
. . . کی کوشش بار آور ہوئی یا نہیں - اس وقت شاہنامہ کا قلیل حصہ باقی رہ
وہ اس کو غالباً طوس میں ختم کرتا ہے . . . بن خنسب ، جو عربی
ہاشمی ہے ، اس کی سرپرستی اور خبرگیری کرتا ہے - اس طرح ۔
میں شاہنامہ ختم ہو جاتا ہے - ہجو فردوسی نے لکھی اور اگر
لیا جائے کہ لکھی تھی تو وہ بالکل برباد کر دی گئی - موجودہ
مجعول دستاویز ہے - اس کے نصف سے زیادہ اشعار شاہنامہ سے ،
گئے ہیں ، باقی نصف اور ذرائع سے لیے گئے ہیں - موجودہ شکل
پورے سو بیت تک اس ہجو کو پہونچا دینے کے ذمہ دار اڈیٹران نسخہ

ہیں - مذہبی بنا پر سلطان اور فردوسی کے درمیان عداوت کا قصہ غالباً بے سروپا ہے اس لیے کہ فردوسی بھی اسی مذہب کا مقلد تھا جو سلطان کا مذہب تھا - یوسف زلیخا ، جو فردوسی کی طرف منسوب ہے ، فردوسی کے قلم سے نہیں نکلی ہے کیونکہ نہ فردوسی کا اہواز جانا ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی بغداد جانا ثابت ہوتا -

یہ خلاصہ ہے میری تحقیقات کا جو زیادہ تر فردوسی کے بیانات یا اس کے معلومہ حالات کے استدلال پر مبنی ہے - یورپ میں [میرے اخذ کردہ نتائج] کا اکثر حصہ نامعلوم ہے - میرا اس سے اسی قدر مقصد ہے کہ جب میں اس قدر وقت اور محنت فردوسی پر صرف کر چکا ہوں تو ظاہر ہے کہ میں شاہنامہ کے مرتب کرنے کا بالکل اہل ہوں - مجھ کو فردوسی اور اس کے شاہنامہ کے ساتھ ایک قدرتی شغف ہے اور میں چاہتا ہوں کہ . . . شاہنامہ پر صرف کرکے اس ضروری اور اہم کام کو انجام تک پہونچا دوں لیکن میں ایک معمولی پروفیسر ہوں اور پروفیسر جس طرح . . . ہوتے ہیں وہ بھی ظاہر ہے - میرا تمام وقت کالج کے کاموں میں صرف ہو جاتا ہے - میں دیکھ رہا ہوں کہ وقت گذرتا جا رہا ہے اور اس کام کے لیے ہنوز روز اول ہے - لہذا میں آپ سے ملتجی ہوں کہ یہ ایک علمی تحریک ہے - ہندوستان نے فارسی زبان کی خدمت گذاری میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اور اگر دیکھا جائے تو ہمارا تمام تمدن اور تہذیب قریب قریب ماوراالنہری ہے اور اسلامی ہندوستان بلحاظ زبان بھی فارسی زبان کی ایک نو آبادی رہا ہے - در حقیقت ہماری زبان فارسی ہے اور اس سے [ہمارے تعلقات] دائمی ہیں - اس کی خدمت کرنا ہمارا فرض عین ہے - اس لیے اس تحریک کو کامیاب کرنا بہت بڑی علمی خدمت کرنا ہے -

شاہنامہ کے پہلے اڈیٹر ٹرنرمیکن کے اخراجات حضرت نصیرالدین فرمان روائے ملک اودھ نے اپنے خزانہ سے عطا کیے تھے - کیا میں توقع کر سکتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت . . . شہر یار دکن خلد اللہ ملکہ میری اس تجویز سے ہمدردی . . . اور دست گیری فرما سکتے ہیں تاکہ میں اپنا تمام وقت اس پر صرف کر سکوں - خسرو دکن اپنی شاہانہ فیاضی اور علمی سرپرستی کے لیے تمام اکناف ہند میں ضرب المثل ہیں اور اس لیے مجھ کو جرأت ہوئی ہے کہ اپنی درخواست آپ کی وساطت سے بادشاہ دکن کی . . . تک پہونچانے کی کوشش کروں - میرا وسیلہ آپ ہی اور میں امید کرتا ہوں کہ میری تجویز کو تقویت دینے اور اس کی معاونت کرنے میں ہر قسم کی کوشش سے دریغ نہ فرماویں گے - اب میں اپنا عریضہ حافظ کے اشعار میں کسی قدر تصرف کے ساتھ ختم کرتا ہوں :

اے صبا با ہم صفیران دکن از ما بگو — کاے سر نا حق شناساں گوے میدان شما
گرچہ دوریم از بساط قرب ہمت دور نیست — بندۂ شاہ شمائیم و ثنا خوان شما

(۲)

۱۸ فلیمنگ، روڈ
لاہور

میرے پیر و مرشد سلامت

نوازش نامہ کا شکریہ ۔ میں نے آپ کا جواب مسٹر اقبال تک پہنچا دیا ہے ۔

۱۔ یہ خط جس پر کوئی تاریخ نہیں دی گئی سید الطاف علی بریلوی صاحب کے رسالہ ''رسالہ العلم'' کراچی کے شمارۂ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں چھپا تھا ۔ اصل خط سید صاحب موصوف کی ملک ہے انہیں یہ خط بعض دیگر مشاہیر کے خطوط کے ساتھ ، دہلی سے انجمن کی نیم سوختہ کتابوں اور کاغذات کے انبار سے جو بذریعہ ٹرک علی گڑھ پہنچا تھا ، دستیاب ہوا تھا ۔ محبی مشفق خواجہ صاحب کی وساطت سے میری درخواست پر سید صاحب نے اس خط کی ایک مصدقہ نقل دسمبر ۱۹۶۶ء میں مجھے عنایت کی تھی ۔

یہ خط غالباً کیا یقیناً سنہ ۱۹۳۴ء کے موسم گرما کا تحریر کردہ ہے اور میرے اندازے کے مطابق یہ ماہ اگست میں لکھا گیا ہوگا ۔ کیونکہ اس میں محترم عبداللہ چغتائی صاحب کی انیہ خوری کا تذکرہ ہے ۔

۱۹۳۴ء میں انجمن ترقی اردو نے پنجاب میں جائزۂ زبان اردو کا کام شروع کیا تھا جس کا تذکرہ زیر نظر خط میں موجود ہے ۔ اس غرض سے ۱۹ جون ۱۹۳۴ء کو سر شیخ عبدالقادر مرحوم کے مکان پر انجمن ترقی اردو پنجاب کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں یہ عہدیدار منتخب کیے گئے تھے :

صدر : شمس العلماء سید ممتاز علی
نائب صدر : حافظ محمود شیرانی
نائب صدر دوم : پروفیسر احمد شاہ بخاری
معتمد : خواجہ عبدالوحید
خزانچی : مولوی ظفر اقبال

مجلس منتظمہ کے اراکین میں ڈاکٹر سید عبداللہ ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ، حفیظ جالندھری ، صوفی تبسم ، منوہر سہائے انور اور مولانا غلام رسول مہر شامل تھے ۔

اسی اجلاس میں جائزہ زبان اردو کے مختلف سوالوں سے متعلق کمیٹی بنائی گئی تھی ۔ متفرق امور سے متعلق کمیٹی کے کنوینر شیرانی صاحب تھے اور ڈاکٹر یسین خاں نیازی، فیض احمد فیض، منوہر سہائے انور اور سردار عبدالحمید

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۵)

جواب میں وہ آپ کے نیک ارادے اور شریف جذبہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اس کوشش میں کامیاب کرے ۔

میں نے آپ کی ذات گرامی کے متعلق جو کچھ عرض کیا تھا معاف کیجیے وہ حسن ظن نہیں تھا بلکہ میرا ذاتی عقیدہ اور آپ جانتے ہیں کہ عقائد میں بحث و مباحثہ کرنا بالکل بےکار ہے ۔ لیکن خوشی قسمتی سے میرا اعتقاد حجت و دلیل پر مبنی ہے ۔ میں جذباتی انسان نہیں ، واقعات سے تعلق رکھتا ہوں اور یہ بڑا ظلم ہے کہ ہم گاہے ماہے اپنے ایک محترم بزرگ کی نسبت جو خیالات رکھتے ہیں ان کا اظہار بھی نہ کر سکیں ۔ آپ اردو کے جاں باز سپاہی ہیں ۔ آپ نے ہماری قدیم زبان کی حفاظت کی ہے اور جدید زبان کی حفاظت میں سعی مجاہدانہ کی ہے اور مشعل لے کر ہمیں راستہ دکھایا ہے ۔ اردو کے ساتھ آپ کی وفاداری اور وفا شعاری درحقیقت قابل صد ہزار تحسین ہے ۔ ہم لوگ انسان ہیں ، اگرچہ مسلمان ہیں ، اتنے اندھے نہیں کہ ایک شخص بلا اجرت و معاوضہ بغیر پروائے تحسین و نکوہش ، اپنی دھن میں پکا ، راحت و آرام سے دست کش ہو کر ، استقلال و ثابت قدمی کے ساتھ رات دن ہماری زبان کی خدمت میں مصروف ہے ۔ ہم اس کی قربانی دیکھیں ، اس کی جاں بازی دیکھیں اور پھر ٹس سے مس نہ ہوں ۔

جائزہ کے متعلق آپ اس قدر مایوس نہ ہوجیے ۔ یہ لوگ اہل پنجاب ہیں ۔ انہیں گرمانے اور جوش دلانے کی ضرورت ہے ۔ آخر آپ کے آنے سے بڑا فائدہ یہ تو ہوا کہ جائزہ کمیٹی کی بنیاد پڑ گئی ۔ باقی کام بھی ہوتا رہے گا ۔ آپ ایک کام یہ کیجیے کہ اکتوبر میں جب لوگ واپس آ جائیں آپ ماسٹر[۱] کو اپنا ایجنٹ بنا کر یہاں بھیج دیں لیکن صاف صاف ہدایتوں کے ساتھ اور اچھی طرح سے کان کھول کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۵۴)

اس کے اراکین تھے ۔

اسی جائزہ کے ضمن میں شیرانی صاحب نے پنجاب میں اردو تصنیف و تالیف کے بارے میں ایک مضمون لکھا تھا جو مرحوم خواجہ عبدالوحید صاحب کی معرفت کراچی کے رسالہ ''سات رنگ'' کے شمارۂ نومبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا ۔ مشفق خواجہ صاحب کے بیان کے مطابق یہ مضمون ۱۹۳۵ء کے آغاز میں لکھا گیا تھا ۔

یہ تفصیلات مجھے مشفق خواجہ صاحب کے ایک خط بنام خورشید احمد خاں صاحب محررہ ۲۰ جولائی ۱۹۸۰ء سے ملی ہیں ۔ (مرتب)

۱۔ ماسٹر سے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب مراد ہیں ۔ شیرانی صاحب اور حضرت علامہ اقبال دونوں چغتائی صاحب کو اس لفظ سے مخاطب کرتے تھے ۔ (مرتب)

بلکہ سارے کام کا ذمہ دار بنا کر ۔ کم از کم ایک شخص تو ایسا ہو جو اپنا پورا وقت اس کام میں دے سکے ۔ میرے خیال میں ماسٹر اس کام کے لیے موزوں ہیں ۔ وہ ہر شخص سے واقف ہیں اور ہر شخص ان سے واقف ہے اور ہر جگہ آ جا سکتے ہیں ۔ اس طرح سے کام کا سلسلہ جاری رہے گا ۔ آپ کے آنے کی اگر ضرورت محسوس ہوگی آپ کو بروقت اطلاع دے دی جائے گی ۔ یہ میری تجویز ہے اگر آپ اس کو پسند فرمائیں ۔

کمیٹی نے چندہ پانچ روپیہ سالانہ تجویز کیا ہے ۔ آپ پانسو کا اندازہ کرتے ہیں ۔ یہ چندہ بہت کم ہے ۔ اب یا تو یہ صورت ہو کہ ایسے سو آدمی تلاش کیے جائیں جو پانچ روپئے دے سکیں ۔ یا یہ صورت ہو کہ عطیے بھی وصول کیے جائیں ۔ میرے خیال میں عطیے وصول کرنا آسان ہوگا لیکن عطیوں کی وصولی ہر شخص کا کام نہیں ۔ ماسٹر اس کام کے لیے بھی موزوں رہیں گے اور جب آپ نے انھیں اس قدر آم کھلائے ہیں تو دام بھی وصول کیجیے ۔ خدا کی شان ہم یہاں آموں کو ترسیں اور ماسٹر وہاں مزے اڑائیں ۔

وہ کار ثواب جس کے لیے میں نے آپ کو تکلیف دی تھی راست ہوگیا ہے ۔ اس سلسلہ میں آپ کا اور ماسٹر کا شکریہ ۔ داؤد[۳] سلام نیازمندانہ عرض کرتا ہے جس میں میں بھی شریک ہوں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۳)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۱۹ اپریل ۱۹۴۳ء

حضرت مولینا بالفضل اولنا

عرصہ سے میرا دہلی آنا نہ ہوا ۔ آپ کی خیریت بھی معلوم نہیں ہوئی ۔ یہ عریضہ مجھے جناب ڈاکٹر اظہر[۲] بالقابہ کی خدمت میں ارسال کرنا چاہیے تھا لیکن ان کے

---

۱ ۔ اختر شیرانی مرحوم ۔ (مرتب)

۲ ۔ ڈاکٹر اظہر صاحب نے اس خط کے ایک کونے پر بطور جواب چند سطور تحریر فرمائی تھیں جو یہ ہیں :

''اس معاملے میں میرا ذاتی خیال کچھ ایسا ہے کہ شیرانی صاحب خود اپنی طرف سے یہ تجویز پیش کریں کہ چونکہ مجھے ان دونوں ایڈیشن کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور نادانستہ یہ غلطی ہوگئی ہے اس لیے میں کلکتہ والے منتخبات کو حذف کرتا اور کل نمبر جید پریس والے (باقی حاشیہ صفحہ ۴۵۷)

بدلے جواب کون دیتا اس لیے آپ کو تصدیعہ دے رہا ہوں یا یوں سمجھ لیجیے
کہ لکھ آپ کو رہا ہوں اور مخاطب ڈاکٹر صاحب ہیں ۔ 'یک گز دو فاختہ' اسی
موقعہ کے لیے کہا گیا ہے ۔

گذارش یہ ہے کہ جناب رجسٹرار صاحب دہلی یونیورسٹی کے نوازش نامہ سے
معلوم ہوا کہ پرچہ بناتے وقت میں ایک عجیب حماقت کا مرتکب ہوا ہوں یعنی
بجائے انتخاب کلیات خاقانی طبع کلکتہ و قصائد خاقانی طبع جید پریس دہلی کے میں نے
پرچہ صرف اول الذکر سے بنا دیا اور آخرالذکر کو ترک کر دیا حالانکہ دونوں
سے پرچہ بننا چاہیے تھے ۔ لیکن کورسز آف ریڈنگ ۴۴-۱۹۴۳ ، صفحہ ۱۲ کی عبارت
یہ ہے :

3. Intikhab-i-Kulliyat-i-Khaqani (Haji Mohd Said and Sons, 85 Wellesly Street, P.O. Box No. 8904. Calcutta)

Or

Qasaid-i-Khaqani (Jayyad Press, Delhi Edition).

اس عبارت سے میں بھی سمجھا کہ دونوں اشاعتیں ایک ہی ہیں ۔ چونکہ
سابق الذکر کے نسخے کم دستیاب ہوتے ہیں اس لیے کسی نے دہلی میں جید پریس
والا نسخہ طیار کر لیا ۔ سیاق عبارت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں سے
کسی ایک کا انتخاب ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ میرے پاس کلکتہ کیا بلکہ اس سے بھی
قدیم اشاعت کانپور والی موجود تھی اس سے پرچہ بنا دیتا جیسا گذشتہ سالوں میں
کرتا آیا ہوں ۔ پروفیسر موسوی کو شکایت ہے کہ ان کے طلبہ نے جید پریس
والے نسخہ سے طیاری کی ہے اور ممتحن نے پرچہ کلکتہ والے نسخے سے بنایا ہے ۔
مجھے اب پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ خاقانی کے دو انتخاب دہلی یونیورسٹی میں بیک
وقت جاری ہیں اور کہ پرچہ مجھے دونوں سے بنانا چاہیے تھا ۔ مہربانی فرما کر
آپ میری دست گیری کیجیے اور بتائیے کہ اب کیا کیا جائے اور غلطی کا ازالہ
کیونکر کیا جائے ۔

میں نے اس جیدی اشاعت کے بھیجنے کے واسطے رجسٹرار صاحب کی خدمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶)
انتخاب کو دیتا ہوں بشرطیکہ یونیورسٹی اس کو منظور کر لے ۔ یہاں پر ان کی
اس تجویز کی مخالفت ہوگی نہیں ۔ اس میں اور کوئی قباحت نہ ہو تو ان کو اسی
طرح تحریر فرما دیجیے ۔ فقط خاکسار اظہر"
قبلہ مولوی صاحب نے یہ خط واپس شیرانی صاحب کو ارسال کر دیا جو مجھے
ان کے پرانے کاغذات میں مل گیا ۔ (مرتب)

میں تار دے دیا ہے - مجھے ابھی تک اپنی حماقت کا کوئی اندازہ نہیں ہے - اس اشاعت کے دیکھنے کے بعد کوئی رائے قائم کر سکتا ہوں تاہم اللہ کے واسطے کوئی مشورہ دیجیے -

پروفیسر موسوی کے بیان سے ، جیسا کہ ہیڈ صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ میں نے دو پیرے کلکتہ اڈیشن سے لیے اور ایک پیرا جیدی اڈیشن سے لیا - اگر میں ایک پیرا اور اسی اڈیشن سے لے لیتا تو ان کو جائے شکایت نہ ہوتی - اس حساب سے میں نے ایک پیرے بھر کی حماقت کی ہے اور بس - اچھا اب آپ کی رائے کیا ہے :

تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی

پرچے میں نے دیکھے دا کھے رکھ چھوڑے ہیں - جب تک اس معاملہ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا میں اپنے 'جوڑی دار' کو نہیں بھیج سکتا ، جو اتفاق سے موسوی صاحب ہی ہیں -

آپ جے پور تک تو آتے رہتے ہیں - ٹونک نے کیا قصور کیا ہے - اس مرتبہ اگر آپ کی بوڑھی ہڈیاں سفر کی صعوبت برداشت کر سکیں تو اس دارالاسلام کی بھی زیارت کریں - مجھے ابھی جلدی نہیں ہے - خربوزے چل گئے ہیں لیکن اگلے مہینے سے کام کے ہوں گے - اس وقت تشریف لائیے تا کہ آپ یہ بہشتی میوہ جس قدر کھا سکیں فالیز پر کھائیں اور اس امید میں نہ رہیں کہ آپ کا حصہ گھر بیٹھے آپ کو پہونچ جائے گا[1] - اب حالات بالکل مختلف ہیں - ماہ آئندہ میں تشریف لائیے - اگر استاد اور شاگرد[2] دونوں آ جائیں تو سبحان اللہ نور علی نور ہوگا اور میرا شکریہ دوہرا ہوگا -

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں مضمون واحد ہے - جواب کا بے تابی سے انتظار ہے - والسلام مع الاکرام -

محمود شیرانی

۱- اس دعوت کے جواب میں قبلہ مولوی صاحب مئی ۱۹۴۳ء کے آخری ہفتے میں ٹونک تشریف لا کر شیرانی صاحب کے مہمان ہوئے اور تین روز مقیم رہے - اس سفر کا مختصر حال انجمن کے پرچے ''ہماری زبان'' (دہلی) کے یکم جون ۱۹۴۳ء کے شمارے میں ''سفرٹونک'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا - (مرتب)

۲- ممکن ہے 'شاگرد' سے مراد سید ہاشمی صاحب فرید آبادی مرحوم ہوں کیونکہ وہ بھی مولوی صاحب کے ہمراہ ٹونک آئے تھے - (مرتب)

بنام پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب[1] مرحوم

(۱)

دریا گنج - دہلی
یکم مئی ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر ڈاکٹر صاحب !

دونوں عنایت ناموں کا شکریہ ، میں دو مرتبہ آپ کی تعطیلیں ختم ہونے کے متعلق مولانا کی ہدایت کے مطابق آپ سے دریافت کر چکا ہوں اور آپ یہ جواب دے کر خاموش ہوگئے کہ میری تعطیلیں تو ۱۵ اپریل کو ختم ہوگئیں - سنیے حضرت ہمارے مولانا عبدالحق اپنی طرز کے میرزا غالب ہیں - جس طرح میرزا موصوف اپنے اشعار میں اپنا اصلی مطلب چھپا دیا کرتے تھے اسی طرح ہمارے مولانا اپنا مطلب اپنے فقروں میں چھپا دیا کرتے ہیں اور مسئول عنہ کا فرض ہے کہ جواب دینے سے پیشتر سوال کنندہ کا مقصد سمجھ لے اور پھر جواب دے - مولانا کا آپ سے سوال تھا کہ "آپ کی تعطیلیں ختم ہوئیں یا نہیں ؟" اس کا اصلی مقصد تھا کہ آپ اپنے پہلے خطوں میں لکھ چکے ہیں کہ دیوان فغاں کے روٹو کالج کھلنے پر بھجوا دوں گا اور اسی وقت انسائیکلوپیڈیا کے متعلق جواب دوں گا - اب کالج کھلے عرصہ ہوگیا ہے اس لیے قدرتاً مولانا نے وہ سوال کیا جس کا آپ نے غلط جواب دیا - مہربانی کرکے بواپسی دونوں باتوں ، روٹو و انسائیکلوپیڈیا کے متعلق جواب دیجیے -

---

۱- پروفیسر اقبال صاحب مرحوم کے نام شیرانی صاحب کے یہ خطوط ڈاکٹر داؤد رہبر نے مختصر حواشی کے ساتھ "اوریئنٹل کالج میگزین" کے نومبر ۱۹۵۱ء کے شمارے (اقبال نمبر) میں شائع کرائے تھے پروفیسر شیخ محمد اقبال صاحب ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے - ان کے والد قصور کے رہنے والے تھے - ۱۹۱۸ء میں علی گڑھ سے ایم - اے (عربی) کرنے کے بعد وظیفہ حاصل کرکے انگلستان گئے - چار سال تک پروفیسر براؤن کی زیر نگرانی تحقیق کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر ۱۹۲۲ء میں واپس آئے اور اوریئنٹل کالج میں صدر شعبۂ فارسی مقرر ہوئے - قیام انگلستان کے دوران میں عبرانی ، سریانی ، جرمن اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں -
تقسیم ملک کے بعد اوریئنٹل کالج کے پرنسپل بنے - ۲۱ مئی ۱۹۴۸ء کو بعارضۂ قلب وفات پائی - شیرانی صاحب ان سے مذاقاً کہا کرتے تھے کہ "میں براؤن کی خبر لوں لیکن آپ کے استاد جی ہیں اس لیے جانے دیتا ہوں -" (مرتب)

ابھی ابھی جناب رہبر کا تلطف نامہ شرف ورود لایا - ان سے کہہ دیجیے کہ آج کل لفافہ اور اس کے ٹکٹوں کا بھاؤ اور بھی بڑھ گیا ہے یعنی ایک لفافہ کے چھ پیسے لگتے ہیں - اس لیے حضرت اگر تمہیں علیحدہ خط لکھتا ہوں تو مجھے مفت ایک آنے اور دو پیسے سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے لہذا اندریں صورت حالات یہ مناسب سمجھا گیا کہ ڈاکٹر صاحب کے خط میں ان کو جواب دیا جائے - وہ جواب یہ ہے کہ میں نے پنڈت کیفی[1] سے دریافت کیا وہ بولے کہ میں نے تو لاہور کے نیچرل شاعری کے پہلے مشاعرے پر، جو انجمن پنجاب کی سرپرستی میں ہوا تھا، اپنی تالیف منشورات میں لکھا ہے، مشاعرہ کی قدیم تاریخ یا قدیم مشاعروں پر کچھ نہیں لکھا - اب میرا جواب شروع ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت! رہبر آپ ہیں یا ہم؟ رہبری کا دعویٰ تو آپ کو ہے اور توقع ہم سے رکھی جاتی ہے - ہم کیوں آپ کے رہبر بنیں اور کیوں بتائیں - ہم تو راہرو ہیں راہرو - ایسے راہ رو جو رہبر سے بھی ناواقف ہیں - میرزا غالب فرماتے ہیں :

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مشاعرے اگرچہ ایران سے آئے ہیں، مگر ہندوستان میں اکبر کے عہد سے تو یقیناً پتہ چلنا چاہیے، جس کے لیے تذکروں کی اوراق گردانی کی ضرورت ہے - اردو میں تو میر صاحب کے تذکرۂ میر و ذکر میر اور مجموعہ نغز سے کچھ کام نکل آئے گا - مصحفی کے تذکرے دیکھیے، پھر آب حیات و گل رعنا -

رسالہ اردو میں دہلی کا آخری مشاعرہ از فرحت اللہ بیگ دیکھ لیجیے - اگرچہ مشاعروں کی قدامت پر روشنی نہیں ڈالی ہے - بہرحال مختلف کتابوں میں تلاش کرنے سے قطرہ قطرہ دریا ہوگا - اردو اور فارسی کے سارے تذکرے دیکھنے چاہییں - ماما بچتڑیاں[2] تو ملنے سے رہیں! باقی خیریت ہے-

والسلام و الدعا

محمود شیرانی

۱- پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی مراد ہیں جو اردو زبان کے پرستار تھے - ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں - سنہ ۱۹۵۵ء میں ۸۹ برس کی عمر میں وفات پائی - (مرتب)

۲- ماما بچتڑیاں ان روٹیوں کو کہتے ہیں جو ملازمہ عورتیں امیروں کے گھروں سے اپنے بچوں کو بھیجتی ہیں یعنی بے مشقت ہاتھ آئی ہوئی روٹیاں، مفت کی روٹیاں - (مرتب)

(۲)

مہندی باغ۔ ٹونک راجپوتانہ
۲۹ اگست ۱۹۴۳ء

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب !

شفقت نامہ عین انتظار میں پہنچا - جب میں نے لاہور کا ارادہ کیا تھا وہ وقت کچھ اور ہی تھا - اتنے میں سامی نامہ شرف ورود لے آیا اور میری تشویش رفع ہو گئی - اب میں کیا دیوانہ تھا جو لاہور آنے کا قصد کرتا - آپ فرماتے ہیں کہ لاہور آج کل جہنم کا نمونہ بن رہا ہے - تو آپ کیوں پڑے ہیں - یہاں تشریف لے آئیے - یہاں حالت یہ ہے کہ گرمیاں اس سال میں نے ندی میں گزاریں - بڑے لطف سے گذریں - راتوں کو نہایت پرلطف موسم ہوتا تھا اور چادر اور دلائی اوڑھنی پڑتی تھی - گرمی کے چند دن میں نے وہی دیکھے جب میں دہلی اور رامپور میں تھا - ٹونک میں ایک رات بھی گرم مجھے یاد نہیں - دہلی سے واپسی کے بعد میں مستقلاً گیارہ بارہ بجے دن کے ندی آ جاتا ہوں - یہاں دریا کے کنارے کے قریب پھوس کا ایک جھونپڑا ڈلوا لیا ہے - آس پاس کھیت ہیں اور بیچ میں مابدولت کا جھونپڑا، ہم جس میں فرعون بے سامان بنے بیٹھے ہیں - دل میں آئی سو گئے ورنہ کتاب دیکھتے رہے یا اپنا کام کرتے رہے - برسات کی وجہ سے منظر نہایت پرلطف ہے - ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو سرتاپا سبز ہے - دوسری طرف ندی ہے جو جنوبی سمت سے آ کر موڑ کھاتی ہوئی شمالی رخ سے ہوتی ہوئی مشرق میں نکل گئی ہے - تازہ ہوائیں ہر وقت چل رہی ہیں - عصر سے خنکی ہو جاتی ہے - رات کو معلوم نہیں کیا حالت رہتی ہے - میں تو مغرب کے وقت یہاں سے رخصت ہو جاتا ہوں اور گھر پہنچ جاتا ہوں - پچھلے چار پانچ روز سے پھر بارش شروع ہو گئی ہے - سرج مہاراج گاہے ماہے گھنٹے دو گھنٹے کے واسطے وہ بھی حاضری دینے کی غرض سے آ جاتے ہیں - میرا خیال ہے کہ ندی کے پانی اور اس کی ہوا نے میری صحت میں بڑا فرق پیدا کر دیا ہے -

انڈکس کے واسطے جناب برخوردار داؤد[1] کا شکریہ - لیکن اب میں ان کا شکریہ کیونکر ادا کروں - کتاب میرے پاس تو شاید اسی وقت آئے گی جب چھپ جائے گی خدا کرے آپ نے کچھ لکھ دیا ہو -

میں نے گلاب سنگھ کے متعلق خصوصاً مینجر کی بابت آں حضرت سے عرض کر دیا تھا لیکن بڑی سرکار[2] میں کچھ شنوائی نہیں ہوئی - اب ان کو خود تجربہ ہو

---

[1] تنقید شعرالعجم مطبوعہ انجمن ترقی اردو کا انڈکس میں نے تیار کیا تھا - (داؤد)
[2] مولوی عبدالحق صاحب -

کیا ہوگا - آں حضرت نے چند مسلمانوں کی روٹی ان سے چھین کر ہندوؤں کے
حوالے کی ہے -

کامون[1] کا بے حد افسوس ہے - آپ میری طرف سے بھی پرسش کیجیے گا - داؤد
اسی حال میں ہے - ٹونک ہی میں ہے - اس دفعہ اس نے ہز ہائی نس کے ساتھ بھی
وہی سلوک کیا جو اس نے اورینٹل کالج کے مشاعرے میں کیا تھا -

مولانا[3] کے متعلق میں سن چکا ہوں - میں نے خط بھی عیادت کا بھیجا تھا
ہاشمی صاحب نے جواب دیا - سر کی پٹی ابھی نہیں کھلی - ڈاکٹر نے کام کرنے سے
بھی روک رکھا ہے - ویسے حالت اچھی ہے - آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ میں
استعفا دے آیا ہوں - برخوردار داؤد کی خدمت میں بابت تیاری اللہ کس بہت بہت
سکریہ - دیگر مشائخ[4] کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام و دعا - والتسلیم

محمود شیرانی

(۳)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ
۱۳ فروری ۱۹۴۴ء

برخوردار داؤد[5]

آپ کے دونوں خط مجھ کو خیریت سے پہنچ گئے - میں ان کا جواب دینا چاہتا
تھا - مجھے جے پور سے آئے چار پانچ روز ہوئے تھے - وہاں دمے کے دورے بالکل بند
ہوگئے تھے - بد قسمتی سے کل رات ساڑھے بارہ بجے رات کے پھر دورہ پڑ گیا - ڈیڑھ دو
گھنٹے سخت تکلیف رہی - ڈاکٹر نے بیس منٹ کے فاصلے سے دو مرتبہ انجکشن کیے
تب کہیں تکلیف میں تخفیف ہوئی - سارا جسم پسینہ میں شرابور تھا اور لرزہ جاری

۱- ہمارا دیرینہ ملازم جو ان دنوں بیمار ہو گیا تھا - (داؤد)
۲- اختر شیرانی مرحوم کا نام بھی داؤد تھا - (داؤد)
۳- مولوی عبدالحق صاحب -
۴- یہاں پروفیسر اقبال صاحب کے صاحبزادگان کو از راہ مذاق ''مشائخ'' لکھا ہے
اسی طرح آیندہ خطوں میں کہیں ''۱۳۷- جی' کے شیوخ'' اور کہیں ''شیوخ
ماڈل ٹاؤن'' لکھتے ہیں - (مرتب)
۵- یہ خط گو میرے نام ہے مگر میں نے اس کے آخری پیراگراف کی وجہ سے شامل
کر دیا ہے - ''فردوسی پر چار مقالے'' کی پروف خوانی کرتے ہوئے ابا جان نے
وہ پرچہ اس میں سے نکال دیا تھا جس میں یہ جلد شیرانی صاحب نے ابا جان کے
نام سے معنون کی تھی - (داؤد)

الگ چھا گیا - چنانچہ آج بھی ایک دن گزر جانے کے بعد لرزہ جسم پر موجود
. میں یہ خط آپ کو بڑی تکلیف میں لکھ رہا ہوں اس لیے خطوں کا جواب ابھی
ری رکھتا ہوں -

ی الوقت آپ اردو کے امتحان ادیب کے لیے تین چار داخلہ کی فارمیں بواپسی ڈاک
کو بھجوا دیجئے، ضرورت ہے - بھولیے نہیں - سخت تاکید ہے - ابا جی کی
ست میں میرا سلام عرض کر دینا - باقی پھر - ایک سو سینتیس جی کے شیوخ کی
ست میں دعا اور سلام - سارہ بیٹی کو دعا -

والدعا

تنقید شعرالعجم کے اشاریے کی طیاری کا شکریہ - مولوی صاحب نے بطور سجدۂ
ہو اس کو ادا کیا ہے -

ابا جی سے دریافت کرنا کہ ''فردوسی پر چار مقالے'' مجھے یاد پڑتا ہے میں نے
ک صاحب کے نام پر معنون کئے تھے - تعجب ہے کہ یہ انتسابی پرچہ اس تالیف
، سے غائب ہے - میں خیال کرتا ہوں کہ یہ انجمن ترقی اردو کا قصور نہیں ہے
ان مقالوں کے پروف خواں کا - اس کے متعلق آپ کا (ڈاکٹر صاحب کا) کیا
ساد ہے ؟

محمود شیرانی

(۴)

ہدی داغ، ٹونک، راجپوتانہ
، دسمبر ۴۴ ۱۹ء

مخدومی محترمی جناب ڈاکٹر صاحب !

میرے ایک عریضہ کا جواب آپ پر قرض ہے - اور یہ اس پر بھی فاضل ہے -
ر سے معلوم نہ ہوا کہ شیوخ ماڈل ٹاؤن کا کیا حال ہے - میں نے لائبریرین کو
ی لکھا ہے اور آپ کی خدمت میں بھی عرض کی ہے کہ میری اشیاء جو کچھ
ئبریری میں ہوں آپ اپنی تحویل میں لے لیں - لیکن اس کا جواب نہ لائبریرین نے
ا، نہ آپ نے دیا - اگر یہ خیال ہے کہ آپ کے پاس سے میری چیزیں گم ہو جائیں
، تو میری گمیں گی نہ آپ کی - پھر آپ کو ان کے رکھنے میں کیا تشویش ہے -

خدا جانے آج کل کے ایڈیٹر کیسے ہیں کہ لوگوں سے مضمون مانگنا اپنی ہتک
سمجھتے ہیں - بے چارے مضمون نگار مضمون لیے اسی انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی
کہیں سے مضمون مانگے تو بھیجیں - مثلاً میں ہی ہوں - اب تک منتظر رہا کہ
ساب ایڈیٹر صاحب اورینٹل کالج میگزین مضمون طلب کریں مگر ان کو پروا بھی

نہیں - مجبوراً خود ہی ذریعہ ہذا بھیج رہا ہوں[1]۔ خدا کرے پسند خاطر عاطر ہو۔

سارہ[2] بیگم کی خدمت میں ہدیہ دعا - مشائخ کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام دعا - عبداللہ پونوی[3] (معلوم نہیں پونا کی نسبت کیا ہوتی ہے) کے خط سے جو حا میں آیا تھا معلوم ہوا کہ ڈاکٹر اسحاق[4] ابھی اطراف میں ہیں - پونوی نے کچھ او بھی لکھا تھا مگر وہ جنی خط میں مرقوم تھا اس لیے میں پڑھ نہ سکا۔

زیادہ تر وجہ عریضہ لکھنے کی آپ کی خدمت میں یہ اطلاع دینی ہے کہ اگرچہ نصف دسمبر گزر چکا ہے صحت کی حالت میں ہوں - اس کا ثبوت یہ مضمون ہے اس سے قبل ذوق و آزاد پر تین قسطیں ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں - جون سے اب تک کوئی دورہ نہیں ہوا - نومبر میں البتہ بخار آ تھا - ورنہ میری صحت عام طور سے اب اچھی رہی - اگر میری صحت کی یہی حالت رہی تو ایک اور مضمون آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا - کرسمس کا زمانہ میرے لیے بھاری ہوتا ہے - اپنی اور بچوں کی خیریت سے جلد اطلاع بخشیے - والتسلیم

محمود شیرانی

مکرر آنکہ مضمون ہذا کے صفحہ ۴ پر میں نے ایک حاشیہ شیر افگن خاں عزت الدولہ پر اپنی یاد داشت سے لکھ دیا ہے - ان کے حالات شفیق نے گل رعنا میں دیے ہیں - گل رعنا کا نسخہ میرے مجموعہ مخطوطات میں ہے - اگر آپ خود یا ذریعہ جناب رہبر وہ حالات گل رعنا سے لےکر میرے حاشیے کے ساتھ میری طرف سے یا ایڈیٹر صاحب کی طرف سے اضافہ کر دیں تو بہت ممنون ہوں گا - یہ بھی یاد رہے کہ روشن الدولہ ظفر خاں پر بھی حاشیہ کی ضرورت ہے - والسلام

محمود شیرانی

(۵)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ
۱۵ اپریل ۱۹۴۵ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب!

عنایت نامے کا جواب جلد دے رہا ہوں - میری خرابی صحت بڑھتی جاتی ہے

۱- یہ مضمون ''محمد شاہ کے عہد میں پنجابی جفت فروشوں کے فساد پر بےنوا سامر کا مخمس'' کے موضوع پر تھا جو ''اورینٹل کالج میگزین'' میں اگست ۱۹۴۵ء کے شمارے میں چھپا - (مرتب)

۲- ڈاکٹر اقبال صاحب کی صاحبزادی - (مرتب)

۳- ڈاکٹر عبداللہ چغتائی جو ان دنوں پونا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں ریسرچ کرتے تھے - (داؤد)

۴- ہمارے سب سے بڑے بھائی - (داؤد)

رات کو بارہ بجے کھانسی اور زکام کا حملہ ہو گیا ۔ دو گھنٹے کے بعد نیند آ سکی ۔ صبح آٹھ بجے سے دل پر درد شروع ہوا ، خاصہ تیز ہوگیا اور اب تک ہے (یہ چار بجے کا وقت ہے ۔ پرانا وقت) کوئی دو گھنٹے سے تخفیف ہے ۔ اب صرف گھرے سانس کے ساتھ معلوم ہوتا ہے ۔ آج ہی بارہ بجے دن کو پھر زکام اور کھانسی شروع ہو گئے ۔ ساتھ ہی بخار ہو گیا ، لیکن ہلکا ۔ اب آپ ہی دیکھیں میری صحت اگر تماشا نہیں تو کیا ہے ۔ اس وقت دل میں یہی سما رہا ہے کہ آپ کی خدمت میں عریضہ لکھوں ۔ اس لیے لکھ رہا ہوں ۔ داؤد آئیں، میری آنکھوں اور سر پر آئیں ۔ میرے لیے تو یہ بڑی نوید ہے مگر میں کیا کروں ۔ وہ آئے اور میرے ضعف صحت کی بنا پر ان کو تکلیف ہوئی تو میں آپ کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا اور اب مجھ میں برداشت کی طاقت نہیں رہی ۔ ادنیٰ سی تشویش اور خیالی تکلیف مجھ کو بہت پریشان رکھتی ہے ۔ اگر وہ آئیں تو پتھر کا دل لےکر آئیں ورنہ میں درخواست کروں گا نہ آئیں ۔ اگر کبھی تقدیر میں ہوگا مل لیں گے ورنہ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

راستہ تو لاہور، دہلی، جے پور، نوائی ۔ نوائی سے ٹونک تک موٹر لاری چلتی ہے ۔ اگر وہ ہر قسم کی مصیبت جھیلنے کے لیے تیار ہو کر آئیں تو مہربانی فرما کر ان کی آمد نوائی کی تاریخ سے مجھے مطلع فرما دیں کہ میں کسی کو بھیج دوں تاکہ راستے میں کسٹم کی زحمت سے کسی قدر مامون ہو جائیں ۔ میں سنتا ہوں آج کل وہ اور بھی سخت ہو گئے ہیں ۔ جب تین سال پیشتر آپ تشریف لائے تھے ہم تین شخص، فضل، میں خود اور منصور، آپ کو لانے کے لیے جے پور پہنچ گئے تھے ۔ آج یہ حالت ہے کہ تینوں میں سے کوئی بھی نہیں آ سکتا ۔ اگر رہبر صاحب آنے کے لیے تیار ہوں تو انہیں اس ماہ کے آخری ہفتے میں آ جانا چاہیے ۔

میری اشیاء کے متعلق عرض ہے کہ آپ لائبریرین سے دریافت کر لیں ۔ اسناد و دستاویزات قدیم (عہد مغل) لائبریری کے کام کی ہیں ۔ اگر وہ ایک روپیہ فی سند دینے کے لیے طیار ہوں تو آپ لائبریری کو دے دیں لیکن نمبر ۸۱ فرمان محمد شاہ بنام فرید شاہ بابتہ سی و چہل بیگہ زمین عشری مورخہ ۴ ذی الحجہ ۱۱۴۳ھ کی قیمت اسی روپے ہے ۔ یہ فرمان معلومہ فرامین میں سب سے قدیم ہے اور جس قیمت پر میں نے خریدا ہے اسی قیمت پر دیتا ہوں ۔ اسی طرح نمبر ۸۹ فتح نامہ یعنی اشتہار گورنر جنرل اشرف الامرا جارج آکلینڈ ناظم اعظم ممالک محروسہ سرکار کمپنی مورخہ ۱۲۵۱ھ فرستادہ ۲۷ اگست ۱۸۳۹ء بنام رنجیت سنگھ ایک تاریخی دستاویز ہے اور میں نے اس کو چالیس روپے میں خریدا ہے ۔ لائبریری اگر یہی قیمت دے، رکھ لے ورنہ یہ حسرتیں آپ داؤد میاں کے ہاتھ میرے پاس بھجوا دیں ۔ ان دستاویزات قدیم کی فہرست

نمبر ۱ سے نمبر ۹۱ تک ہے - اسی طرح سکھوں کے دربار کے مکاتیب ہیں جو نمبر
سے نمبر ۱۸۱ تک ہیں - یہ کاغذات سکھوں کی تاریخ میں ایک حد تک اہم ہیں
ان کی قیمت دو روپے فی کاغذ ہے - اگر لائبریری تمام کے تمام لے، دے دیں - یہ بہتر
کہ چھانٹ کر لے -

خطاطی کے نمونے اور مرقع تصاویر اگر راہبر صاحب لا سکیں لے آئیں ورنہ میر
اور انتظام کر دوں گا -

پتھر لائبریری میں رہنے دیں اگر رکھنا چاہیں ورنہ اپنے پاس منگوا لیں - میر
نہیں چاہتا کہ شیخ لدے پھندے آئیں - میں اگر کوئی چیز رہبر صاحب سے منگوا
تو چاول منگواتا لیکن آج کل ان کا لانا لے جانا نہایت خطرناک ہے - اس لیے میں ا
سے آپ کی وساطت سے استدعا کرتا ہوں کہ تاحین قیام ٹونک چاول کھانے سے پرہ
کریں - اور کھانے کی اشیاء میں سے کوئی چیز نہ لائیں -

پیر جی[1] کا تلطف نامہ آپ کے ملا خطے کے واسطے ملفوف ہے - دیکھ ک
واپس کر دیجیے - میں نے پانچ ہزار چاندی کے سکوں اور تین ہزار تانبے کے سکو
کے دس ہزار مانگے تھے اور یہ موجودہ بازار کے دیکھتے ہوئے سستی قیمت ہے
لیکن انھوں نے اس رقم کا نصف دینا منظور کیا ہے - ایک ادنی امر یہ ہے ک
ٹونک کا روپیہ جسے ریاست ٹونک نے تین سال ہوئے بند کر دیا ہے اور جو انگریز
سکے کے مقابلے میں ہمیشہ پانچ آنے کا بٹہ کھاتا تھا ، آج کل بازار میں صرف چاند
کے لحاظ سے اس کی قیمت ڈیڑھ روپیہ انگریزی ہے - مغلوں اور مغل سکوں کی قیم
تو اس سے بہت زیادہ ہے - میں اس بارے میں پیر جی سے بحث کرنی خلاف اد
سمجھتا تھا - دل کڑا کرکے اور ڈھیٹ بن کر انکار تو کر دیا ہے مگر بے
شرمندہ ہوں اور میں بھی کیا کروں - میری یہ روبہ مزاجی بربنائے احتیاج ہے
چند یوم میں صرف انہی سکوں پر میرے اخراجات کا دار و مدار ہوگا - پروپیگنڈ
فنڈ تو نصف سے زیادہ لاہور ہی میں ختم ہو چکا تھا - باقی کتابوں کی قیمت سے
چار سال گذارے - اب خرچ بڑھ رہا ہے ، صحت تباہ ہو رہی ہے - اب جب نادار
بالکل قریب آ رہی ہے مجبوراً بخیل بن رہا ہوں - اسی کا مجھ کو افسوس ہے اور
بھی ہے -

ہاں ہاں خوب یاد آیا - میں نے بے نوا شاعر پر ایک مضمون پچھلے سال آپ
خدمت میں بھیج دیا تھا - اس میں میں نے اس بیاض کا نمبر ، جس سے میں نے مح
بے نوا نقل کیا ہے ، غلط دے دیا ہے یعنی بجائے نمبر ۲۱۶۴ کے میں نے جم
کی بیاض کا نمبر ۱۴۷۸ دے دیا ہے - اس لیے آپ میری اس حماقت کی تصحیح

۱- خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب (داؤد)

ہیں یعنی نمبر ۱۳۷۸ کاٹ دیں اور نمبر ۲۱۶۳ لکھ لیں ۔ اسی طرح تمام وہ عبارت جو اس بیاض کی صراحت کی حامل ہے کاٹ دیں ۔ بلکہ مجھ کو اس میں بھی شبہ ہے کہ نمبر ۲۱۶۳ کوئی بیاض ہو ۔ میرے خیال میں وہ منظوم قصہ ہے جس کے آخر میں کاتب نے بعض نظمیں شامل کر لی ہیں ۔ انہی میں مخمس بے نوا شامل ہے ۔ یہ مخطوطہ آپ کی لائبریری میں موجود ہے ۔

عبداللہ[1] کا بے حد افسوس ہے ۔ مجھ کو صرف مولانا عبدالحق کے خط سے معلوم ہوا ۔ ابراہیم صاحب نے اب سے بہت قبل ایسے الفاظ میں لکھا تھا جس سے عبداللہ کے لیے بہت کم امید ہو سکتی تھی ۔ معلوم ہوتا ہے وہ ایک خاص ٹرم کے لیے رکھے گئے تھے ، اس مدت کے ختم پر انھوں نے ان کو رکھنا منظور نہیں کیا ۔

مجھے ریل گاڑی اور اس کے اوقات سے اب کوئی واسطہ نہیں رہا ۔ اس شرابی سے اوقات ریل لکھوا کر بھیج رہا ہوں ۔ اس داؤد اور اس داؤد میں کس قدر فرق ہے ۔ لیجیے آداب عرض ہے ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۶)

مہندی باغ ، ٹونک ، راجپوتانہ
۴ اکتوبر ۱۹۳۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب !

تلطف نامے کا جواب دیر میں دے رہا ہوں ۔ سردوں کی کاشت[2] کا طریقہ سیکھنے کے لیے کابل کیوں جائیں ۔ لاہور میں معلوم ہو سکتا ہے ۔ یہاں کابلی کیا کم ہیں؟ ان گردوں میں کوئی پٹھان کام کا نکل آئے گا ۔ جوئندہ یابندہ ۔ لاہور میں باغبانی پر بہت کتابیں ملتی ہیں ان سے پتہ چل سکتا ہے ۔ بیج بے شک آپ بھیج دیجیے میں مقامی خربوزوں کی طرح ان کی کاشت کراؤں گا ۔ اگر موٹی موٹی باتیں معلوم ہو جائیں تو وہی بہت ہیں ۔ مثلاً کاشت کا موسم (میرے خیال میں برسات کے آغاز میں

۱۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب

۲۔ شیرانی صاحب اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں دل بہلانے کے لیے زرعی تجربے کرنے لگے تھے ۔ انہیں خیال ہوا کہ جب ٹونک میں دریائے بناس کی ریتی کے خربوزے اتنے اچھے ہوتے ہیں تو کیوں نہ یہاں سردوں کی کاشت کر کے دیکھا جائے ۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو بیجوں اور طریقہ کاشت کی بابت لکھا تھا (مرتب)

نقل مکتوب مرزا غالب

قبلہ آپ سے رخصت ہو کر بھیگتا بھاگتا بھوکا جاڑا کھاتا پرسوں کو اپنے گھر پہنچا اقربا و احبا کو زندہ و صحیح و سالم پایا الشکر للہ اب ہوں اس سفر میں برابر خستہ و رنجور رہا اتمام سفر اختتام رنج تھا گویا کروں غازی آباد شہر سے سات کوس ہے شب کو وہاں مقام تھا وہیں اصلاح پر آنے لگی قبض و انقباض رفع ہو گیا صحت مع اعادۂ طاقت ہے م در فش کاویانی کا پارسل پہنچتا ہے خدا کے واسطے اس کو دیکھنا دیکھنا جس طرح لطائف غیبی کو دیکھا ہے اس طرح نہ دیکھنا م نقاد ہو تم بھی داد نہ دو گے تو کون دے گا یہ کتاب نہیں گنج معنی اسرار ۔ ن قال سے قطع نظر ما قال کو دیکھو ۔ بید سنگاہ

اسداللہ ۱۱ جنوری

(۲)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۱۸- دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء

مخترمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ گذرا جب سے آپ کا تلطف نامہ شرف و جواب کا منتظر ہے لیکن مجھ کو اب تک جواب کی توفیق نہ ہوئی ۔ ستاتا رہا ۔ میں کیا سارا شہر ٹونک بخارا بنا ہوا تھا ۔ اب بھی سردی گذر جانے کے باوجود شہر میں بخاری بکثرت موجود ہیں ۔ اموات بھی ہوئی ہیں لیکن میں تو کھائی سے نکل کر کنویں میں گرا ہوں یعنے کے دوروں میں مبتلا ہوں ۔ بخار ، کھانسی ، بلغم اور شب بیداری کا دو دن کو گھنٹے دو گھنٹے کے واسطے سو سکتا ہوں ۔ ابھی سخت دورے ہوئے لیکن سبھا جا رہا ہوں ۔ جس زندگی پر موت کو ترجیح دی جائے ہے ۔ دم ٹوٹ ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور موت نہیں آتی ۔ گویا عالم نزع وامتداد بھی ہم غریبوں کی زندگی کا حصہ ہے ورنہ

ع : مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

اب چند روز سے بہرا بن گیا ہوں ۔ معلوم نہیں کہ یہ حالت عارضی ہے یا

گرامی نامے کا جواب اگر میں فوراً ہی دے دیتا تو سخی سے بھ ترت دے جواب کا مصداق ہوتا ۔ ظاہر ہے کہ میری حالت اب مضمون قابل نہیں رہی ہے لیکن مجھ کو شرم آئی کہ آپ کی پہلی فرمائش کا جو

دن اس لیے میں مضمون سوچتا رہا ہوں - آخر ایک مضمون ہاتھ آیا اور کیا مضمون ہاتھ آیا - خدا کرے بن جائے - آپ کو یاد ہوگا مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے دیوان ذوق ترتیب دیا تھا جو شاید سنہ ۱۸۸۸ء میں پہلی مرتبہ چھپا ہے - میں اس دیوان پر کچھ تبصرہ کرنا چاہتا ہوں - اس سلسلہ میں بعض غزلیات کے مسودوں کا عکس بھی مضمون کے ساتھ چھپے گا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ اس دیوان ذوق میں غزلیات کا جدید ذخیرہ دیا گیا ہے اور جو دیوان ذوق مرتبہ حافظ ویران (طبع احمدی پریس ، سنہ ۱۲۷۹ھ) میں شامل نہیں - اس کا اکثر حصہ مشتبہ یا کچھ حصہ خود مولانا آزاد کا طبع زاد ہے جس کو استاد ذوق سے کوئی واسطہ نہیں - آپ مہربانی فرما کر مجھ کو وقت کا پابند نہ کیجیے - میری موجودہ صحت کی حالت اس قابل نہیں جس سے ضبط و پابندی کی توقع کی جا سکے - بہرحال مضمون جب طیار ہوگا - خدمت گرامی میں ارسال کروں گا - النکتی کے سلسلہ میں آپ کی تصحیح کا بہت بہت شکریہ - میں بدقسمتی سے اس کو تخلص خیال کرتا رہا - جائے استاد خالیست -

شمس العلما عبدالغنی کی تالیف "مغلوں کے دربار میں فارسی زبان و ادب کی تاریخ" میری نظر سے نہیں گذری - مرحوم قاضی فضل الحق نے اس کا ذکر ضرور کیا تھا - اب آپ کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی نور علیٰ نور ہو گی - محترم پروفیسر کی تالیفات نقل محض سہی لیکن دنیا سے خراج تحسین وصول کرنے کا ڈھب ان کو یاد ہے - ہمارے آپ کے باوجود وہ شمس العلما بنا دیئے گئے ہیں - شعر بھی عالم بالا معلوم - قدر دانی تو ہوئی والتسلیم

محمود شیرانی

(۳)

Room No. 6, Cubical Ward N. W
Lady Willingdon Hospital,
Jaipur (Raj.)

۲۰ - جنوری سنہ ۴۴ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

یہ آپ کے ۲۳ - دسمبر کے تلطف نامہ کا جواب ہے - اس اثنا میں مجھ پر جو مصیبت گذری خدا دشمن کو نہ دکھائے - آخر حالت یہ ہوئی کہ روزانہ ضیق النفس کے دورے ہونے لگے اور زندگی دشوار ہو گئی - ۱۲ ماہ حال کو یہاں آیا اور بائیس کو ہسپتال میں داخل ہو گیا - یہاں پہنچنے کے بعد ۲۱ - ۲۲ اور ۲۳ کو فقط دورے ہوئے - چوبیس سے آج ستائیس تک کوئی دورہ نہیں ہوا - ویسے عام حالت اچھی ہے -

آگے خدا مالک ہے - آج اتنی سدھ تو ہوئی کہ خط لکھنے کی ہمت کر سکوں اور یہ پہلی ہمت ہے -

میرے دمہ کو یہاں کے ڈاکٹروں نے Bronchial asthma تجویز کیا ہے - طاقت کے لیے گلوکوس دے رہے ہیں - مرض کی دوا پہلے دو روز میں ہضم نہ کر سکا اور قے کر دی - اب اگرچہ دیر تک امتلا رہتی ہے لیکن ہضم ہو جاتی ہے - کل N A.B. 15 gram کا ہاتھ اور ران پر انجکشن کیا ہے - اس سے دو روز قبل ایکس رے کیا گیا - آج کارڈو گراف ہوا - یہاں آج کل ایک جرمن یہودی ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں - لوگ ہیلک صاحب کہتے ہیں - وہ بھی ہماری وارڈ کے ڈاکٹر راج نرائن کے ساتھ منضم کر دیئے گئے ہیں - اس طرح ہیلک صاحب میرے علاج میں شریک غالب ہیں اور باتیں جو میں ان سے پوچھتا ہوں بتاتے نہیں - کہتے ہیں کہ تمہیں اس سے کیا - میرے لیے یہی تسلی ہے کہ آئے دن کے دوروں سے چھوٹا - آگے خدا مالک ہے -

آپ کے دوست نے جو دوا تجویز کی ہے کیا وہ میرے دمہ کے واسطے مفید ہے ؟

گذشتن اور گذاشتن کے واسطے اس قدر عرض ہے کہ اہل ہند غزنہ اور ماوراالنہر کی تقلید میں 'دال' کے ساتھ گذشتن و گذاشتن لکھتے اور پڑھتے تھے - اسی طرح اور الفاظ ہیں جو 'دال' کے ساتھ لکھے جاتے تھے - مثلاً نفاذ ، تعویذ وغیرہ - لیجیے آداب عرض ہے - میرا نام اور پتہ انگریزی میں لکھئے گا - والتسلیم

ایچ - ایم شیرانی
H. M. Shairani

(۴)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۲۳- فروری سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

یہ آپ کے تلطف نامہ مورخہ ۳۰- جنوری کا جواب ہے - میں جے پور سے آٹھ دس یوم ہوئے ٹونک آ گیا ہوں - وہاں طبیعت اچھی رہی - انھوں نے پہلے N.A.B. 15 gr. کا انجکشن کیا - اس کے ایک ہفتہ بعد N.A.B. 30 gr. کا انجکشن دیا جس سے چار روز متواتر بخار آیا - پھر میں ٹونک آ گیا - یہاں آ کر دو تین روز طبیعت درست رہی - اس کے بعد پھر دورہ ہو گیا - یہ دورہ نہایت سخت تھا - تین گھنٹے اور دو انجکشن کے بعد کہیں ختم ہوا - تاہم جسم تین چار دن تک کانپتا رہا -

ن برا اثر ہوا ۔ تب سے دل پر دورے الگ ہونے لگے ہیں ۔ تین دن تک
دیر تک ڈوبتا رہا ۔ اب تخفیف ہے ممکن ہے کہ موسم کی تبدیلی کے بعد
ف ہو جائے ۔ ایک بات بالکل صاف ہے کہ ان خاص انجکشنوں سے کوئی
ں ہوا ۔ مجھے دورے بھی پڑتے ہیں ۔ ایک امید ہے کہ سردی کے موسم میں
ر پر ہوں جہاں کہ سردی نہ پڑتی ہو جیسے بمبئی پونا وغیرہ تو شاید میں
ں سے محفوظ رہوں آگے خدا کی مرضی ۔ ہاں وہ کھیر والا نسخہ بھی استعمال
۔ کھیر کھانا تو میرا حق ہے کیونکہ میں حافظ ہوں ،مگر شرط یہ ہے کہ
یر نہ ہو بلکہ اگر ضرورت ہو تو میں آپ کے دوست کی خدمت میں مع کھیر
نے کو طیار ہوں ۔ سنتا ہوں کہ مہاراجہ ریوا [ں] بھی دمہ کے مریضوں
خاص تاریخ میں جمع کرکے کسی دوا کے ساتھ کھیر کھلایا کرتے ہیں
ر میں بھی مجھ کو وہاں جانے کے واسطے کسی نے مشورہ دیا تھا ۔

ں کی فرہنگ کے کسی مخطوطہ کا ذکر نہ تو میں نے اپنے کسی مضمون
ہے ، نہ ہی میں کسی عمدہ مخطوطہ سے واقف ہوں ۔ البتہ بعض کتب خانوں
، میں شاید اس کا بیان دیکھا ہے ۔ اب وہ بھی یاد نہیں کہ کونسی فہرست
ا تھا ۔ میں آپ کے ساتھ اس کے نئے مرتبے کے واسطے متفق ہوں ۔ یہاں کے
وں میں اگر کوئی نسخہ ہوا تو میں آپ کی خدمت میں اطلاع بھیج دوں گا ۔

قابل گذارش ضروری امر یہ ہے کہ الہ آباد یونیورسٹی کی لائبریری
، ہے غدر سے قبل کی اردو کی ایسی بیاضیں موجود ہوں جن میں استاد ذوق
درج ہو ۔ اگر ایسا ہے تو میں ذوق کے ایسے کلام سے واقف ہونا چاہتا
ہوصاً اس حصہ کلام سے جو ان کے دیوان میں درج نہیں ۔ میرا خیال ہے
آزاد نے ذوق کا کلام جمع کرنے میں زیادہ محنت سے کام نہیں لیا ہے اور
ے ذرائع موجود ہیں جن میں ان کا غیر مطبوعہ کلام دستیاب ہو سکے گا ۔
ہد کے اخبارات ، تذکرے اور بیاضیں وغیرہ ۔ اس کے لیے آپ اپنے کسی
۔ لگا دیں تو بہت اچھا ہوگا ۔ مولانا طفیل احمد صاحب کے کتب خانہ سے
ھ امداد ضرور ملے گی ۔

ے آداب عرض ۔ میں بالکل تھک گیا ہوں ۔ لکھنے سے انگلیاں دکھنے لگتی
کھیں پتھرانے لگتی ہیں ۔ والتسلیم

آپ کا نیاز مند

محمود شیرانی

(۵)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۱۲- مارچ سنہ ۴۴ ۱۹ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ اب بفضلہ تعالی میری طبیعت بالکل درست ہے ۔ یہ موسم کی تبدیلی کا اثر ہے ۔ پچیس چھبیس روز سے کوئی دورہ نہیں پڑا ۔ البتہ ہاتھ تحریر کے وقت کانپنے لگتا ہے ۔ میں نے کام تو شروع کر دیا ہے لیکن صبح اور شام دو دو گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتا ۔

ذوق کے سلسلہ میں عرض ہے کہ میں نے قبل از سنہ ۵۷ء کی تالیفات و مطبوعات کے سلسلہ میں مجموعہ نغز قدرت اللہ خاں قاسم تالیف سنہ ۱۲۲۱ھ ، گلشن بے خار ، طبع دوم ۱۲۵۹ھ ، طبع اردو اخبار دہلی ، آثار الصنادید سید احمد خاں بہادر طبع ۱۸۴۷ء ، طبقات الشعرا از کریم الدین ۱۸۴۷ء وغیرہ کو دیکھ لیا ہے ۔ ان میں بعض ایسا کلام ذوق کا ملا ہے جو آزاد کے دیوان ذوق میں شامل نہیں ۔ اسی طرح حدائق البلاغت کے اردو ترجمہ میں صہبائی نے ذوق کا ایک قطعہ ایسا دیا ہے جو موجودہ دیوان میں درج نہیں ۔ میرا خیال ہے کہ اس بارہ میں بیاض زیادہ مفید ثابت ہوں گی ۔

ایک تکلیف اور دینا چاہتا ہوں یعنے لفظ ''پنڈارہ'' کی تحقیق کی ضرورت ہے ۔ یہاں میں ہر قسم کی کتابوں سے دور ہوں ۔ انگریزی تاریخیں یہاں نہیں ملتیں ۔ وہاں شاید یونیورسٹی لائبریری میں امیر نامہ انگریزی مل جائے ۔ اس کا مترجم غالباً پرنسیپ؟ ہے اور غالباً اوریئنٹل ٹرانسلیشن فنڈ میں شائع ہوا ہے ۔ بساون لال اس کا مصنف ہے ۔ اس ترجمہ میں شاید پرنسیپ نے دیباچہ میں 'پنڈارہ' کی اصل پر کچھ روشنی ڈالی ہو ۔ اس کے علاوہ ہابسن جانسن ملاحظہ فرما لیجیے ۔ باقی انگریزی تاریخوں میں پنڈاروں کا ذکر کافی آتا ہے ۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا نواب امیر خاں بانی ریاست ٹونک پنڈاروں میں شمار ہوتے ہیں ؟ اگر مرہٹوں کے تابعین پنڈارے کہلاتے ہیں تو پھر وہ تمام فرنگی جو ان کے ملازم تھے پنڈاروں میں کیوں نہیں شمار کیے جاتے ، جن میں فرانسیسی اور انگریز بھی شامل ہیں ۔ مجھے یہاں کے بعض مصنفین سے معلوم ہوا ہے کہ کمپنی نے جو عہد نامہ امیر خاں کے ساتھ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یا شق میں درج ہے کہ نواب امیر خاں آئندہ پنڈاروں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں ۔ لیجیے آداب عرض ۔

والتسلیم
محمود شیرانی

(۶)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۳۱- مارچ سنہ ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

ہوبسن جوبسن کے شذرہ کے واسطے میری دلی ممنونیت قبول فرمائیے - مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ کام خود آپ کو کرنا پڑے گا- میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ کسی شاگرد سے فرماویں گے - آپ کا وقت نہایت قیمتی ہے ، ان کاموں میں ضائع نہیں ہونا چاہیے -

یہ شذرہ اگرچہ نواب امیر خاں کے متعلق خاموش ہے مگر ایسٹرن راجپوتانہ گزیٹیر اور امپیریل گزیٹیر میں بڑے شد و مد کے ساتھ ان کو پنڈارہ بلکہ سخت قسم کا پنڈارہ بیان کیا ہے - میں نے پرنسیپ کا امیر نامہ انگلستان میں پڑھا تھا پر یہ یاد نہیں رہا کہ انہیں اس میں پنڈاری کہا ہے یا کیا ؟ پرنسیپ تو تقریباً امیر خاں کا ہمعصر ہے - عہد نامہ کی روایت تو قطعاً درست ہے - وہ کئی تاریخوں میں ملتا ہے - اس میں صاف لکھا ہے کہ امیر خاں پنڈاروں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھیں - ہابسن جابسن کے مطابق تو امیر خاں پنڈارہ نہیں کہے جا سکتے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اہل ہند انہیں پنڈارہ کہتے ہیں اور اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے - یہی نہیں بلکہ والیان ٹونک کی خاندانی روایت بھی اس عقیدہ کو مضبوط کرتی ہے - میں جب سنہ ۱۹۱۳ء میں لندن سے واپس ٹونک آیا تو کسی بنا پر مجھے محمد ابراہیم علی خاں مرحوم کی ، جو اس وقت والی ٹونک تھے ، دعوت کرنی پڑی - دعوت کے موقع پر نواب موصوف کے مصاحبین خاص میں سے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم سرکار (H. M.) سے یہ بات ضرور کہنا کہ انگریز لوگ حضور سے بہت ڈرتے ہیں اور ڈاکو صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں- سرکار اس ذکر سے بہت خوش ہوں گے - میں تو خاموش رہا لیکن جس وقت سرکار کھانا کھا رہے تھے ، ان کے مصاحب نے میری طرف اشارہ کرکے عرض کی کہ حضور ! یہ کہتے ہیں کہ انگریز لوگ حضور سے بہت ڈرتے ہیں اور آپ کو ''ڈاکو صاحب'' کہتے ہیں - یہ فقرہ سن کر نواب بہت خوش ہوئے اور مجھے پوچھنے لگے کیوں جی ! ہمیں ڈاکو صاحب کہتے ہیں - میں اس زٹل کا کیا جواب دیتا - مسکرا کر خاموش ہو گیا—یہاں کئی امیر نامے ملتے ہیں - آپ کے ہاں جو امیر نامہ ہوگا ، بساون لال شاداں کا ہوگا جو امیر خاں کا مورخ خاص ہے - اس میں امیر خاں کے پنڈارہ کہلائے جانے کی بابتہ کوئی روایت نہیں -

یہاں آج کل موسم نہایت غیر معمولی ہے - برسات اور سردی مل کر آ گئے ہیں -

بارش ایک ہفتہ سے تقریباً روزانہ ہو رہی ہے - آندھیاں بھی آ رہی ہیں - دو مرتبہ اولے پڑ چکے ہیں - رات کو سردی بے حد ہو جاتی ہے - اس ہفتے میں تین رات متواتر رات کے دو بجے میرا سانس اٹھتا رہا - رات کو بھی بری حالت تھی مگر غنیمت ہے کہ دورہ تک نوبت نہ آئی - ان راتوں کو میں نہ بیٹھ سکتا تھا اور نہ سو سکتا تھا بلکہ سانس ابھی تک درست نہیں ہوا -

میں آپ کی خدمت میں مولانا آزاد کے وہ اصل مسودے ، جن کی تعداد نو عدد ہے ، ذریعۂ ہذا ارسال کر رہا ہوں - یہ تقریباً چودہ غزلوں کے مسودے ہیں ، جو سوائے ایک کے جو ردیف نون سے تعلق رکھتی ہے ، سب کی سب ردیف 'یا' میں شامل ہیں اور دیوان ذوق مرتبہ مولانا آزاد میں ص ۲۲۶ سے ص ۲۳۵ تک ملی ہیں - ان کی فہرست حسب ذیل ہے :

صفحہ ۲۲۶ : خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے
صفحہ ۲۲۶ : مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے
صفحہ ۲۲۷ : چشم قاتل ہمیں کیونکر نہ بھلا یاد رہے
صفحہ ۲۲۸ : تدبیر نہ کر فائدہ تدبیر میں کیا ہے
صفحہ ۲۲۹ : پریرو کیا ستمگر پیش تر ایسے نہوتے تھے
صفحہ ۲۲۹ : نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے
صفحہ ۲۳۰ : برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی
صفحہ ۲۳۱ : حد رقم سے وصف جبین ہے صنم ، پرے
صفحہ ۲۳۲ : ذکر مژگاں تیرا جس کے رو برو نکلا کرے
صفحہ ۲۳۲ : خم ابرو ترا جب یار نظر آتا ہے
صفحہ ۲۳۴ : دکھلا نہ خال ناف تو اے گلبدن مجھے
صفحہ ۲۳۵ : مار کر تیر جووہ دلبر جانی مانگے
صفحہ ۲۳۵ : تدیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے
اور صفحہ ۱۳۷ پر ردیف نون کی غزل : ع
ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارت گر کے جھگڑے ہیں

ان غزلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہی پختگی اور صفائی ، جو ذوق کے کلام کی خصوصیت ہے ، موجود نہیں - نہ ان میں سے کوئی غزل حافظ ویران کے دیوان ذوق طبع ۱۲۷۹ھ میں ملتی ہے - نہ ان مآخذ اور تذکروں میں ان کا کوئی شعر ملتا جن میں ذوق کا کلام درج ہے —ردیف نون کی غزل مذکورہ بالا پر آزاد نے لمبا چوڑا حاشیہ بھی لکھا ہے جس کا مقصد ہے کہ یہ غزل بادشاہ کو

ے حد پسند تھی - بہت زور لگایا کہ چھین لیں مگر استاد نے نہیں چھوڑی نہیں چھوڑی۔
س کا مقطع بھی بے چارے ظفر کو ، جن کے چاروں دیوان آزاد نے استاد کے
حوالے کر دیئے ہیں ، رسوا کر رہا ہے - وہ مقطع ہے :

ذوق مرتب کیونکہ ہو دیوان شکوۂ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے میں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

لیکن یہی مقطع جس طرح بار بار کاٹ چھانٹ کر بنایا گیا ہے ، کچھ اور ہی
سہ کہہ رہا ہے جیسا کہ آپ اس غزل کے مسودہ میں دیکھیں گے -

حافظ ویران کے دیوان میں ایک غزل کا صرف مطلع اور مقطع دیا ہے - آزاد کے
۔وان میں مطلع اور مقطع کے درمیان سات اور شعر ملتے ہیں جن میں سے ایک شعر
کو ، جو صفحہ ۲۱۱ کی ابتدا میں آتا ہے ، آزاد نے درست کیا ہے و ہوا ہذا :

تیغ قاتل سے رہے جو قتل کے دن بے نصیب
عید کے دن کو نہ کیوں عاشورہ کا وہ دن کرے

اپ انہی مسودوں میں یہ شعر دیکھ سکیں گے - ان غزلوں کی جو آزاد نے ذوق
کو ہدیہ کی ہیں ، خاصی تعداد ہے ان کے متعلق خود آزاد کو اقرار ہے کہ عالم
شباب کا کلام ، نظر ثانی نہیں ہوئی - یہ یا اور ایسے ریمارک والی غزلیں میرے نزدیک
مشتبہ ضرور ہیں والعلم عنداللہ -

یہ یاد رہے کہ یہ مسودے مولانا آزاد کے قلم میں ہیں اور میرے پاس ان کے
سرہ آغا باقر سلطانی ایم - اے کے ذریعہ سے آئے ہیں - باقر میرے شاگرد ہوتے ہیں -
پہلی دفعہ سنہ ۴۲ء میں جب میں لاہور گیا ، ایک روز چاء کے بہانے سے وہ مجھے
ے ہاں لے گئے اور مولانا آزاد کے وقت کی پرانی ردی ، جس کے تین چار ڈھیر لگے
ہوئے تھے ، مجھے دکھائی - پانی دھوپ اور گرد سے یہ کاغذات بالکل سیاہ ہو رہے
ہے - میری ہمت نہ ہوئی کہ اس ردی کے ورق ورق کا جائزہ لوں لیکن ان کے
اصرار پر کہ جو کاغذ چاہوں لے سکتا ہوں ، اور میں انہی دنوں آب حیات پر تنقید
کی دو تین قسطیں لکھ چکا تھا ، اس لیے آب حیات کی وجہ سے مجھے ان کاغذات میں
دلچسپی پیدا ہوئی کہ شاید کوئی کام کی بات معلوم ہو - لہذا تلاش شروع کر دی
رر مجھے چند ایسے خط بھی ملے جو آب حیات کے متعلق تھے - میں نے انہیں چھانٹ
کر الگ رکھنا شروع کیا - اتنے میں آغا صاحب کی نیت میں فتور آ گیا چنانچہ
نہوں نے ان خطوط کو پڑھ کر واپس لے لیا - بولے کہ تنقید آب حیات میں آپ نے
کونسی کسر اٹھا رکھی ہے ، اگر یہ خطوط بھی آپ کے پاس پہنچ گئے تو خدا جانے
کیا قہر ڈھائیں گے - میں نے کہا بھائی نہ دو ، رکھ لو میرا مقصد تو علمی خدمت ہے

اور بس - اب میں جو کاغذ نکالتا ، وہ نہایت غور سے دیکھتے۔ اکثر کو واپس لے لیتے ا
بعض کو ردی سمجھ کر مجھے دے دیتے۔ چنانچہ اکثر ردی ہی میرے ہاتھ لگی - مثلاً مف
مطابع کی یک ورق فہرستیں ، ترکستان خیوا تاشقند وغیرہ کے کاغذات - ایسے کاغذا
میرے پاس پہلے بھی بہت سے تھے جو منشی من پھول میر منشی گورنمنٹ پنجاب ـ
گھر سے آئے تھے - اس لیے اس قسم کے کاغذوں میں بھی مجھے دلچسپی ہوئی
فہرستوں میں ایک دلچسپی کا امر یہ ہے کہ بلاک مین آنجہانی کے کتب خانہ ؛
فہرست ہے جو قلمی اور مطبوعہ کتابوں پر شامل ہے - کتابوں کی تعداد پانسو سا
سو کے قریب ہوگی - بلاک مین کی جائیداد کا ایڈمنسٹریٹر انہیں فروخت کرنا چا
تھا ، مولانا آزاد خریدنا چاہتے تھے لیکن روپوں کی جگہ پیسے دام لگائے اس لیے سو
نہ پٹا - بہر حال بلاخمنن کے کتب خانہ کی فہرست قابل قدر ہے - معلوم نہیں و
مکمل بھی ہے یا نہیں لیکن مولانا کے اپنے قلم کی بنی ہوئی ہے اور قیمتیں بھی ا
پر چڑھیں ہوئی ہیں - یہ امر شاید عام طور پر معلوم نہیں کہ آزاد کتابوں کی حصو
قلمی کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے -

آمدم برسر قصہ اس وقت نہ آغا باقر نے اور نہ میں نے ان کاغذات کی اہمیت ک
سمجھا شروع میں یہی خیال رہا کہ استاد ذوق کے مسودے ہیں ، لیکن سیاہی اور کا
نے اس خیال کی مخالفت کی - ایک دن میں نے آزاد کے مرتبہ اڈیشن دیوان ذوق ک
ساتھ ان غزلوں کا مقابلہ کیا اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب یہ معلو
ہوا کہ ذوق کی غزلیں اور ان کا مسودہ مولانا آزاد سنہ ۱۸۸۷ء میں طیار کر رہے
ہیں -

ع : بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

اب اس قیاس پر پہنچا کہ آزاد نے ، جو خود بھی شاعر تھے ، استاد کے دیوا
کی ناقص حالت دیکھ کر اپنی غزلیں استاد کے حوالے کر دیں - استاد نوازی او
استاد پرستی کی اس سے بہتر کیا مثال ہو سکتی ہے - چونکہ یہ غزلیں ذوق کی شاعری
کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتیں اس لیے بطور دفع دخل مقدر کہہ دیا کہ ابتدائی
کلام ہے ، نظر ثانی سے محروم ہے وغیرہ وغیرہ -

ان غزلوں کے عنوان میں بجائے 'بسم اللہ' آپ 'اللہ وعلی' لکھا ہوا دیکھیں گے ،
یہ اس بنا پر ہے کہ وہ شیعہ عقائد کے جوشیلے پیرو ہیں - ان کے والد مولانا محمد باقر
شیعہ اور سنیوں میں رواداری کی بنا پر شیعہ حلقوں میں نہایت مطعون تھے - یہاں
تک کہ شیعوں نے ان کو اپنے مذہب اور برادری سے خارج کر دیا تھا بلکہ غدر
کے زمانہ میں انگریزوں کے ہاتھوں سے ان کا قتل بھی بقصاص پرنسپل دہلی کالج اسی
منافرت کا ایک شاخسانہ ہے - مولانا آزاد اس بارہ میں اپنے والد کے بالکل برخلاف

ہیں۔ باوجودیکہ ادبیات میں ان کا درجہ بہت بلند ہے ، وہ اپنا مذہب کبھی نہیں بھولتے ۔ اسی اثر میں انہوں نے اپنی مشہور تالیف آب حیات میں کسی سنی کو فروغ پانے نہ دیا ۔ بہترین نشستیں شیعوں کو دی ہیں ۔ اگر مجبوراً کسی سنی کا مدکور لانا پڑا ہے تو اس سے مقصد اس کی تضحیک و توہین ہے مثلاً مرزا جانجاں مظہر ، شاہ مبارک آبرو اور مصحفی کے نام سرداستان لیے جا سکتے ہیں ۔ پہلے اڈیشن میں مومن خاں کو جگہ نہ دی ، اور جب سب طرف سے مولانا پر لے دے ہوئی تو عذر گناہ بدتراز گناہ کہا کہ آدمی کسی مجلس میں بیٹھا ہوا اسی وقت بھلا معلوم ہوتا ہے جب وہ اس مجلس کا اہل ہو ۔ گویا آزاد کے نزدیک مومن خاں آب حیات کے مشاہیر کی صف میں جگہ پانے کے قابل نہ تھے ۔ لیکن بھی آزاد میر حسن کے والد میر ضاحک کو اپنی تصنیف میں قابل عزت جگہ دیتے ہیں حالانکہ ضاحک کے متعلق ان کو کوئی معلومات نہیں ۔ نہ ان کے کلام سے واقف ہیں لیکن سادات پرستی کے جوش میں مومن خاں سے اعراض کرتے ہیں اور ضاحک کو اچھالتے ہیں ۔ میاں ابراہیم ذوق کا ، جو بظاہر سنی معلوم ہوتے ہیں ، ہمارے مولانا مذہب چھپا گئے اور کہہ دیا کہ ان کے مذہب کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوا ۔

میں یہ کاغذات شاید قبل از وقت بھیج رہا ہوں ۔ اس سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ آپ ان میں سے جس جس کا عکس لینا چاہیں ، لے لیں ۔ دوسرا یہ ہے ، اور اس کے ساتھ میری درخواست بھی شامل ہے کہ آپ ان کاغذات کو ملاحظہ فرما کر اور آزاد کے دیوان ذوق کے ساتھ مقابلہ کرکے بذات خود کوئی رائے قائم کریں ۔ ممکن ہے کہ میری رائے غلط ہو ۔ اب مجھ کو افسوس آتا ہے کہ میں نے اور ایسے کاغذات کیوں نہ اکٹھے کر لیے ۔

آپ مہربانی فرما کر جب ان کے مطالعہ سے فارغ ہو جائیں ان کو واپس کر دیجیے تاکہ ان کی بنیاد پر میں اپنا مضمون طیار کر لوں ۔ طوالت کی معافی مانگ کر رخصت ہوتا ہوں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۷)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۱۵- اپریل سنہ ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

مرحمت نامہ شرف صدور لا کر موجب سرفرازی ہوا ۔ آزاد کے مسودوں کے متعلق عرض ہے کہ جہاں تک مجھے علم ہے یہ کاغذات خود مولانا کے اپنے قلم

میں ہیں ۔ ان کے طرف دار ، جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ، کچھ اسی قسم کے عذر تراشیں گے مگر ایسا روکھا پھیکا کلام ذوق کی طرف کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے ۔ اس میں مولوی مدن والی بات کہاں ، خالی ڈاڑھی بڑھا لینے سے کیا ہوتا ہے ۔ ذوق جس چیز کے لیے مشہور ہے وہ یہاں بالکل مفقود ہے ۔ حضرت نے کمال یہ کیا ہے کہ بطور دخل[1] مقدر ایسی غزلوں کو بچپن کا کلام بیان کیا ہے ۔ گویا جب فتح مند لشکر کے سپاہی ان کے بھرے گھر میں گھسے ہیں ، اس وقت آزاد نے استاد کی غزلوں کا وہی جنگ اٹھایا جس میں ان کے بچنے کا کلام تھا ۔ لیکن یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ ایسا بے ذوق اور غیر دلچسپ کلام خود حضرت مولانا کی ملک معلوم ہوتا ہے ۔ آخر وہ خود بھی شاعر تھے آزاد تخلص کرتے تھے اور ذوق کے شاگرد رشید تھے ۔ بلکہ ان کا جس قدر کلام معلوم ہے اور جو نیچرل شاعری کی بنا پر پنجاب میں دیر تک داخل نصاب رہا ہے وہ بھی اسی قدر بے مزہ ، خشک اور غیر شگفتہ ہے جس قدر یہ غزلیں ہیں ۔ بہر حال آزاد کا یہ تبرک ، دیوان ذوق کی ردیف 'الف' و 'نون' و 'یا' میں تو قطعاً موجود ہے ۔

مولانا آزاد کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنی تحریر کی نظم ایک طرف نثر میں بھی پوری پوری قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کیا کرتے تھے ۔ میں نے جو نمونے دیکھے ہیں ان میں ایک ایک فقرہ پر پانچ پانچ مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ عمل جراحی کیا گیا ہے ۔ یہی کیفیت ان غزلوں کے مسودوں کی ہے ۔ ایک ایک مصرع کو کئی کئی بار بنایا ہے پھر بھی اطمینان نہ ہوا تو پریس کی کاپی میں درست کیا ہے ۔

عکس کے واسطے گذارش ہے کہ ردیف نون کی غزل تو بے حد ضروری ہے ۔ اس پر ہمارے مولانا نے کسی قدر حاشیہ آرائی بھی کی ہے جو مزیدار ہے ۔ ''اس غزل کے واسطے پادشاہ میں اور استاد میں خوب خوب رسہ کشی ہوئی مگر استاد نے بھی نہیں چھوڑی ۔ حکیم احسن اللہ خاں طبیب شاہی تھے ۔ دیوان ظفر مرتب کرکے چھپواتے تھے ۔ مطبع سلطانی انہی کے اہتمام میں تھا ۔ وغیرہ وغیرہ میرے پاس دیوان دوم ظفر مطبع سلطانی (سنہ ۱۲۶۶ھ مطابق سنہ ۱۳ جلوس معلی ۔ سنہ ۱۸۵۰ء) کا چھپا موجود ہے ۔ خاتمہ میں دیوان کا کاتب نثار علی نثار لکھتا ہے:

''ہر چند جناب عضدالدولہ بہادر حکیم غلام نجف خان در تصحیح این دیوان کمر ہمت برمیان بستند و شہباز نظر را برصید الفاظ بر گماشتند . . . الخ'' جس سے تو

۱۔ غالباً بطور دفع دخل مقدر لکھنا مقصود ہوگا ۔ سہواً ''دفع'' کا لفظ لکھنے سے رہ گیا (ع ص)
(یہ عبارت خط کے حاشیے پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم نے پنسل سے تحریر فرمائی ہے (مرتب)

معلوم ہوتا ہے کہ دیوان ظفر حکیم غلام نجف خاں کے زیر اہتمام چھپ رہا تھا۔ بہر حال مولانا کے حاشیے پر حاشیہ کا موقعہ نکل آئے گا۔ آپ کے پاس مطبع سلطانی کی مطبوعہ کتابیں شاید لائبریری میں نکل آئیں جن سے مہتمم مطبع سلطانی کا نام معلوم ہو سکے۔

دوسری غزل دیوان ذوق مرتبہ آزاد (طبع سنہ ۱۹۲۲ء) میں صفحہ ۲۲۹ پر ملتی ہے۔ اس کا مطلع ہے:

نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے
نکالے پر ہے مثل ماہی تصویر پہلو سے

آزاد کے مسودوں میں یہ غزل نرنجن داس، اسکاچ مشن سکول سیالکوٹ، کے مضمون تعلیم کے تیسرے ورق کی سادہ پشت پر تحریر ہے۔ اس غزل کا نمبر مولانا نے ششم دیا ہے، مطلع پر ۱ کا ہندسہ ہے، جو یوں ہے:

نہ کھینچو عاشق حیرت زدہ کے تیر پہلو سے
نکالے پر ہیں مثل ماہی تصویر پہلو سے

دیوان میں مقطع پر 'پہلو' کے متعلق میں حاشیہ بھی دیا ہے۔ اتفاق سے اس مسودہ کا مسودہ بھی کاغذ کی پشت پر موجود ہے۔

ایک اور غزل دیوان مذکور میں صفحہ ۲۳۴ پر آئی ہے۔ مطلع ہے:

دکھلا نہ خال ناف تو اے گلبدن مجھے ہر لالہ یاں ہے نافۂ مشک ختن مجھے

آزاد کے مسودہ میں اس کا نمبر غزل دہم ہے۔ برابر میں دائیں جانب 'اللہ و علی' تحریر ہے۔ یہ غزل کسی طالب علم نمبر ۱۲۹ کے مضمون کے ایک ورق کی پشت پر لکھی گئی ہے اور ورق کی جانب مسودہ کا جزئی مسودہ موجود ہے۔

ایک اور غزل دیوان میں صفحہ ۲۳۵ پر ہے جس کا مطلع ذیل میں تحریر ہوتا ہے:

مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے
کہہ دو ہم سے نہ کوئی دے کے نشانی مانگے

مسودۃ میں 'اللہ علی' کے بعد اس کا نمبر یازدہم ہے۔ دیوان میں اس کے بعد کی غزل ہے:

نہ دیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے دکھائی کیا مرے داغ کہن نہیں دیتے
(صفحہ ۲۳۵)

اس پر ایک حاشیہ ہے جو مسودہ میں بھی ورق کے گوشہ میں آپ کو نظر آ

جائے گا اور دیوان میں صفحہ ۲۳۶ 'یارو' پر ملتا ہے کہ: ''یہ غزل بھی شاہ نصیر مرحوم کے عہد کی ہے - استاد مرحوم کی آخری عمر میں 'جان من' اور 'یارو' غزلیت کے دائرہ سے نکل گئے تھے'' -

میں نے تعمیل ارشاد میں یہ بعض غزلیں برائے انتخاب عرض کر دی ہیں لیکن ان میں جو نامناسب معلوم ہوں آپ ترک کر دیجیے اور ان کی جگہ مسودوں سے اور انتخاب کر لیجیے - اسی طرح احتیاطاً میں نے پانچ غزلیں بتائی ہیں لیکن آپ جتنی مناسب سمجھیں پسند کر لیں - مسودے یہاں بھیجنے کی ابھی ضرورت نہیں - والتسلم

محمود شیرانی

(۸)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۴- جولائی سنہ ۱۹۰۴ء

محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامہ مع مسودہ جات غزلیات مولانا آزاد و چہار عکس موصول ہوا - سرفراز کیا - بلاک کسی ایسے شخص نے طیار کیے ہیں جو اردو خط سے ناواقف معلوم ہوتا ہے - اس لیے بعض غلطیاں نظر آتی ہیں - معلوم نہیں یہ پروف ہیں یا فائنل پروف ہیں - اس وقت حالت یہ ہے کہ کہیں نقطے چھوٹ گئے کہیں زیادہ لگ گئے- اسی طرح بعض حروف بھی چھوٹ گئے یا اڑ گئے ہیں - اس کے علاوہ ایک بات یہ ہوئی ہے کہ انتخاب کے وقت پورے پورے شعروں یا ان کی متفرق اصلاح و ترمیم کا لحاظ نہیں کیا گیا - مثلاً غزل نمبر چہارم میں نویں شعر کا پہلا مصرع بلاک سے رہ گیا اور مصرع دوم ع :

مگر ہوتے ہیں جو اب شور و شر ایسے نہ ہوتے

کے اختلافات جو اس صفحہ اور صفحہ کی پشت پر نظر آتے ہیں بلاک میں داخل نہ ہو سکے - البتہ مقطع میں جملہ اختلافات بلاک میں آ گیا ہے - بلاک کی پروف خوانی مشکل ہے - پہلے تو میرا ارادہ ہوا کہ حروف و الفاظ معترضہ پر خط کھینچ دوں تاکہ بلاک والے اصل اور نقل کے فرق کو شناخت کر لیں - پھر میں نے، جیسے کتابوں کے پروف پڑھے جاتے ہیں، اصل غلطی کو نوٹ تو کر دیا لیکن اصل شکل لانا بہت مشکل تھا - مجھے اندیشہ ہے کہ انہیں کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے - مجھے معلوم نہیں کہ اب وہ ان پرونوں کی درستی کے لیے طیار بھی ہوں گے یا نہیں - اگر طیار نہیں تو انہی پر قناعت کرنی پڑے گی - آپ کے تلطف نامہ سے تو میں سمجھتا ہوں کہ سب بلاک چھپ چکے ہیں - خیر ابھی تو ایک مرتبہ ترمیم کی امید میں

چاروں بلاک اور ان کے اصل خدمت میں بھیج رہا ہوں ۔ اگر ان کی درستی ہو سکے تو فہوالمراد ۔ اگر نہ ہو سکے تو واپس مجھے بھیج دیجیے تاکہ ان چاروں غزلوں کی اصلاح و ترمیم نوٹ کر دوں ، اگر آپ کو عجلت ہو ۔ ورنہ اس عرصے میں میں نے مضمون کے احاطے کو زیادہ وسیع کر دیا ہے ۔ سب سے پہلے دیوان ذوق میں آزاد کے بعض بیانات کی تنقید کی ہے جو ذوق کے حالات و دیگر حواشی کتاب پر ہے ۔ اس کے بعد مولانا آزاد کی اصلاحات کے عنوان سے ایک علیحدہ مضمون دیا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مولانا کو اصلاح دینے کا بڑا لپکا تھا بلکہ اس قدر چسکا تھا کہ خود استاد کے کلام میں اصلاح دینے سے نہ چوکے ۔ ثبوت اگرچہ ایک حد تک ظنی ہے ۔ مگر اس کی تردید آسان نہیں بلکہ میرا دعویٰ کامیاب معلوم ہوتا ہے ۔ جب کہ تیسری قسط میں یہ دکھایا جائے گا کہ بعض غزلیں خود مولانا نے لکھ کر استاد کے نذر کر دی ہیں اور استاد ذوق کہہ سکتے ہیں :

هرچه او می نویسد از بد و نیک　　جمله را می کند بنام فقیر

جو شخص اپنی غزلیں بے دریغ اور تذبذب اپنے استاد کے نام سے شائع کر سکتا ہے ۔ اس کو درستی کی امید سے استاد کے کلام میں اصلاح دینے سے کیوں پس و پیش ہونے لگا ۔ ظفر کے ہاں دو تین غزلیں ذوق کی مخمس شدہ ملتی ہیں ۔ یہی غزلیں حافظ ویران کے ہاں بھی موجود ہیں اور دونوں کا متن بالکل مختلف ہے بحالیکہ آزاد کا بعض غزلوں کے متعلق یہ لکھنا کہ نظر ثانی نہیں ہوئی یا اصلاح کی شعاع سے نورانی نہ ہوئی ، یہ بیان بھی بطور دفع دخل مقدر ہے تاکہ کوئی اعتراض نہ کر سکے ۔ خدا کرے ایسی بیاضیں مل جائیں جن میں ذوق کی غزلیات قبل از سنہ ۵۷ء مل جائیں ، اس وقت میرے نظریۂ اصلاح کا ثبوت مل سکتا ہے ۔

مہربانی فرما کر بواپسی اطلاع دیجیے ۔ اگر آپ کو عجلت ہو تو جیسا کہ عرض کر چکا ہوں میں ان چاروں غزلوں کا اختلاف اور مناسب امور درج کر کے جلد آپ کی خدمت میں (بشرط صحت) بھیج دوں ۔ اگر جلدی نہ ہو تو تینوں مضمون قسط وار علیحدہ علیحدہ بھیجتا رہوں ۔ مضمون لمبا ہو جائے گا اور تمام و کمال ساٹھ ستر صفحات پر آئے گا ۔

ذریعہ ہذا چاروں صفحات بلاک مع تین صفحات اصل نوشتۂ آزاد خدمت میں ارسال ہیں ۔ میری صحت کا کچھ نہ پوچھیے ، کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے ۔ دورے گرمی اور برسات میں بھی پڑتے رہے ہیں ۔ اولے پڑے تو دورہ پڑ گیا ،

آندھی جس میں ٹھنڈی ہوا شامل ہو پھر دورہ کی محرک ہے بلکہ خالی آندھی بھی
جتنے دورے سردیوں میں پڑے ان سے زیادہ گرمی میں پڑ چکے ہیں - تاہم زیادہ
گرمی میں ہی طبیعت درست رہتی ہے ع :

اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

یہاں دو تین بار پڑ چکے ہیں (پچھلے ہفتہ سے) ان سے تو طبیعت میں کوئی تغیر
آیا - لیکن ان دنوں گرمی بھی انتہا پر تھی - دیکھنا یہ ہے کہ برسات کی ٹھنڈی
فضا میں ٹھنڈی ہوا برداشت کر سکوں گا یا نہیں - مئی میں طبیعت بہت زیادہ
خراب رہی - میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا بلکہ آپ کی خدمت میں یہ لکھنے
کا ارادہ کر لیا تھا کہ آپ جانئے اور مضمون جانے ، میں اس سلسلے میں قابل
خدمت نہیں رہا - دو ہفتوں کے بعد طبیعت سنبھلی اور میں پھر خاموش ہو گیا
اس طرح ان تین مہینوں میں تین چار حملے ہو چکے ہیں اور ہر حملے میں دو د
تین تین مرتبہ دورے پڑے ہیں -

اس وقت بارش کے آثار معلوم ہوتے ہیں - کہیں قریب ہی بادل گرج رہا -
اور مینہ پڑ رہا ہے - شاید بارش یہاں بھی آ جائے - والتسلیم

محمود شیرانی

(۹)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۱۸- اگست سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

ایک عرصہ ہوا آپ کا نوازش نامہ مع پروف عکس شرف ورود لایا تھا - مجھ
افسوس ہے انگریور نے ان عکسوں کی تصحیح نہیں کی -

میں پہلی قسط، تنقیدی حصہ ذریعۂ ہذا خدمت میں ارسال کر رہا ہوں - جہا
جہاں اس تنقید میں آپ اضافہ و اصلاح کرنا چاہیں شوق سے کیجیے ، مجھ کو منظور
ہے - یہاں بیٹھ کر کام کرنا بے حد مشکل ہے - ادنیٰ ادنیٰ کتاب کے واسطے تر-
اور انتظار کرنا پڑتا ہے - اسی بنا پر مجھے کئی موقعے دانستہ چھوڑ کر آگے بڑھ
پڑا - افسوس ہے کہ پنڈاروں پر میں کوئی نوٹ اضافہ نہ کر سکا اور آپ کی محنت
رائیگاں گئی - یہاں ٹونک کے وائس پریزیڈنٹ مسٹر اوجیرن کے پاس ، میں نے
ہوں Prinsep کا امیر نامہ مطبوعۂ کلکتہ ہے - اگر وہ ہاتھ لگ [گیا] تو ہا
کوئی امید ہو سکتی ہے - اگرچہ وہ بھی بساون لال کا ترجمہ بتایا جاتا ہے -

میں ابتدا سے مولانا آزاد کا بے حد معتقد تھا - اب یہ اعتقاد غائب ہوتا جا ر

ہے ۔ جوں جوں میں نے زیادہ غور سے ان کی تالیفات دیکھیں ان کی طرف سے مایوسی پیدا ہونے لگی ۔ مولانا اپنے فن انشا کے کامل استاد ہیں مگر مجھے شکایت یہ ہے کہ ادبیات میں انھوں نے اپنا مذہبی نقطہ نظر فراموش نہیں کیا . . .

والسلام ۔

میری صحت آج کل اچھی ہے اور اس کے اچھے ہونے کا یہ مضمون ثبوت ہے ۔ دوسری قسط جلد خدمت میں بھیج دوں گا لیکن ابھی چند روز مجھے اور کام بھی ہیں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۰)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۴۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

کرم نامہ بعد انتظار بسیار ۲۳ کا نوشتہ ۲۹ کو ٹونک اور ۳۰ کو مجھے پہنچا ۔ انگوٹھے میں اپریشن کا سن کر مجھ کو افسوس ہوا اور عملاً اظہار ہمدردی کے لیے انگوٹھا تو نہیں اپنی چھنگلیا کو زخمی کر لیا ۔ اب پٹی باندھے بیٹھا ہوں ۔

ٹونک میں آج کل ملیریا زور پر ہے ۔ میرے ہاں سارے بچے پڑے ہیں ۔ اس پر لطف یہ ہے کہ دوا میسر نہیں آتی ۔

مضمون میں سرخی کی تبدیلی جائے استاد خالی است کی یاد دلاتی ہے ۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہیں کریں ، مجھ کو بسر و چشم منظور ہے ۔ یہ سن کر نہایت افسوس ہوا کہ رسالہ کا حجم کا ہم تیس صفحے تک محدود کر دیا گیا ہے ۔ ہاں خوب یاد آیا کہ باقی ماندہ قسطوں کی آپ کو ذرا ٹھہر کر ضرورت ہوگی اس لیے بعض جگہ حواشی اور دیگر اضافوں کے واسطے اگر آپ بقیہ مضمون مہربانی فرما کر بغرض نظرثانی صرف دس بارہ یوم کے لیے بھیج دیں گے تو میں بے حد ممنون احسان ہوؤں گا ۔

دوسری قسط برسر راہ ہے لیکن نوازش نامے کی تشریف آوری کے بعد سے

اس کی رفتار دھیمی ہو گئی ہے ۔ بہرحال آپ کو تو اس کی ضرورت سال
اس اثنا میں میں اور امور کی طرف توجہ کرتا ہوں ۔

شیعہ مذہب : شاہ عالم ثانی کے عہد سے مغلوں میں یہ دستور دیکھ
کہ شیعوں کی تقلید میں وہ اماموں کی تعریف میں کچھ نہ کچھ لکھتے
سلام بہت لکھتے ہیں ۔ حضرت علی اور بیوی فاطمہ مخاطب ہیں ۔ خود ش
دیوان میں بلکہ دیوانوں میں ایسا مواد ملتا ہے ۔ ان کے فرزند شجاع نے
تقلید کی ہے ۔ آخر میں ظفر کے ہاں یہی صدائے بازگشت دیکھی جاتی
توجیہہ آپ جو چاہیں کریں لیکن یہ امر واقع ہے ۔

مضمون اگر بھیجیں تو بذریعہ رجسٹرڈ پارسل نہ بھیجیں ۔ یہاں دنی
نرالی مصیبت یہ ہے کہ ہر رجسٹرڈ پارسل خواہ وصول ہو یا بھیجا جا
میں بھیجنے سے پہلے نیز وصولی کے بعد محکمہ سائرات میں دکھایا جائے
کم از کم ایک یوم کی تاخیر تو ہو ہی جاتی ہے اور درد سر تو سر ۔ یہ
رجسٹرڈ پارسلوں کے لیے ہے اور قسم کے پارسلوں کے واسطے نہیں م
لفافے، پیکٹ اور بک پوسٹ وغیرہ اس ذیل میں شامل نہیں ہیں ۔ میں امید
کہ مزاج گرامی بخیریت ہوگا ۔ والتسلیم

محمود شیر

(۱۱)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۲۵-۱ کتوبر سنہ ۱۹۴۴ء

محترمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

تلطف نامے کا شکریہ ۔ میرے مضمون کو جہاں جی چاہے جگہ دیجیے
مضمون ایک مرتبہ پڑھ کر اور دو تین جگہ کسی قدر اضافے کر کے آج
ہوئے کہ خدمت گرامی میں غالباً بذریعہ ایکسپریس ڈلیوری بھیج چکا ہوں ۔
کہ اب تک پہنچ گیا ہوگا ۔

رسیدی ٹکٹوں کا شکریہ ۔ وہ میں نے کسی ضرورت سے منگوائے تھ
لفافے میں رکھ کر لایا ۔ میں نے وہ لفافہ ویسے ہی خدمت سامی میں چلتا
بخار سے تو فی الوقت نجات مل چکی ہے ۔ والتسلیم

ہاں یہ ارشاد ہو کہ دوسری قسط کی کب ضرورت ہوگی - کیا میں اسے لکھنا شروع کر دوں - دسمبر تیزی سے آ رہا ہے - فقط

محمود شیرانی

(۱۲)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۱۲- نومبر سنہ ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامہ تین روز سے جواب کا انتظار کر رہا ہے - میں بخار میں تھا - یہ تیسری مرتبہ بخار لوٹا ہے -

قول فیصل جہاں سے آیا تھا واپس گیا - اب نہیں آ سکتا - لیکن سیاق و سباق عبارت آپ کی رائے کا موید ہے - وہاں یقیناً 'چوں' چاہیے اور مجھے یاد بھی یہی ہے - یہ امر یاد رہے کہ میں ایسی غلطیاں کثرت سے کرتا ہوں - باوجودیکہ دو دو مرتبہ مضمون پڑھ لیتا ہوں پھر بھی غلطیاں رہ جاتی ہیں - اس لیے گذارش ہے کہ آپ بغیر مجھے تحریر فرمائے انہیں وہیں درست فرما لیا کیجیے -

«وہ خال وہ خد» کے سلسلے میں عرض ہے کہ جب دیوان منقول عنہ میں 'خد' مرقوم ہے تو مضمون نگار کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ 'خد' کو 'خط' میں تبدیل کر دے - میں نے کتاب اور صفحے کا حوالہ دے دیا ہے اس لیے مجھے تو اسی قرأت اور سند کا پابند رہنا چاہیے - اگر مرزا صاحب نے کوئی دخل کیا ہے تو وہ جانیں - غالباً مذاق حال ایسی ترمیموں کا محرک ہے - 'خط' میں عجمیت کی بو آتی ہے - فارسی میں تو دونوں طرح آتا ہے - ایک صورت یہ ہے کہ آپ اس شعر ہی کو کاٹ دیں -

اب سے اٹھارہ انیس سال قبل کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے کسی مضمون میں 'خط و خال' بمعنی حلیہ یا ضروری خصوصیت لکھا تھا - اڈیٹر صاحب نے اس کا 'خد و خال' بنا دیا - میں خاموش رہا - آج آپ اس کی تلافی کر رہے ہیں -

آخر میں عرض ہے کہ میرے مضمون میں آپ حسب دلخواہ اصلاح دیجے مجھ کو منظور ہوگا اور ہمیشہ منظور ہوگا - مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں - عدم اتفاق رائے کی معافی مانگتا ہوں - والسلام

محمود شیرانی

(۱۳)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۳۰ دسمبر سنہ ۱۹۴۴ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

نوازش نامے کا جواب دیر میں دے رہا ہوں ۔ دیوان ذوق کے واسطے میں آپ کے خیال سے متفق ہوں ۔ بحالت موجودہ حافظ ویران کا مرتبہ بے حد اہم ہے لیکن آزاد کے اڈیشن سے اغماض نہیں کیا جا سکتا ۔ اس میں متعدد غزلیں ایسی ہیں جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بری ہیں ۔ علیٰ ہذا ایک بڑا حصہ قصائد کا، جو حافظ ویران کے مجموعہ قصائد میں شامل نہیں، ذوق کا اصلی کلام معلوم ہوتا ہے ۔ البتہ بعض قصیدے ایسے ہیں جن پر شک کرنے کی گنجائش ہے ۔

ایک تکلیف دینا چاہتا ہوں ۔ ساتھ ہی معافی کا طالب ہوں ۔ یہ میرا قصور نہیں ہے بلکہ آپ کا ۔ نہ آپ الہ آباد میں قیام فرماتے نہ زحمت دی جاتی ۔ بات یہ ہے کہ الہ آباد کے امرودوں کی بڑی تعریف سنی جاتی ہے ۔ میں اپنے کنویں پر ایک تختے میں امردو لگانا چاہتا ہوں ۔ الہ آباد سے اس لڑائی کے زمانے میں پودوں کی فرمایش فضول معلوم ہوتی ہے اس لیے عرض پرداز ہوں کہ الہ آبادی امرودوں کا تخم، بہت اچھا تخم وہاں سے حاصل کرکے مع نسخہ ہدایت یعنے ترکیب تخم ریزی و فصل و طیاری زمین وغیرہ بھیج کر مجھ کو بندۂ بے دام بنائیے ۔ اس باب میں مہربانی فرما کر اپنے مالی سے مشورہ لیجے ۔ مجھے افسوس ہے کہ عوض میں میں ٹونک کے خربوزوں کا وعدہ نہیں کر سکتا ۔ لڑائی کی وجہ سے ہر معاملہ درہم و ابتر ہو رہا ہے ۔ الہ آباد تک خربوزوں کا پہنچنا نہایت دشوار ہے ۔ اگر پہنچ بھی گئے تو کھانے کے قابل نہیں رہتے ۔

میری طبیعت ابھی تک درست تو ہے لیکن موسم کے اثر سے بھی خالی نہیں ۔ تاہم جائے شکر ہے کہ اب تک کوئی دورہ نہیں پڑا ۔ دیکھیے نیا سال کیا سلوک کرتا ہے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۴)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۱۷- جنوری سنہ ۱۹۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

تلطف نامے کا شکریہ ۔ آزاد کے دیوان ذوق کے سلسلے میں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ اس نسخے میں دیوان کی تقریباً ہر غزل میں حافظ ویران کے دیوان ذوق کے مقابلے میں بلحاظ اشعار کچھ نہ کچھ اضافہ دیکھا جاتا ہے ۔ یہ اضافہ حضرت آزاد کی طرف منسوب ہو سکتا ہے یا ہونا چاہیے ، اس کا آپ کے پاس کیا علاج ہے ۔ والعہدۃ علی الراوی پر ہی عمل کرنا ہوگا ۔

'خط' و 'خد' کے سلسلے میں جو آپ مناسب سمجھیں رکھیں ، مجھے کوئی اعتراض نہیں اور نہ اس پر میں روشنی ڈال سکتا ۔ رہی مہندی ، اس کا املا کئی طرح ہے ۔ میں اس لفظ کے متعلق آپ کا املا اختیار کر لیتا مگر ٹونک میں اس کا املا بصورت 'مہندی' مشہور ہو گیا ہے ۔ اس لیے اپنے پتے میں ضرورتاً مہندی لکھتا ہوں ۔ نظیر کے ہاں مرزا فرحت اللہ بیگ نے 'میہندی' لکھا تھا ۔ میں سمجھا کہ نقطے اس حالت میں بے معنے ہیں لہذا صاف 'مہندی' لکھ دیا ۔

ع : جب پاس صنم کے بیٹھیں گے خوش ہو کے 'تو' اس کے لطف سے ہم

میں نے یہ ابیات ۳۲ ماترا والے اوزان ہندی مروجہ اردو کی مثال میں دے ہیں ۔ مصرع ہذا میں 'تو' چاہیے تو آپ بڑھا دیں ۔ اگر موقع نکل گیا ہے تو خیر ۔ 'تو' کے ہونے یا نہ ہونے سے ماتراؤں میں کوئی فرق نہیں آتا ۔

امرود کے بیجوں کا منتظر ہوں ۔ میرے پاس کوئی ڈیڑھ بیگہ پختہ کے دو ٹکڑے ہیں جو بناس ندی کے کنارے پر واقع ہیں ۔ زمین ریتلی ہے ۔ دو طرف برساتی نلے آ گئے ہیں ۔ اس لیے اضافہ کی گنجائش نہیں ۔ یہاں کے محکمۂ جنگلات نے پچھلی برسات میں مجھے چند درخت اس پلاٹ میں لگانے کے لیے دیے تھے ۔ نیبو وغیرہ تو ختم ہو گئے ۔ امرود کے پانچ پودے جو دیے تھے اب تک بہت اچھی حالت میں ہیں ۔ سب میں بڑا ڈیڑھ فٹ اونچا ہو گیا ہے ۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ اس زمین میں امرود اچھا لگے گا ۔ ویسے بھی سخت جان ہوتا ہے ۔ زمین چونکہ کم ہے اس لیے درختوں کے درمیان اگر پچیس پچیس فٹ کا فاصلہ چھوڑا جائے تو اس میں زیادہ یا کافی درخت نہیں لگائے جا سکتے ۔ ہمارے ہاں دس دس فٹ فاصلہ چھوڑنے کا رواج ہے ۔ اس طرح زیادہ درخت لگیں گے ۔ دونوں ٹکڑے

مربع مستطیل ہیں ۔ ندی کے کنارے کنواں ہے جس میں ندی سے بذریعہ نہر پانی آتا ہے ۔

امرود پر آپ کے رسالے کے مطالعہ کا مشتاق ہوں ۔ مگر مہربانی فرما کر اس رسالے کو دوبارہ چھپوا دیجیے ۔ پھر ایک نسخہ بھیجیے تاکہ مجھے واپس نہ کرنا پڑے ۔ میرے خیال میں اس کا اردو میں چھپنا بھی ضروری ہے ۔ مضمون کی پہلی قسط کا شکریہ ۔

ایک ضروری امر قابل گذارش یہ ہے ۔ یہاں میں نے بعض لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ پہلے سالم امرود کو لے کر اس کو گلا کر یا سڑا کر گوبر میں دباتے ہیں ۔ پھر کچھ عرصہ رہنے دینے کے بعد گوبر سے نکال کر بیج بوئے جاتے ہیں ۔ کیا امرود بونے کی یہی ترکیب ہے ۔ مگر آپ نے تو نہیں لکھی ۔ میرے لیے سب سے ضروری یہی بات ہے ۔ مہربانی فرما کر بیج بونے کی ترکیب اور بونے کا موسم وغیرہ ضرور لکھیے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

تین دن سے موسم بدل گیا ہے ۔ گلابی سردی رہ گئی ہے جو زیادہ تر پچھلی رات کو محسوس ہوتی ہے ۔ دس دن پہلے یہ حالت تھی کہ ٹونک بغیر برف گرے کشمیر بن گئی تھی ۔ ممکن ہے کہ موسم ابھی پھر پلٹے ۔

م ۔ ش

(۱۵)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۹۔ اپریل سنہ ۱۹۴۵ء

محترمی و مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

گرامی نامے کا شکریہ قبول ہو ۔ بیج جس طرح جی چاہے بھیجیے ۔ میں نے اس وقت عرض کیا تھا جب میں ندی میں مقیم تھا ۔ رجسٹرڈ پارسل کی صورت میں مجھے ایسا پارسل واپس ٹونک بھیجنا پڑتا تھا تاکہ اہل سائر اس کو کھول کر دیکھ لیں ۔ آپ کی اسلامی ریاست اپنے بعض ضوابط میں دنیا جہان سے نرالی ہے ۔ یہاں رجسٹرڈ پارسل حکماً محکمہ سائرات میں منگوا کر کھلوائے جاتے ہیں جس سے لوگوں کو خاصہ تکلیف ہوتی ہے ۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر پارسل درآمد و برآمد کے وقت سائر میں دکھایا جانا چاہیے ۔ اسی طرح ڈاک خانے کا وقت بدل گیا ہے جو پورے ڈیڑھ گھنٹے ریاست کے وقت سے آگے ہے ۔ ان دو باتوں کی وجہ سے انسان اکثر غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے ۔ کبھی ریاست کا ضابطہ بھول جاتا ہے، کبھی ڈاک خانے کا وقت یاد نہیں آتا ۔ جب پارسل بنا کر ڈاک خانے پہنچتا ہے تو ڈاک خانے کا بابو کہتا سنائی

دینا ہے کہ یہ پارسل ہم نہیں لیں گے، سائر میں کیوں نہیں دکھا کر لائے۔ جب سائر میں دکھا کر اور دوبارہ مہریں لگا کر ڈاک خانے آتا ہے تو اس مرتبہ بابو صاحب فرماتے ہیں کہ آج وقت گزر گیا ، ہم پارسل نہیں لے گا، گھر کو جاؤ۔

سالانہ لیکچروں کے سلسلے میں اکیڈمی میں میرا نام تجویز کرنے کا آپ کا ارادہ میری عین عزت افزائی ہے جس کا میں حقیقت میں مستحق نہیں ۔ بھلا میں ایسے خدا ساز امر سے کیوں انکار کرنے لگا ۔ لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ آپ کی یہ دعوت میرے حق میں نو شدارو کہ پس از مرگ بسہراب دہند نہ ثابت ہو ۔ یوں تو جب تک سانس ہے تب تک آس ہے ۔ مضمون کے انتخاب کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ اس سلسلے میں کیا کیا لیکچر دیے جا چکے ہیں، کیا کیا کام ہو چکا ہے تو میں فکر کرتا ۔ سفر الہ آباد سے میرا معاف کیا جانا میرے نزدیک بہت دشوار ہے ویسے آپ زیادہ جانتے ہیں ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۶)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ
۱۰- مئی سنہ ۱۹۳۵ء

مخدومی و محترمی جناب ڈاکٹر صاحب

تلطف نامے کے بعد رسالۂ ہندوستانی اور پھر امرود کے بیج وصول ہو کر موجب شکریۂ مکرر بنے ۔ ہندستانی اکیڈمی کے مطبوعہ لیکچروں کے سلسلے میں عرض ہے کہ ان میں سے ایک بھی میری نظر سے نہیں گزرا ۔ اگر بھیجیں تو «عرب و ہند کے تعلقات» اور «ہند میں زمانۂ وسطیٰ کا تمدن» ارسال فرماویں ۔ ان کو دیکھ کر میں کوئی رائے قائم کر سکوں گا ۔

اگر میں اردو کے مختلف دبستان مثلاً گجری (گجراتی اردو)، ہریانی، راجستانی وغیرہ لوں تو کیسا ؟ ایک لیکچر ریختہ پر ہو سکتا ہے اور ایک لیکچر ہندی زبانوں میں مسلمانی تالیفات پر بن سکتا ہے ۔ عروض کے متعلق میں نے مولانا عبدالحق سے وعدہ کیا تھا ۔ ایک مرتبہ تو وہ بھول گئے تھے، شاید اب بھی بھول چکے ہوں ۔ اس صورت میں تو ہو سکے گا ۔ ہندی عروض، جہاں تک کہ میں اس سے واقف ہوں، نہایت ابتدائی حالت میں ہے ۔ اس کے مقابلے میں فارسی عروض بہت مرتب اور مدون ہے ۔ ہندی سے رشتہ جوڑنا اور فارسی سے منہ موڑنا بڑا علمی نقصان ہوگا ۔ زحافات صرفیوں کی تعلیلات کی طرح ہمارے لیے سوہان روح بنے رہے ہیں اور اسی لیے عروض غیر مقبول رہا ہے ۔ ان سے بعض تبدیلیوں کے ذریعے سے، جو بالکل سہل اور قابل قبول ہیں، ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑایا جا سکتا ہے ۔

چار پانچ روز سے سانس کے ہلکے دورے پڑ رہے ہیں ۔ نیند غائب ہے ۔ دورے ایک بجے رات سے شروع ہو کر صبح تک رہتے ہیں ۔ لیٹا نہیں جاتا ۔ تکیوں پر سر رکھ کر بیٹھا رہتا ہوں ۔ لیجیے آداب عرض ہے ۔

محمود شیرانی

(۱۷)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۲۹ - مئی سنہ ۱۹۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

الطاف نامے کا شکریہ اور کتابوں کا سپاس قبول ہو ۔ مولانا عبدالحق دہلوی اور ہمارے عہد کے مولانا عبدالحق دہلوی میں بڑا فرق ہے ۔ اس لیے عروض کے بارے میں آپ جب ان سے گفتگو فرمائیں تو موقع و محل مناسب کا لحاظ فرما لیں ۔ ع

بہ خرم فرصتے خوش روزگارے

پر نگاہ رہے ۔ ان کی آتش خوئی کا ایک دو بار مجھ کو تجربہ ہو چکا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ جب بگڑتے ہیں سنبھالے سے نہیں سنبھلتے ۔ خدا ان کو حیات خضر اور عمر جاوید عنایت فرمائے ۔ میں آفتاب لب بام ہوں، نہیں چاہتا کہ آخری وقت میں پھر ان کے غضب کا مرکز بنوں ۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ کئی لحاظ سے میں سراً و جہراً ان کا ممنون احسان ہوں ۔ ان کے رسالے کے ساتھ میرے تعلقات دیرینہ ہیں ۔ اس کے علاوہ تنخواہ دار ہونے کے باوجود ان کا نمک خوار بھی رہا ہوں[1]۔ میں ریاست کا

۱- لاہور کی ملازمت سے پہلے قیام ٹونک کے زمانے میں جب شیرانی صاحب نے رسالہ اردو میں فردوسی پر مضامین لکھنے کا آغاز کیا تو مولوی صاحب نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا ۔ یہ وظیفہ اسلامیہ کالج لاہور کی ملازمت کے دوران میں بھی ایک عرصے تک جاری رہا ۔

پھر ملازمت سے سبکدوش ہو کر شیرانی صاحب انجمن ترقی اردو دہلی میں کام کرنے لگے تو وظیفہ دوبارہ جاری ہوگیا ۔ جب اپنی صحت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ٹونک چلے آئے تو بھی یہ مشاہرہ ملتا رہا ۔ صاحب زادہ حامد سعید خاں، شیرانی صاحب کی بابت اپنے تاثرات میں فرماتے ہیں کہ جب وہ انجمن ترقی اردو کے دفتر دریا گنج دہلی میں شیرانی صاحب سے ملے تو مرحوم نے فرمایا : ''حامد ہم حلال روزی نہیں کھا رہے ہیں . . . . ہمیں انجمن کی طرف سے جتنا مشاہرہ ملتا ہے اتنا کام ہم نہیں کرتے ۔'' ٹونک واپس آ کر انہوں نے اس مشاہرے میں از خود کمی کرائی ۔ حامد سعید خاں رقم طراز ہیں :

''فرمایا ، گھر بیٹھے ہمیں اس قدر ماہوار انجمن سے ملتا ہے جس کے ہم کسی طرح مستحق نہیں ہیں، اور اصرار کرکے ماہانہ مشاہرے میں کمی کرائی ۔''

(مرتب)

رہنے والا ہوں اور ریاستوں میں پاس نمک وفاداری کا جزو اعظم مانا جاتا ہے ۔ میں اپنے آپ کو اپنے والیٔ ریاست کا نمک خوار نہیں مان سکتا لیکن مولانا کا نمک خوار اپنے آپ کو ضرور سمجھتا ہوں ۔

ہاں خوب یاد آیا ۔ ایک معاملے میں پھر موجب زحمت بننا چاہتا ہوں ۔ میں سنتا ہوں کہ الہ آباد میں کوئی اگریکلچرل انسٹیٹیوٹ ہے جس کو عیسائی مشنری چلاتے ہیں ۔ اس کی ساکھ (ریپوٹیشن) عام طور کیسی ہے ؟ آیا یونیورسٹی اور سرکار کا تسلیم شدہ ہے یا یوں ہی ڈھکوسلا ہے ؟ ضروری ہے کہ یہ انسٹیٹیوٹ بھی مشنریوں کے دیگر اداروں کی طرح عیسائی بنانے کا ذریعہ ہو ۔ اگر تکلیف نہ ہو اس ادارہ کے متعلق اپنی رائے دیجیے ۔ مجھے یہ اطلاع اپنی بہن کے نواسے[1] کے واسطے درکار ہے اور جلد درکار ہے ۔ ۱۵ ۔ جون تک اس میں داخلے کی آخری تاریخ ہے ۔ آپ پراسپیکٹس نہ بھیجیے، وہ آ چکا ہے ۔ زیادہ تر دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کے فارغ التحصیل کو ملازمت بھی مل سکتی ہے یا نہیں ؟ اگر گورنمنٹ یا یونیورسٹی میں اس کی کچھ عزت ہے تو کارآمد ہے ورنہ تضیع اوقات اور تضع زر سے کیا فائدہ ۔ لہذا ع

تو بفرمائے کہ در فہم نداری ثانی　　　　والتسلیم ۔

جواب اگر جلد دیا جائے تو موجب صد منت ہوگا ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۱۸)

مہندی باغ، ٹونک، راجپوتانہ

۲۲ ۔ جون سنہ ۵۹ء

حضرت مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

والا نامہ شرف ورود لایا ۔ اس سے پیشتر مسلم[2] صاحب کا لطف نامہ نظیرالدین سلمہ کے پاس پہنچ چکا تھا ۔ نظیر کا بیان ہے کہ میں نے اپنی درخواست اسی مطبوعہ فارم پر، جو پراسپیکٹس کے ساتھ ضم تھی، بھیجی تھی ۔ نہایت احتیاط کے ساتھ اس کی خانہ پری کی تھی اور غلطی کے خیال سے اپنے استاد کے سامنے بھری تھی ۔ اس کے مد دونوں سرٹیفیکیٹ اور ایک خط بنام پرنسپل مع درخواست مذکورہ لفافے میں بند کرکے ۶ ۔ جون کو ڈاک خانے میں جاکر اپنے ہاتھ سے لفافہ ڈال کر آیا ہوں ۔ خط پرنسپل صاحب کو مل گیا اور درخواست نہ پہنچی، نہایت عجیب ہے ۔ مسلم صاحب کا عنایت نامہ آنے کے بعد میں نے برخوردار مذکور کو مشورہ دیا کہ مسلم صاحب

---

۱ ۔ نظیرالدین جن کا ذکر آیندہ خط میں آتا ہے ۔ (مرتب)

۲ ۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے صاحب زادے محمد مسلم صدیقی صاحب ۔ (مرتب)

کو تار دے دو کہ درخواست یہاں سے ۲۰ کو بھیجی گئی ہے ۔ دوسرا تار پرنسپل کو جوابی بھجوایا ۔ دو روز کے انتظار کے بعد تیسرے دن جواب آیا application received not admitted میں اس سے یہ سمجھتا ہوں کہ برخوردار مذکور کو داخلہ نہیں مل سکا ۔ بہرحال الہ آباد کی طرف سے یاس قطعی ہے ۔ میں آپ کا اور مسلم صاحب کا اس معاملے میں نہایت احسان مند ہوں ۔

لائل پور تو بھاری پتھر ثابت ہوگا ۔ میں نے نظیر کو مشورہ دیا ہے کہ علی گڑھ میں اپنی قسمت آزمائی کرے ۔ وہاں سنتے ہیں اسی سال کالج (زراعتی) کھل رہا ہے ۔ نظیر نے کسی کلاس میں بھی سائنس نہیں لیا ۔ عربی فارسی کے چکر میں رہا ۔ میٹرک میں جغرافیہ لے لیا ۔ اب پچھتا رہا ہے ۔

اب مجھے اپنے لیکچروں پر غور کرنے کا موقع ملا ہے ۔ میں دیکھتا ہوں کہ آیندہ مارچ تک تین چار سو صفحات کی کتاب کا طیار ہو جانا میری طاقت سے باہر ہے ۔ یہاں برٹش میوزیم کی لائبریری تو ہے نہیں کہ انسان تمام دنیا سے بے نیاز ہو کر صبح آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک بیٹھا کام کرتا رہے اور جس کتاب کی ضرورت ہوئی دو منٹ میں میز پر آ گئی ۔ یہ ہندوستان ہے، یہاں کوئی جامع کتب خانہ موجود نہیں بلکہ اس کا تخیل تک مفقود ہے ۔ کتابوں کی تلاش میں انسان کو در در خاک بسر ہونا پڑتا ہے ۔

ایک عروض ہی کو لیجیے ۔ اس میں ہی بہت کام ہونا ہے ۔ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ عربی عروض اور فارسی عروض مگر کوئی اس کی حقیقت بیان نہیں کرتا ۔ اس مقصد سے دونوں زبانوں کے عروض اور ان کے مابہ‌الامتیاز کا مطالعہ ضروری ہے ۔ خصوصاً عروض کے ارتقا کے سلسلے میں ان اوزان اور اصول کا جو ایرانیوں نے وقتاً فوقتاً دریافت کئے ہیں ۔ عربی عروض سے قطع نظر فارسی عروض کوئی شخصی کارنامہ معلوم نہیں ہوتا ۔ اس میں تدریجی ارتقا کی علامات نمایاں ہیں ۔ بیسیوں اوزان خلیل اور یوسف عروضی کے بعد دریافت ہوئے ہیں ۔ بعض کے دریافت کنندوں کا نام تک دیا جا سکتا ہے ۔ خلیل نے اشعار عرب کی تدوین کی تھی ۔ چونکہ وہ صرفی تھا اس لیے صرفیانہ تعلیل کی پیروی میں زحاف کو ناگزیر سمجھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عروض ہمیشہ کے لیے بدنام اور غیر مقبول ہوگیا اور بے چارے عروضی معذرت میں ہمیشہ ایک فصل عروض کی ضرورت پر لکھنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں ۔ لہذا زحاف کا ترک کرنا لازمی ہے ۔ اسباب و اوتاد کی تقسیم پھر غیرحقیقی ہے ۔ ان کی جگہ تقسیم ہجائی یعنی مقصور و ممدود کی باز بحالی ہونی چاہیے ۔ دائرہ مشتبہ کی بحریں اور ان کی ساخت بالکل جبری ہے ان کا کوئی اور انتظام ہونا چاہیے ۔ عروض کا سب سے بڑا کام

وجودہ اوزان و بحور کی تدوین کے علاوہ جدید اوزان کی طرف ہماری رہنمائی کرنا ہے
ا کہ اس کے ذریعے سے اصلی اور غیراصلی اوزان کی بازیافت ہو سکے - موجودہ عروض
س مقصد کی تکمیل کے لیے بالکل نااہل ثابت ہوا ہے - اس لیے ضروری ترمیم و
سیخ کے بعد ہمیں جدید عروض وضع کرنا چاہیے جو قدیم و جدید اوزان اور ان کی
سئلہ پر حاوی ہو - آخر میں عروضی تصنیفات پر ایک نظر -

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے جو عروض سے متعلق میرے ذہن میں ہے - اس لیے
یدہ مارچ تک سب کام کا طیار ہو جانا ، مجھے اپنی صحت پر بھی نظر رکھتے ہوئے،
ت دشوار معلوم ہوتا ہے - آپ مارچ سنہ ۷۴ء تک مجھے وقت دیجے - بہرحال کام ہو
و اچھا ہو ورنہ نہ ہو، جلد بازی سے کیا حاصل - آج کل برسات کا آغاز ہے، شاید
یری طبیعت درست رہے مگر سردی اور گرمی بھی بھگتنا ہے -

ہاں خوب یاد آیا ، کیا آپ کے پاس اورینٹل کالج میگزین آتا ہے - اگر ایسا ہے
تو مئی سنہ ۱۹۴۰ء کا میگزین ملاحظہ فرمائیے - اس میں میرا ایک مضمون ''رباعی
کے اوزان یاد رکھنے کا ایک آسان طریقہ'' چھپا ہے - آپ اس مضمون پر ایک نظر
ڈال لیجے اور رائے دیجے کہ جس سہولت کا اس میں دعویٰ کیا گیا ہے وہ اس سے
حاصل ہوتی ہے یا نہیں - اور کیا وہ اس قابل ہے کہ میں اپنی عروضی تصنیف میں
شامل کر لوں - خط کی طوالت کی معافی مانگتا ہوں - والتسلیم

محمود شیرانی

(۱۹)

مہدی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۳۱- جولائی سنہ ۴۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

الطاف نامے کا جواب دیر میں دے رہا ہوں - اس وقفے میں میری صحت غیر
مستقل رہی - اس سے جو وقت ملا وہ عروض جدید پر صرف ہوا مگر میں اس کا
خاکہ بالفعل آپ کی خدمت میں نہیں بھیج سکتا - میرا انگوٹھا لکھتے وقت درد
کرنے لگتا ہے - چند سطریں لکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے :

پیری و صد عیب چنین گفتہ اند

اردو کے مختلف دبستان کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ مواد کسی دوسری
شکل میں اورینٹل کالج میگزین میں مختلف نمبروں میں چھپ چکا ہے مثلاً

(۱) گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں ، نومبر ۳۰ء،
اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱۰۹-۱۲۶

(۲) گوجری یا گجراتی اردو سولھویں صدی عیسوی میں ، فروری ۱۹۳۱ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱-۳۲

(۳) اردو کی شاخ ہریانی زبان میں تالیفات ، نومبر ۱۹۳۱ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱-۳۲

(۴) اردو کی شاخ ہریانی زبان میں تالیفات ، فروری ۱۹۳۲ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۱-۳۲

(۵) دائرے کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ ، نومبر ۱۹۴۰ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۷-۳۹

(۶) دائرے کے مہدویوں کا اردو ادب کی تعمیر میں حصہ ، نومبر ۱۹۴۱ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۳۹

(۷) تاریخ غریبی ، نومبر ۱۹۳۸ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۵۱

(۸) تاریخ غریبی ، فروری ۱۹۳۹ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۴۳

(نمبر (۵) سے (۸) تک کے مضامین راجپوتانہ کی زبان سے متعلق ہیں)

(۹) بعض جدید دریافت شدہ ریختے ، مئی ۱۹۳۹ء ، اورینٹل کالج میگزین ، ص ۳-۲۱

(۱۰) دبستان پنجاب : اگرچہ میں نے پنجاب میں اردو میں اس پر کسی قدر لکھا ہے لیکن بعد کے ذخیرے کی روشنی میں اس پر نظر ثانی اور ترمیم کی سخت ضرورت ہے ۔

ان میں سے میں گوجری اور ہریانی زبان میں تالیفات پر کوئی جدید اضافہ نہیں کر سکتا ۔ باقی سلسلے پر کم و بیش اضافے کیے جا سکتے ہیں اور آپ کے مطلوبہ ڈھائی سو صفحات یا زیادہ بن سکتے ہیں ۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب میری صحت درست رہے ۔ اگر درمیان میں میری حالت خراب ہوئی اور مجھے دستکش ہونا پڑا تو مجھے آپ سے اور اکیڈمی سے سخت شرمندہ ہونا پڑے گا۔ اسی بنا پر میں وقت کا پابند نہیں ہونا چاہتا ۔ اسی طرح الہ آباد آنا میرے بس کا روگ نہیں ۔ ریل کے انجن کے دھوئیں سے میں بیمار ہو جاتا ہوں۔ اپنی صحت کی اس غیر یقینی حالت میں اگر میں ان لیکچروں سے معافی مانگوں تو خدا را مجھے احسان ناشناس نہ سمجھیے گا ۔

آپ کو یاد ہوگا عروض اردو کے متعلق پہلے آپ نے مجھ کو لکھا تھا کہ اس کے مناسب عروض طیار کی جائے ۔ اس امر پر میں حیران ہوا کہ آپ نے خاص طور پر مجھ کو کیوں لکھا ۔ میں نے جواب میں لکھا کہ عروض کر تو سکتا ہوں لیکن میں مولانا سے وعدہ کر چکا ہوں ۔ اگر وعدہ شکنی ہوئی تو مولانا اس کو

ں گناہ سمجھیں گے ۔ ان کی نزاکت طبع مشہور ہے :

ع گر بگڑ بیٹھے تو پھر لائق تعزیر ہوں میں

کے عتاب و خطاب میں آپ میرے شریک رہیں گے بلکہ شریک غالب
اس شرط پر آپ ان سے ذکر کیجیے ۔

ل ٹونک شملہ بنا ہوا ہے ۔ ڈیڑھ ماہ سے تقریباً روزانہ بارش ہو رہی ہے ۔
۔ کافی نقصان پہنچا ہے ۔ باقی خیریت ہے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۲۰)

، ۔ ٹونک راج
سنہ ۱۹۳۵ء

مخدومی جناب ڈاکٹر صاحب

ں جدید کا یہ مختصر خاکہ رائے گرامی معلوم کرنے کے لیے خدمت میں
۔ بحروں کے نام جو میں نے رکھے ہیں میں ان پر مطمئن نہیں ہوں ۔
نے کوشش کی ہے کہ ان اوزان کے ساتھ ان ناموں کا کوئی اضافی تعلق
مانے ۔ ناموں کی طرح بعض ارکان بھی طویل اور اجنبی ہیں ۔ ان کی طوالت
ہو سکتا ہے کہ آج کل اردو میں ایسے اوزان کی طرف زیادہ رجحان ہے ۔
وہ اوزان جو میں نے برآمد کیے ہیں اور جن کی مثال میں اشعار بھی
ان کی موزونیت کے متعلق آپ کی رائے سے واقف ہونا ضروری سمجھتا
اہر ہے کہ نامانوس معلوم ہوں ۔

ستانی'' سماہی ، جولائی نمبر کا شکریہ لیکن اس مرتبہ میرے مضمون کے
ہیں آئے ۔ اگر وہ بھجوا دیے جائیں تو میں بے حد شکر گذار ہوؤں گا ۔

والتسلیم
محمود شیرانی

(۲۱)

۔ ٹونک راجپوتانہ
سنہ ۱۹۳۶ء

مخدوم گرامی جناب ڈاکٹر صاحب

، نامے کا شکریہ ۔ جواب روز دینا چاہتا ہوں ، کئی کاغذ ردی کر چکا
ہمت نہیں پڑی کہ عریضہ ختم کر سکوں ۔ میں پچھلے مہینے اور ماہ رواں

میں مرض قدیم دمے اور دیگر امراض کا شکار رہا ہوں ۔ کل رات دمے کا دورہ ساڑھے دس بجے شروع ہوا ، ڈھائی بجے ختم ہوا ۔ کل دن بھر بستر پر پڑا رہا ۔ آج اٹھتا ہوں اور اٹھا نہیں جاتا ۔ چلنا پھر تقریباً بند ہے ۔ سنتا ہوں راتیں آرام کے لیے بنی ہیں مگر میرا تجربہ بالکل مختلف ہے ۔ جواب مختصر عرض ہے :

۱ ۔ عروضی خاکے پر توجہ کا احسان ۔ جائے استاد خالیست ۔ 'نمبر شمار' کی جگہ 'ہندسہ شمار' بنا لوں گا ۔

۲ ۔ آپ فرماتے ہیں ''جب لفظ حرفوں کے مجموعے کا نام ہے تو ساکن جو ایک منفرد حرف ہے ، بلکہ دوسرے حرف کی امداد بغیر بولا بھی نہیں جا سکتا ، حرفوں کا مجموعہ کیونکر ہوگا ۔''

میں اس موقعے پر لفظ کے مبادی اجزا بالفاظ دیگر تقسیم ہجائی سے بحث کر رہا تھا اور یہ کہا تھا کہ لفظ حرفوں (اصوات) کے مجموعے کا نام ہے ۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ ساکن حرفوں کا مجموعہ ہے ۔

مرے نزدیک 'مقصور و ممدود' لفظ کے ابتدائی اجزا ہیں ۔ مقصور یا ساکن ہوگا یا متحرک ۔ حرف میں اگرچہ ساکن و متحرک میں بڑا فرق ہے لیکن عروض میں ساکن اور متحرک صوتی اعتبار سے یا وقت کے لحاظ سے برابر ہیں ۔ مقصور خواہ متحرک ہو خواہ ساکن وزن کے لحاظ سے برابر ہے ۔ اسی لیے میں نے ساکن و متحرک کے واسطے ایک ہی شکل مقرر کی ہے ۔ 'شہر یار' اور 'امتحان' بر وزن فاعلات ہیں حالانکہ پہلے کا حرف سوم ساکن اور دوسرے کا متحرک ہے ۔

(۴) بغرض توضیح 'رمل' 'فن رمل' کی جگہ بے شک مناسب ہے ۔

(۵) وضاحت اصل کتاب میں آئے گی ۔ جو سطور خدمت والا میں ارسال ہوئی تھیں محض تعارف اور خاکہ ہیں ۔

(۶) (۷) و (۸) منظور ۔

میں نے 'معیار' کے جس نسخے سے صفحہ ۱۷ کا حوالہ دیا وہ غالباً سب سے قدیم مطبوعہ نسخہ معلوم ہوتا ہے اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی کا مرتبہ ہے ، جس کے ساتھ 'معیار' کی شرح بھی مسمی بمیزان الافکار ، مفتی صاحب نے حواشی کتاب میں شامل کر دی ہے ۔ اس طرح کتاب کا نام ''معیار الاشعار و میزان الافکار'' رکھا گیا ۔ میرا منقول عنہ مطبع علوی میں باہتمام علی بخش خان عثمان پوری بستم صفر سنہ ۱۲۶۳ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا تھا ۔ حوالہ معلومہ محقق کی بیان کردہ آخری بحر یعنی بحر غریب کے اختتام کے بعد اور ''فصل ہشتم در تغیر بزیادت کہ تعلق بہ ارکان ندارد'' کی سرخی سے گیارہ بارہ سطر قبل مل جائے گا ۔

(۹) بحروں کے نام آپ کے تجویز کردہ نہایت مناسب ہیں ۔ ان سے میری مشکل تو حل ہو جاتی مگر ایک تامل یہ ہے کہ یہ عربی نام پہلے ہی نامانوس تھے ان پر جدید نامانوس ناموں کا اضافہ ہتکڑیوں کے ساتھ بیڑیوں کی سزا بن جائے گا ۔

و 'مقصور' عاطفہ کے تعلق میں عرض ہے کہ 'و' کی جگہ اگر 'ف' اختیار کر لی جائے تو کیا آپ کا اعتراض رفع ہو سکتا ہے ۔ میں نے تو یہ نام اسی لیے اختیار کیا تھا کہ وہ ارکان کے دو جوڑوں (مصرعوں کے عین وسط میں) کے درمیان بطور عاطفہ آتا ہے ۔ مستفعلن فعول و مستفعلن فعول ۔ عاطفہ نام میں نے جان بوجھ کر رکھا تھا کہ طلبہ کو اس کے یاد رکھنے میں سہولت ہو ۔ اسی خیال کی بنا پر ثنائی، ثلاثی و رباعی نام رکھے گئے تھے ۔ اگر رباعی کو بدلا جائے تو باقی دونوں نام بھی بدلنے پڑیں گے اس لیے یہ نام اور تجویز کیجیے ۔

(۱) تسکین کا ذکر سب سے زیادہ محقق طوسی نے کیا ہے ۔ کہیں اس کا نام تعبیق یا تختیق ہے، کہیں تشعیث ہے ۔ جس صورت سے قدما نے (شعرائے غزنہ و سلجوق وغیرہ) اس کا استعمال کیا ہے طبیعت پر گراں گزرتا ہے ۔ میرے خیال میں جب تک عروض کی گرفت شعر پر ڈھیلی تھی وہ جا و بیجا اس سے کام لیتے رہے حتیٰ کہ سعدی کے قصائد میں بھی موجود ہے بلکہ قاآنی نے تو شعرائے قدیم کی تقلید میں اپنے قصائد میں دوبارہ رواج دیا ہے ۔ جب عروض کے قواعد کی عام پابندی ہونے لگی یہ تسکین متاخرین کے ہاں سے بالکل غائب ہو گیا ۔ موزونیت طبع پر کس قدر ظلم ہے کہ ایک مصرع کے فعلاتن یا مفتعلن وغیرہ کے مقابل دوسرے مصرع میں مفعولن زبردستی ٹھونس دیا اور پھر فرما دیا کہ یہ عمل تسکین ہے ۔ میرے خیال میں تسکین اواخر مصاریع میں، جس سے فعلات کی جگہ مفعول آ جاتا ہے، بالکل درست ہے اگرچہ درمیان میں ناگوار ہے ۔

(۲) میر صاحب کی غزل ہندی وزن میں ہے جو تیس مت (حروف) یعنی حرکات و سکنات پر شامل ہے ۔ اس کو فارسی عروض کے تحت میں لانا اصولاً درست نہیں لیکن ہمارے عروضی کر رہے ہیں ۔ لہذا عرض کرتا ہوں کہ متدارک کے مقابلے میں اس کی تقطیع متقارب سے درست رہے گی لیکن خالی اثرم سے کیا ہوگا اور متعدد زحاف آئیں گے چنانچہ تقطیع ذیل ملاحظہ ہو :

—— ، — ، . — ، — — ، — — ، — . ، . — — ، — ، — ، . —

الٹی ، پڑ گئیں، سب تد ، بیریں ،کچھ نہ، دوا نے ، کام، کیا

فعلن فاع فعولن فعلن فاع، فعولن، فاع، فعل

اثلم اثرم محبق اثرم اثرم محذوف

— — ، — — ، — — ، — . — ، . — — ، — — — ، — ، — . ، ، — . ، ، . —

دیکھا ، اس ، بیار ، ی دل نے ، آخر ، کا م ، تمام ، کیا
فعلن فعلن فاع فعلولن فعلن فاع فعول فعل
اثلم مجبق اثرم مجبق اثرم مقبوض محذوف

اس طرح بحر کا نام متقارب شانزدہ گانی اثلم، اثرم، مجبق، مقبوض و محذوف ہوا۔ یہ ضروری نہیں کہ ساری غزل میں یہی زحاف آئیں۔ ممکن ہے کہ دیگر اشعار میں اور زحاف پائے جائیں جو اس شعر میں نہیں آئے۔

متدارک کے زحافوں سے اس وزن کا برآمد ہونا مشکل ہے۔ ہاں یہ صورت ممکن ہے کہ چونکہ یہ وزن تیس حروف پر شامل ہے ، اگر اس کو چہار حرفی 'فعلن' پر تقسیم کیا جائے تو حاصل قسمت ساڑھے سات فعلن مخبون و مسکن پر شامل ہوگا۔ فعلن کا نصف یک فع جو اگر آخر میں آتا 'احد' کہلاتا ، یہاں ابتدا میں آتا ہے اگر علیحدہ مان کر ہم مصرع کی تقطیع کریں تو سات فعلن مخبون و غیر مخبون یعنی مسکن سے تقسیم ہو سکے گی چنانچہ :

— ، — — ، — . . ، — — ، — — ، — . . ، — — ، — . . —

الٹی ہڑ ، گئیں سب، تدبیر ، یں کچھ ، ندوا ، نے کا ، م کیا
فع ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن

— ، — — ، — — ، — . . ، — — ، — — ، — . . ، — . . —

دے، کھا اس، بیا ، رے دل، نے آ ، خر کا ، م تما ، م کیا
فع ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن ، فعلن

عروض میں فع ابتدائی کی کوئی حیثیت نہیں۔ تاہم اگر اس کو متدارک شانزدہ گانی یا لیم فعلن مسکن یا ہفت فعلن مسکن وغیرہ مسکن نام دیا جائے تو تقریباً درست ہوگا۔ طلبہ کے سمجھانے کے لیے اس قدر کافی ہے۔

نوازش نامے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے عروضی خاکہ پسند فرمایا اور وہ اس کے چھپوانے کے لیے طیار ہیں مگر آپ بھول گئے ہیں آپ نے مجھ کو صاف تحریر فرمایا تھا کہ آپ اس معاملے میں مولانا کو کچھ نہ لکھیں ، میں جملہ امور طے کر لوں گا۔ اس لیے مستدعی ہوں کہ باقی امور بھی طے کر کے مجھ کو شاد فرمائیں۔ اس وقت میرا اندازہ عروض جدید کے متعلق تین سو صفحوں کا ہے۔ آپ کو یہ بات عجیب سی معلوم ہوگی لیکن میں ان بدنصیبوں میں سے ہوں جن سے مولانا ناخوش ہیں۔ تنقید شعرالعجم ، فردوسی پر چار مقالے ، انجمن نے چھاپے

لیکن مجھ کو دو دو نسخوں سے زیادہ عنایت نہ ہوئے ۔ یہی حال پرتھی راج راسا کا ہے ۔ دو نسخے بھیجے گئے ۔ آخری خالق باری ہے جس کو چھپے چھ ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے لیکن مجھ کو کوئی نسخہ نہیں پہنچا ۔ اب میں کیا مانگوں ۔ ضرورت ہوگی تو وی ۔ پی منگوا لوں گا ۔

میرے مضمون کی دوسری قسط جنوری ۲۸ء کے 'ہندوستانی' میں نکل آئے گی ۔ خوب ! تیسری قسط کے متعلق آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ رسالے میں شائع کی جائے یا دیوان ذوق کے مقدمے کے واسطے محفوظ رکھی جائے ۔ میں اس بارے میں کیا رائے دوں ؟ بقول حافظ 'صلاح ما ہمہ آنست کاں صلاح شما ست ، پر عامل ہوں ۔ باقی آپ جانیں یعنی جو نیت امام کی وہی مقتدی کی ۔

اکیڈیمی کے فیصلے کی اطلاع کہ میں دیوان ذوق مرتب کروں موجب صد امتنان ہے ۔ لیکن اس میں بھی اگر وقت کی پابندی کی صورت ہے یعنی یہ شرط موجود ہے تو 'استعفا مرا با حسرت ویاس ، میں اپنی صحت کی نازک حالت کی بنا پر وقت کی پابندی نہیں کر سکتا ۔

آپ خیال کریں گے کہ میں ناشکرا ہوں ۔ اس سے قبل لیکچروں سے انکار کیا اور اب جو دوسری صورت پیدا کی گئی ہے اس میں بھی میں میخ نکال رہا ہوں ۔ لیکن کیا کروں اپنی صحت سے مجبور ہوں ۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ بزرگوں کے سامنے جھوٹا پڑوں اور اسی لیے یہ سمع خراشی ۔ وقت کی قید نہ ہونے کی صورت میں میرے ضمیر پر بار نہیں پڑے گا اور نہ آپ کو میری طرف سے مایوسی ہوگی اور جیسے جیسے میری صحت نے اجازت دی میں کام میں لگا رہوں گا ۔

ہاں خوب یاد آیا ۔ آپ کے فرستادہ امرود کے بیج کہیں برسات کے اختتام پر آئے ۔ نوواردوں کی خدمت اگرچہ حسب دل خواہ ہوئی لیکن آفات ارضی و سماوی سے ان کی حالت خراب ہوتی گئی ۔ زمین سے لے کر گملوں میں رکھا ۔ گملوں میں بھی اچھے نہ رہے ۔ پھر کیارے میں لگایا ۔ اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ آہستہ آہستہ جاتے جا رہے ہیں ۔ اس وقت بیس پچیس کے قریب باقی ہیں ۔ معلوم نہیں برسات آتے آتے ان کی کیا حالت ہوگی ۔ لہذا التماس ہے کہ اس فصل میں بجائے تخم کے امرود ہی میرے پاس بھیج دیں کہ ان کو کھا کھا کر اچھے بیج رکھ لوں ۔ اس بہانے سے الہ آباد کے امرود بھی ایک بار اور کھانے میں آ جائیں گے اور بیج بھی مل جائے گا اور آپ کا دوہرا دوہرا احسان مانوں گا ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۲۲)

باغ چونری والا[۱] - جے پور

۱۷- جنوری سنہ ۱۹۴۶ء

حضرت مخدوم ڈاکٹر صاحب

یہ کارڈ کا جواب دے رہا ہوں - لطف نامے کا جواب عرصہ ہوا دے چکا ہوں۔ کبھی کا پہنچ گیا ہوگا - کارڈ ایسے موقعہ پر ورود لایا کہ میں بالکل بدحواس ہو رہا تھا - وہ جو گورنمنٹ نے بھاری نوٹوں کو خارج کر دیا ہے اس کا میں بھی شکار ہو گیا ہوں - گذشتہ اگست میں میں نے اپنے مسکوکات کا مجموعہ ۲۳ ہزار میں پٹنے والے ایک صاحب کو فروخت کر دیا - قیمت وہ ہزار ہزار کے نوٹوں میں دے گئے - اب گورنمنٹ نے ایسے نوٹوں کو خارج کر دینے کا اعلان کر دیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ کیا کروں - اخبار کے ذریعے سے ۱۴، کو خبر معلوم ہوئی۔ ۱۵، اہل ریاست سے استفسار میں گذرا - ۱۶، کا دن سفر میں گذرا - آج کا دن بے کار یہاں گذرا سوائے اس کے کہ فارم کی ٹائپ شدہ کاپی حاصل کی - یہاں امپیریل بنک بھی کچھ نہیں مشورہ دیتا - اب جے پور میں شام ہو رہی ہے - سوچ رہا ہوں کہ دہلی جاؤں یا واپس ٹونک جاؤں - میری صحت اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ معلوم نہیں اس سفر سے زندہ بھی لوٹوں گا؟[۲] والسلام

محمود شیرانی

(۲۳)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۶- فروری سنہ ۱۹۴۶ء

میرے مخدوم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب

یہ عریضہ نہایت تکلیف کی حالت میں لکھ رہا ہوں - ہاں وہ معاملہ تو رودراہ

۱- شیرانی صاحب اپنے دوست صاحبزادہ ولی احمد کے ہاں مقیم تھے - صاحب زادہ صاحب ان دنوں ریاست دوجانہ میں دیوان (چیف منسٹر) تھے اور باغ چونری والا میں ان کے لڑکے خلیل احمد خاں موجود تھے - ولی احمد خاں کا تذکرہ آیندہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب کے نام خطوط میں بھی آئے گا۔

۲- شیرانی صاحب جب دہلی جانے کے ارادہ سے جے پور اسٹیشن پر پہنچے تو سخت دورہ پڑا - چنانچہ بڑے نوٹ خلیل احمد خاں کے حوالے کیے اور انھیں دوجانہ اور دہلی جانے کی ہدایت کرکے واپس ٹونک چلے آئے - (مرتب)

گیا۔ البتہ چھوٹے نوٹ تبادلے کے پرسوں پہنچے :

سفینہ جبکہ کنارہ پہ آ لگا غالب خدا سے کیا ستم وجور ناخدا کہیے

مقصد کچھ نہ تھا محض صاحبزادگی تکلی[1]

اب میں ٹونک ہوں اور دیر تک ٹونک رہوں گا۔ اس لیے امرودوں کا پارسل
ں بھجوا دیجیے ۔ جو صاحب میری رقم دہلی سے لائے انھیں میں نے کہہ دیا تھا
، حفظاللسان یعنے خالق باری تصنیف ضیاءالدین خسرو کا ایک نسخہ ، جسے میں
، ترتیب دے کر انجمن ترقی اردو کو دیا تھا ، خرید کر لیتے آئیں ۔ چنانچہ وہ
حب لیتے آئے ۔ لیجیے آداب عرض ہے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

بنام ڈاکٹر سید محی‌الدین زور قادری[2] صاحب

ڈیر مسٹر قادری

آپ کا عنایت نامہ ایک عرصہ سے جواب کا منتظر ہے ۔ میں اس تاخیر کی
، سے معافی مانگتا ہوں ۔ مجھ کو اپنی نئی ملازمت[3] کے سلسلہ میں چند لیکچر
نے تھے ۔ چونکہ وقت کم اور کام زیادہ تھا اس لیے ان لیکچروں کی تیاری میں
ہ تن مشغول رہا ۔

«پنجاب میں اردو» کے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے لیے
ب میرا شکریہ قبول کیجیے ۔ عبدالحق صاحب کے تبصرے نے تو مجھ کو سحب
بوس کیا ہے بلکہ میں اس کو بداد سمجھتا ہوں[4] ۔

۱۔ خلیل احمد خاں صاحب دہلی میں نوٹ تبدیل کروا کر کسی بھی کام سے وہاں رک گئے اور کئی دن رہے ۔ شیرانی صاحب کو فکر دامن گیر ہوئی کہ خدا جانے تبدیلی کا کام ہو بھی سکا یا نہیں ۔ کئی روز بعد جب خلیل صاحب آئے تو اطمینان ہوا ۔ ان سطور میں خلیل صاحب کی نوجوانانہ بے نیازی کی طرف اشارہ ہے ۔ (مرتب)

۲۔ زور صاحب کے نام شیرانی صاحب کا یہ خط غالباً ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب کی وساطت سے «نقوش» لاہور کے مکاتیب نمبر (جلد دوم) میں چھپا تھا ۔ یہ زور صاحب کے اس خط کا جواب ہے جو انہوں نے شیرانی صاحب کو پیرس سے لکھا تھا ، جہاں وہ لسانیات کے علم کے حصول کی خاطر قیام پذیر تھے اور ہندوستانی زبانوں کی لسانیات کے موضوع پر تحقیق کر رہے تھے ۔

۳۔ شیرانی صاحب یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو اورینٹل کالج میں اردو کے لیکچرار مقرر ہوئے تھے ۔ 'نئی ملازمت' کا اشارہ اسی طرف ہے ۔ (مرتب)

۴۔ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے شیرانی صاحب کی «پنجاب میں اردو» پر رسالہ «اردو» کے شمارۂ جولائی ۱۹۲۸ء میں مخالفانہ تبصرہ کیا تھا ۔ (مرتب)

آپ کے اعتراضات ایک حد تک بجا اور درست ہیں۔ میں عجلت میں تھ
بالخصوص پرنسپل عبداللہ یوسف علی کی تاکید کی بنا پر مجھ کو یہ کتاب قبل
وقت شائع کرنی پڑی ہے اور کئی موقعوں پر اس میں اجتہادی یا دوسری قسم
غلطیاں بھی موجود ہیں۔ تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ ضروری یا تازہ مواد ۔
متعلق میں نے کافی اطلاع دے دی ہے۔ میں نے جس ذخیرہ پر زیادہ تر اعتم
کیا ہے وہ اکثر قلمی ہے جو خود میرے پاس ہے یا دیگر احباب کے مجموعہ کتب
سے علاقہ رکھتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

«بعض چیزیں اس قدر اہم اور کام کی ہیں کہ ان کے ساتھ اگر ان کے واقعیہ
کے ثبوت اور پتے بھی دے جاتے تو وہ تھوڑی سی تشنگی باقی نہ رہتی جو اس وق
میں محسوس کر رہا ہوں۔»

آپ کا یہ جملہ تشریح کا محتاج ہے۔ مہربانی کر کے آپ مجھ کو اطلاع دیجیے ک
وہ کون سے ضروری مقامات ہیں جہاں میں نے اپنے حوالے نہیں دیے ہیں۔ مجھ کو
پنجابی اردو مصنفین کے مخطوطات میں دلچسپی ہے۔ اگر ان کے متعلق آپ کوئی
تفصیلی اطلاع بہم پہنچائیں گے تو میں بےحد شکرگذار ہوں گا۔ بالخصوص
تالیفات کے متعلق جو ببلو تیک ناسیو نال[1] میں آپ بتاتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ بہت جلد یورپ سے کامیاب واپس اپنے وطن
تشریف لے آئیں گے اور ادبیات کی خدمت میں حسب معمول سرگرم و مستعد رہیں
گے۔ والسلام

محمود شیرانی

۱۸۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور

۲۔ اپریل ۱۹۲۹ء

بنام پروفیسر محمد فضل الدین قریشی صاحب[2] مرحوم

(۱)

مائی ڈیر قریشی[3]

میں ساڑھے چھ بجے تمہاری طرف پہونچوں گا۔ طیار رہنا۔ 'خان'[4] نے بلایا ہے۔

فقط

م۔ ش

۱۔ فرانس کی نیشنل لائبریری واقع پیرس۔ (مرتب)

۲۔ پروفیسر محمد فضل الدین قریشی شیرانی صاحب کے عزیز ترین دوستوں میں تھے۔
۳۰۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں علی گڑھ سے بی۔ ایس سی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۵ پر)

(۲)

قریشی صاحب'

شعر ذیل میری سمجھ میں نہیں آیا ۔ میں سنتا ہوں کہ آپ شعر فہمی میں طاق

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴)

کیا ۔ چند برس مختلف سکولوں میں ٹیچر رہے ۔ پھر علی گڑھ سے ۱۹۲۵ء میں ایم ۔ ایس سی (فزکس) کی ڈگری لی ۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر رہے ۔ اس عرصے میں شیرانی صاحب سے ان کی گہری دوستی ہو گئی اور ان کے شوق دلانے پر قریشی صاحب نے ۱۹۳۵ء میں ایم ۔ اے ۔ عربی کا امتحان پاس کیا اور مسلمانوں کی سائنس میں خدمات پر تحقیق شروع کی ۔ اسی مقصد سے جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں بالترتیب ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۰ء میں ڈپلومے حاصل کیے ۔ اسلامیہ کالج کے بعد مختلف گورنمنٹ کالجوں اور زمیندارہ کالج گجرات میں پروفیسر رہے ۔ ۶۰-۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کے سینئر ریسرچ سکالر تھے ۔ ان کا انتقال لاہور میں ۱۸- اپریل ۱۹۷۹ء کو ہوا ۔ انھوں نے ادارۂ معارف اسلامیہ کے اجلاسوں میں سائنس کے موضوعات پر مضامین پڑھے ۔ ان کی مرتب کردہ البیرونی کی کتاب «غرۃالزیجات» (کرن تلک) حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی نے شائع کی ہے ۔ ان کی مترجمہ اور مرتبہ کتابوں میں قطب الدین شیرازی کی «نہایت الادراک» بیرونی کی کتاب الصیدنہ (یا صیدلہ) اور «قانون مسعودی» کا اردو ترجمہ اشاعت کے منتظر ہیں ۔ (مرتب)

- اس رقعہ پر کوئی تاریخ درج نہیں ۔ غالباً اس دور کا ہوگا جب شیرانی صاحب کی ملازمت میں توسیع کی کوششیں جاری تھیں یعنی ۱۹۳۸ء کا ۔ (مرتب)

- 'خان' سے مراد سعادت علی خان صاحب ہیں جو برکت علی خان رئیس شاہجہان پور کے پوتے تھے ۔ وہ آنریری مجسٹریٹ تھے اور موچی دروازہ کے باہر پیلی کوٹھی میں رہتے تھے ۔

پروفیسر قریشی صاحب نے اس رقعہ ہی پر بطور جواب یہ سطور لکھ کر واپس کر دیا تھا :

«۵ بجے بعد دوپہر ۔ میں میاں عبدالعزیز کے ہاں جا رہا ہوں ۔ ساڑھے پانچ بجے مسلم لیگ کا جلسہ ہے . . . لوگ وہاں چلے جائیں گے ۔ شاید مجھے وہاں بھی جانا پڑے ۔ اس کے بعد مغرب کے قریب خواجہ عبدالحمید کے ہاں جانا ہے ۔ پھر کہیں ساڑھے آٹھ بجے تک واپس آ سکوں گا ۔ آپ خان صاحب سے مل لیں ۔ میں نے سب بات سمجھا دی ہے ۔ میرا ملنا ان سے ضروری نہیں ۔»

اس رقعہ پر بھی کوئی تاریخ موجود نہیں ۔ مرحوم قریشی صاحب جن سے میں نے یہ رقعے اور خطوط حاصل کیے تھے فرماتے تھے کہ ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں بہت دن تک ان کی خدمت میں نہ جا سکا تب شیرانی صاحب نے یہ رقعہ مجھے ارسال کیا تھا ۔ (مرتب)

بلکہ شہرۂ آفاق ہیں :

تو بفرمای کہ در فہم نداری ثانی

لہذا عرض ہے :

بران صید مسکیں چہ بیداد رفت   کہ در دام از یاد صیاد رفت

والسلام

محمود شیرانی

(۳)

مہندی باغ - علی گنج
ٹونک راجپوتانہ
۶- ستمبر ۱۹۳۹ء

مائی ڈیر پروفیسر قریشی[1]

عنایت نامہ پہونچا - یاد آوری کا شکریہ - پروفیسر محفوظ الحق[2] کے خط سے آپ کے کلکتہ پہنچنے کا حال معلوم ہوا - اب کے تو بڑی دور دور کے دھاوے مارے - باقی باتیں بروقت ملاقات ہوں گی - آج میں یہاں سے رخصت ہوتا ہوں اور چند روز لکھنؤ ٹھہر کر ۱۶ کو لاہور پہونچ جاؤں گا - اس کتاب[3] کے مستعار لے جانے کا بندوبست بہ ظاہر حالات ممکن نہیں - نیا انتظام ہو گیا ہے - موسم یہاں گرم رہا - پچھلے پندرہ بیس روز سے بارش ہوئی ہے - آج بھی صبح سے ترشح ہو رہا ہے - باقی بروقت ملاقات - والسلام

محمود شیرانی

(۴)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۶- جون ۱۹۴۵ء

مائی ڈیر پروفیسر قریشی

تلطف نامے کا شکریہ - آج کل ٹونک کا موسم باہر سے آنے والوں کے ساتھ سازگار

۱- یہ خط شیرانی صاحب نے اپنے وطن ٹونک سے لکھا ہے جہاں وہ موسم گرما کی تعطیلات میں مقیم تھے - (مرتب)

۲- کلکتہ یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر تھے - (مرتب)

۳- کتاب سے مراد قطب الدین شیرازی کی «نہایۃ الادراک فی درایۃ الافلاک» کا فارسی خلاصہ «تحفہ شاہیہ» ہے - اس کا ایک نسخہ ریاست ٹونک کے سرکاری کتب خانے میں تھا - پروفیسر قریشی صاحب کو مسلمانوں کے علم الہیئت پر کام کرنے کی غرض سے اس کی ضرورت تھی -

نہیں ۔ اس لیے آپ مع باسط[1] تشریف لانے کا ارادہ نہ کیجیے ۔ دن کو تیز دھوپ اور سخت لو چلتی ہے ۔ گرمی بہت زیادہ پڑ رہی ہے ۔ میں نے آپ کو مئی میں بلایا تھا ۔ اس وقت موسم ٹھیک تھا ۔ خربوزے موجود تھے ۔ فالیز میرے ہاں بھی طیار تھی ۔ اب خربوزے بالکل غائب ہیں ۔ فالیزیں جل کر آندھیوں کے حوالے ہوئیں ۔ لاہور سے ٹونک تک آنے کی تکلیف کے بعد کچھ تو نعم‌البدل ملنا چاہیے ۔ اس لیے مہربانی کرکے اپنی آمد کا ارادہ آیندہ مئی ۳۶ء تک ملتوی رکھیے ۔ آپ مئی کے پچھلے پندرھواڑے میں آئیے یعنے ۱۵ - مئی کو آ جائیے بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ میں جیتا ہوں ۔ نذیر[2] ، اختری[3] اور صفدر[4] کو دعا ۔ باقی خیریت ہے ۔ والسلام

باسط اور ڈاکٹر صادق[5] کو سلام ۔ موخرالذکر سے کہنا کہ آپ پر میرا ایک خط قرض ہے ۔

آج کل میری صحت ٹھیک ہے ۔

محمود شیرانی

بنام قاضی عبدالودود صاحب[6]

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۲ - اکتوبر سنہ ۴۴ء

حضرت محترم

(۱) جہاندار کا شعر مجموعۂ نغز میں نہیں ملا ۔ البتہ سکندر کی رباعی تذکرۂ ہندی کی طرح اس میں بھی موجود ہے ۔

۱- پروفیسر عبدالباسط خاں صاحب اسلامیہ کالج لاہور میں عربی اور اردو کے استاد اور شیرانی صاحب اور قریشی صاحب کے مشترک دوست تھے ۔ مئی ۱۹۶۱ء میں لاہور (ماڈل ٹاؤن) میں وفات پائی ۔ (مرتب)

۲- قریشی صاحب کے بڑے صاحبزادے ۔ آج کل سمن آباد (لاہور) میں رہتے اور کاروبار کرتے ہیں ۔ (مرتب)

۳- اختر قریشی صاحبہ ، پروفیسر قریشی مرحوم کی صاحبزادی لیڈی ڈاکٹر ہیں (بیگم جسٹس گل محمد خان ۔ لاہور ہائی کورٹ) ۔ (مرتب)

۴- قریشی صاحب کے دوسرے صاحبزادے ۔

۵- ڈاکٹر صادق حسین صاحب ایم - بی - بی - ایس جن کے نام ایک خط اسی مجموعے میں شامل ہے ۔ (مرتب)

۶- قاضی صاحب کے نام اس واحد خط کا عکس ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر خدا بخش لائبریری ، بانکی پور پٹنہ کے وساطت سے حاصل ہوا ۔ (مرتب)

کالا[1] اور جمیل[2] ہیں - کھانا پکانا انہی کے ہاتھوں میں ہے - مجھے تقریباً بھوکا رہنا پڑتا ہے اور اگر یہی حالت رہی تو ممکن ہے کہ کھانے ہی سے دست بردار ہو جاؤں - گرمی انتہا درجہ کی پڑ رہی ہے - رات تمام رات حبس تھا - ہوا کا نام نہ تھا پنکھے کے ساتھ بھی نیند نہ آتی تھی - میں نے ایسی گرم راتیں لاہور میں بہت گذاری ہیں -

اب تو آپ سے ملاقات اکتوبر میں ہوگی - آپ کے والد ماجد کی خدمت میں سلام نیاز -

والسلام

محمود شیرانی

(۲)

سید صاحب !

آپ کے خط عرصہ سے جواب کے منتظر ہیں - اس میں میرے تساہل کے علاوہ آپ کی بوجہ پہیلی بہ تعلق ''نل دمن''[3] احمد سراوی بھی ذمہ وار ہے - نل دمن سے میں نا آشنائے محض ہوں نہ اس کی لسانی خصوصیات سے واقف - حیران تھا کہ جواب کیا دوں - قیام دہلی کے زمانہ میں اوریئنٹل کالج میگزین آیا - اس میں آپ کا شائع کردہ نل دمن کا حصہ نظر سے گذرا - لیکن وہاں میں اور امور میں مشغول تھا اور ہریانی کے نمونے بھی موجود نہ تھے - یہاں آئے پندرہ روز سے زیادہ ہو گئے لیکن باوجود کوشش و خواہش ابھی تک جواب کی نوبت نہیں آئی - میری صحت دن بدن خراب ہو رہی ہے - سانس اور دل کی تکلیف بڑھ رہی ہے - چلنے پھرنے سے معذور ہوں - آج کل تو یہاں سردی بھی غیر معمولی پڑ رہی ہے - اس سردی نے تو پنجاب کو بھی مات کر دیا -

---

۱- شیرانی صاحب کے بھائی مودود خاں کے دوسرے لڑکے - علی اکبر خاں نام تھا ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے - رنگت انتہائی صبیح تھی - برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق ''کالا'' پیار کا نام تھا - عرصہ سے مالوہ کے شہر سیلانہ میں کاروبار کرتے ہیں - (مرتب)

۲- جمیل الرحمن خاں شیرانی - ان کا ذکر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب کے نام خط میں آیا ہے اور اس پر چغتائی صاحب نے بھی حاشیہ دیا ہے - وہاں ملاحظہ کیجیے (مرتب)

۳- احمد سراوی کی مثنوی ''نل دمن'' مراد ہے - اس پر سید صاحب کا ایک مضمون بہ عنوان ''نل دمن احمد اور اس کی زبان'' اوریئنٹل کالج میگزین کے اگست ۱۹۴۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا - اس خط میں اس مثنوی کی زبان کی بابت اظہار خیال کیا گیا ہے - (مرتب)

نل دمن کی زبان کو ہریانی کہنا جغرافیائی اعتبار سے تو یقیناً غلط ہے - ہریانہ کا اطلاق ایک خاص خطہ پر ہوتا ہے - میرٹھ کو اس میں داخل کرنا درست نہیں - اس میں لسانی مطابقت اردو کی بنا پر ہے جس کی دونوں شاخیں ہیں - پھر بھی ان میں فرق موجود ہے - سراوی کی زبان زیادہ صاف اور منجھی ہوئی ہے - اس میں فارسی غالب ہے - برخلاف اس کے ہریانی ٹھیٹ دہقانی ہے - اس پر فارسی اثر کم ہے - آپ اس کو ورنیکلر ہندوستانی مان لیں تو کوئی حرج نہیں یا دہلی کے مضافات کی قصباتی زبان کہہ دیں یا قصباتی اردو کہہ لیں -

ہریانی کا لفظ میرا اپنا اختیار کردہ ہے - سرکاری رپورٹ میں اس علاقہ کی زبان کو جٹو ، جٹی ، باگڑی ، بانگڑ ، چمروا وغیرہ ناموں سے یاد کرتی ہے - یہ نام مقامیوں کو پسند نہیں - ویسے بھی بھلے نہیں معلوم ہوتے - اس لیے میں نے ہریانہ کی اصطلاح کو اختیار کر لیا - اس اصطلاح کا تمام دہلی کے گرد و نواح کی زبان پر اطلاق درست نہیں ہوگا - ایسی اردو کے نمونے اور علاقوں سے بھی دستیاب ہوں گے - مثلاً صوبہ اجمیر ، آگرہ الہ آباد وغیرہ -

آپ کی کتاب کے متعلق مولانا عبدالحق نے اثبات میں جواب دیا تھا[1]- اگر اب تک ان کے آفس نے آپ کو نہیں لکھا ہے تو عنقریب لکھیں گے -

میری چیزوں کی اشاعت کے متعلق میں سوچ رہا ہوں - تنقید وغیرہ کو تو انجمن شاید اس سال چھاپ دے -[2] باقی چیزوں کا شاید جلد بندوبست نہ ہو سکے -

یہ عبداللہ نے کیا بے پر کی اڑائی - میں اس بدصحتی کی حالت میں گجرات جا کر کیا کرتا - میرے لیے تو دلی بھی گجرات ہے -

مولانا نذیر احمد[3] کی خدمت میں میرا سلام کہہ دیجیے - اس میں بھانجے صاحب بھی شریک ہیں یعنی بابو صدیق احمد خاں[4]- ڈاکٹر بنارسی[5] داس اور لالہ منشی رام[6]

۱- مولوی عبدالحق صاحب نے سید صاحب کے مقالے ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' کو چھاپنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا - یہ کتاب انجمن کی جانب سے ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی - (مرتب)

۲- ''تنقید شعر العجم'' مراد ہے جو انجمن نے ۱۹۴۲ء میں شائع کی تھی - (مرتب)

۳- لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری - (مرتب)

۴- صدیق صاحب اورینٹل کالج میں ہیڈ کلرک تھے - پھر ترقی کرتے کرتے پنجاب یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات ہوگئے تھے - (مرتب)

۵- ڈاکٹر بنارسی داس جین اکتوبر ۱۹۲۸ء میں ہندی کے لیکچرار مقرر ہوئے - ۱۹۴۵ء میں ریڈر ہوگئے تھے - تقسیم ہند پر بھارت چلے گئے تھے - لدھیانہ میں ۱۲ اپریل ۱۹۵۴ء کو انتقال ہوا - (مرتب)

۶- اورینٹل کالج میں ('اونلی انگلش' کلاسز کو) انگریزی پڑھاتے تھے - (مرتب)

کو میرا سلام کہنا ۔ موخرالذکر سے محمد احمد کے متعلق میری طرف سے سفار
الفاظ کہہ دینا ۔ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ ، ۱۵ جنوری ۱۹۴۲ء

(۳)

مائی ڈیر سید صاحب !

جے پور سے واپسی پر جہاں میں دمہ کے علاج کے واسطے گیا تھا ، مجھے آپ کی قابل قدر تصنیف ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' جو دیر سے یہاں میر منتظر تھی ، ملی ۔ اس کے لیے آپ میرا دلی شکریہ قبول کیجیے ۔ آپ کی تالیف کو جب کھولا ۔ سب سے پہلے وہ ورق کھلا جس میں وارستہ کی تصنیفات کا ذکر تھا ۔ یہاں صفات کائنات یا عجائب و غرائب کا ذکر ہے ۔ دوسرے صفحہ پر جو رنگا رنگ کا مذکور ہے ۔ میرے خیال میں یہی چیزیں یا ان سے ملتی جلتی میرے مجموعہ' قلمیات میں ہیں جو اب پنجاب یونیورسٹی کی ملک ہے ۔ دونوں چیزیں وارستہ کی ہیں ۔ لیکن مجھ کو ان کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا ۔ میں نے جلدی میں انہیں بیاضوں میں داخل کر لیا تھا ۔ ان میں سے ایک کا نمبر ۹۴۲ ہے ۔ میں نے اس کا نام ، معلوم نہیں کیوں ، نامہ' نگارین و صحیفہ' رنگین' رکھ لیا ہے ۔ یہ تو اس تالیف کے واسطے ایک تو صیفی جملہ معلوم ہوتا ہے ۔ بہرحال یہ بیاض نثری نمونوں پر شامل ہے ۔ نسخہ نہایت پاک و صاف ہے اور اس کی تاریخ کتابت سنہ ۱۲۳۶ھ ہے ۔ دوسری بیاض کا نمبر ۱۴۷۶[1] ہے ۔ نسخہ پاکیزہ ہے اور شعرا کے نمونہ' کلام پر شامل ہے ۔ بعض موقعوں پر وارستہ اعتراض بھی کرتا ہے اور اسی سے مجھے معلوم بھی ہوا کہ یہ بیاض وارستہ کی یادگار ہے ۔ بہرحال آپ ان دونوں چیزوں کو دیکھیے ۔

میں نومبر سے بیمار ہوں ۔ جنوری میں جب دمہ کے دورے سخت اور تقریباً روزانہ ہونے لگے ، میں علاج کے واسطے جے پور جا کر وہاں کے ہسپتال میں داخل ہو گیا ۔ سترہ اٹھارہ روز رہا اور ڈاکٹر کی اجازت سے فروری میں واپس آیا ۔ جے پور میں اگرچہ دورے بعد میں بند ہوگئے تھے لیکن ٹونک آنے سے چوتھے دن بعد ایسا سخت دورہ پڑا کہ خدا کی پناہ ۔ دل پر اس کا برا اثر پڑا ۔ جسم کے جوڑ جوڑ میں تکلیف رہی ۔ تین چار روز تک بدن پر لرزہ طاری رہا اور اب بھی ہے ۔ اب تک میں خط لکھنے سے معذور تھا ۔ ہاتھ بری طرح کانپتا تھا ۔ گرمی میں اگر طبیعت سنبھل گئی تو خیر ورنہ سفر آخرت بہت قریب سمجھو ۔ جسم کی طاقت بالکل زائل

۱۔ وارستہ کی بیاض کا نمبر ۱۴۷۳ ہے ۔ (مرتب)

ہو چکی ہے اور دل ہر قسم کے صدموں ، آوازوں اور شور سے اثر پذیر ہونے لگا ہے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ ڈوبنے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا خاتمہ بخیر کرے۔ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ ، ۱۷ فروری ۱۹۴۴ء

(۴)

مائی ڈیر سید صاحب !

میں آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں اور بدرجۂ مجبوری لکھ رہا ہوں۔ میرے ہم وطن محمد شریف ہیں جو پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میں اس سال شریک ہونے کے گنہگار ہیں۔ میں بھولا اونلی انگلش (Only English) میں شریک ہوئے تھے۔ یونیورسٹی نے ان کا رزلٹ شائع نہیں کیا اور اپنے سرکار لیٹر 14331/A کے ذریعہ سے تیس روپے ان سے طلب کیے۔ شریف صاحب نے میرے مشورہ سے وہ روپے بھیج دیے جس کی رسید نمبر ۵۵۴۴ یونیورسٹی سے ان کو مل گئی۔ اس کے بعد ایک اطلاعی کارڈ No. Ex. Fees 2/15914/A آیا جس میں تحریر تھا کہ اب تم نے اپنی فیس کا حساب صاف کر دیا ہے۔ کنٹرولر صاحب کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ تمہارا نتیجہ جلد شائع کر دیا جائے گا۔ ساتھ ہی کارڈ اطلاعی آیا کہ Roll No· 13361 میٹرک کے امتحان میں 'غیر حاضر' ہے۔ نیچے ہمارے دوست عطا محی الدین[۱] صاحب کے دستخط ہو رہے ہیں۔ یہ اطلاع غیر اطمینان بخش ہے۔ کیونکہ رول نمبر مذکور امتحان میں شریک ہوا ہے اور کاپی دے کر آیا ہے بھی English Only کی۔ اب معلوم نہیں کہاں غلطی ہوئی ہے کہ ایک 'حاضر' کو یونیورسٹی 'غیر حاضر' قرار دے رہی ہے۔ محمد شریف بے چارے بہت پریشان ہیں۔ میرے پاس اس سلسلے میں کئی دفعہ آ چکے ہیں۔ مجھ کو شرم آتی ہے اس لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں۔ مہربانی کرکے اس بارہ میں آپ ذرا دلچسپی لیجئے اور ان کے نتیجۂ امتحان سے اطلاع دیجیے۔ ممکن ہے کہ یونیورسٹی نے شریف صاحب کو پورے امتحان میں شریک مانا ہو اس لیے غیر حاضر قرار دیا حالانکہ وہ صرف انگریزی کے امیدوار تھے۔ یونیورسٹی نے تیس روپے مانگے تھے اس لیے انہوں نے میرے مشورے سے تیس ہی بھیج دیئے۔ حالانکہ English Only کی صرف بارہ روپے فیس ہے اور پانچ روپے لیٹ فیس کے ، اس حساب سے ساڑھے سترہ ان کو لینے چاہییں میں نے شریف صاحب سے کہا ہے کہ بقایا کے رفنڈ کی درخواست کر دو۔

۱- یونیورسٹی میں سپرنٹنڈنٹ تھے - پھر اسسٹنٹ کنٹرولر امتحانات اور بعد ازاں کنٹرولر ہو گئے تھے - (مرتب)

مہربانی کرکے ذرا تکلیف گوارا کرکے اس معاملہ کے متعلق دریافت کیجیے اور مجھے جواب دے کر اپنا شکرگذار بنائیے -

آج پونا والے ڈاکٹر کا خط آیا ہے - باقی خیریت ہے - اورینٹل کالج میگزین کا کیا حال ہے ؟ یاران قدیم میں سے کون کون باقی ہے ؟ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ، ۱۳- اکتوبر ۱۹۳۵ء

جواب کے لیے ٹکٹ ارسال ہے - خفا نہ ہوجیے - ہاں یہ بھی لکھیے کہ فاضل رقم کے رفنڈ کے واسطے کس سے خط و کتابت کی جائے گی -

م - ش

(۵)

URGENT

مائی ڈیر سید صاحب !

میں آپ کے مہربانی نامے اور توجہ اور تکلیف کا شکریہ ادا کرتا ہوں - بے چارے محمد شریف آپ کی اطلاع کے باوجود میٹرک میں لٹک رہے ہیں - آپ کے بعد بھی یونیورسٹی سے درخواست کی گئی مگر آفس سپرنٹنڈنٹ کا جواب تھا کہ تمہارا نتیجہ بھیج دیا گیا ہے - اگر یہ نتیجہ دوبارہ مانگتے ہو تو پانچ روپے اور لاؤ -

محمد شریف صاحب کی درخواست آپ کی خدمت میں بھجوا رہا ہوں - اگر آپ خود یا بھانجے صاحب کے ذریعے سے اپنے طور پر ان کی درخواست پر حکم مناسب لے سکیں تو بہت اچھا ہو - کیا ظلم کی بات ہے کہ ایک شخص کو جو امتحان میں شامل ہوا ہے زبردستی غیرحاضر دکھایا گیا ہے - بھائی جو کچھ آپ سے ہو سکے کیجیے - شریف صاحب بہت پریشان ہیں -

یہ خوشی کی بات ہے کہ میری کتابوں کی فہرست نگاری آپ کے حصے میں آئی ہے - مہربانی کرکے آپ اس کی فہرست اسی طریقے سے تیار کیجیے جس طرح ریو اور عبدالمقتدر خاں نے کی ہے - اس بارہ میں میں ہمیشہ آپ کو مشورہ دینے کے لیے تیار ہوں -

آپ نے کالج کے حالات مفصل نہیں لکھے - ڈاکٹر صاحب کچھ نہیں لکھتے - اورینٹل کالج میگزین اور عربک پرشین سوسائٹی کا چندہ ذریعہ؛ ہذا بھیج رہا ہوں - مبلغ ۵ روپے - مہربانی کرکے آپ داخل کر دیجیے اور رسیدیں بھجوا دیجیے - شریف صاحب جلدی میں ہیں اس لیے یہ نوٹ ختم کرتا ہوں - والسلام

ماموں بھانجوں کو سلام ۔ والدعا

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ، ۲۵۔ دسمبر ۱۹۳۵ء

مہربانی کرکے آزاد گلشن یا میرے مجموعے یا اور کہیں سے ذوق کا ایسا کلام بھیجیے جو اب تک شائع نہ ہوا ہو۔ والسلام

م ۔ ش

(۶)

مائی ڈیر سید صاحب !

لطف نامہ پہنچا ۔ بھائی کیا کرتے ہو ۔ وہ پانچ روپے میں نے اورینٹل کالج میگزین اور عربک سوسائٹی کے چندہ کے واسطے بھیجے ہیں ۔ آپ شریف صاحب کی امانت کیونکر سمجھ بیٹھے ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میرا خط پورا نہیں پڑھا ۔

ریڈر شپ کی مبارکباد قبول ہو ۔ گریڈ میں کیا اضافہ ہوا ، یہ نہیں لکھا ۔ شریف صاحب کے سلسلے میں آپ کا اور صدیق صاحب کا شکریہ ۔ صدیق صاحب کی تجویز تو بہت مناسب معلوم ہوتی ہے، خدا کرے راست آئے ۔

ہاں خوب یاد آیا ۔ آپ یہ پانچ روپے میری ملک سمجھ کر جس طرح میں عرض کروں کو فرما ہوں یعنی (۱) چندہ اورینٹل کالج میگزین (۲) چندہ عربک پرشین سوسائٹی ۔ اگر کمی ہو تو مجھے لکھ دیجیے ۔ اگر فالتو ہو تو علی الحساب جمع کرا دیجیے ۔ میں اس چندہ یا چندوں کے لیے بہت متفکر ہوں کیونکہ ان پر ایک افتاد پہلے پڑ چکی ہے ۔ پچھلے جون یا مئی میں میرے پاس چندہ کی طلب میں کارڈ آیا ۔ میں نے گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ میگزین کے چندہ کے واسطے چار روپے بنام ڈاکٹر محمد اقبال منی آرڈر کر دیں ۔ چنانچہ چار کا منی آرڈر کر دیا گیا ۔ تین ماہ کے انتظار کے بعد میں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ ان چار روپوں کی کوئی رسید بھی آئی یا نہیں ۔ چند روز کے بعد جواب دیا کہ وہ روپے تو انہی دنوں میں واپس آ گئے تھے اور خرچ بھی ہوگئے ۔ میں حیران رہ گیا ۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خط لکھا اور دریافت کیا کہ آخر منی آرڈر کیوں واپس ہوا ۔ دیر کے بعد جواب آیا لیکن میرے استفسار کا کوئی جواب نہ تھا ۔ اب آپ کے ذریعے دوبارہ کوشش ہوئی اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے شریف صاحب کی امانت مان لیا ۔ آپ مجھے بواپسی جواب کیا بلکہ رسیدیں ڈاکٹر صاحب سے لے کر بھجوائیے ۔

میرے مجموعے کی فہرست علیحدہ رہنی چاہیے نہ میرا مجموعہ یونیورسٹی کے مجموعے

لائبریرین کا سب سے پہلا وعدہ تھا ۔ میں اس بارہ میں لائبریرین کو لکھوں گا اور آپ لائبریری کمیٹی میں کمیٹی کے فیصلے کے خلاف میری طرف سے احتجاج کریں ۔

میری صحت بالکل گر چکی ہے ۔ معلوم نہیں کب تک مہمان رہوں ۔ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ۔ بڑی کوشش کے بعد دس بیس قدم چل سکتا ہوں ۔

ذوق کے کلام کے سلسلے میں مجھے کچھ یاد نہیں ۔ آپ میری اردو کی بیاضیں دیکھ سکتے ہیں ۔ ممکن ہے کہیں کچھ مل جائے ۔ والسلام

محمود شیرانی

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ، ۱۳ ۔ جنوری ۱۹۳۶ء

بڑے بھیا بھی کبھی ملتے ہیں ۔ میری مراد شیخ عبدالعزیز بیرسٹر بٹالہ سے ہے ۔ ان کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجیے ۔ میں ان کو علیحدہ بھی عریضہ لکھ رہا ہوں ۔ ماموں بھانجے کی خدمت میں سلام ۔ ان سے کہنا کہ اگر ٹونک کے خربوزے میری زندگی میں کھانے ہیں تو مئی میں آ جاؤ ۔ اس دعوت میں آپ بھی شریک ہیں ۔

فقط

م ۔ ش

بنام ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب[1]

(۱)

فلیمنگ روڈ ۔ لاہور

۳ ۔ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر ماسٹر صاحب[2]

آپ کا عنایت نامہ مجھے لاہور کے پتہ پر ملا ۔ شکریہ ۔ ساتھ ہی ان اطلاعات کا

---

۱ ۔ محترم ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب نے اپنے نام مرحوم پروفیسر شیرانی کے ۱۹ خطوط مع سیر حاصل حواشی کے ''اورینٹل کالج میگزین'' کے مئی ۱۹۵۱ء شمارے میں شائع کروا دیئے تھے ۔ حواشی میں جہاں جہاں میں نے کوئی اضافہ کیا ہے ، قوسین میں ہے اور اس کے آگے لفظ ''مرتب'' درج کر دیا ہے (مرتب)

۲ ۔ آپ نے یہ خط مجھے اورنگ‌آباد (دکن) کے پتہ پر بوساطت قبلہ مولوی عبدالحق ، انجمن ترقی اردو لکھا تھا ، جب کہ ابھی آپ وہیں مقیم تھے اور آپ کا مکان وہاں مقبرہ دل رس بانو بیگم رابعہ دورانی زوجہ اورنگ زیب عالم گیر کے بالکل ساتھ شمال کی طرف ملا ہوا تھا ۔ اس کو راستہ مقبرہ کے اندرون سے ہی تھا ۔ راقم اس وقت یورپ کے سفر سے اول مرتبہ واپس آ چکا تھا ۔ مولوی صاحب اس وقت ابھی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۷ پر)

یہ جو آپ نے 'زمانہ' اور 'معارف' کے مضامین کے متعلق دی ہیں - اتفاق ایسا
کہ میں نے نذیر احمد[۱] سے ان دونوں پرچوں کے متعلق دریافت کیا لیکن وہ
نہ 'زمانہ'[۲] دکھا سکا اور نہ 'معارف'[۳] - پرسوں محمد باقر[۴]، میرے ایم - اے
شاگرد آئے - 'زمانہ' والا مضمون انہوں نے ہی لکھا تھا اور دونوں پرچے ساتھ
ہے - 'معارف' اختر صاحب[۵] جونا گڑھی نے جو کچھ میرے بیان کی تردید میں
ا ہے، نا کافی ہے اور مجھے ان کے بعض بیانات سے بھی اختلاف ہے - بہر حال اس

، حاشیہ صفحہ (۲۱۶)
ڈکشنری انگریزی اردو کی طباعت و ترتیب میں ہمہ تن مصروف تھے - میں
شیرانی صاحب کے فرمانے پر کچھ وقت کے لیے مولوی صاحب کے ہاں جائزہ زبان
اردو کے لیے چلا آیا تھا - جب میرا شیرانی صاحب سے اول ۱۹۲۱ء میں تعارف
ہوا تھا تو میں اس زمانہ میں لدھیانہ میں ڈی - بی - ٹیکنیکل سکول میں ہیڈ ماسٹر
تھا- اسی وجہ سے آپ اکثر ماسٹر کہہ کر پکارتے تھے -

یہاں مولوی نذیر احمد خاں موجودہ اسسٹنٹ لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری
سے مراد ہے - آپ اس وقت اس لائبریری کے شعبہ عربی، فارسی اور اردو
کتب کے انچارج تھے - مرحوم شیرانی صاحب ہمیشہ کتاب کی تلاش اور وقت
کی زحمت سے بچنے کے لیے کتابیں آپ ہی سے طلب کرتے تھے -
رسالہ زمانہ ۱۹۳۳ء سے مراد ہے، جو کانپور سے شائع ہوتا تھا اور ایک کایستھ
خاندان نگم کے زیر ادارت نکلتا تھا - جولائی کے پرچہ میں تنقید کتب کے عنوان
کے تحت پروفیسر ٹامس بیلی کی ''اے ہسٹری آف اردو لٹریچر'' پر تبصرہ شائع
ہوا تھا - اس کتاب میں مولف نے شیرانی صاحب کا ذکر کیا ہے جسے آپ
دیکھنا چاہتے تھے -

معارف رسالہ اعظم گڑھ سے مراد ہے - اتفاق سے قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی
نے جولائی کے پرچہ میں ایک مضمون نظامی گنجوی پر لکھا جس میں آپ نے
شیرانی صاحب کے مضمون تنقید شعر العجم رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۶ء کا حوالہ
دیتے ہوئے اختلاف کیا ہے -
یہ دراصل محترم ڈاکٹر محمد باقر حال صدر شعبہ فارسی اورینٹل کالج کی طرف
اشارہ ہے- آپ اس زمانے میں ایم - اے فارسی میں مرحوم شیرانی صاحب کے پاس
پڑھتے تھے - مجھے خوب یاد ہے کہ جب میں شیرانی صاحب سے ابتداً جنوری
۱۹۳۳ء میں یورپ سے واپسی پر اورینٹل کالج میں ملنے آیا تو آپ سے شیرانی
صاحب کی معرفت پہلی بار ملاقات ہوئی -
قاضی احمد میاں اختر آج کل پاکستان میں ہجرت کرکے آ چکے ہیں اور سندھ
یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک ہسٹری میں آج کل متعین ہیں - اس سے قبل آپ
انجمن ترقی اردو کراچی میں بھی ادارت رسالۂ اردو کے فرائض انجام دیتے رہے -

سلسلہ میں آپ کی اطلاع دہی کا شکر گزار ہوں ۔

میں نے مبلغ چالیس کا ایک منی آرڈر آپ کی خدمت میں بھیجا ہے ۔ اس کی رسید ۱۴ ستمبر کی میرے پاس ہے لیکن آپ کی وصولی کی رسید ابھی تک نہیں پہنچی میں امید کرتا ہوں کہ منی آرڈر پہونچ گیا ہوگا ۔

میرے پاس ابھی تک آپ کے بھائی صاحب نہیں آئے نہ آپ کے گھر والوں کی طرف کوئی استفسار آیا ۔ میں ان کو آپ کی حسب ہدایت جواب دوں گا ۔ آپ مطمئن رہیں ۔

داؤد[1] آنے کے لیے رضامند ہے لیکن وہ یہاں سے کس وقت روانہ ہو ، میں کہہ نہیں سکتا بہر حال ابھی اسے دیر لگے گی ۔ آپ کے معاملہ کی انجمن میں باوجود دریافت مجھ کو اطلاع نہیں مل سکی ۔

شفیع صاحب[2] سے آپ کا ذکر آیا تھا ۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے ماسٹر کو اسی روز جواب دیا تھا جس دن ان کی آم خوری کا قصہ انقلاب[3] میں چھپا تھا ۔

---

۱ ۔ داؤد سے مراد شیرانی صاحب کے اپنے فرزند اختر شیرانی مرحوم سے ہے جو آج اپنے تخلص شاعری اختر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں ۔ اکثر لوگ آپ کے نام داؤد سے واقف نہیں ہیں ۔ شیرانی صاحب نے کبھی بھی ان کو اختر کے نام سے نہیں پکارا بلکہ ان کو شیرانی صاحب پیار سے ان کے اشعار وغیرہ سے خوش ہو کر بلفظ گنجا بھی یاد کیا کرتے تھے ۔ اس کی وجہ تسمیہ کبھی سمجھ نہیں آئی اختر صاحب کے بچپن میں ایک بار سر میں پھنسیاں نکل آئی تھیں جس کے سبب سر گھٹانا پڑا ۔ اس بنا پر حافظ صاحب ان کو پیار سے گنجا کہنے لگے تھے ۔ البتہ ان کی شاعری سے حافظ صاحب کبھی زیادہ متاثر نہیں ہوئے اور نہ کبھی اپنی خوشی کا اظہار کیا ۔ بلکہ بیٹے کی مے نوشی کا علم ہونے کے بعد تو وہ گویا متنفر ہو گئے تھے ۔ مرتب]

مولوی عبدالحق صاحب چاہتے تھے کہ داؤد کسی طرح رسالہ اردو ، کے ادارات کے ضمن میں مولوی صاحب کی صحبت میں رہ کر کام کرے مگر یہ امر وقوع میں نہیں آیا ۔ ہاں ۱۹۴۰ء کے بعد ایک مرتبہ ہر دو باپ بیٹا یعنی پروفیسر شیرانی اور اختر شیرانی ، جب شیرانی صاحب اورینٹل کالج سے سبک دوش ہو چکے تھے ، انجمن ترقی اردو میں ، دہلی میں آ کر کچھ عرصہ کام کیا ۔

۲۔ یہ جناب قبلہ ڈاکٹر محمد شفیع مدظلہ العالی کی طرف اشارہ ہے ۔

۳۔ اس زمانہ میں مرحوم علامہ اقبال کی صحبت میں بیٹھ کر آم کھانے کے قصے روزنامہ انقلاب میں مولانا عبدالمجید سالک صاحب اپنے انداز میں افکار و حوادث

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۹ پر)

اقبال' خیریت سے ہیں تمھیں کئی مرتبہ یاد کر چکے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۸)

کے عنوان کے تحت لکھا کرتے تھے۔ ان میں چوھدری محمد حسین صاحب مرحوم مولانا غلام رسول مہر صاحب، سالک صاحب، تاثیر مرحوم جیسے احباب شرکت کرتے تھے اور ن مجالس کے میزبان مرحوم میاں نظام الدین رئیس لاہور بارود خانہ والے ہوتے اور انھی کے باغ میں جو راوی کے کنارے پر واقع ہے مجالس منعقد ہوا کرتی تھی اس میں میزبان کے صاحب زادے میاں اسلم، داماد اور بھتیجے میاں امیرالدین و دیگر بچے شریک ہوتے تھے۔ یہ تمام منظر بہت دلچسپ ہوتا تھا۔

۱۔ اقبال سے مرحوم پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج کی طرف اشارہ ہے جو اس کالج میں ۱۹۲۳ سے لے کر تادم آخیر ۱۹۴۸ء تک پروفیسر اور پرنسپل رہے۔ مرحوم شیرانی صاحب کے دوستانہ مراسم پروفیسر اقبال مرحوم سے بہت ہی خوش گوار رہے۔ عزیزوں کی طرح ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ احباب کو عام طور پر شاید علم نہیں یہ ہر دو بزرگ ایک دوسرے کے ہاں ہفتہ میں ایک بار ضرور آیا جایا کرتے تھے یعنی شیرانی صاحب ہر ہفتہ کی شام آپ کے ہاں جاتے اور وہ اکثر جمعرات کو شیرانی صاحب کے ہاں آتے۔ جب پروفیسر اقبال مرحوم نے اپنا ذاتی مکان ماڈل ٹاؤن میں تعمیر کر لیا تو پھر بھی یہی دستور برابر قائم رہا بلکہ شیرانی صاحب اتوار کے روز مغرب کے وقت پہنچ کر اکثر رات بھی وہیں گزارتے اور صبح کو واپس آتے، راقم نے اکثر ان مجالس میں شرکت کی۔ راقم کو شیرانی مرحوم کی اطلاع وفات ایک خط کے جواب میں ذیل کے خط میں دی:

ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

۶۔ مارچ ۱۹۴۶ء

مکرمی

کارڈ ملا۔ چند روز ہوئے شیرانی صاحب کی پوتی کا ایک خط مجھے ملا تھا جس میں صرف اتنا لکھا تھا کہ پندرہ فروری کو باوا جان کا انتقال ہو گیا۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند دنوں سے وہ کچھ زیادہ بیمار تھے۔ میں خود بسبب علالت کے ڈیڑھ ماہ کی رخصت پر ہوں اور کسی سے ملا نہیں اس لیے مجھے تفصیل معلوم نہیں۔ اس سانحہ کا اندیشہ مدت سے تھا۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۰ پر)

ہاں وہ کتابیں یعنی تذکرۃ الشعراء دکن دو جلد ، تذکرہ اولیائے دکن،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۹)

ماشاءاللہ کان - راقم محمد اقبال

مگر اس سے پیشتر پروفیسر شیخ محمد ابراہیم ڈار مرحوم خود بخود مندرجہ ذیل خط کے ذریعہ اطلاع دے چکے تھے -

''چغتائی صاحب ! کس منہ سے آپ کو بتاؤں کہ شیر بیشہ تحقیق یعنی ہمارے استاد پروفیسر شیرانی صاحب نے پندرہ اور سولہ فروری ۱۹۴۶ء کی درمیانی رات کو سوا دس بجے انتقال فرمایا - ابراہیم''

شیرانی صاحب مرحوم کا اخلاق اور روا داری ضرب المثل تھے - جس کے بے شمار واقعات قابل ذکر ہیں - پروفیسر اقبال مرحوم جب ایران گئے تو ان کے مکان ماڈل ٹاؤن پر اسی طرح اکثر ہفتہ کے روز حاضر ہوتے رہے اور ان کے محون میں اسی طرح اپنا وقت گذار کر اتوار کی صبح کو واپس آتے ایک دفعہ کا ذکر ہے صبح کو ہم جب اٹھے تو ڈاکٹر اقبال کے بڑے بھائی پروفیسر خادم محی الدین صاحب بھی موجود تھے - ہم سب بندوق لے کر شکار کو نکلے اور اس وقت سوا طوطوں کے اور کوئی جانور نظر نہ آتا تھا - مگر کوئی نشانہ نہ بیٹھتا تھا - سب کا خیال یہ ہوا کہ شیرانی صاحب کے سر پر جو سرخ ٹوپی ترکی ہے شاید یہ حائل ہے - آخر ان کو اتارنی پڑی - شیرانی صاحب نہ وجہ تمام سر سفید ہونے کے ہمیشہ مہندی لگاتے تھے - جس سے بال سرخ رہتے تھے - جب ٹوپی اتار لی تو سرخ سر دیکھ کر پروفیسر خادم محی الدین صاحب نے فرمایا کہ بات پھر بھی نہیں بنی کیونکہ ترکی ٹوپی بھی سرخ تھی -

پروفیسر شیرانی اور پروفیسر اقبال کی اسی اتوار کی مجالس کے بہت سے قصے ہیں بعض اوقات اتوار کی شب کو آزاد صاحب شمس الدین ماہر موسیقی کو ہمراہ لے کر آ جاتے اور مجلس سرود کافی دیر تک رہتی - اقبال اور ان کے بھائی پروفیسر خادم محی الدین صاحب کو موسیقی سے خاص ماہرانہ طور پر دلچسپی تھی - آخر میں اقبال کو موسیقی سے کچھ دلچسپی کم ہو گئی تھی اور اپنے تمام ساز اٹھا کر لوگوں کو دے دیئے تھے -

ایک شب مولا بخش خضر تمیمی صاحب بھی ہمراہ تھے - انہوں نے رات کو کتے کی بولی بولنی جو شروع کی تو تمام ماڈل ٹاؤن کے کتے پروفیسراقبال کے مکان کے گرد جمع ہو گئے اور دیر تک یہ تماشا رہا -

۱- کتابوں کا ذکر اور ان کی فراہمی دراصل مرحوم شیرانی صاحب کے بیان میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۱ پر)

دو جلد ، تاریخ دکن (خدا جانے کیا نام تھا - کیا گلزار آصفیہ تھا یا کچھ اور) تاریخ طبری بقیمت مبلغ پانچ روپیہ لیتے آئیے ، ممنون ہوں گا - آپ کب تک آ رہے ہیں - بھائی جان اب تو آ جاؤ - حیدر آباد کافی رہ چکے ہیں - والسلام

محمود شیرانی

اپنی آمد سے اطلاع دو - اکثر احباب دریافت کرتے ہیں -

مکرر : آپ کو سہو ہو گیا ہے - تہمتن شاہ[1] والا سکہ آپ کے عطیہ ذخیرہ میں نہیں ہے اگرچہ میں اس سکہ سے کسی مضمون کی بنا پر واقف ہوں جو شاید ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ میں چھپا تھا - میں سمجھتا ہوں کہ تہمتن شاہ ایک غلطی ہے اور مقصد بہمن شاہ ہے - سید محمد[2] صاحب و عمر یافعی صاحب[3] کی خدمت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰)

ایک لازمی امر ہے جس سے ان کا شغف علمی واضح ہے چنانچہ یہاں چار حصے تاریخ دکن مولفہ مولانا ابوتراب محمد عبدالجبار ملکا پوری کی طرف اشارہ ہے ، جن کے اسماء یہ ہیں : (۱) محبوب الوطن (۲) محبوب ذی المنن (۳) محبوب الزمن - ۲ ، ۳ دو دو حصوں میں ہیں اور گلزار آصفیہ مولفہ غلام حسین بھی دکن کی تاریخ ہے - یہ حیدر آباد میں ۱۹۰۰ء میں طبع ہوئی -

۱- تہمتن شاہ کا سکہ دراصل کوئی خاص سکہ سلاطین بہمنوں کا نہیں ہے بلکہ بعض سکوں پر ایسے لفظ ملتے ہیں جن پر ''تہمتن'' کا لفظ بھی ملتا ہے - حیدر آباد دکن میں ایک پارسی مسٹر ہرمز صاحب سکوں کا شوق رکھتے تھے - انہوں نے میرے پاس اس طرح ایک مرتبہ ذکر کیا اور جب شیرانی صاحب دو چند سکے ارسال کیے تو ان میں وہ سکہ بھی تھا جس پر یہ لفظ تھا اور یہ اسی کی طرف اشارہ ہے -

۲- سید محمد صاحب مشہور مولف ''ارباب نثر اردو'' آج کل حیدر آباد دکن میں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر اردو ہیں -

۳- عمر یافعی صاحب کا پورا نام ابو صالح محمد عمر یافعی ہے - آپ عرب قوم کے فرد ہیں - حیدر آباد دکن میں مختلف شعبوں میں ملازم رہے ہیں مگر ہمیشہ آپ نے اہل علم کی خدمت کی ہے - ان کے پاس بہت بڑا کتب خانہ ہے جسے وہ کراچی میں مولوی عبدالحق کے پاس منتقل کر چکے ہیں - سال گذشتہ انجمن ترقی اردو کی گولڈن جوبلی کے موقع پر تشریف بھی لائے تھے [اگست ۱۹۶۱ء میں مولوی عبدالحق صاحب سے صرف ایک ہفتہ بعد یافعی صاحب کا انتقال ہو گیا (مرتب)]

میں میرا سلام نیاز - یافعی صاحب سے کہہ دیجیے کہ سر خوش صاحب[1] ابھی تک مجھے نہیں ملے - جونہی تذکرہ ان کے ہاتھ لگا ، میں دونوں تذکرے ان کی خدمت میں ارسال کر دوں گا -

محمود شیرانی

(۲)

اورینٹل کالج - لاہور
۲۲- جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر[2] ماسٹر عبداللہ

آپ کا عنایت نامہ پہونچا - بڑی مسرت حاصل ہوئی - آپ نے معلوم ہوتا ہے اب کے خوب سیر کی ہے - کاش آپ ہمارے پیر صاحب[3] کو بھی قدیم عمارات میں دلچسپی کرا دیتے - یہ وہ چیز ہے جس میں مسلمانوں نے اب تک کوئی توجہ منبذول نہیں کی ہے اور نہ ان میں اس کے متعلق بیداری کے کوئی آثار ہیں -

---

۱- شیر علی خاں سر خوش ایک نہایت جوشیلے اردو کے دل دادہ لاہور کے باشندہ تھے - آپ محکمہ ٹیلی گراف میں ملازم تھے- آپ نے تذکرہ اعجاز سخن لکھا - مجالس رنگین کا اردو ترجمہ کیا ، مضحکات و مطائبات سرسید وغیرہ تالیفات چھوڑی ہیں کبھی نامہ نگار اودھ پنچ لکھنؤ بھی تھے - [ان کا انتقال سنہ ۱۹۵۳ء میں ہوا (مرتب)] -

۲- آپ کا یہ خط میرے پاس حیدر آباد دکن بوساطت قبلہ مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ العالی پہنچا - یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قبلہ مولوی صاحب اورنگ آباد کالج کی پرنسپلی سے سبک دوش ہو کر پروفیسر اردو عثمانیہ یونیورسٹی مقرر ہو چکے تھے اور آپ وہاں بنجارہ سڑک پر رہائش رکھتے تھے ، جو اس زمانہ میں وہاں ایک جنگل شمار ہوتا تھا بلکہ بعض مقامی حضرات اس حصہ کو پہاڑی علاقہ تصور کرکے کوہسار بھی کہتے ہیں -

۳- پیر صاحب سے مراد قبلہ مولوی صاحب ہی ہے - شیرانی صاحب مرحوم کا قاعدہ تھا وہ اکثر بعض احباب کو ان کے ادب و احترام کی وجہ سے اس طرح بعض الفاظ سے بھی آپس میں گفتگو میں مراد لیا کرتے تھے - مثلاً ہم اکثر جب بھی سر اقبال مرحوم کا ذکر کرتے تو ہمیشہ پیران پیر ہی کہہ کر ذکر کرتے اور بعض دفعہ قبلہ مولوی محمد شفیع صاحب کو بھی پیر ہی کے لقب سے ذکر کیا کرتے تھے - شیرانی صاحب کے نزدیک ان بزرگوں کا ایک خاص ادب تھا -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۳ پر)

مجھے اپنے بڑودہ[1] نہ آنے کا بے حد افسوس ہے - میں کچھ دنوں کے لیے شکار کو چلا گیا تھا لیکن واپس بیمار آیا - پندرہ روز کے بعد طبیعت سنبھلی مگر ہاتھ کی تکلیف جو پھوڑوں کی شکل میں ہے اب تک موجود ہے بلکہ اب تک میں لکھنے سے بھی معذور تھا اور اب بھی ہوں بلکہ زیادہ کام نہیں کر سکتا ہوں -

آپ نے میرے لیے جو سکے[2] خریدے ہیں ان کا شکریہ پیشگی قبول کیجیے - اس

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۲

راقم نے پانچویں خط کے ذیل (نوٹ ۹) ایک سفر حیدر آباد دکن کا ذکر کیا ہے جو دراصل ہم نے مولوی عبدالحق صاحب کے ہاں قیام کے ارادہ سے نہیں کیا تھا مگر وہاں پہنچ کر شیرانی صاحب نے حیدر آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب سعیدیہ ہوٹل میں قیام کیا - جب مولوی صاحب کو اطلاع ہوئی تو فوراً موٹر لے کر آئے اور شیرانی صاحب کی طرف ذرا تیوری چڑھا کر دیکھا اور کہا یہ کیا ؟ مجھے موٹر میں فوراً سامان رکھوانے کو کہا - چنانچہ ہم خاموشی سے ان کے ہمراہ بنجارہ روڈ پر پہنچ کر ان کے ہاں مقیم ہوئے - اگرچہ مولوی صاحب کی رہائش بلدہ سے خاصی دور تھی مگر پھر بھی احباب اور قدر دانوں کا ایک تانتا رہتا تھا - وہاں ملنے والوں میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ، مولانا عمر یافعی ، سید محمد ، ڈاکٹر سید لطیف ، حکیم سید شمس اللہ قادری وغیرہ قابل ذکر ہیں - واپسی پر ہم بمبئی اور احمد آباد ہوتے ہوئے مارواڑ پہنچے - مگر بمبئی میں پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز ، پروفیسر نجیب اشرف ندوی اور احمد آباد میں پروفیسر شیخ محمد ابراہیم کی صحبتیں قابل ذکر ہیں -

۱- دسمبر ۱۹۳۲ء میں جو آل انڈیا کانفرنس کا اجلاس بڑودہ میں منعقد ہوا اس کے شعبہ اردو کی صدارت مولوی عبدالحق صاحب نے کی - ایک مطبوعہ خطبہ آپ نے پیش کیا تھا - اسی خطبہ میں مولوی صاحب نے پنجاب کا ذکر کرتے ہوئے ذرا طعن و طنز سے کام لیا جو دراصل اس وقت کے سالنامہ 'کارواں' لاہور کے خلاف احتجاج تھا - مولوی صاحب کے اس رویہ کو اکثر احباب نے ناپسند کیا تھا - راقم نے اس زمانہ میں گجرات کاٹھیاواڑ کے اکثر مقامات کی سیر کی اور مولوی صاحب کے ہمراہ احمد آباد ، کھنبایت ، سورت اور بڑودہ کے اکثر پرانے کتب خانے بھی دیکھے اور اسی سفر میں ہمارے ہمراہ مولوی صاحب کے پرانے شاگرد مرحوم شیخ چاند مولف ''سودا'' بھی تھے -

۲- سورت شہر میں ایک شخص کمال الدین نامی پرانی اشیا میں لین دین کرتا تھا - اس سے بعض سکے شیرانی صاحب کے لیے حاصل کیے جو شیرانی صاحب کو پسند نہیں آئے -

سلسلہ میں جو کچھ ملے بشرطیکہ صاف اور اچھی حالت میں ہو لے لیجیے ۔ کام آئیں گے ۔ آپ کا سورت والا ڈیلر بے حد ہوشیار معلوم ہوتا ہے ۔ وہ علاءالدین خلجی اور فرخ سیر کے سکوں کے عوض میں بابر اور بہادر شاہ (ثانی) کے سکے چاہتا ہے حالانکہ علاءالدین اور فرخ سیر کے سکے بہت عام ہیں اور بابر اور بہادر شاہ کے سکے بہت کم یاب ہیں ۔ بہر حال یہ معاملہ ان سے سکوں کے دیکھنے پر منحصر ہے ۔ ممکن ہے کہ وہ ایسے ہوں جو میرے پاس نہ ہوں ۔ اس سلسلہ میں آپ ان سکوں کا حساب رکھیے ۔ میں پائی پائی ادا کر دوں گا بلکہ اگر ضرورت ہو تو ابھی بھیج دوں میرا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے آپ خریداری سے معذور رہیں ۔

کتابوں[1] کے متعلق افسوس ہے کہ آپ لا نہ سکیں گے لیکن پیر صاحب سے میری طرف سے عرض ہے (یہاں سے یہ خط کچھ کم ہے) ۔

آپ کو تاریخ طبری[2] طبع نولکشور یاد ہے نا ، یہ سفید کاغذ پر ہے اور سنہ بارہ سو کچھ کی چھپی ہوئی ہے ۔ نول کشور نے اس کے دو ایڈیشن چھاپے ہیں ۔ مجھ کو پہلے ایڈیشن کی ضرورت ہے ۔ دوسرا ایڈیشن میرے پاس ہے ۔ زیادہ پیسے نہ دیجیے گا زائد سے زائد پانچ روپیہ ۔

آپ کے بھائی جنہیں آپ نے اس سال خان بہادر بنوا دیا ہے ، جہاں تک میں سنتا ہوں ، خیریت سے ہیں اور باقی لوگ بھی خیریت سے ہوں گے ۔ آپ کے ہاں لڑکوں کو میں نے ایک دو مرتبہ بھیجا ۔ معلوم ہوا کہ آپ نہیں آئے ۔ اس سے زیادہ آپ کے گھر والوں کی خیریت معلوم نہیں ۔ 'کارواں' نہ میرے پاس پہونچایا گیا اور نہ میں نے اسے دیکھا ۔ البتہ ریل میں ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا ۔

ولی[3] کی وفات کی تاریخ میرے لیے ایک جدید اطلاع ہے ۔ مجھے صرف اس قدر

۱۔ آپ ہمیشہ کتابوں کی ہی فرمائش کرتے رہے اور راقم نے بھی اکثر ان کی فرمائش کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ کماحقہ کوشش کی ۔ ان کے لیے اکثر کتابیں فراہم بھی کیں جس کا ان کے کتب خانہ میں آج بھی وجود ملتا ہے ۔

۲۔ آپ تاریخ طبری فارسی (بڑی عربی تاریخ طبری کا یہ چربہ فارسی زبان میں ہے) کو قدیم زمانہ کی ایک علمی یادگار تصور کرتے تھے بلکہ میں نے خود بھی ان کو اس سے پیشتر اپنے کتب خانہ سے ان کی خدمت میں ایک نسخہ پیش کیا تھا جس کا یہاں بھی اشارہ ہے ۔

۳۔ یہ دراصل شیرانی صاحب مرحوم کے ایک اپنے مضمون کی طرف اشارہ ہے جو اس زمانہ میں طبع ہو چکا تھا جس کی آپ نے از سر نو تصریح کر دی ہے ۔

معلوم ہے کہ ولی کے ایک نسخہ میں جو سنہ ۸ جلوس محمد شاہ کا نوشتہ ہے ، اس کو مرحوم لکھا گیا ہے ۔ اس لیے ظن غالب ہے کہ یہ تاریخ وفات صحیح ہے اور آزاد اور قاسم کا نقل کردہ یہ شعر :

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین   جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

غلط معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ یہ شعر اس کے دیوان میں نہیں تھا ۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ آپ کو کس جرم کی پاداش میں ماہ رمضان میں گھر سے نکالا گیا ہے اور بیوی کے فرائض سے نا آشنا بنا دیا گیا ہے ، یہ تو انہیں کو معلوم ہے جنھوں نے آپ کو نکالا ہے ، البتہ آخری ۔ کے متعلق میں تجویز کرتا ہوں کہ مولانا ۔ موجود ہیں ، آپ ان کی خدمت میں فرائض انجام دیں ۔

ہاں یہ بتاؤ لاہور کب آؤ گے آخر رمضان تو ختم ہو گئے ہیں ۔ والسلام

محمود شیرانی

(۳)

بی ۔ او بڑی کھاٹو، راج مارواڑ
۱۷۔ جولائی ۱۹۳۵ء

مائی ڈیر ماسٹر[1] صاحب

داؤد کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو میرے خط کا انتظار ہے ۔ اس لیے یہ سطریں لکھتا ہوں ۔ اس سے پہلے ایک خط جمیل[2] کا نوشتہ ملا ہوگا ۔ اس میں دو

۱۔ شیرانی صاحب کا یہ خط مجھے موسم گرما کی تعطیلات کے دوران میں ان کے آبائی وطن سے لاہور کے پتہ پر وصول ہوا تھا ۔ اس زمانہ میں ان کے فرزند اختر شیرانی (داؤد) مرحوم لاہور میں ہی مقیم تھے ۔ چونکہ میں نے شیرانی صاحب سے ان کے وطن دوران تعطیلات میں جانے کا وعدہ کر لیا تھا اس لیے بعض امور کی تفصیل جاننے سے پیشتر مسٹر داؤد کے ذریعہ طے ہوئی جن کا یہاں اشارہ ہے ۔

۲۔ مسٹر جمیل الرحمن شیرانی پروفیسر شیرانی صاحب کے بھانجے ہیں ۔ اس زمانہ میں آپ کے ہاں ہی رہائش رکھتے تھے اور اسلامیہ کالج لاہور [جمیل الرحمن صاحب نے ایف ۔ سی کالج لاہور سے ایف ۔ ایس ۔ سی کیا تھا ۔ مرتب] میں طالب علم تھے ۔ آج کل وہ کوئٹہ میں محکمہ جنگلات پاکستان کے اعلیٰ آفیسر ہیں ۔ [اب بطور چیف کنزرویٹر بلوچستان، ملازمت سے ریٹائر ہو کر حیدر آباد سندھ میں مقیم ہیں ۔ مرتب] ۔

فرمائشیں بھی تھیں ۔ ایک تو برخورداری قمر[1] کے لیے شوز کی ۔ دوسرے ایک راوٹی[2] کی جس میں پانچ چھ چارپائی کی جگہ ہو اور دو طرف سے کھلی ہو ۔ اس سلسلہ میں آپ یہاں میر جائیں اور وہاں سے اسٹاک دیکھیں ۔ راوٹی اچھی حالت میں ہو ، پیوندکاری نہ ہو اور اس کی ڈوریاں، لکڑیاں، بانس وغیرہ ثابت ہوں ۔ اگر ثابت نہ ہوں تو آپ وہاں سے (مع فالتو ڈوریوں کے) بنوا کر لے آئیں ۔ یہاں نہ بانس ملتے ہیں نہ ڈوری الغرض ہر طرح سے مکمل ہو ۔ ہمارے مالک مکان فیروزالدین[3] کے میاں میر میں بعض لوگوں سے ملاقات ہے ۔ ممکن ہے کہ ان کے ذریعہ سے مناسب داموں ہاتھ لگ جائے ۔

ہم جب یہاں آئے تھے تو سخت لو چل رہی تھی لیکن اب تو دس دن سے موسم بڑا اچھا ہوگیا ہے ۔ بارش ہوگئی ہے ۔ ابر ہر روز محیط رہتا ہے اور ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں ۔ میں نے کام شروع کر دیا ہے لیکن رفتار بہت سست ہے ۔ چینی کی دو تین بوتلیں لیتے آنا ۔ بجی کے لیے دو تین ڈبے بسکٹوں کے لیتے آنا ۔

داؤد نے آم[4] بھیجے تھے ۔ دیر میں پہونچے ۔ خراب ہوگئے ۔ میں تیتر کھاتے کھاتے

۱۔ یہ ان کی بڑی پوتی بنت اختر شیرانی کی طرف اشارہ ہے [مرتب کی سب سے بڑی بہن ۔ ان کا اصل نام پروین اختر ہے لیکن دادا جان مرحوم قمر کہا کرتے تھے ۔ مرتب]

۲۔ راوٹی سے مراد چھولداری ہے جو عام طور پر لوگ باہر میدان میں چھوٹے سے خیمہ کی صورت میں لگا کر عارضی طور پر قیام کرتے ہیں ۔ چونکہ شیرانی صاحب کو شکار کا بہت شوق تھا اس لیے آپ چاہتے تھے کہ ان کے لیے ایک راوٹی یہاں سے چھاؤنی میاں میر صاحب کے کباڑیوں سے سیکنڈ ہینڈ مل جائے جس کی ضرورت آپ کو وہاں کھاٹو میں تھی ۔ اگرچہ آگے ان کے پاس ایک تھی ۔ اس میں وہ اپنے گاؤں کے باہر ایک تالاب کے کنارے قیام کرتے تھے ۔ اگر کوئی مہمان آجاتا تو اسے بھی وہیں قیام کرنا ہوتا اگرچہ وہاں ان کا اپنا ایک مکان بہت وسیع سرخ پتھر کا تھا جو دور سے دہلی کے لال قلعہ کی مانند نظر آتا تھا ۔

۳۔ آپ کا مکان لاہور میں فلیمنگ روڈ پر برف خانہ چوک سے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر تھا جو در اصل ایک کارخانہ ٹھیکیداران ابراہیم فیروزالدین کا بڑھئی کے کام کا کارخانہ تھا اور آج بھی ہے ۔ ان میں سے آج بھی حاجی فیروز الدین بقید حیات ہیں ۔ شیرانی صاحب ان کے احاطہ میں لب سڑک مکان میں کئی سال رہے ۔

۴۔ میں جب شیرانی صاحب کے ہاں کھاٹو گیا تو ان کی ہدایت کے مطابق ان کے لیے آم بھی لے گیا تھا ۔ کھاٹو مارواڑ میں ایک بہت بڑا قصبہ ہے مگر شیرانی صاحب ایک معمولی قریہ میں مقیم تھے ۔ ذیل میں ملاحظہ ہو ۔

دق آ گیا ہوں۔ یہاں نہ گوشت ملتا ہے، نہ سبزی، نہ دالیں۔ مجبوراً تیتروں پر گزارہ ہوتا ہے۔

والسلام

اپنے بھائی صاحبان کی خدمت میں میرا سلام۔

قمر کے پاؤں کا نپانا علیحدہ کاغذ پر بھیج رہا ہوں۔ اسٹیشن کا نام یاد بھی ہے؟ Badabra[1]-

محمود شیرانی

۱- چونکہ مجھے وہاں جانا تھا اس لیے آپ نے تاکیداً ریلوے اسٹیشن کا نام پھر لکھ دیا کہ مجھے اس ریلوے اسٹیشن پر اترنا ہوگا نہ کہ کھاٹو پر [در اصل کھاٹو نام کے دو قصبے ہیں جن کے درمیان دو تین میل کا فاصلہ ہے۔ دونوں میں امتیاز کی غرض سے مشرقی قصبے کو چھوٹی کھاٹو اور مغربی قصبے کو بڑی کھاٹو کہا جاتا ہے۔ بڑی کھاٹو کا اسٹیشن کھاٹو اور چھوٹی کھاٹو کا بڈابرا کہلاتا ہے۔ ڈھانی شیرانیاں جانے کے لیے بڈابرا اسٹیشن پر اترنا ہوتا ہے۔ مرتب] مارواڑ بھی عجیب و غریب علاقہ ہے جہاں شیرانی صاحب پیدا ہوئے تھے [شیرانی صاحب کا آبائی وطن مارواڑ کا ڈھانی شیرانیاں نامی موضع تھا لیکن ان کی پیدائش راجپوتانہ کی واحد مسلم ریاست ٹونک میں ہوئی تھی۔ مرتب] میں ان کی ہدایت کے مطابق لاہور سے چل کر دہلی پہنچا۔ وہاں سے حصار پہنچا۔ حصار سے چل کر میں شام کے وقت ریلوے اسٹیشن سجان گڈھ مقام پر پہنچا جہاں ریلوے گاڑی رک گئی اور رات بھر وہیں قریب ہی ایک سرائے میں قیام کیا۔ مارواڑ میں اکثر سرائیں ایسے مقامات میں ہیں جہاں مسافر آرام کرتے ہیں اور کوئی خرچہ وغیرہ نہیں دینا پڑتا۔ یہ سرائیں متوسط درجہ کے ہوٹلوں سے بہتر ہیں۔ صبح وہاں سے سوار ہو کر قریب ایک بجے دوپہر ریلوے اسٹیشن بڈابرہ پر پہنچا جسے شیرانی صاحب نے احتیاطاً لکھ دیا تھا۔ اب یہاں سے ایک خاصہ ریگستان گزر کر شیرانی صاحب کے آبائی وطن ''شیرانیوں کی ڈھانی'' قریب چار پانچ میل پر بذریعہ بہلی یا اونٹ جانا تھا۔ مارواڑ کا یہ علاقہ ریاست جودھ پور میں ہے جہاں سوائے باجرہ اور موٹھ کے کھانے کے لیے کچھ اور پیدا نہیں ہوتا۔ وہ بھی اگر بارش وقت پر پڑ جائے تو بہتر ورنہ خشک سالی کے عالم میں یہاں کے باشندوں کو عربوں کی طرح تلاش معاش میں دور دور اپنے اونٹ لے کر در بدر ہونا پڑتا ہے۔ یہاں خشک پہاڑیاں بھی کافی ہیں اور پتھر کی کانیں ہیں۔ کھاٹو کا زرد رنگ پتھر بھی کافی مشہور ہے۔ اس علاقہ میں پانی کی قلت بھی ہے کیونکہ کنوؤں کا پانی سمندر کے پانی طرح کھارا ہوتا ہے۔ لوگ بارش کے پانی کو محفوظ کر لیتے ہیں جو نہایت کفایت شعاری سے پیتے رہتے ہیں۔ اسی لیے یہاں کے معمول مارواڑی عام طور پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۸ پر)

(۴)

۱۸ فلیمنگ روڈ ، لاہور
۶ دسمبر ۱۹۳۹ء

جناب ڈاکٹر عبداللہ صاحب چابک سوار[1] بمبئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۷)
تالاب کھدوا کر پانی کو محفوظ کر لیتے ہیں اور ان تالابوں پر مستقل ملازم رہتے ہیں جو مسافروں کو پانی پلاتے ہیں ۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ کھاٹو میں حضرت شیخ اسحاق مغربی متوفی سنہ ۷۶۳ھ کی درگاہ میں ایک سنگ مرمر کا بہت بڑا کتبہ عربی زبان میں محفوظ کیا ہوا ہے جو بہت ہی عجیب و غریب تاریخی دستاویز ہے یعنی یہ سلطان شمس‌الدین التمش کے زمانہ ماہ رمضان ۶۲۹ھ کا ہے جس میں لفظ ''غدیر'' یعنی حوض واضح ہے کہ سلطان نے اسے تعمیر کرایا تھا ۔ شیرانی صاحب کے متذکرہ بالا گاؤں سے کھاٹو بارہ یا تیرہ میل ہے [ڈاکٹر چغتائی صاحب کو سہو ہوا ہے ۔ ڈھانی شیرانیاں سے بڑی کھاٹو کا فاصلہ، جہاں حضرت اسحاق مغربی کی درگاہ ہے، بہ مشکل پانچ چھ میل ہوگا ۔ مرتب] جو مارواڑ کا بڑا حصہ شمار ہوتا ہے [کذا] جہاں میں دو تین مرتبہ اونٹ پر چڑھ کر گیا ۔ ایک مرتبہ تو داؤد شیرانی بھی ہمراہ تھے ۔ وہ اونٹ کو خود چلاتے تھے جو میں نہیں کر سکتا تھا ۔ شیرانی صاحب نے یہیں قرآن کریم ابتدا میں رمضان شریف میں سنایا تھا ۔ کھاٹو پر راقم نے ایک مضمون انڈین ہسٹری کانگرس مدراس کے موقع پر پیش کیا تھا جو رویداد میں طبع ہو چکا ہے اور اس علاقہ میں شکار بہت ہے یعنی نیل گائے، ہرن ، مور ، تیتر وغیرہ عام ملتے ہیں ۔ یہ تمام علاقہ مارواڑ، اجمیر، ناگور، کھاٹو، ڈیڈوانہ، بیکانیر وغیرہ اسلامی ثقافت کے نفاذ کے اعتبار سے بہت ہی عجیب و غریب ہیں ۔ حال ہی میں گورنمنٹ انڈیا نے راقم کا ایک طویل اور اہم مقالہ اسلامی کتبات پر شائع کیا ہے جو لاڈنوں جالور ، ڈیڈوانہ ، ناگور (راجپوتانہ) سے جمع کیے تھے اور یہ سب اسی زمانہ کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے ۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مسلمان بالکل ابتدائی زمانہ میں یہاں آباد ہو چکے تھے مگر کسی مورخ یا سیاح کو ان کے بیان کرنے کا موقع نہیں ملا کیونکہ یہاں قدیم اسلامی اثرات اب بھی باقی ہیں ۔ ۶۲۴ھ میں ایک سفارتی مشن خلیفہ عباسی بغداد کی طرف سے سلطان شمس‌الدین التمش کے زمانہ میں امام صغانی کی قیادت میں آیا تو اسی ناگور وغیرہ کے علاقہ سے گزرتا ہوا دہلی پہنچا ۔ امام موصوف، صاحب ''مشارق‌الانوار'' لاہور میں پیدا ہوئے تھے ۔

۱۔ آپ کا یہ خط میرے پاس بمبئی بوساطت پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۹ پر)

پرنسپل شفیع' نے آپ کا خط میرے پاس بھجوا دیا - میں دیکھ کر حیران ہوا کہ آپ کو ابھی تک میری کتابیں بھولنے کے لیے یاد ہیں - حضرت یہ نام آپ مجھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۸)

اسمعیل کالج ، جوگیشوری ، بمبئی ملا - پروفیسر موصوف کا مکان اندھیری میں مرجع خاص و عام تھا اور اب بھی ہے - جہاں راقم اسی زمانہ میں ان کے ہاں مہمان کے طور پر مقیم تھا اور لاہور سے وہاں کی ایک گجرات کلب اور گجرات فوربس سبھا کی دعوت پر گجرات کی تاریخ پر لیکچر دینے کے لیے ایک گجراتی ہندو بی - جی - شاہ (ریلوے کے فنانس کے افسر اعلیٰ) کی فرمائش پر گیا تھا - راقم کے لیے یہ زمانہ تلاش معاش میں خاصہ صبر آزما تھا کیونکہ ۱۹۳۸ء سے یورپ سے واپس آ کر ابھی تک کوئی مستقل انتظام نہیں ہوا تھا - وہاں پہنچ کر اور احباب سے بھی ملاقات ہوئی بلکہ حیدر آباد دکن بھی جانے کا اتفاق ہوا - مگر یہ زمانہ ایسا تھا کہ دکن کالج پوسٹ گریجویٹ ریسرچ انسٹیٹیوٹ پونہ کی اسلامی ڈائریکٹر اور دوسری اسامیوں کا اشتہار ہو رہا تھا - اتفاق سے کالج کی کمیٹی کے ممبر مرحوم ڈاکٹر بذل الرحمن بھی تھے ، جن سے کئی سال بعد ملنے کا اتفاق ہوا تھا اور انتخابی کمیٹی کے صدر خان بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز آئی - ای - ایس پونہ تھے - غرضیکہ راقم کا انتخاب بطور ریڈر ہوا اور ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء پاکستان بننے تک راقم پونہ میں مقیم رہا اور اس تمام عرصہ میں خاص کر مرحوم پروفیسر شیخ ابراہیم ڈار جو قریب آٹھ نو سال پیشتر سے اس علاقہ میں محکمہ تعلیم میں ملازم تھے اور اس وقت وہ ڈاکٹر بذل الرحمن پرنسپل اسمعیل یوسف کالج کے ماتحت عربی فارسی کے پروفیسر تھے - سید مجیب اشرف ندوی بھی اسی کالج میں اردو کے لیے تھے - شیرانی صاحب کے مندرجہ الفاظ چابک سوار سے مراد ظرافت ہے جو میرا لاہور کا مستقل گھر کا پتہ ہے اور بمبئی میں قیام کی طرف اشارہ ہے -

۱- جب کہ پرنسپل محمد شفیع اورینٹل کالج لاہور کو بھی میں نے اپنے حالات قیام بمبئی سے برابر باخبر رکھا چونکہ گمان یہ تھا کہ قبلہ شیرانی صاحب اس قدر جلد جواب دینے کے عادی نہیں ہیں اور معاملہ کتابوں کا تھا جن کے لیے شیرانی صاحب ہمیشہ تاکید کرتے رہتے تھے - پھر بمبئی میں اکثر دوکانیں بھی ایسی ہیں جہاں سے ہر قسم کی کتب ملنے کا امکان ہو سکتا ہے ، اس لیے آپ نے فوراً مجھے متاثر ہو کر جواب دیا اور ایک فہرست ان کتب کی ارسال کی تھی جو عام طور پر سکوں پر تھیں اور ان کے پاس اس طرح ایک خاصہ عمدہ مجموعہ مطبوعہ کتب متعلقہ مسکوکات جمع ہو چکا تھا -

سے دو مرتبہ لے چکے ہیں ، اب تیسری مرتبہ پھر منگوا رہے ہیں ۔ مطلب کیا ہے کیا ان ناموں کا ورد ہوگا یا وظیفہ پڑھا جائے گا ۔ خیر آپ جو چاہیں کریں میں وہ نام علیحدہ لکھوا کر بھیج رہا ہوں ۔ میاں اور باتوں میں تو ایسے بھلکڑ نہیں ہو اور ان کا یاد رکھنا کون سا مشکل ہے ۔ ایک کتاب تو لاہور میوزیم میں مغل مسکوکات کی فہرست ہے ۔ مصنف وھائٹ ہیڈ ہیں ۔ دوسری کتاب دہلی سلاطین کے مسکوکات (دہلی میوزیم) کی فہرست ہے ۔ اچھا مجھے بواپسی ان کتابوں کے متعلق لکھو وہاں ملتی ہیں یا نہیں ۔

پروفیسر نجیب اشرف[1] صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کر دیجیے اور کہیے کہ آپ کا عید کارڈ حسب معمول تشریف لایا ۔ اس مرتبہ میرا ارادہ ہوا کہ جواب میں شکریہ ادا کروں لیکن دیکھا تو کوئی پتہ نہیں لکھا تھا اس لیے خاموش ہوگیا ۔ ع

خوئے بد را بہانہ بسیار

ان کی خدمت میری طرف سے عرض کر دیجیے کہ ایک بات کہنا چاہتا ہوں[2] مگر زبان پر آ آ کر رہ جاتی ہے ۔ اگر پختہ ہے تو آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا ورنہ میں آپ کی نگاہ میں جھوٹا ثابت نہیں ہوؤں گا اس لیے نہ کہنا کہنے سے بہتر ہے ۔

ہاں جناب ڈاکٹر صاحب سنتا ہوں کہ مہاراجہ بڑودہ[3] آپ کے استقبال کے لیے دہلی تک آئے اور پھر آپ کو سر آنکھوں پر بٹھا کر بڑودے لے گئے اور وہاں

۱۔ متذکرہ بالا پروفیسر نجیب اشرف ندوی کا ہمیشہ خاصہ رہا کہ اپنے احباب کو عید کارڈ چھپوا کر ارسال کرتے جس کا یہاں اشارہ ہے مگر اتفاق سے اس پر پتہ نہ تھا ۔ وہ پتہ اس وجہ سے نہیں لکھتے تھے کہ سمجھتے تھے کہ یا تو لوگ کالج کے پتہ پر یا ان کے مکان اندھیری کے پتہ پر لکھیں گے کیونکہ وہ آج بھی ''پروفیسر ندوی'' کے نام سے قریب قریب تمام بمبئی میں مشہور و معروف ہیں اس لیے کوئی پتہ خاص کر لکھنے کی زحمت نہیں کرتے تھے ۔ آپ مرحوم سید سلیمان ندوی کے عزیز ہیں ۔

۲۔ یہاں میرے خیال میں ان تحقیقات علمی کی طرف اشارہ ہے جو اس زمانہ میں اوریئنٹل کالج میگزین لاہور میں اکثر شیرانی صاحب کے قلم سے شائع ہوتی رہتی تھیں اور پھر انہیں کے ضمن میں ان میں اور اعظم گڈھ کے ''معارف'' کے درمیان کوئی نہ کوئی چشمک ہوتی رہتی تھی ۔

۳۔ بمبئی کے قیام میں اکثر سوسائٹیوں کے سامنے مضامین پڑھنے اور لیکچر وغیرہ کا اتفاق ہوا جس کی طرف مرحوم شیرانی صاحب نے ظریفانہ انداز سے اشارہ کیا ہے ۔

لے جا کر آپ کو خوب........ کیا - یہ سچ ہے یا آپ کے دشمنوں نے آپ کو ستانے کے لیے یوں ہی مشہور کر دیا - ایک خبر یہ بھی سنی ہے کہ آپ کے لیکچروں میں کوئی شخص نہیں آیا - صرف آپ اور آپ کے پریسیڈنٹ گورنر بمبئی انتظار کرکے واپس گھر آ گئے اور پبلک کی غفلت پر دیر تک افسوس کرتے رہے -

کیا داؤد پوترے صاحب نے تاریخ معصومی[1] اور چچ نامہ شائع کر دیے ہیں - کہاں سے ملتے ہیں ؟

مولوی عبدالحق صاحب نے آپ کے متعلق کچھ لکھا تھا لیکن میرا قلم اس کے نقل کرنے سے انکار کرتا ہے[2] - اسے بہتیرا سمجھایا کہ نقل کفر کفر نباشد مگر وہ نہیں مانتا - اچھا تو آپ واپس کب تک آ رہے ہیں - میں نے تو ڈاکٹر صاحب

۱- ڈاکٹر محمد عمر داؤد پوتہ صاحب نے دوران قیام پروفیسر اسمعیل یوسف کالج محمد معصوم بھکری نامی کی تاریخ سندھ کو پونہ اوریئنٹل بھنڈارکر ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے لیے مرتب کیا تھا اور وہاں سے شائع ہوئی تھی - جس کی اطلاع پر شیرانی صاحب نے کتاب کو حاصل کرنے کے لیے لکھا - ڈاکٹر داؤد پوتہ صاحب بمبئی سے کراچی ، سندھ گورنمنٹ میں ڈائرکٹر تعلیم ہو کر آ گئے تھے اور آپ نے وہاں بیٹھ کر حیدر آباد دکن کی مجلس فارسی مخطوطات کے لیے ''چچ نامہ'' مرتب کیا جو طبع ہو چکا ہے - غرض کہ شمس العلماء ڈاکٹر محمد عمر داؤد پوتہ نے سندھ تاریخ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں - [ڈاکٹر داؤد پوتہ کا صحیح نام محمد عمر نہیں بلکہ عمر محمد یعنی عمر بن محمد داؤد پوتہ تھا - انھوں نے کیمبرج سے پی ایچ - ڈی کیا تھا - شمس العلماء کا خطاب ۱۹۳۱ء میں ملا - انھوں نے متعدد کتابیں مرتب کیں - سندھی ادبی بورڈ اور سندھ ہسٹاریکل سوسائٹی کے بانی تھے - ان کا انتقال ۲۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو ہوا - (مرتب)]

۲- یہاں شیرانی صاحب کی راقم سے محبت اور بے تکلفی عیاں ہے بلکہ اس میں قبلہ مولوی عبدالحق صاحب کو بھی شامل کر لیا ہے - یہاں آگے چل کر شیرانی صاحب نے خط میں قبلہ مولوی عبدالحق صاحب کے ضمن میں جو ذکر نمائش کا کیا ہے ذرا وضاحت کا محتاج ہے - یعنی ۱۹۳۹ء کے ماہ دسمبر میں ایک آل انڈیا اردو کانفرنس مولوی صاحب نے دہلی میں قائم کی جس میں تمام اطراف و اکناف سے لوگوں نے شرکت کی - راقم کو نمائش کانفرنس کی ترتیب کے لیے کہا گیا - چنانچہ راقم ، پروفیسر اقبال ، پروفیسر شیرانی ، اقبال کے لڑکے داؤد ، یعقوب اور میرا لڑکا عبدالرؤف لاہور سے ایک مکمل لاری مخطوطات وغیرہ نمائش کے سامان کی بھر کر دہلی پہنچے اور یہ کانفرنس و نمائش دہلی ٹاؤن ہال میں منعقد ہوئی - اس بڑی عظیم الشان کانفرنس کی صدارت مرحوم نواب مہدی یار جنگ وزیر تعلیمات حیدر آباد دکن نے کی - اس کی روئداد طبع ہو چکی ہے اور مولوی صاحب کی مہمان نوازی لوگوں کو خوب یاد ہے -

کو لکھ دیا ہے کہ بڑے ڈاکٹر کے بغیر آپ کی نمائش پھیکی رہے گی - آگے وہ جانیں -

میں سنتا ہوں کہ آپ جے پور تشریف لے گئے اچھا تو چنوری باغ کے چبوترے پر رقاصی[1] بھی ہوئی تھی یا نہیں - والسلام

محمود شیرانی

(۵)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ

۲۱ نومبر ۱۹۴۴ء

مائی ڈیر[2] ڈاکٹر عبداللہ

رزم[3] نامہ پر مضمون پہنچ چکا تھا - اب کارڈ آیا اس میں دو یا تین باتیں ایسی

۱- میں بمبئی جاتا ہوا راستہ میں جے پور بھی ٹھہرا جہاں اپنے دیرینہ کرم فرما جناب صاحبزادہ ولی احمد خاں کے ہاں قیام کا اتفاق ہوا اور ان کے فرمانے پر یہ راستہ اختیار کیا تھا تا کہ آپ سے کئی سال کے بعد ملاقات بھی ہو جائے - آپ کا مکان جے پور میں "چنوری باغ" کہلاتا ہے - یہ محلہ چنوری برداروں کا ہے - ان کے مکان کا ایک بہت بڑا طویل اور وسیع چبوترہ ہے جہاں ایک مرتبہ میں اور مرحوم شیرانی صاحب صاحبزادہ صاحب کے ہاں مہمان تھے اور وہ بارش کا زمانہ تھا - وہاں ذرا بے تکلفی سے اس موسم میں اس مکان کے چبوترہ پر ٹہلتے رہے اور شیرانی صاحب کو اکثر ایسے واقع خوب یاد رہتے تھے چنانچہ آپ کی طرف سے اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا - پھر یہ بھی ہے کہ میزبان جناب صاحبزادہ صاحب ، جن کا ایک محبت نامہ چند ماہ ہوئے پھر آیا تھا ، ان کے ہاں ایسی مجالس کی طرف اشارہ تھا - ٹونک جانے کے لیے ہمیشہ مسافروں کو یہاں سے "باندھی کھوئی" تک بذریعہ لاری جانا پڑتا اور پھر آگے سے نئی لاری ملتی اس لیے یہ بھی وجہ تھی کہ شیرانی صاحب اکثر یہاں جے پور میں ٹھہرتے - آپ نے اس بے تکلفی سے یہاں گھومنے اور ٹہلنے کو بطریق ظرافت لفظ "رقاصی" سے تعبیر کیا ہے جس میں ان کی ذاتی بے تکلفی اور ایسے مناظر سے حظ اٹھانے کی دلیل ہے - ابھی تھوڑے دن ہوئے آپ لاہور میں جے پور سے محض احباب سے ملنے کے لیے پاکستان تشریف لائے تھے -

۲- یہ وہ زمانہ ہے جب شیرانی صاحب اورینٹل کالج سے سبکدوش ہوکر اپنے وطن ٹونک میں مقیم ہوچکے ہیں اور آپ کا یہ خط میرے پاس پونہ میں دکن کالج میں وصول ہوا -

۳- دکن کالج کے بلٹین (رسالہ) میں راقم نے ایک طویل مقالہ مہابھارت (رزم نامہ)

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۳ پر)

ں جو مجھ سے جبراً خط لکھوا رہی ہیں - اول تو میری روحانی غذا یعنی سکوں
ؤ متعلق - مہربانی کرکے محمد شاہ اول[1] بھمنی کا وہ سکہ فوراً بھجوا دو - نیز
ہمنیوں کے اور سکے تلاش کرکے میرے واسطے خرید کرتے رہو - میں خرید کے
ام دے دوں گا - اگر نفع لگاؤ گے وہ بھی دینے کو تیار ہوں مگر یاد رکھنا کہ
ے میں بالکل غریب آدمی ہوں - اسی طرح مغلوں کے دکن کی ٹکسالوں کے سکے
ہی درکار ہیں - آخر تم کبھی میرے کام بھی آؤ گے نا - تم جو دکنی پیسے دے
لئے تھے وہی اور کچھ اور سکے جو اتفاقیہ ادھر مل جاتے ہیں ، ان کے سوائے
رے پاس دکنی سکوں میں کچھ نہیں ہے - احمد نگر کے سلاطین کے سکے میرے
س نہیں - یہ چیزیں تمہیں چاہیے کہ تلاش کرکے مجھے بھیجتے رہو - آخر چلتے
ھرے رہتے ہو میری طرح اپاہج نہیں ہو -

دمہ کے ماہر سول سرجن بیجاپور[2] کے متعلق ذرا اور تحقیق کر لو - اگر قریب

قیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۲)

کا مصور ایڈیشن کے عنوان سے لکھا جو اکبر کے دربار میں فارسی ترجمہ مصور تیار ہوا تھا - اس میں اس کے عہد کی مصوری کے تمام ضروری پہلوؤں پر بحث کی اور وہ اصل مصور نسخہ آج تک دربار جے پور کی لائبریری میں موجود ہے - اس کے شائع ہونے پر اس کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا غرضیکہ آپ کی طرف سے یہ اس کی رسید ہے -

۔ سلاطین بھمنی دکن کے سکوں پر محققین نے بہت کم لکھا ہے - ہاں ایک مفصل مضمون رسالہ اسلامک کلچر حیدر آباد دکن ۱۹۳۸ء میں پروفیسر سپیٹ نے لکھا جس میں کوشش سے تمام سلاطین بھمنیہ کے سکوں کے نمونے مع ان کی تحریروں کے درج کیے ہیں - مگر پھر بھی محمد شاہ اول کے سکے بہت کمیاب ہیں - میں نے قبلہ شیرانی صاحب کو کئی سو سکے ان سلاطین کے تانبے کے وہاں سے لا کر دئیے اور بہت ہی عجیب و غریب ان پر تحریریں اور تاریخیں وغیرہ درج ہیں - کیونکہ آپ کی یہاں تک رسائی نہیں تھی اس لیے آپ ہمیشہ لکھتے رہے -

۔ اس زمانہ میں بیجاپور میں ایک مرہٹہ ڈاکٹر تھا جو دمہ کے علاج میں بہت ہی ماہر اور مشہور تھا - وہ انجکشن کرتا تھا - اکثر یہ مشہور تھا کہ ہر مریض جو مایوس ہو کر آتا ہے وہاں سے صحت یاب ہو کر چند یوم میں چلا جاتا ہے - چنانچہ میں نے قبلہ شیرانی صاحب کو بھی ترغیب و مشورہ دیا کہ وہ اس سے علاج کرائیں - شرط یہی تھی کہ مریض کسی طرح علاج کی خاطر بیجاپور

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۴)

ہے تو جا کر دریافت کرو - مجھ کو اب یعنی دسمبر سے دورے اٹھنے لگتے ہیں
اس سال مئی تک دورے اٹھتے رہے - اس کے بعد غالباً برسات کے اثر میں بند
ہو گئے - اب دسمبر سر پر کھڑا ہے اور میں کانپ رہا ہوں -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۳)
پہنچ جائے - ادھر شیرانی صاحب کا مرض دمہ بہت ہی خوفناک صورت اختیار
کر چکا تھا - جس کو میں خوب جانتا تھا کہ یہ زیادہ تر بوجہ سگریٹ پینے
سے ہوا - جب شیرانی صاحب لاہور تشریف لائے تھے اس وقت بھی آپ سگریٹ
پیتے تھے مگر سگریٹ بھی ''نظام'' جس پر میر محبوب علی خان والد میر عثمان
علی خان نظام حیدر آباد کی تصویر ہوتی تھی - یعنی آپ مصری تمبا کو پینے
کے سخت عادی تھے اور اکثر میں ان کے لیے دہلی سے بذریعہ وی - پی ان کے
خرچ پر منگواتا تھا اور جب آپ مضمون لکھنے بیٹھتے تو بلاشک و شبہ
بے شمار سگریٹ اپنی محویت میں پی جاتے اور اس کا اندازہ ان بے شمار کاوشوں
سے ہوتا جو وہ ہر سگریٹ کے ختم ہونے پر اپنے قریب ہی فرش پر باقی کاوش
کو پھینک دیتے - جب یہ سگریٹ صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تو آپ نے
گولڈ فلیک پینا شروع کیا اور اس کے ڈبے بھی باہر سے آتے تھے اور یہیں سے
آپ بند کر کے کافی تعداد میں کھاٹو لے جاتے - آپ کے پاس ایک سگریٹ کیس
کسی دقیانوسی زمانہ کا ولایت سے خریدا ہوا تھا - جب گھر سے باہر جاتے تو
ان کے زمانہ سے وہ بھرا ہوا ہمراہ کر دیا جاتا - غرضیکہ آپ کی بیماری یہاں
سے شروع ہوتی ہے - ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے مرض کا آغاز تھا
اور ابھی سگریٹ آپ برابر پیتے تھے - اتفاق سے لاہور میں میرے کرم فرما
قبلہ ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ صاحب علی گڈھ سے تشریف لائے ہوئے تھے اور وہ
اپنے عزیز خلیفہ عبدالحکیم صاحب کے ہاں مقیم تھے - میں ان سے کالج جاتے
ہوئے محلہ چلہ بیبیاں میں ملا تو انھوں نے دوران ملاقات شیرانی صاحب کی
تحقیقات کا ذکر کیا اور ادھر مجھے ان کی ڈاکٹری سے بھی عقیدت تھی - میں
نے ان سے کہا چلیے آپ کو شیرانی صاحب سے ملاقات کرا دیں - چنانچہ اسی
روز بعد از دوپہر میں ان کو لے کر بغیر کسی قبل اطلاع یا ملاقات کے شیرانی
صاحب کے ہاں حسب معمول پہنچا اور وہ بیٹھے مضامین لکھ رہے تھے (ان کی
نشست ہمیشہ فرش پر ہوتی تھی) اور اسی طرح سگریٹ بھی پی رہے تھے -
ڈاکٹر بٹ صاحب ان کا اخلاق دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے اور مرحوم شیرانی
صاحب مجھے کہتے رہے کہ مجھے آمد سے پہلے مطلع کر دیتے مگر جب ڈاکٹر
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

ایک بات یہ معلوم کیجیے کہ چونکہ ان علاقوں میں سردی زیادہ ہوتی ہے
س لیے مجھے دورے اٹھتے ہیں اگر ایسے علاقہ میں مثلاً بمبئی ، کراچی یا دکن
یا وغیرہ جہاں سردی نہیں ہوتی ، چلا جاؤں تو کیا یہ دورے بند ہو جائیں گے
ان کی شدت بند ہو سکے گی ؟

مانڈو کے خلجیوں[1] کے پیسے میرے پاس ہوں گے تو سہی لیکن اب مجھے
کچھ یاد نہیں ۔ بہرحال جو فالتو ہوگا دے دوں گا ۔ عرصہ سے میں نے ان کو نہیں
دکھا ہے ۔

خان بہادر[2] پروفیسر عبدالقادر سرفراز کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے ۔

قیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۴)
بٹ صاحب نے ان کے دمہ میں کوئی خرابی محسوس کی تو خود بخود کہا کہ
پروفیسر شیرانی صاحب مجھے اپنی نبض دکھائیے ۔ شیرانی صاحب متوجہ ہو کر
بیٹھ گئے ۔ ڈاکٹر بٹ صاحب نے کچھ لمحات توقف کے بعد کہا کہ شیرانی
صاحب علاج بالکل سہل ہے اور وہ آپ ہی کے بس میں ہے اور وہ یہ ہے
کہ آپ سگریٹ پینا فوراً بند کر دیں ۔ مجھے وہ تاریخ یا سنہ یاد نہیں ۔ شیرانی
صاحب نے ذرا ڈاکٹر صاحب کی طرف غور سے دیکھا اور ان کو ڈاکٹر بٹ
صاحب کا سنجیدگی سے ہدایت کرنا اس قدر اثر پذیر ہوا کہ شیرانی صاحب نے
فی الفور اسی دم سگریٹ پینے کو خیر باد کہہ دیا ۔ میں ان کی اس قوت ارادی
کی داد دیتا ہوں ۔ پھر اس کے بعد اکثر مواقع آئے مگر شیرانی صاحب نے
سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا ۔ بلکہ بعض نے کہا بھی کہ اس قدر جلدی بند نہیں
کرنا چاہیے تھا ۔ میں جب ۱۹۳۴ء کے دسمبر میں ٹونک میں آپ کے ہاں
مقیم تھا اس وقت بھی آپ اکثر رات کو بیٹھ کر گزارتے تھے ۔

۔ مانڈو کے سلاطین خلجی کے سکے بہت کمیاب ہیں ۔ ان کے سکوں پر جو بھی
کتبات ملتے ہیں وہ قریب قریب اسی رسم الخط میں ہیں جو آج بھی ان کی
قدیم عمارتوں کے کتبات پر ہے جو مانڈو میں ہیں ۔ چونکہ مجھے دکن کالج میں
ذرا تحقیق سے پڑھانے میں ان سے مدد ملتی تھی ۔ اس لیے میں نے اکثر شیرانی
صاحب سے ان کو مانگا جو ان کو رتلام و اجمیر وغیرہ مقامات سے دستیاب
ہو چکے تھے ۔

۔ جناب خان بہادر پروفیسر شیخ عبدالقادر سرفراز مرحوم کا ذکر میں اپنی تقرری
دکن کالج پونہ کے ضمن میں اوپر کر چکا ہوں ۔ وہ بہت خلیق انسان تھے ۔
ان سے دوران قیام پونہ اکثر علمی معاملات میں استفادہ کا موقع ملا ۔ ان کو
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۶ پر)

ان کے صاحبزادہ کا مضمون مکمل ہوا یا نہیں ۔ معلوم نہیں وہ مجھ سے خف
یا کیا ؟ مجھے دوروں نے دبا لیا تھا ۔ جواب میں نے دیر میں دیا تھا ۔ پ
خط نہیں آیا ۔ کیا سچ مچ ناراض ہیں ۔ اس کمبخت حکیم ضیاء اللہ امر
مجھے ناحق ان سے شرمندہ کرایا ۔ اس کے پاس کلیات انوری کا ایک نس
میں نے اسے بار بار لکھا ۔ اس کے وعدہ پر میں نے خاں بہادر کو لکھ
جیسے ہی وہ کلیات میرے پاس پہنچا ، میں خدمت میں ارسال کر دوں
کمبخت نے نہ جب بھیجا نہ اب بھیجا اور میں مفت میں ان سے شرمن
وہ حکیم میری غوریوں[1] کے پیچھے آٹھ دس سال سے پڑا ہوا تھا ۔ جھلا کر
بھی انکار کر دیا اور اب عرصہ سے خط و کتابت بند ہے ۔ ٹونک میں کچ
ملنے چاہیے تھے ۔ بدقسمتی سے اب یہاں کچھ نہیں ملتا ۔ پچھلے دو سال سے
کچھ نہیں خریدا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتابیں نہیں رہیں ۔

ایک بات اور رہ گئی کہ اگر یہ امر ثابت ہو کہ علاج ہو سکتا
بیجا پور کے سول سرجن اپنے کام میں بے نظیر ہیں تو جناب ڈاکٹر صاحب
مجھے لے جانا پڑے گا[2] ۔ کیونکہ میری ایسی حالت نہیں رہی کہ تنہا
سکوں بالخصوص ایسا لمبا سفر ۔ یہ بھی یاد رہے کہ صرف نومبر ہی اي
ہے جس میں میں سفر کر سکتا ہوں ۔ اگلے مہینہ میں سردی کی شدت ہو جا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

بہت ہی خلیق ، مہمان نواز ، فاضل اور متواضع پایا ۔ خاص کر فارسی
وہ یگانہ روزگار تھے اور ساتھ ہی شیرانی مرحوم کی علمی تحقیقات کے بہ
تھے جن کا ذکر انھوں نے اپنی تالیف انگریزی ''فہرست مخطوطات فار
یونیورسٹی'' میں کیا ہے ۔ مرحوم کے علامہ شبلی مرحوم سے بھی مراسم
ان کا لڑکا شیخ عبدالحق ایک مقالہ ''انوری'' پر لکھ رہا تھا جس کے
شیرانی صاحب کو لکھا کرتے تھے ۔ پروفیسر شیخ مرحوم دکن ک
پروفیسر رہے جہاں کبھی سید سلیمان ندوی بھی رہ چکے تھے اور
اس کالج میں پاکستان وجود میں آنے سے پیشتر ریڈر تاریخ تھا ۔
شیخ صاحب نے ۱۰ دسمبر ۱۹۵۲ء کو پونہ میں انتقال کیا ۔

۱۔ شیرانی صاحب کے مجموعہ نوادرات میں چینی کی غوریوں کی کافی تعداد
بہت ہی عجیب و غریب تھال قسم کے رکاب سے تھے جس میں شیرانی
اکثر آم وغیرہ رکھ کر احباب کو کھلایا کرتے تھے ۔

۲۔ میں نے تمام انتظام کر لیے تھے اور خود ٹونک سے شیرانی صاحب کو لا
لیے بھی طے ہو گیا تھا مگر یہی کہنا پڑے گا کہ خدا کو ہی منظور نہ

میں دس قدم بھی نہیں چل سکوں گا۔

طلحہ[1] کی پہلی زوجہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اب انھوں نے حیدر آباد دکن

۱۔ مولانا سید طلحہ راقم کے استاد ہیں جن کے فیض صحبت سے عربی علم و ادب کی طرف رغبت ہوئی اور انھیں کی بدولت مرحوم شیرانی صاحب سے اول ملاقات ہوئی تھی۔ سنتے ہیں کہ آج کل سید طلحہ صاحب مدینہ منورہ میں کسی تالیف کی تیاری کے ضمن میں مقیم ہیں۔ آپ اس سے قبل اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر بھی تھے۔ آپ سید احمد بریلوی کے خاندان سے ہیں [سید طلحہ صاحب کا بتاریخ ۲۵- ستمبر ۱۹۷۰ء کراچی میں انتقال ہوا (مرتب)]

آپ کی پہلی زوجہ جناب حکیم سید عبدالحئی ناظم ندوہ، لکھنؤ کی ہمشیرہ تھیں، جو آج بہت بڑے مصنف عربی کتب «نزہۃالخواطر» وغیرہ شمار ہوتے ہیں [سید عبدالحئی صاحب کی وفات ۲- فروری ۱۹۲۳ء کو ہوئی۔ (مرتب)]

شیرانی صاحب کے تعلقات ان کے خاندان سے عقیدت مندانہ تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہمارے بزرگ سید صاحب کے ہمراہ ہی ٹونک میں تشریف لائے تھے۔

ایک دفعہ میں اور شیرانی صاحب ناگ پور کے راستہ سے حیدرآباد دکن جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب بھوپال آنے کا خیال رکھنا۔ رات کے قریب ۲- ۳ بجے گاڑی جب پہنچی تو میں نے عرض کر دیا کہ بھوپال آ گیا ہے۔ آپ نے اترنے کا حکم دے دیا۔ ہم اتر بیٹھے۔ سامان کو کسی طرح اسٹیشن پر رکھ کر ہم شہر کو ہو لیے۔ فرمانے لگے کہ یہاں کسی طرح سید زبیر صاحب جو سید طلحہ صاحب کے بڑے بھائی ہیں ان کی تلاش کرو۔ رات کا وقت پھر غیر شہر جس کے گلی کوچوں بازاروں اور کسی دیگر انسان کو جانتے نہیں۔ آخر ہم نے سوئے ہوئے لوگوں سے پوچھنا شروع کیا۔ اتفاق سے کافی دیر کے بعد کسی نے کہہ دیا کہ ادھر کو جائیے۔ تو میں نے سید زبیر صاحب کا نام لے کر بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا اور ساتھ ساتھ گھومتے بھی جاتے تھے اور لوگ بیدار ہو کر سخت سست بھی کہہ دیتے تھے۔ آخر صبح ہونے کو آ گئی مگر سید زبیر صاحب کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ ایک کوچہ میں پہنچے تو کسی نے کہا کہ ساتھ کے موڑ پر جو مکان ہے وہاں آواز دیجیے۔ چنانچہ ان کا مکان مل گیا۔ وہ خود حیران ہوئے کہ کہاں سے آ گئے۔ جب ہم ان کے دیوان خانہ میں داخل ہوئے تو ان کے بچے بھی تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ ان کے بچوں کو دس روپے دے دو اور معذرت کی کہ میں

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۸ پر)

جا کر اور نکاح کیا ہے اور مع نئی بیوی کے لکھنؤ میں رہتے ہیں اور خیریت سے ہیں ۔ مجھے اس قدر معلوم ہے ۔

لو بھئی آج تو میں نے تمہیں لمبا چوڑا خط لکھ دیا ہے ۔ وہ سکہ جلد بھیج دو ۔ کاغذ میں رکھ کر اور کئی اچھے اچھے دکنی اور سکے اس کے ساتھ ملا کر کسی ڈبیا میں بند کرکے اور کپڑے میں سی کر احتیاط سے بھیجنا ۔ بڑے بوڑھوں کو جو نذر دی جائے بہت اچھی ہونی چاہیے ۔ والسلام

اس کی قیمت بھی لکھ دینا ۔

محمود شیرانی

اس عجیب و غریب[۲] ناسکمل فرمان کے متعلق آپ کی جنی زبان میری سمجھ میں نہیں آئی بھر حال آپ کی طرف سے اطلاع معلوم ہوئی ہے ۔ شکریہ ۔ والدعا

میری صحت مئی سے اکتوبر تک اچھی رہی ۔ اکتوبر میں دو مرتبہ ملیریا بخار آیا ۔ اس مہینہ میں تیسری مرتبہ پھر آیا ہے ۔ بے حد کمزور ہو گیا ہوں ۔

م ۔ ش

(٦)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ

۰۴ جنوری ۱۹۴۵ء

جناب ڈاکٹر صاحب[۳]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۷)

کچھ لا نہیں سکا اور میں حیران ہو رہا تھا کہ رواداری [وضعداری؟] کا یہ عالم ہے ۔ باوجود اصرار کے ان کے ہاں پانی تک نہیں پیا اور قریب ایک گھنٹہ بیٹھ کر ہم بازار میں آ گئے اور پرانے سکے تلاش کرتے رہے۔ آخر ہم گھوم کر ریلوے اسٹیشن پر آ گئے اور قریب دس گیارہ بجے پھر گاڑی میں سوار ہو کر ہم حیدر آباد کو روانہ ہو گئے ۔ گاڑی میں فرمانے لگے کہ میں ان کو ملے بغیر یہاں سے گزرنا نہیں چاہتا تھا ۔ ان سے قدیم مراسم ہیں اور سید ہیں ۔

۱۔ ایک سکہ کی اطلاع دی اور کچھ ان سے استفسار بھی کیا ۔ غرض کہ آپ کا ذوق و شوق اس قدر تھا کہ باوجود بیماری آپ ہمیشہ نئی نئی علمی اشیاء کی تلاش میں رہتے ۔

۲۔ اس زمانہ میں مجھے ایک فرمان پر ایک مضمون لکھنے کا اتفاق ہوا جو پونہ «دفتر» سے دستیاب ہوا تھا ۔ اس کے چند الفاظ پڑھے نہیں جاتے تھے ۔ ان کی طرف اشارہ ہے اور وہ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے جلسہ اودے پور کی روئداد ۱۹۴۴ء میں پورا طبع ہو چکا ہے ۔

۳۔ آپ کا یہ خط مجھے پونہ میرے مکان ۴/۲ بی جی روڈ پر ملا ۔

آپ کا نوازش نامہ بصورت کارڈ موصول ہوا ۔ الور کے نسخہ واقعات[1] بابری کی بابت جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر ان مہروں اور سنین کی موجودگی میں آپ کو اس کی اصلیت میں شبہ کرنے کا حق نہیں ۔ عبدالرحیم (خان خاناں) کے فارسی ترجمہ کے علاوہ واقعات کا ایک اور فارسی ترجمہ بھی ہے جو اس قدر مشہور نہیں ہوا ۔ اگر یہ وہ ترجمہ نہیں ہے تو پھر ایک تیسرا اور معاصر ترجمہ ہے جو اس وقت ترکی کے ساتھ ساتھ ہوتا گیا اور جس کو دنیا بھول گئی ہے ۔ نسخہ تاریخی نقطہ نظر سے نہایت دلچسپ ہے۔ علی الکاتب اس عہد کا خطاط ہے ۔ میرے پاس اس کی خطاطی کے نمونے لندن میں تھے ۔

۱۔ انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن کے جلسہ منعقدہ اودے پور کے موقع پر ایک نمائش بھی حسب معمول ہوئی جس میں تاریخی دستاویز وغیرہ پیش کیے گئے جس کا ذکر میں نے پچھلے خط کے حواشی میں کیا ہے ۔ اس نمائش میں الور ریاست کے مہاراج کے کتب خانہ خاص یا عجائب گھر سے بھی چند علمی نوادر آئے تھے ۔ ان میں ایک قلمی نسخہ «واقعات بابری» کا بھی تھا جو ۹۳۷ھ کا لکھا ہوا تھا ۔ یعنی یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی بابر زندہ تھا جیسا کہ مندرجہ ذیل ترقیمہ سے واضح ہے :

هذا الکتاب المسمی به تزک واقعات بابری بحسب فرمان واجب الاذعان شاهزاده عالم و عالمیان مرشد زادۂ جهان و جهانیان محمد همایون طلع الله نمر اقباله و شوکته فی یوم السلخ من شهر جمادی الثانی سنه سبع و ثلاثون وتسعمایه من الهجرة بفضله و حسن توفیقه بیدالعبدالضعیف علی الکاتب غفر الله ذنوبه صورت اتمام و طریق اختتام یافت ۔»

جب ہم نے اسے نمائش میں دیکھا تو سب میں ایک حیرانی پیدا ہوئی ۔ ان اشیاء کو ریاست الور کے عجائب خانہ کے مہتمم مسٹر چونی لعل لائے تھے ۔ ان کی بدولت اس مصور نسخہ کو عمدگی سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ اگرچہ یہ نسخہ اس سے پیشتر نسخہ الور کے نام سے مشہور تھا مگر اس کی حقیقت پر کم توجہ دی گئی تھی کہ کیا کوئی نسخہ واقعات فارسی زبان میں بابر کی زندگی میں بھی موجود تھا؟ کیونکہ عام طور پر یہ زبان زد ہے کہ واقعات کا فارسی ترجمہ ترکی زبان سے عبدالرحیم خانخاناں نے کیا تھا جیسا کہ شیرانی صاحب کے اپنے الفاظ سے بھی واضح ہے چنانچہ شیرانی صاحب کے اسی اشارہ سے تسلی ہوئی اور مزید تحقیق کی طرف توجہ کر کے اس پر ایک مفصل مضمون اسلامک کلچر حیدر آباد دکن میں جولائی ۱۹۳۵ء میں لکھنے کا اتفاق ہوا جس کے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

میں کہہ چکا ہوں کہ مالویوں[1] کے مسی سکے جو میرے پاس فالتو ہوں گے۔ ان کے دینے میں مجھے دریغ نہیں اور مالویوں پر کیا منحصر ہے اور سکے بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن یہ بات اسی وقت ہوگی جب، ڈاکٹر صاحب یعنی ڈاکٹر (عبداللہ) چغتائی یہاں تشریف لائیں، سکے لے جائیں اور خربوزے مفت میں کھا جائیں۔ وہی تاریخ فرشتہ[2] نولکشور اڈیشن اگر وہ آپ کو نہیں ملتی تو میں اپنا نسخہ دے دوں گا۔ The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi[3]، از نیلسن رائٹ

۱۔ مالوہ کے سلاطین کے تانبے کے سکوں کے متعلق پچھلے خط میں تحریر کر چکا ہوں۔

۲۔ گلشن ابراہیمی یعنی تاریخ فرشتہ فارسی مطبوعہ کسی قدر نایاب ہے اس لیے میں نے آپ سے درخواست کی کہ کہیں سے میسر آجائے۔

۳۔ یہ کتاب سکوں پر شیرانی صاحب کے پاس اسی زمانے سے آگئی تھی جب یہ شائع ہوئی تھی۔ مگر ۱۹۴۵ء میں مجھے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ آف انڈیا محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی قیمت مبلغ دس روپیہ کردی ہے جس کا ایک نسخہ میں نے خود براہ راست اپنے ایک دوست مسٹر فتح محمد کی معرفت خرید کیا جو اسی زمانہ میں شعبہ فروخت کتب انڈین گورنمنٹ میں ملازم تھے اور اسی لیے میں نے اسی وقت قبلہ شیرانی صاحب کو بھی مطلع کیا جنھوں نے اسے مبلغ تیس روپیہ پر خرید کیا تھا اور شیرانی صاحب کی خواہش تھی کہ ان کو دیگر کتب متعلقہ سکہ جات کو بھی اس طرح کم قیمتوں پر مہیا کر دی جائیں جو میرے بس سے باہر تھا۔ نیلسن رائٹ کی اس کتاب پر شیرانی صاحب نے اپنے طور پر ایک تبصرہ بھی لکھا تھا جو کافی طویل تھا اور اسے انھوں نے ایک تعمیری خدمت تصور کرتے ہوئے مولف مسٹر رائٹ کی خدمت میں بھی ارسال کر دیا تھا جسے میں نے خود پڑھا ہے۔ پھر اس نے اس کا جواب بھی شیرانی صاحب کو دیا تھا جس میں اس نے ان کی محنت کی داد دی تھی اور لکھا تھا کہ واقعی مجھ سے بعض امور میں سہو ہوا ہے۔ واضح رہے کہ سکوں کے معاملہ میں شیرانی صاحب نے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت اعلیٰ پایہ کی معلومات حاصل کر لی تھیں اور وہ سکے سونے، چاندی کے و مسی جمع کیے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ان کی ایک جھلک اورینٹل کالج میگزین کے صفحات (۱۹۳۳ء وغیرہ) سے میسر آسکتی ہے۔ راقم نے اکثر آپ کو مجبور کیا کہ اپنی معلومات کو کسی طرح قلم بند کر دیں جس کی نوبت نہیں آئی مگر پھر بھی انھوں نے ابتدائی اسلامی مسکوکات پر ایک مقالہ اورینٹل کالج میگزین میں آخر لکھا۔ آپ کا تمام مجموعہ سکہ جات کو پٹنہ کے ایک مارواڑی مسٹر جالان نے خرید کر لیا تھا۔ یہ اطلاع مجھے ان کی وفات کے بعد بالواسطہ ملی۔

ء میں میں نے دہلی سے بقیمت مبلغ تیس روپیہ گورنمنٹ پریس سے خریدی
آپ اس کی reduced قیمت دس روپیہ بتاتے ہیں - یہ کیونکر ہو سکتا ہے -
ہنگائی کے زمانہ میں گورنمنٹ نے کیا بجائے بڑھانے کے قیمتیں گھٹا دی ہیں -
ایسے ہی با خبر ہیں تو مہربانی کر کے لاہور میوزیم کے مسکوکات سلاطین
کی فہرست جو وھائٹ ہیڈ کی تالیف ہے میرے لیے بہم پہونچائیں ، قیمت میں
دوں گا - مجھے اس کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے - وہ آکسفورڈ یونیورسٹی
کی مطبوعات سے ہے - اسی طرح مسکوکات پر اور فہرستوں کی بھی ضرورت
یرے پاس کلکتہ اور لکھنؤ کی فہرستیں ہیں - اور فہرستوں کے نام بھیج دیجیے
ہیں دیکھ سکوں کہ وہ میرے کام کی ہیں یا نہیں - والسلام

محمود شیرانی

(۷)

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۱۰- مئی ۱۹۴۵ء

جناب[۱] ڈاکٹر صاحب

پ کا کارڈ پہنچا یاد آوری کا شکریہ - نیلسن[۲] رائٹ کی کتاب میرے پاس
ہے - تم سے وہائٹ ہیڈ کی کتاب[۳] کے واسطے لکھا تھا - کچھ کیا یا نہیں -
کا کیا کروں - ایک نسخہ میرے لیے کافی ہے - میرے لیے پونا آنا اب[۴]
ی دشوار ہو گیا ہے - میری صحت اب اور زیادہ گر گئی ہے - سفر کرنا
ناممکن ہو گیا ہے - میں نے آپ سے سکوں[۵] کا وعدہ کیا تھا کہ آؤ لے جاؤ -

---

۱ کا یہ خط مجھے پونہ میں مکان کے پتہ ملا اور یہ آپ کا آخری خط ہے -
یسن رائٹ کی کتاب پر میں نے پچھلے خط کے حواشی میں مفصل لکھ دیا ہے -
کتاب بھی وہاں میسر نہیں آئی -
۴ نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ آپ کو کسی طرح اپنے ہمراہ پونا بیجاپور
، ڈاکٹر سے دمہ کا علاج کرانے کی خاطر لانے کے لیے میں آ رہا ہوں مگر
، اس وقت کسی کے ہمراہ بھی سفر سے گبھراتے تھے اس لیے یہ مشورہ بھی
کر نہ ہوا -
ان پھر مالوہ کے سلاطین کے تانبے کے سکوں کی طرف اشارہ ہے -

آج کل خربوزوں[1] کا موسم ہے۔ آتے ہو تو آ جاؤ، ابھی میں زندہ ہوں، بعد میں تمہیں یہاں کون پوچھے گا۔ میں نے فرشتہ[2] کا وعدہ کیا تھا، وہ آپ کے لیے بمد امانت موجود ہے۔ پارسل بنا کر اس کا بھیجنا مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ آؤ اور لے جاؤ۔

میری صحت پہلے سے بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ رات کو بارہ[3] بجے سے ہانپنی لگ جاتی ہے، صبح تک لگی رہتی ہے۔ بیٹھ کر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ نیند نہیں آتی۔ ایک آدھ دفعہ دورہ بھی پڑ گیا ہے۔ پرسوں پڑا تھا۔ آپ کے متعلق مجھے مولانا عبدالحق صاحب نے دلی سے لکھا تھا کہ عبداللہ کا پونہ میں عرصہ[4] حیات ختم[4] ہو رہا ہے اس کے واسطے کیا کام تجویز کیا جائے۔ پھر آثارالصنادید[5] کے نئے ایڈیشن کے واسطے لکھا تھا۔ میں نے اس رائے میں ان سے اتفاق کیا۔

۱۔ آپ نے خربوزوں کا ذکر کر کے ایک طرح لالچ دیا کہ میں ٹونک پہنچ کر ان سے مل بھی لوں اور خربوزے بھی کھا جاؤں۔ ٹونک کے خربوزے دنیا بھر میں اپنے اوصاف میں ضرب المثل ہیں۔ شیرانی صاحب نے اکثر ٹونک سے خربوزوں کے ٹوکرے منگوا کر احباب میں تقسیم کیے اور اکثر احباب کو وہاں بلا کر کھلائے، جن میں قبلہ مولوی عبدالحق جیسے احباب شامل ہیں۔

۲۔ تاریخ فرشتہ کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ جب میں بتاریخ ۱۷۔ دسمبر ۱۹۴۳ء ٹونک میں آپ کے ہاں مہمان تھا میں نے دیکھا تھا کہ آپ کی یہ حالت پچھلے حصہ شب میں ہو جاتی تھی۔ اگرچہ اس رات یہ واقع نہیں ہوا۔ شاید اس وجہ سے آپ مجھے اپنی قدیم اشیاء کتب وغیرہ نہایت انہماک سے دکھاتے رہے اور ہمہ تن مصروف رہے۔

۴،۵۔ پونہ کے دوران قیام میں بعض حالات ایسے ہو گئے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا شاید مجھے وہاں زیادہ ٹھہرنے کا موقع نہ ملے اس لیے قبلہ مولوی صاحب کو لکھا کیونکہ ان کی دیرینہ تجویز تھی کہ سرسید احمد خاں کی کتاب آثارالصنادید کے از سر نو مرتب کیا جائے اور دہلی کے تمام اسلامی آثار قدیمہ کا پورا جائزہ لیا جائے۔ اسی ضمن میں قبلہ مولوی صاحب سے بالتفصیل خط و کتابت بھی ہوئی اور انہوں نے قبلہ شیرانی صاحب مرحوم سے بھی مشورہ کیا۔ پھر مولوی صاحب سے ۱۹۴۵ء میں مل کر بھی معاملہ فہمی ہوئی حالانکہ انہوں نے مجھے اپنا آثارالصنادید کا وہ نسخہ ارسال کیا جو اول نسخہ ۱۸۴۷ء کا مطبوعہ تھا۔ ادھر میں نے اس کام کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر مطالعہ بھی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۳ پر)

ابراہیم[1] اور ندوی[2] صاحب تو جیسا تمہارا گمان تھا نہیں آئے۔ دونوں نے میرے آخری خطوں کا جواب تک نہیں دیا۔ ابراہیم صاحب کے بھائی صاحب[3] کے واقعہ وفات کا مجھ کو سخت افسوس ہوا۔ آپ میری طرف سے عذر خواہی مہربانی کر کے لکھ دیجیے۔ میں عنقریب اگر زندہ رہا تو صاحب فراش ہو جاؤں گا۔ چلنا پھرنا تو ویسے ہی بند ہے۔ آپ کے کام کی کوئی کتاب اگر آئی تو میں خرید رکھوں گا۔ والسلام

محمود شیرانی

مکرر آنکہ میں آپ[4] کے ہر خط کا جواب دے چکا ہوں اس لیے آپ کی شکایت ناجائز ہے۔

فقط

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲)

شروع کر دیا۔ اور اب یہ خیال ہو ہی رہا تھا کہ دہلی کے ان آثاروں کا مشاہدہ گرمی کی چھٹیوں میں کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ کیا جائے مگر اسی اثناء میں پاکستان وجود میں آ گیا اور یہ تمام کام یونہی کا یونہی رہ گیا۔ قبلہ مولوی صاحب نے ۱۹۴۸ء میں (جب لاہور تشریف لائے) وہ نسخہ آثارالصنادید جو میرے پاس امانت تھا خود مستقر پر آ کر لے گئے اس لیے یہ کام انجام نہیں پا سکا۔ اب سنتے ہیں کہ کئی قدیم آثار اسلامیہ دہلی مٹ چکے ہیں یا مٹائے گئے ہیں۔

۱،۲- ان ہر دو پروفیسروں کے متعلق راقم اپنے خط اول کے حواشی کے تحت لکھ چکا ہے مگر شیخ ابراہیم ڈار ایم۔ اے (پنجاب یونیورسٹی) کا انتقال پر ملال بتاریخ ۸- مئی ۱۹۵۳ء کو بہ حیثیت پروفیسر اسماعیل یوسف کالج جوگیشوری، بمبئی، بمقام باندرہ واقع ہوا۔ مرحوم بہت بڑے اوصاف کے مالک تھے بلکہ کئی حالات میں محسن بھی تھے۔

۳- شیخ ابراہیم ڈار کے ایک بھائی شیخ محمد یامین ڈار کا انتقال بتاریخ ۱۲- اپریل ۱۹۴۵ء ہوا جس کے لیے قبلہ شیرانی صاحب نے مجھے تعزیت نامہ لکھنے کے لیے لکھا ہے۔ غرض آج بہت سے احباب مرحوم ہو چکے ہیں۔

۴- یہ ایک طرح کی پیشین گوئی تھی کہ اب آپ کا کوئی خط نہیں آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات کی اطلاع پونہ میں ملی اور اس روز صبح صبح ابھی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی حادثہ سے عینک ٹوٹ گئی اور اس کے فوراً بعد جو خط ڈاک سے وصول ہوا وہ آپ کی وفات کی خبر تھی جو مجھے مرحوم پروفیسر ابراہیم نے دی تھی جسے اوپر درج کردیا ہے۔

بنام ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان[1] صاحب

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۸۔ ستمبر ۱۹۴۵ء

جناب من

آپ کا کارڈ[2] موصول ہوا ۔ جواب دیر میں دے رہا ہوں ۔ میں یہاں جنگل میں پڑا ہوا ہوں[3]۔ کتابوں سے دور ہوں اس لیے حسب دل خواہ جواب نہ دے سکا نہ دے سکتا ۔

خالد بن ربیع کو جو میں نے مالکی لکھا ہے اس کا ماخذ کلیات انوری ہے ۔ انوری کے ہاں اس کے حق میں کوئی نظم یا قطعہ ہے ۔ جب حسن غزنوی بھی اسے مالکی لکھتے ہیں تو اس کا مالکی ہونا بالکل درست ثابت ہے ۔

ترکیب بند و ترجیع بند کے واسطے آپ دواوین منوچہری دامغانی، قطران تبریزی و مسعود سعد سلمان دیکھیں۔ لباب الالباب پر بھی نظر ڈال لیں۔ حدایق السحر رشید الدین وطواط میں شاید کہیں ذکر آ جائے ۔ اگر ان کتابوں میں نہ ملے تو سمجھ لیجیے کہ یہ صنف نظم قدیم نہیں ہے ۔ دوسری صورت ان کی سراغ رسانی کی کتب لغات و کتب معانی و بیان میں ۔ ممکن ہے کوئی مصنف ان کی تاریخ دے دے سید حسن کا زمانہ کافی قدیم ہے ۔ جب ان کے ہاں موجود ہے تو پھر آپ زیادہ تلاش نہ کیجیے ۔ قطران اور منوچہری کو دیکھ لیجیے اور بس ۔

ابوالقاسم قوام الدین کے واسطے آپ سلجوقیوں کی تاریخ دیکھیے ۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ سنجر کے کئی وزیر ہیں ۔ وزیر کا نام آپ ناصر بن حسین مان لیجیے ۔ نجم الدین اور قوام الدین کے واسطے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا ۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک

۱۔ ڈاکٹر صاحب موصوف آج کل سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے سبکدوش ہونے کے بعد حیدرآباد (سندھ) میں گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ شیرانی صاحب مرحوم کا یہ خط آپ نے عطا فرمایا ہے ۔ (مرتب)

۲۔ یہ کارڈ غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے امراؤتی (برار) سے ۲۴۔ اگست ۴۵ء کو لکھا تھا جہاں موصوف کنگ ایڈورڈ کالج میں اردو کے استاد تھے اور ان دنوں سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ) پر تحقیقی کام کر رہے تھے ۔ اور اسی ضمن میں شیرانی صاحب سے چند استفسارات کیے تھے ۔ زیر نظر خط ان کے جواب میں قلمی ہوا ۔ (مرتب)

۳۔ شیرانی صاحب ان دنوں دریائے بناس کے کنارے اپنی زرعی اراضی پر عزلت نشین تھے ۔ (مرتب)

ہی شخص کے دو دو لقب بھی ہوتے ہیں ۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا، سید حسن کی معاصر شہادت کی بنا پر نجم‌الدین ناصر حسین اختیار کر لیتا ۔

صدر میں تعمیم بھی ہے اور تخصیص بھی ۔ صدر الوزراء ، صدر کبار ترکیبیں وغیرہ عام طور پر ملتی ہیں لیکن صدر ، قاضی اور قاضی‌القضاۃ (قاضیوں کے افسر) کے واسطے بھی خصوصیت کے ساتھ آتا ہے ۔ انوری :

قطعۂ صدر اجل قاضی قضاۃ شرق و غرب
آنکہ بر عالم نفاذ او قضای دیگر است

ایک مشہور قطعہ ہے :

ز قریات همدان شخصی بر آمد — کہ قاضی شود صدر راضی نمی شد
بہ رشوت خری داد تا گشت قاضی — اگر خر نمی بود قاضی نمی شد

اس قطعہ کا پہلا مصرع مجھے یاد نہ رہا اس لیے جو کچھ لکھا ہے ضرورتاً لکھا ہے ۔ باقی مصرعے درست ہیں ۔ صدر اعظم اور صدر جہاں جیسی ترکیبیں بھی زیادہ تر قاضیوں اور ان کے افسر کے لیے استعمال ہوتی ہیں اور وزرا کے واسطے بھی ۔ رودکی نے ابوالفضل بلعمی کے حق میں کہا ہے :

صدر جہان جہان همہ تاریک شب شده است
از بہر ما سپیدۂ صادق همی دمی

مصرع : صدر باعزت و بامرتبہ عبدالجبار
میں صدر زیادہ تر قاضی یا افسر قاضیان کے مفہوم میں معلوم ہوتا ہے ۔

مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اس بارہ میں کوئی امداد نہیں کر سکتا ۔ والسلام

محمود شیرانی

بنام ڈاکٹر صادق حسین[1] صاحب

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
یکم جولائی سنہ ۱۹۴۴ء

مائی ڈیر ڈاکٹر صادق

۱۔ ڈاکٹر صادق حسین صاحب (ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس) لاہور میں شیرانی صاحب کے فیملی ڈاکٹر تھے ۔ آپ دل محمد روڈ پر اپنے مکان «طور منزل» میں مطب فرماتے ہیں ۔

۲۳۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو تولد ہوئے ۔ ۱۹۳۳ء میں ایم ۔ بی ۔ بی ۔ ایس میں کامیابی حاصل کی ۔ آپ پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن کے بڑے سرگرم رکن رہے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۶ پر)

آپ کے دونو خط اور دونو کتابوں "کامل التشخیص" اور "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کی رسید اور شکریہ قبول کیجیے - کتابیں ایسے وقت پہونچیں جب میں دمہ کے دوروں میں مبتلا تھا - ساتھ ہی دمے کی جرمن ٹکیوں اور نسخے کا بھی شکرگزار ہوں - ٹکیں اور نسخہ ضرورت کے وقت استعمال کروں گا اور پھر آپ کو نتیجے سے اطلاع دوں گا - میری حالت مختصراً یہ ہے کہ اول اول تو مجھے دھوس اور ریل کے دھویں سے عام شکایت تھی لیکن اب تو موسمی تغیر بھی دموں کا محرک بن جاتا ہے - مثلاً اولوں کا گرنا، ٹھنڈی ہواؤں کا چلنا - بلکہ بعض وقت تو خالی آندھی سے بھی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے - قصہ مختصر ہر موسمی تغیر سے مجھ پر کم و بیش اثر ہونے لگتا ہے - پچھلی سردیوں سے باقاعدہ دورے پڑنے لگے ہیں - سردی میں میں کوئی ڈھائی تین مہینے صاحب فراش رہا - اس اثنا میں متعدد مرتبہ دورے پڑے - جب زیادتی ہونے لگی تو جنوری میں علاج کے لیے جے پور جانا پڑا - میں بیس روز برابر ہسپتال میں رہا - داخلے کے بعد صرف ایک دورہ پڑا جس کو بذریعۂ انجیکشن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵)

ہیں - سنہ ۱۹۵۶-۵۷ء میں اس کے صدر تھے - انجمن حمایت اسلام سے بھی ان کا گہرا تعلق رہا ہے - پانچ سال تک طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے - آج کل بھی انجمن کی طبیہ کالج کمیٹی کے صدر ہیں - ڈاکٹر صاحب کی سماجی خدمات بھی قابل قدر ہیں - کوئٹہ کا زلزلہ ہو یا ۴۷ء کی قیامت صغریٰ موصوف نے ہمیشہ بڑی جانفشانی اور خلوص کا مظاہرہ کیا ہے - ڈاکٹر صاحب کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ آپ نے مختلف طبی موضوعات پر اردو میں کتابیں سپرد قلم کی ہیں - اور اس علم میں مسلمانوں کی خدمات کو بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کیا ہے - حکیم ابوالقاسم زہراوی کی «التصریف» کا آپ نے اردو ترجمہ کرکے ۷۳ء میں شائع کیا اور اسے شیرانی صاحب مرحوم کے نام معنون کیا:

«انتساب بہ نام نامی استاد محترم حافظ محمود شیرانی مرحوم و مغفور - یہ ناچیز کوشش آپ کی ہی دلی خواہش کا احترام ہے» (مرتب)

۲- ڈاکٹر صاحب کی یہ اردو زبان میں تشخیص کے موضوع پر قابل قدر کتاب ۱۹۴۳ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی - پھر بعض اضافوں کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۱ء کے اواخر میں نکلا - (مرتب)

۳- ڈاکٹر صاحب نے ڈبلیو - ڈبلیو - ہنٹر کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ کیا - یہ ترجمہ ماہنامہ «پیغام حق» میں مارچ ۱۹۴۲ء سے جون ۱۹۴۲ء تک قسط وار چھپا - پھر ۱۹۴۴ء میں اقبال اکیڈیمی کی جانب سے اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا - (مرتب)

روک دیا گیا - جب جسم میں کچھ طاقت آ گئی میں ہسپتال سے چلا آیا - جے پور والوں نے میرے دمے کو Bronchial asthma بتایا ہے - بہرحال دوروں سے قبل اپنا اور دورے کی حالت میں Ephedrine کا انجیکشن صحیح علاج ثابت ہوا ہے - بلکہ بعض دوروں میں تو ایک انجیکشن سے کچھ فائدہ نہیں ہوا دوبارہ انجیکشن کیا گیا - بہرحال میں نہ مردہ ہوں نہ زندہ ہوں - پہلے تو آپ لوگ یہی کہتے رہے کہ بس دمہ کا زور سردیوں سردیوں رہتا ہے - لیکن جب وہ دورے گرمیوں میں ہونے لگے تو آپ کے برادران پیشہ نے کہا، ہاں ہاں ہر موسم میں دمہ کا زور ہو سکتا ہے لیجیے ہم تو ختم ہوئے - اب میری کیفیت تو یہ ہوگئی کہ ہر وقت ہول رہتا ہے کہ کہیں میری بھی وہی حالت نہ ہو جائے جو آپ کے اس بیمار کی تھی جسے لے کر آپ سیالکوٹ سے آئے تھے اور جو بالکل مضغۂ گوشت بن گیا تھا، کوئی حرکت نہ کر سکتا تھا اور صرف ایک سانس سانس باقی تھا - خدا ایسی زندگی سے تو موت دے دے -

'ہمارے ہندوستانی مسلمان' کے متعلق میری مبارکباد قبول کیجیے - ایک چیز ختم ہو کر چھپ تو گئی - رہا ترجمہ تو اس کی بابت رائیں مختلف ہوں گی - کوئی کچھ کہے گا کوئی کچھ کہے گا - 'من صنف هدف'، پرانا لیکن سچا مقولہ ہے - میری سب سے بڑی تنقید جو اس پر ہے، یہ ہے کہ آپ نے ایسے موضوع کو ہاتھ میں لیا جس کے واسطے آپ بالکل طیار نہ تھے - حضرت سید احمد شہید روشن تر از آفتاب ہستی ہیں لیکن آپ نے ان کے تعلق میں سطحی معلومات کا بھی مطالعہ نہ کیا چہ جائیکہ تفصیلی[1] اطلاع دیتے - آپ کا ترجمہ قدم قدم پر حواشی اور نوٹ کا محتاج ہے مگر آپ نے ضروری حاشیے تک نہ دیئے - آپ نے اس ترجمہ کے ذریعہ سے ایک انگریز امپیریلسٹ کی رائے، سید صاحب اور ان جماعت کے متعلق، اردو زبان میں منتقل کر دی - لیکن سید صاحب کا جو رتبہ خود ان کی جماعت اور پیرووں میں تھا، آپ نے

۱- شیرانی صاحب کے اس تنقیدی خط نے ڈاکٹر صاحب کے سمند شوق پر تازیانے کا کام کیا اور وہ سید احمد شہید اور ان کی تحریک پر ہمہ تن مصروف ہو گئے جس کے نتیجے میں «تحریک مجاہدین» کے عنوان سے انہوں نے متعدد جلدیں سپرد قلم کی ہیں - اسی سلسلے کی پہلی جلد ۱۹۷۵ء میں اور دوسری اس کے بعد شائع ہو چکی ہیں - باقی جلدیں تحریر و طباعت کے مختلف مراحل میں ہیں - ڈاکٹر صاحب اس کتاب کے دیباچے میں رقم طراز ہیں :

«استاد محترم حافظ محمود شیرانی صاحب . . . چاہتے تھے کہ اس تحریک پر بھی ایک تحقیقی کتاب لکھی جائے اور مجھے اس کام کے کرنے کی ترغیب دی تھی»- (مرتب)

کہیں نہیں دکھایا حالانکہ اس کی سخت ضرورت تھی ۔ کتاب کے مخاطب نوجوان مسلمان ہیں جن کو خود مسلمانوں اور ان کی سیاسی تحریکات کا کوئی علم نہیں ۔ اس لیے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے جس مقصد سے اس ترجمہ کو لیا تھا وہ مقصد فی نفسہ پورا نہیں ہوا ۔ اسی طرح سید صاحب کے حق میں ہنٹر کی سب و شتم بالکل ناواجب ہے ۔ حالانکہ سید صاحب نے نہ ہنٹر اور نہ کسی انگریز کا کچھ بگاڑا تھا ۔ اگر مسئلہ جہاد کی بنا پر یہ غصہ ہے تو یہ مسئلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا اسلام پرانا ہے ۔ تو بھی سید صاحب کے خلاف دشنام طرازی بالکل لچر اور لغو ہے ۔

اب میں بعض اور امور کی طرف توجہ کرتا ہوں :

صفحہ ۲۱ : ''سرحد پہ باغی کیمپ کے بانی مبانی سید احمد تھے''۔

یہاں لفظ 'باغی' پر میرا اعتراض ہے ۔ سید صاحب کے سرحد پہونچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا ۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کدھر بغاوت کی ۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا ۔ چونکہ تحریک سکھوں کے خلاف تھی اس لیے کمپنی نے دانستہ اغماض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی ۔ اس لیے سید صاحب کو ہنٹر کا باغی لکھنا ، لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے ۔

صفحہ ۲۱، حاشیہ ۲ : ''امیر خاں پنڈاری آف ٹانک''۔

یہ حاشیہ آپ کا معلوم ہوتا ہے ۔ ہنٹر سے ایسی غلطی سرزد نہیں ہو سکتی ۔ امیر خاں کا دارالریاست ٹونک ہے (Tonk) جو راجپوتانہ میں واقع ہے ، نہ ٹانک (Tank) جو ڈیرہ اسمعیل خاں کے ضلع (صوبہ سرحد) میں واقع ہے ۔

آپ نے امیر خاں کو پنڈاری لکھا ہے ۔ اور مسلمان بھی عام طور پر ان کو یہی لکھتے ہیں ۔ لیکن مجھ کو اس کے متعلق شبہ ہے ۔ امیر خاں کے ساتھ جو کمپنی کا معاہدہ ہوا ہے ، اس میں ایک شق یہ موجود ہے :

''دفعہ سوم : نواب موصوف خلش در ملک کسے نخواهند کرد و رابطہ کہ با پنڈارها و دیگر غارت گراں می دارند موقوف خواهند نمود بلکہ حتی الوسع در مدارک و مدافعت آنها برفاقت سرکار خواهند پرداخت و سوال و جواب با احدے بغیر مرضی سرکار نخواهند داشت''۔

اس دفعہ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امیر خاں پنڈاری نہ تھے ۔ ہاں انھوں نے پنڈاروں کو وقتاً فوقتاً اپنی ملازمت میں رکھا ہے ۔ بعد کے انگریز ان کو شدید ترین اور بدترین قسم کا پنڈارہ کہتے ہیں ۔ دیکھو امپریل گزیٹیر اور ویسٹرن

راجپوتانہ گزیٹیر - لیکن ہوبسن جوبسن میں بزیر 'پنڈارہ' امیر خاں کا نام تو نہیں ملتا اور نہ پنڈارہ کی تعریف ، جو اس لغت میں دی گئی ہے ، امیر خاں پر درست آتی - لیکن لطیفہ یہ ہے کہ خاندان رؤساء ٹونک ڈاکو کہلائے جانے پر فخر کرتا ہے - خود میرے ساتھ ایک ایسا واقعہ گذرا - جب میں اپنے والد ماجد کی وفات کے موقعے پر سنہ ۱۹۰۶ء میں لندن سے واپس ٹونک آیا اور ضرورتاً نواب صاحب کے سلام کو جانا پڑا تو ان کے کسی مصاحب نے ، جو انھی کے خاندان سے تھا ، میری خیر خواہی کے خیال سے کہا کہ اگر سرکار کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو ان سے کہنا کہ لندن کے انگریز آپ سے بہت ڈرتے ہیں اور ڈاکو صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں - میں اس شخص کی عجیب و غریب ذہنیت پر دل میں کڑھتا رہا - چند منٹ میں ہز ہائی نیس آ گئے - اس شخص نے وہی بات میرے نام سے ان سے کہہ دی کہ ان کا بیان ہے کہ لندن والے حضور سے بہت ڈرتے ہیں اور ڈاکو صاحب کہہ کر نام لیتے ہیں - اس پر میری امید کے برخلاف سرکار بے حد خوش ہوئے اور مسکرا کر مجھ سے کہنے لگے ، کیوں صاحب لندن کے لوگ ہمیں ڈاکو صاحب کہتے ہیں ؟ میں مسکرا کر خاموش ہوگیا - لاحول ولا قوۃ - 'دروغ گویم بر روے تو' والا معاملہ تھا -

لطیفہ پر لطیفہ یہ ہے کہ کسی انگریز نے ہندوستان اور اس کے بعض اشخاص پر کچھ نظمیں لکھیں - ان میں دو تین نواب امیر خاں کے خلاف بھی لکھیں جن میں صاف و صریح دشنام طرازی تھی - رئیس ٹونک کی ذہنیت دیکھیے کہ انھوں نے وہ کتاب سینکڑوں کی تعداد میں خرید کر رکھ لی ہے اور جب کوئی نیا انگریز آتا ہے ، وہ کتاب فخریہ بطور ہدیہ اس کو دی جاتی ہے - میں ابھی تک اس کتاب کی زیارت سے محروم ہوں - بہرحال میری رائے میں امیر خاں کو پنڈاری کہنا درست نہیں - ہوبسن جوبسن میں پنڈارہ پر جو مضمون ہے اس میں امیر خاں کا ذکر نہیں آتا -

صفحہ ۲۱ : ''مگر رنجیت سنگھ کی بڑھتی ہوئی قوت نے جس سختی کے ساتھ اپنے مسلمان ہمسایوں کو دبائے رکھا ، اس سے مسلمان لٹیروں کا کام بہت خطرناک اور غیر منفعت بخش ہوگیا تھا -''

اس عبارت پر آپ کو حاشیہ دینا چاہیے تھا - پنجاب میں کون سے مسلمان لٹیرے تھے ؟ وہاں تو سکھ لٹیرے تھے - ان میں سب سے زیادہ طاقت ور رنجیت سنگھ تھا - سکھوں نے مسلمانوں کے خون اور مسلمانوں کی دولت پر پرورش پائی تھی -

صفحہ ۲۸ : ''جرنیل وینچو (Ventu) یا وینٹورا (Ventura)''-

سید محمد لطیف جج کی انگریزی تاریخ پنجاب میں Ventura درج ہے - دیکھو P. 427 and P. 433 اس تاریخ کے - صفحہ ۲۸ ، حاشیہ ۱ : ''جرنیل ایلدرڈ (Aldard)''-

صحیح نام Allard ہے - دیکھو تاریخ پنجاب از لطیف P. 427, P. 441, P. 475
صفحہ ۲۶ : ''اویطابلی (Avitabuli)'' صحیح نام Avitabile ہے - دیکھو تاریخ مذکور صفحہ 427 -

صفحہ ۲۶ ، حاشیہ ۱ : ''رسالہ ترغیب الجہاد . . . . اس کے مصنف قنوج کے ایک مولوی صاحب تھے -''

اس نام کا کوئی رسالہ مجھے معلوم نہیں لیکن میری فہرست مخطوطات میں ، جو اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ، نمبر ۹۶۶ء۱ (۲) رسالہ جہادیہ طبع ۱۲۵۳ھ ہے - نمبر کے ساتھ (۲) کا مقصد یہ ہے کہ اس جلد کی پہلی کتاب تو قلمی ہے اور (۲) کتاب جو مطبوعہ ہے وہ رسالہ جہادیہ ہے -
صفحہ ۳۱ : ''ستیانہ''

صحیح نام 'ستھانہ' ہے جو ملک سندھ میں تنول اور سمہ کے درمیان واقع ہے اور سید صاحب کی شہادت کے بعد مجاہدین کا اڈا رہا ہے -

صفحہ ۴۷ ، حاشیہ ۲ : ''مولوی نصیر الدین صاحب (مولینا محمد اسحق کے داماد)''

بعد میں ستھانہ میں سید صاحب کے جانشین بنائے جاتے ہیں - ان کے حالات کے واسطے دیکھو میرے مجموعہ مخطوطات کا نمبر ۹۵۲ ۱ 'رسالہ در حالات محمد نصیر الدین جانشین سید احمد شہید در ملک سندھ یعنی موضع ستھانہ واقع دریائے تنول و سمہ از ملک سندھ تالیف ابو علی احمد ابن احمد میر بفرمایش نواب وزیرالدولہ بہادر والیٔ ریاست ٹونک فرزند نواب امیر خاں و مرید سید احمد شہید - مسودۂ مصنف مشتمل بر دو باب'-

معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کبھی ختم نہیں ہوا - میری فہرست مخطوطات مخزونۂ یونیورسٹی لائبریری پنجاب میں ایک نمبر ۵۷۲ شجرة الایمان از مولوی ابو عبداللہ محمد نصیر الدین دہلوی ، انھی کی تصنیف معلوم ہوتا ہے -

صفحہ ۹۹ : ''انگریزوں کے خلاف ضرورت جہاد پر اگر وہابیوں کی نظم و نثر کی مختصر کیفیت بھی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے اس جماعت نے بہت سا ادب پیدا کر دیا ہے - ان کتابوں کے محض نام ہی سے ان کے تمام و کمال باغیانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے - میں ذیل میں چودہ کتابوں کی فہرست دیتا ہوں - بعض تو ان میں حد سے زیادہ اشتعال انگیز ہیں -''

یہ بیان سخت گمراہ کن ہے - جہاد مسلمانوں کا ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے - جہاد پر لکھنے یا بحث کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ یہ کتابیں انگریزوں کے خلاف لکھی گئی ہیں - ان چودہ کتابوں میں سے اکثر ایسی ہیں جو مولینا اسمعیل شہید کی تصنیفات ہیں ، جو انگریزوں اور وہابیوں میں تصادم سے بہت قبل لکھی گئی ہیں - پھر یہ کیسے ثابت ہوا کہ انگریزوں کے خلاف لکھی گئی تھیں - مثلاً :

صفحہ ۹۹ ، حاشیہ ۱ 'صراط المستقیم' ہے ، جس کے معنی ہیں راہ راست (سیدھا راستہ) - بھلا ان الفاظ میں باغیانہ کیا بات ہے اور ہنٹر صاحب کو کیسے معلوم ہوگیا کہ اس کتاب کا محض نام ہی تمام و کمال باغیانہ ہے - اس کتاب کے واسطے دیکھو میرے مجموعہ' کتب مطبوعہ مخزونہ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا نمبر ۴۹۲ ، صراط المستقیم ، از مولینا محمد اسمعیل شہید ، بتصحیح عبدالرحمن صفی پوری و محمد علی رام پوری ، در مطبع شیخ ہدایت اللہ کلکتہ ، سنہ ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۲ء) ٹائپ نستعلیق اور نمبر ۳۲۲ (۲) صراط المستقیم از مولینا محمد اسمعیل شہید ، مجتبائی دہلی ، سنہ ۱۳۰۸ھ -

صراط المستقیم ، کلکتہ میں (بشرطیکہ اس کا کوئی سابقہ اڈیشن نہ ہو) سنہ ۱۸۲۲ء میں چھپتی ہے اور سید صاحب بغرض جہاد سنہ ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء) کی ابتدا میں سرحد کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور ۲۴ ذی قعدہ سنہ ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۰ء) کو شہادت پاتے ہیں - اس حساب سے صراط المستقیم ، سید صاحب کی جہادی مہم سے تین سال قبل چھپتی ہے - سید صاحب کی مہم صریحاً سکھوں کے خلاف تھی - اس سے بہرحال ثابت ہے کہ صراط المستقیم انگریزوں کے خلاف تو نہیں لکھی گئی -

صفحہ ۱۰۰ ''(۶) آثار محشر مطبوعہ مولوی محمد علی سنہ ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۹ء'' -

'مطبوعہ' کی جگہ 'مصنفہ' چاہیے کیونکہ ''آثار محشر'' مولانا سید محمد علی ، محمد مخلص کی تصنیف ہے - میرے مجموعہ' مخطوطات میں اس کتاب کا ایک نسخہ خط مصنف نمبر ۱۲۵۷ ، نوشتہ' سنہ ۱۲۵۲ھ کا موجود ہے - اس کے علاوہ نمبر ۱۳۱۹ ''تائید الاسلام'' بھی اسی مصنف کے قلم سے ایک اور تالیف ہے جو سنہ ۱۲۷۲ھ کی نوشتہ ہے - اس میں انگریزوں کی مخالفت میں بھی اشعار آتے ہیں -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۷) تقویۃ الایمان از مولینا اسمعیل شہید دہلوی''-

اس کے لیے دیکھو میری فہرست مطبوعات نمبر ۲۶۵ (۲) تقویۃ الایمان از شہید ممدوح در مطبع فاروق دہلی ، سنہ ۱۲۹۳ھ اور نمبر ۶۲۸ تقویۃ الایمان از مولینا محمد اسمعیل شہید دہلوی بتصحیح زین العابدین سنہ ۱۲۵۷ھ ، ٹائپ بطرز نستعلیق اور مخطوطہ نمبر ۵۶۷ تقویۃ الایمان از شہید موصوف -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۹) نصیحت المسلمان . . . . (از) کرم علی کانپوری''-

اس کتاب اور اس کے مصنف کا نام آپ نے بالکل غلط دیا ہے - کتاب کا نام ''نصیحت المسلمین'' اور مصنف کا نام خرم علی بلہوری ہے - اس کتاب کے واسطے دیکھو میری فہرست مطبوعات نمبر ۲٦۵ نصیحت المسلمین از خرم علی ، مطبع چشمۂ فیض میرٹھ ، سنہ ۱۸۷۵ء - یہ کتاب سنہ ۱۲۳۸ھ میں تالیف ہوئی ہے - بھلا اس کتاب کے نام میں ہنٹر صاحب کو بغاوت کی بو کدھر سے آ گئی - مولینا خرم علی نے اس تالیف میں آیات قرآنی کا ترجمہ اردو زبان میں بغرض مذمت شرک دیا ہے چنانچہ کہتے ہیں :

''بندہ خرم علی کے دل میں آیا کہ اس شرک کی برائی قرآن شریف سے ثابت کیجیے اور ہر آیت کا ترجمہ ہندی زبان میں صاف صاف بیان کریے تا کہ ہر ایک کوں فائدہ عام ہو -''

ایک اور نسخہ مطبوعہ ، نمبر ۱۰٦۸ نصیحت المسلمین از خرم علی ، مطبع محمدی ، محمد حسین ، لکھنؤ کا ناقص الاخر ہے -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۱۰) ہدایت المومنین مصنفۂ اولاد حسین -''

مجھ کو یاد نہیں لیکن ایک رسالہ میرے مجموعۂ مخطوطات میں نمبر ۲۰۰۲ ہدایت المومنین اردو تصنیف مولانا حسن قنوجی ، سنہ ۱۲۰۵؟ ہے - اسی مجموعۂ مخطوطات میں ایک نسخہ نمبر ۸۷۵ (۲) ہدایت المومنین از حسن قنوجی نوشتہ سنہ ۱۲۴۹ھ/۱۸۲۹ء ہے - اولاد حسین ، نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال کے والد کا نام تھا جو پہلے شیعہ تھے اور سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت لا کر جماعت اہل حدیث میں شامل ہوگئے اور گھر کی لاکھوں کی جائداد سے ہاتھ اٹھا لیا - قنوج کے رہنے والے تھے - ممکن ہے کہ حسن اور اولاد حسین مختلف اشخاص ہوں -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۱۱) تنویر العینین''

اس کے لیے دیکھو میری فہرست مطبوعات کا نمبر ۱۰۹۴ (۴) تنویر العینین از مولنیا محمد اسمعیل شہید طبع مطبع فاروقی اور نمبر ٦۲۸ (۲) تنویر العینین فی اثبات رفع یدین از مولینا محمد اسمعیل شہید مطبع رحمانی سنہ ۱۲۵٦ھ (ٹائپ) اور نمبر ۲۰۰۳ تنویر العینین طبع لودھیانہ سنہ ۱۲۷۹ھ -

صفحہ ۱۰۰ : ''(۱۳) تنبیہ الغافلین''

اس کے متعدد نسخے میرے مجموعۂ کتب میں ہیں - مطبوعات میں نمبر ۱۵۵۲ تنبیہ الغافلین از سید عبداللہ ابن بہادر ، علی مطبع احمدی کلکتہ ، سنہ ۱۲۵۸ھ ، ٹائپ بطرز نستعلیق - اور مجموعۂ مخطوطات میں نمبر ۲۰۲ تنبیہ الغافلین از سید عبداللہ ولد بہادر علی اور مخطوطہ نمبر ۱۳۰۱ (۲) تنبیہ الغافلین تالیف سید احمد کا ترجمہ نظم اردو میں اور نمبر ۱۳۰۴ (۲) تنبیہ الغافلین سید احمد کا ترجمہ نظم اردو میں اور

نمبر ۲۰۲[1] تنبیہ الغافلین از سید عبداللہ ولد سید بہادر علی اور نمبر ۱۹۳۰ (۳) رسالہ تنبیہ الغافلین اور نمبر ۱۹۷۲ تنبیہ الغافلین از عبداللہ ولد سید بہادر علی، نقل از مطبوعہ اور نمبر ۱۹۷۷ تنبیہ الغافلین طبع سنہ ۱۲۶۳ھ۔

صفحہ ۱۰۰ (۱۴) : ''چہل حدیث - رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس حدیثیں جہاد کے متعلق''۔

چہل حدیث نام نہایت عام ہے - میری فہرست مخطوطات میں نمبر ۳۲۲ نسخہ نسیم جنت بزبان اردو ترجمہ چہل حدیث نبوی نوشتہ سنہ ۱۲۶۹ھ ہے - ایک اور رسالہ نمبر ۱۳۱۶ (۲) چہل حدیث بروایت شیخ ؟ عبدالعزیز محدث دہلوی ہے -

رہے باقی نمبر، (۲) قصیدہ (۳) شرح وقائع (۳) منظم پیش گوئی (۵) تارخ قیاصرۂ روم (۸) تدبیر الاخوی (۱۲) عبدالجامد، میری نظر سے نہیں گذرے -

(۲) شاید قصیدۂ عظمیٰ ہو - اس کے لیے دیکھو میری فہرست مطبوعات نمبر ۶۳۰ قصیدۂ عظمیٰ، مطبع مظہری، شہر چچرہ، سنہ ۱۲۵۷ھ -

(۸) تدبیر الاخوی - اس نام میں کوئی نہ کوئی غلطی ہے - آپ اس کا ترجمہ ''برادرانہ گفتگو'' کیوں کر رہے ہیں - کیا یہ ''تقریر الاخوین'' ہے ؟

اسی طرح (۳) منظم پیش گوئی غالباً 'منظوم پیشن گوئی' ہو - اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت عام ہیں -

علی ہذا (۱۲) 'عبدالجامد' نام بھی غلط معلوم ہوتا ہے - کتابوں کے نام اس طرز کے نہیں ہوا کرتے -

زبان کی بعض غلطیاں

سطر ۴، صفحہ ۲۶۳ : ''ہم نے اول تو ان کی مذہبی ضروریات سے بتدریجاً اغماض کیا''۔ یہ فقرہ یوں چاہیے ''اول تو ہم نے ان کی مذہبی ضروریات سے تدریجاً اغماض کیا''۔ 'تدریجاً' کے ساتھ 'بہ' بالکل غیر ضروری ہے - یا ''بتدریج'' لکھتے -

سطر ۱۴، صفحہ ۲۶۴ : ''آپ کے سائل عرض پرداخت ہیں'' 'پرداخت' کی جگہ 'پرداز' چاہیے - فارسی زبان کا قاعدہ ہے کہ اسم اور امر مل کر اسم فاعل بن جاتا ہے - س ۳، ص ۲۶۶ : ''بدقسمتی سے ان تحقیقات کی ابتدا'' الخ - 'ان تحقیقات' کی جگہ 'ان تحقیقات' چاہیے - س ۳، ص ۲۶۸ : ''دیوانی عدالت میں منتقل کر دیا جاتا''۔ 'منتقل کر دیا جاتا ہے' چاہیے -

س ۵، ص ۲۶۸ : ''اس سے بھی زیادہ قابل اعتماد اور تجربہ کار افسر نے قاضیوں کی اسامی کو سرکاری طور سے اڑا دینے پر جو سیاسی خطرات پیدا ہوگئے ہیں

۱- غالباً تکرار ہوگئی ہے - مخطوطہ نمبر ۲۰۲ اوپر بھی آ چکا ہے - (مرتب)

یوں رائے زنی کی ہے''۔ یہ فقرہ یوں چاہیے :

''مزید براں اس قابل اعتماد اور تجربہ کار افسر نے قاضیوں کی اسامی سرکاری طور پر اڑا دیے جانے سے جو سیاسی خطرات پیدا ہوگئے ہیں ، ان پر یوں رائے زنی کی ہے''۔

ص ۲۷۲ ، س ۶ : ''بہت بلدا قدیم'' چاہیے : ''بہت بڑا قدم''۔ یہ کتابت کی غلطی ہے -

ص ۲۷۲ ، س ۸ : Nassan Lees ناسان لیز'' صحیح نام William Nassau Lees ولیم نساؤلیز ہے -

ص ۲۸۰ ، س ۱۱ : ''وہ ہدایہ اور جامع العروض'' یہ جامع العروض کونسی کتاب ہے ؟ شاید 'جامع الفروض' ہو یا 'جامع الفرائض' ہو - اس کے متعلق آپ ذرا تحقیقات کر لیجیے - میں اس کتاب سے ناواقف محض ہوں -

ص ۲۸۲ ، س ۳ : ''صورت حالات''۔ 'صورت حال' چاہیے -

ص ۲۸۲ ، س ۴ : ''خاص کمیشن اپنا کام کر رہی ہے''۔ 'کام کر رہا ہے' چاہیے -

ص ۲۸۲ ، س ۵-۶ : ''کالج میں لے ائے۔'' لے کے بعد کے الف پر مد آنا چاہیے یعنی 'لے آئے' -

ص ۲۸۲ ، س ۹ : ''طلبا فطرت کے خلاف ان خطرناک گناہوں میں بھی پھنسے ہوئے تھے جن کو عیسائیت نے یورپ میں بالکل نیست و نابود کر دیا'' -

کیا ہنٹر صاحب کا ضمیر اس بیان پر کسی قسم کی شرم کا احساس کیے بغیر مہر تصدیق لگا سکتا ہے - مغربی راہبوں اور فوجیوں میں یہ شناعت عام رہی ہے - قدیم یونانی اور رومی اقوام میں یہ عمل ہر کی حد تک مستحسن تھا - لونڈوں کا اغوا باقاعدہ ہوتا تھا اور جس لونڈے کا اغوا نہ ہوا ہو وہ نہایت بدنصیب سمجھا جاتا تھا - ان سے باقاعدہ شادیاں ہوتی تھیں - ہیڈرین شہنشاہ روم کے لونڈے کے مجسمے اس کی موت کے بعد مندروں میں رکھے گئے ہیں اور پرستش کی گئی ہے - گذشتہ جنگ یورپ سے دو تین سال قبل جرمنی کے چانسلر پرنس بولو پر ، جو قیصر ولیم کے شاید چچا بھی تھے ، باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا تھا - جرم خلاف وضع فطری تھا - میں اس کا انجام بھول گیا ہوں غالباً شہزادۂ موصوف نے اس کا کفارہ اپنی موت سے دیا تھا - ہنٹر صاحب کو ان بدنصیب بنگالی طلبہ کا جرم کھٹکتا رہا لیکن وہ اپنے ہم عصر اور ہم وطن اوسکروائلڈ کو بھول گئے جس نے اس جرم کی آرٹ کی حد تک پیروی کی تھی - آپ کو اس موضوع پر انگریزی میں کافی مواد مل سکتا ہے -

ص ۲۸۲ ، س ۱۰ : ''جن کا ارتکاب ہندوستان کے ہر ایک شہر'' ۔ 'ہر شہر' ہر شہر' چاہیے ۔

ص ۲۸۲ ، س ۱۱ : ''گذشتہ پانچ چھ سالوں میں'' چاہیے 'پانچ چھ سال میں' ۔

ص ۲۸۳ ، س ۱۱ : ''معمولی معمولی مسئلوں پر انتہائی اختلافات'' ۔ 'انتہائی ف' چاہیے ۔

ص ۲۸۴ ، س ۴ : ''زیادہ سے زیادہ تین گھنٹہ'' چاہیے 'تین گھنٹے' ۔

ص ۲۸۴ ، س ۶ : گھر پر کسی قسم کی طیاری کرنا وہ جانتے ہی نہیں ۔ یوں ہ بات مسلمانوں کے اصول کے خلاف ہے'' ۔

مشکل یہ آ بنی ہے کہ ہنٹر صاحب ایسے معاملات پر رائے زنی کرتے ہیں جن ہ محض نابلد ہیں ۔ درس نظامیہ کے رو سے طالب علم کے دو بڑے فرض ہیں ۔ پچھلے سبق کی تکرار اور دہرانا ، یاد کرنا وغیرہ ۔ دوسرا سبق آیندہ کا مطالعہ جس سے طالب علم کو سبق آیندہ کی اشکال کا قبل از وقت احساس ہو جائے ستاد سے دریافت کرنے کے لیے طیار رہے ۔

سید صاحب اور ان کی تحریک کے متعلق کافی مصالحہ موجود ہے۔ حال ہی میں ت سید احمد شہید' سید ابوالحسن علی ندوی نے سنہ ۱۹۳۹ء میں شائع کی ہے ۔ پریس لکھنؤ سے بقیمت دو روپے شائع ہوئی ہے ۔ مصنف سید طلحہ کے خویش[1] ہیں ۔ آپ اہل مطبع سے لکھ کر دریافت کیجیے کہ یہ کتاب کہاں سے مل سکے گی۔ ے آپ کو جستہ جستہ اطلاع مل سکے گی ۔ میں ٹونک سے کافی ذخیرہ لاہور ا تھا ۔ میرا مقصد تھا کہ وہابی لٹریچر پر کبھی کچھ لکھوں ۔ افسوس ہے کہ و موقع نہ ملا ۔ بہر حال وہ کتابیں وہیں پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود آپ اگر یونیورسٹی لائبریری کے ممبر ہیں تو خیر ورنہ اس کے ممبر بن جائیے خلیفہ شجاع الدین لائبریری کمیٹی کے چیرمین ہیں ۔ ان سے ملیے ۔ ورنہ اگر تو میں لائبریرین کو لکھوں ۔ شاید مروت کر جائے۔ لائبریری میں میرے ہوعے ہیں ۔ پہلا قلمی کتابوں کا جو نمبر ۱ سے تا ۲۴۷۳ ہے ۔ دوسرا مجموعہ بات کا جس میں ۱۷۱۰ کتابیں ہیں ۔ بعد میں ان میں کچھ اور اضافہ ہے ۔

---

[1] ید ابوالحسن علی ندوی صاحب کی پھوپھی صاحبہ یعنی مولانا حکیم سید عبدالحی وی، صاحب ''گل رعنا'' و ''نزہتہ الخواطر'' کی ہمشیرہ محترمہ ، سید طلحہ کی لیہ تھیں (مرتب)

، بچے آپ کو بھولے نہیں ، سب یاد کرتے ہیں بلکہ آپ کا لال[1] پانی بھی یاد ہے ۔ یہاں آ کر سب کو بخار زیادہ آیا ۔ خدا جانے وہ ملیریا تھا یا کوئی اور بخار ۔ سب کو ہلکان کر دیا ۔ برسات میں رہا ۔ پھر سردی میں بھی آتا رہا ۔ اس سال اب تک تو خیریت ہے ۔ ابھی مچھر پیدا نہیں ہوئے ۔

صبیح الدین[2] کو دعا اور فضل الٰہی صاحب[3] ، چودھری نور دین[4] اور نیازی[5] صاحب کی خدمت میں میرا سلام ۔

فقط والسلام

محمود شیرانی

مجھ میں اب بالکل طاقت نہیں رہی ہے ۔ یہ خط دو تین دن کی کہانی ہے بہت جلد تھک جاتا ہوں ۔

فقط

۱۔ قیام لاہور کے دنوں میں جب ہم بہن بھائی بیمار ہوتے اور ڈاکٹر صاحب دوسری دوائیوں کے علاوہ کار مینٹیو مکسچر بھی دیتے تو شیرانی صاحب مرحوم مذاق کے طور پر فرماتے کہ بیٹا جب کبھی ڈاکٹر صاحب کی بیگم کوئی کپڑا سرخ رنگتی ہیں تو ڈاکٹر صاحب بچا ہوا رنگ بوتلوں میں بھر رکھ لیتے ہیں اور اپنے مریضوں کو دیتے رہتے ہیں ۔ ''لال پانی'' میں اسی مذاق کی طرف اشارہ ہے (مرتب)

۲۔ ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے ۔ ایم بی بی ایس ڈاکٹر اور امریکہ کے سند یافتہ ماہر امراض ذہنی ہیں ۔ پاک فوج میں کرنل کے عہدے سے سبک دوش ہو کر آج کل الجزائر کے دماغی شفاخانے میں ماہر نفسیات ہیں (مرتب)

۳۔ ڈاکٹر صاحب کے برادر بزرگوار (بی ۔ ایس سی ، ایل ۔ ایل ۔ بی) لاہور ہائی کورٹ میں وکالت کرتے تھے ۔ آپ سقوط ڈھاکہ کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور راہی ملک عدم ہو گئے ۔ ڈاکٹر صاحب نے ''تحریک مجاہدین'' کی دوسری جلد ان کے نام معنون کی ہے (مرتب)

۴۔ چودھری نور الدین صاحب ڈاکٹر صاحب کے دوست اور ڈاک خانہ میں ملازم تھے ۔ ان کی نشست پڑوسی ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے پاس رہا کرتی تھی (مرتب)

۵۔ محترم سید نذیر نیازی صاحب ۔ ڈاکٹر صاحب کے ہاں شام کو جمنے والی محفل میں یہ بھی شریک ہوتے تھے (مرتب)

بنام پروفیسر بھگوت سروپ صاحب[1]

ہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۱۔ ستمبر ۱۹۴۲ء

عزیز من پروفیسر بھگوت سروپ

عنایت نامہ پہونچا ۔ پاجامے ابھی وہیں رہنے دیجیے اور گھر میں یہ اطلاع دے دیجیے کہ اگر ٹونک سے کوئی لینے والا آئے تو اسے دے دیں[2] ۔ میں کسی آنے والے یا جانے والے کو کہہ دوں گا وہ لے آئے گا ۔ آپ کے استفسار شدہ اشعار :

کراست زہرہ کہ با ایں دل ز صبر نفور
در افگند سخنی از وداع نیشاپور

یہ کس کی مجال ہے کہ میرے دل کے ساتھ جو صبر سے متنفر ہے نیشاپور سے رخصت ہونے کی بات چیت چھیڑے یعنی میرا بے تاب دل نیشاپور سے روانگی کے ذکر تک کا متحمل نہیں چہ جائے کہ وہاں سے رخصت ہو :

دلم ز گیتی چنداں حساب کثر برداشت
کہ راہ یافت از و صد ہزار گونہ کسور

میرے دل کو دنیا کے ہاتھوں ایسے ایسے غلط اندازے سہنے پڑے ہیں جس سے میرے معاملات میں ہزار طرح کی شکستیں واقع ہو گئیں یعنی زمانے کی دست برد سے میرے سارے منصوبے غلط ثابت ہوئے اور میرے معاملات میں ہزاروں فتور پیدا ہو گئے :

بروزگار تو آن انتظام یافت جہان کہ از حمایت حوبی نیاز شد کافور

تیرے عہد میں دنیا کا انتظام ایسے عمدہ پیمانے پر ہوا ہے کہ اس خوش نظمی کی بدولت افلاس بالکل غائب ہو گیا :

درین قصیدہ کہ در پیش نظم الفاظش چو آب حل شود از شرم لؤلؤ منثور
مزید شہرتم آنگہ شود کہ بر خوانند ''ز ھی بجود تو ایام مکرمت مشہور''

یہ قطعہ بند ہے ۔ کہتے ہیں اس قصیدے میں جس کے الفاظ کی خوش انتظامی کے

۱۔ پروفیسر بھگوت سروپ شیرانی صاحب کے شاگرد ہیں اور آج کل دہلی میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہے ہیں (مرتب)

۲۔ شیرانی صاحب ان دنوں انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی میں کچھ عرصہ مقیم رہنے کے بعد واپس ٹونک آئے تھے اور کچھ کپڑے بھگوت سروپ صاحب کے ہاں چھوڑ آئے تھے (مرتب)

سامنے ان بندھا موتی پانی پانی ہوتا ہے مجھے پوری شہرت اسی وقت ملے گی جس وقت اس کے ساتھ ''زہے بجود تو ایام مکرمت مشہور'' والا قصہ پڑھا جائے گا ۔ یہ مصرع کسی اور شاعر کے قصیدہ کی ابتدا ہے جس کے جواب میں ظہیر نے اپنا قصیدہ لکھا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ میرے قصیدہ کو اس قصیدے کے مقابل رکھ کر پڑھا جائے تب میری برتری سب پر ثابت ہو جائے گی ۔

سحر چو تافت ز دریای خاوران گوہر زمانہ کرد بہ درج فلک نہان گوہر

صبح جب مشرق کے دریا سے گوہر (آفتاب) چمکا اور زمانہ نے آسمان کی ڈبیہ میں ستاروں کے موتی چھپا لیے ۔

نگار بخت چون لعل درر فشان گوہر شکستہ درج در و شد سبک گران گوہر

پہلا مصرع جس طرح تم نے لکھا ہے مہمل اور بے معنے ہے ۔ خدارا متن تو درست لکھا کرو ۔ جب متن ہی درست نہ ہو تو انسان کیا کرے ۔ میرے پاس کتابیں نہیں ہیں اور میں اس کی تصحیح سے عاجز ہوں ۔

غور کے بعد ایک بات سمجھ میں آئی کہ اگر اس مصرع میں کسی قدر تبدیلی کی جائے تو بامعنی ہو سکتا ہے ۔ تمھیں بھی تو لڑکوں ہی کو بھگانا ہے ۔ بہر حال یہ ملایانہ حیلہ ہے اور بدرجۂ مجبوری جائز لیکن ضروری یہ ہے کہ صحیح متن کی تلاش کی جائے ۔ قلمی نسخے بہم پہنچاؤ ۔ اس بارہ میں پروفیسر آذر سے مدد لے سکتے ہو ۔ ہاں وہ تبدیلی یہ ہے :

نگار ریخت ز لعل درر فشان گوہر

شعر کے معنی یہ ہوئے :

محبوب نے اپنے در فشان لعل لب سے گوہر ریزی کی یعنے سرگرم سخن ہوا بالفاظ دیگر (درج در = دہن محبوب ، سبک = ضد گراں) موتیوں کی ڈبیہ ٹوٹی اور گراں قیمت موتی کم وزن یعنے کم قیمت ہو گئے ۔ ڈبیہ ٹوٹی موتی بکھرے اس طرح بیش بہا موتی کم قیمت بن گئے ۔ اگر محبوب کی گفتگو صرف عاشق کا آویزۂ گوش رہتی تو یقیناً گراں بہا ثابت ہوتی اور جب اسے اغیار نے بھی سن لیا تو گویا قیمتی موتی کم قیمت بن گئے ۔

آج کل سخت گرمی پڑ رہی ہے ۔ پہلے بارش سے گھبرا رہے تھے اب گرمی سے گھبرا رہے ہیں ۔ دیکھیے کیا منظور ہے ۔ بچوں کو دعا

والدعا

محمود شیرانی

مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ
۲۱- جنوری سنہ ۱۹۴۲ء

مائی ڈیر سلام[1]

میں سمجھتا ہوں کہ بیس روز کے بعد آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنا سجدۂ سہو بجا لانا ہے لیکن بقول انگریزی ضرب المثل کہ تلافی کسی حالت میں بھی تاخیر نہیں مانی جا سکتی، میں اب وہ قضا شدہ فرض ادا کر رہا ہوں -

میں یہاں آنے کے بعد ضیق النفس اور دمہ کے دوروں میں مبتلا ہو گیا - جس دن زیادہ سردی ہوتی اسی دن زیادہ شدت رہتی - اب جو موسم میں اعتدال آیا ہے ان میں تخفیف ہوئی ہے بلکہ کل تو میں باہر بھی نکلا تھا -

آپ کا مضمون ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے- آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہم بہت عرصہ سے دادا جان بن گئے ہیں- میں نہ صرف اپنے آپ کو ایک برا استاد سمجھتا ہوں بلکہ اکثر اوقات اپنی قسمت کو کوستا رہا ہوں کہ مجھے روٹیاں بھی ملیں تو ایسے پیشے کے ذریعہ سے جس کا میں مطلق اہل نہیں یعنی معلمی - لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں اب آزاد ہوں - ہاں تو میں یہ کہنا چاہتا تھا نہ معلم بھی پیدایشی ہوتا ہے نہ ساختہ - ہاں تو اس دادا جان بننے کی سزا میں ہمیں اب معلمی بھی کرنی پڑتی ہے - اس موقعہ پر آپ کے مرادی اور لفظی معنوں کی بحث ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے اور میں سوچتا رہتا ہوں کہ مرادی معنی بتانے میں اگرچہ سہولت معلوم ہوتی ہے مگر بچوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا - اس تجربہ نے مجھے مرادی کے مقابلہ میں لفظی کا حامی کر دیا ہے ورنہ بچے عجیب عجیب مضحک غلطیاں کر جاتے ہیں - اگر لفظی اور مرادی دونوں بتائے جائیں تو ان پر بہت زیادہ بار ہو جاتا ہے - میرے خیال میں شعور پیدا ہونے تک تو لفظی ضروری ہیں بعد میں بے شک مرادی -

آپ ہمیں شکار کے لیے کب بلا رہے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ شکار آرام کا ہو - چلنا پھرنا نہ پڑے - یہ بھی یاد رہے کہ ہم کانے شکاری ہیں -

ہاں خوب یاد آیا - مادھو پور میں میں نے ایک صراف کے تین سکے الگ کئے - اس نے ایک ردی سکہ اور ملا کر چار کر دیے ان تینوں سکوں میں در اصل صرف ایک سکہ میرے کام کا تھا جو رفیع الدرجات کا تھا اور 'دارالخیر اجمیر' کی ٹکسال کا - میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کو میرے مطلوبہ سکے کا پتہ لگے، ورنہ وہ اس کی قیمت دس گنا بتا دیتا - میں چاہتا تھا کہ ہر سکے کی الگ الگ قیمت بتائے تو میں

۱- اس نامکمل خط کا رف پروف بھی مرحوم کے کاغذات میں ملا ہے - غالباً یہ پروفیسر سید عبدالسلام صاحب خیال (ایم - اے، علیگ) کے نام ہے (مرتب)

اپنا مطلوبہ سکہ لے لوں لیکن وہ پکا سور نکلا ۔ ضد کر لی کہ چاروں سکے ساتھ دوں گا ۔ میں نے مجبور ہو کر چاروں سکوں کے ساڑھے چھ روپیہ تک لگا دیے جو بہت اچھی قیمت تھی مگر اس نے نہ مانا ۔ میں وہ سکے چھوڑ کر چلا آیا ۔ اس صراف کو آپ کا ملازم جو آپ نے میرے ساتھ بھیجا تھا جانتا ہے ۔ آپ سے میری اس قدر استدعا ہے کہ آپ رفیع الدرجات کا وہ سکہ دو تین روپے تک اس سے لے لیں اور مجھے بھجوا دیں ۔ مگر سکے ذرا غور کر کے دیکھنا کہیں غلط سکہ نہ اٹھا لو ۔ مغلیہ سکوں کی معمولی قیمت روپیہ سوا روپیہ ہوا کرتی ہے ۔ آپ ڈھائی تین روپے دے دیجیے ۔ لیکن ذرا ترکیب سے کام لینا ۔ اگر اس کو معلوم ہوگیا تو وہی سکہ وہ چھپا لے گا ۔

بنام مس خدیجہ فیروزالدین[1] صاحبہ

محترمہ

میں نے تعمیل ارشاد کی غرض سے خوشحال کی سوانح حیات پر نظر مار لی ہے ۔ یہ مضمون ایسے شخص کے پاس جانا چاہیے تھا جو انگریزی اور پشتو دونوں سے واقف ہو اور ساتھ ہی تنقید و تبصرہ کے اصول فن سے آگاہ ہو ۔ میں ان دونوں زبانوں میں ہیچ میرز ہوں ۔ جب ایک سنار کا کام کسی لوہار کے سپرد کر دیا جائے تو اس غریب کو سخت مشکل پیش آئے گی ۔ یہی میری حالت ہے ۔ میں انکار کرتا رہا اور آپ کے بھائی صاحب اصرار کرتے رہے ۔ آخر کیا کرتا ، ماننا پڑا اور مضمون رکھ لیا اور پڑھ لیا ۔

میری رائے میں جس مقصد کے لیے آپ نے اس کو لکھا ہے وہ مقصد اس سے برآمد ہو سکتا ہے ۔ میں کئی دوستوں اور شاگردوں سے واقف ہوں جو نہایت معمولی معمولی مضامین پر ڈگریاں لے کر یورپ سے آئے ہیں ۔ ان کے مضامین کو دیکھتے ہوئے آپ کا مضمون ماشاءاللہ ایک دشوار اور کٹھن منزل کا حکم رکھتا ہے اور میرا تو خیال ہے کہ آپ کو کامیابی ہونی چاہیے ، آگے تقدیر ۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ ہماری قوم کی ایک بیٹی ایسے سنجیدہ اور متین مضمون کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کرتی ہے ۔ یہاں بعض ضروری گزارشات آپ کے ملاحظہ کے لیے عرض ہیں :

---

۱ ۔ محترمہ ڈاکٹر مس خدیجہ فیروزالدین صاحبہ مرحومہ اور ان کے بھائی ڈاکٹر آغا عبدالستار خاں مرحوم شیرانی صاحب سے علمی معاملات میں مشورے لیتے رہتے تھے ۔ مس صاحبہ کا خوشحال خاں خٹک پر مقالے کا سوانحی حصہ انہوں نے شیرانی صاحب کو دکھایا تھا جس کے متعلق اس خط میں اظہار رائے کیا گیا ہے ۔ یہ دراصل خط کا رف پروف ہے جو نا مکمل حالت میں شیرانی صاحب کے کاغذات میں ملا ۔ اسی لیے اس میں بے ربطی اور تشنگی پائی جاتی ہے (مرتب)

(١) مضمون چونکہ غیرمعروف ہے اس لیے آپ اپنے دیباچہ میں ، جو لکھا جانا چاہیے ، اپنے تمام مآخذ، ان کی وقعت اور اہمیت اور ان کے متعلق اپنی رائے درج کر دیں تا کہ مضمون میں گھسنے سے پیشتر قاری کو معلوم ہو جائے کہ کس مواد پر یہ مضمون تعمیر پاتا ہے - ظاہر ہے کہ آپ کا ماخذ زیادہ تر خوشحال کا دیوان اور دیگر تالیفات اور اس کے پوتے کی تالیف ''تاریخ مرصع'' ہے - دوسرے ذرائع مثلاً فارسی اور انگریزی کے متعلق تفصیلی بیان کی ضرورت نہیں ہے -

(٢) میں سنتا ہوں کہ آپ The Origin of Afghan پر ایک علیحدہ مضمون اسی کتاب کے واسطے طیار کر رہی ہیں - میرے خیال میں اس باب کی چنداں ضرورت نہیں ہے - اس پر کافی لکھا جا چکا ہے - آپ کوئی نئی چیز تو پیش کریں گی نہیں پھر کتاب کو بڑھانے سے کیا فائدہ - اگر آپ کے پاس کوئی ایسی اطلاع ہے جو اب تک نا معلوم ہے یا کوئی نیا نظریہ پیش کرنا ہے تو آپ ایسے امور اس باب میں درج کر سکتی ہیں جس میں آپ نے خوشحال کے اسلاف کا ذکر کیا ہے -

(٣) مشرق الفاظ کی صحت کی طرف آج کل زیادہ خیال کیا جاتا ہے اس لیے اس کا خیال رکھیے - میری نگاہ میں جو بعض ایسے الفاظ آئے ہیں ان کے متعلق علیحدہ کاغذ پر عرض کر دیا ہے - انگریزی نظمیں جو پشتو کا ترجمہ معلوم ہوتی ہیں ان کے مترجموں کے نام ہر نظم کے ساتھ دے دیجیے -

(٤) ایک مضمون کو کامیاب سمجھنے کے لیے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کہاں تک نئی اطلاع کا حامل ہے - اس کا آپ اندازہ کر سکتی ہیں کیونکہ پشتو اور انگریزی سے آپ واقف ہیں - خوشحال پر ابھی تک انگریزی میں تو کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے - دوسرے یہ کہ داد تحقیق کہاں تک دی گئی ہے - اس سے یہ مطلب ہے کہ اگر اور کوئی شخص اسی مضمون پر قلم اٹھائے تو اس پر کوئی جدید اضافہ نہ کر سکے - رہی خوشحال کی شخصیت، اس کے متعلق آپ بہتر واقف ہیں کہ شعر و سیاسیات میں اس کی قوم میں اس کا کیا درجہ مانا گیا ہے -

(٥) اس میں شک نہیں کہ یہ مضمون کئی موقعوں پر تشنہ نظر آتا ہے لیکن بصورت عدم دستیابی اطلاع سکوت سے کام لینا پڑتا ہے - ایسے موقعوں پر میں خیال کرتا ہوں کہ آپ ایسے اشارے کر دیں - اسی طرح جہاں آپ کو تاریخ مرصع کے تنہا بیانات سے سابقہ پڑتا ہے وہاں بھی ایسے اشارے ضروری ہیں تا کہ آپ کے خلاف یہ گمان نہ گزرے کہ اور تاریخی دستاویزوں کو دیکھے بغیر صرف اسی تاریخ پر اکتفا کر لی ہے -

---

pter' : Chieftainship
·&7 Dara Shikoh should be Dara Shukoh
,5&7 یوسف زئی The Correct form is Yusuf and not Yusaf.
ŀ&17 mansabdarship. Do you mean mansab?
; Baba sain. Do you mean باباۓ ثانی ?
' The correct form is Nawwab and not nawab.
''مراد قلی گکھر و خوشحال خٹک را کاغذ منصب دیدہ عرض رسانید

text of this passage is not clear. If your suggested دادہ is
1 even then the difficulty is not removed. Does he mean
کاغذ منصب دادہ بعر ?

t year and Death' .

یہ اوصاف[۳] ایک حد تک اس کی ذات میں پائے جاتے ہیں لیکن نہ اس قدر
عالم کی صف میں اس کو جگہ دی جا سکے ۔ آپ کی توجہ اس کے محاسن
آرائی میں اس قدر مصروف ہے کہ آپ نے اس کوہستانی سپاہی کے معایب
پر انہیں کی ہے ۔ بحیثیت ایک قبیلہ کے سردار و پیشوا کے وہ ممکن ہے
ہردلعزیز ہو مگر وہ ایک کامیاب مدبر نہیں کہا جا سکتا ۔ عہد عالمگیر
سلطنت سے اس کی برہمی اور سرکشی اس کے تدبر اور دور اندیشی کی نو
ہے ۔ وہ بے حد ضدی ، جوشیلا اور اڑیل سپاہی ہے جو جوش و خروش
موقع شناسی و مصلحت وقت کو پامال کر دیتا ہے ۔ چچا ، بھائی بلکہ فرزن
کے مخالف ہو جاتے ہیں ۔ دوست قطع تعلق کر دیتے ہیں ۔ نا خلف بہرام دن
کی روسیاہی سمیٹنے کے لیے اس کی جان کا لاگو ہو جاتا ہے اور خوش حال
ایام بھی امن و صلح پسندی میں نہیں گذرتے ۔ وہ وطن سے بھاگتا ہے اور
میں پناہ لیتا ہے اور وہیں اپنی زندگی [کے] آخری مراحل ختم کرتا ہے ۔ م
اس کی نفرت اس قدر ہے کہ پنی وصیت میں بھی وہ اس کے اظہار سے باز
کہتا ہے کہ میری قبر ایسے مقام پر بنائی جائے جہاں مغل سواروں کے گ
کی خاک اڑ کر نہ پہونچ سکے ۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک آ
اور شعلہ خو افغان ہے جس نے اپنی ہٹ اور تندی کے آگے تمام مصالح ا

۱۔ الفاظ کی صحت کے بارے میں ایک کاغذ پر یہ نوٹ دیئے گئے ہیں (مرتب
۲۔ اس باب کا صرف عنوان دیا ہے ۔ اس کے ذیل میں کچھ تحریر نہیں (مرت
۳۔ دو کاغذوں پر یہ تحریر ملتی ہے جس میں خوشحال خاں خٹک کے با
انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے (مرتب)

بینی کو پس پشت ڈال دیا ہے - خاندانی تباہی اور بربادی کا اس پر اثر نہیں ہے اور نہ اسے اپنی زندگی کی پروا ہے - حالانکہ اس کی مخالفت نے افغانستان میں مغلوں کی پالیسی کو شکست نہیں دی - وہ بدستور اس ملک میں جمے رہے - خوش حال کے مقابلہ میں سیواجی اور سنبھا جی نے عالمگیر کو زیادہ ناک چنے چبوائے ہیں - سیواجی مقہور اور سنبھاجی جہنمی نے اس مغل بادشاہ کے سینہ پر بہت داغ دیئے ہیں۔ خوشحال اور اس کی مخالفت اس قدر نامعلوم رہی ہے کہ مغلیہ تاریخیں بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کرتیں -

حال کے نقطۂ نظر سے خوش حال کا یہ نظریہ کہ افغانستان کو آزاد ہونا چاہیے، بے شک قابل تعریف مسلمہ ہے لیکن بہ فحوای لالحب علی بل بغض عمر اس کا یہ قابل تعریف منصوبہ جس کو وہ کبھی بھی عمل کا جامہ نہ پہنا سکا زیادہ تر مغلوں کی عداوت پر مبنی تھا نہ افغانوں کی خیر اندیشی اور دلسوزی پر - اس کی شمشیر آزادیٔ وطن و مدافعت افاغنہ کی نیت سے علم ہوئی لیکن مغلوں سے بدرجہا زیادہ اس نے پٹھانوں کی خون ریزی کی ہے - یہ مان کر کہ اس کی نیت نیک تھی اور مغلوں سے مخاصمت کا اس میں شائبہ تک نہ تھا، آیندہ واقعات کی روشنی میں ہر سنجیدہ اور متین انسان کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کے قبل از وقت اقدام نے فائیدہ کی بجائے پٹھانوں کا نقصان بدرجہا زیادہ کیا ہے - اگرچہ افغان اقوام کے اوضاع و اطوار کے لحاظ سے یہ نقصان کوئی غیر معمولی نقصان نہیں ہے کیونکہ وہ اکثر کسی نہ کسی بہانہ سے ایک دوسرے سے برسر پیکار [رہے] ہیں -

خوشحال کو آزادیٔ وطن کے معاملہ میں ہم زیادہ سے زیادہ ایک نقیب کی حیثیت دے سکتے ہیں جس کے مواعظ اور اشعار نے افغانوں کو بالآخر حمایت وطن پر آمادہ کر دیا، اور بالآخر اس قوم میں محمود اور اشرف اور احمد شاہ ابدالی جیسے جان باز سپاہی پیدا ہو گئے جنھوں نے نہ صرف افغانستان کو اجانب کے وجود سے پاک کر دیا بلکہ اس کا جھنڈا ایران و ہندوستان میں گاڑ دیا -

یہ باتیں میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ نے خوشحال کی کمزریوں پر پردہ ڈال دیا ہے [اور] اس کے اوصاف کو مبالغہ کی حد تک اجاگر کیا ہے اور مورخ کے فرائض کو بھول کر آپ نے ایک افسانہ نگار کی حیثیت اختیار کر لی ہے - مجھے خوشحال سے کوئی عناد تو ہے نہیں۔ آپ نے رائے مانگی ہے، میں رائے دے رہا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آپ خوشحال کو جو اس کا حق ہے وہ ضرور دیں لیکن شاعری اور قصیدہ خوانی سے ذرا احتراز کریں - خوشحال اگر یورپ میں ہوتا تو کسی شمار و قطار [میں] نہ ہوتا - ایشیا میں اس کو ایک مقامی سردار کی عزت ملتی لیکن بدنصیب افغان قوم میں جس میں قحط الرجال ہمیشہ رہا ہے، بے شک ایک

نمایاں اور بلند مقام کا مستحق ہے مگر نہ اتنا کہ تمام خوبیاں اس پر ختم کر دی جائیں اور تمام اوصاف اس میں جمع کر دیئے جائیں ع

آرزو خوب است اما این قدرها خوب نیست

بنام مظہر محمود شیرانی[1]

۱- دریا گنج ، دہلی
۳۰- جون ۱۹۴۳ء

نور چشمی پروین و نسرین و برخودار خوشنود خاں سلمہ الرحمن

تمہارا خط پہونچا کاشف حالات ہوا۔ میں رات رامپور سے پہونچا ہوں۔ تمہارے بھا[2] نے تمہارا خط دیا بہت خوشی ہوئی - بیلوں[3] کے لیے چارہ کا بندوبست کر لینا - پانی نہ برسا تو چارہ مہنگا ہو جائے گا - حامد سعید[4] خاں نے پالے[5] کا بھی وعدہ کیا تھا - اسحاق[6] اور خوشنود کو بھیج کر ٹپری[7] کا حال دوسرے تیسرے دن معلوم کرا

۱- یہ خط انجمن ترقی اردو (ہند) کے دفتر واقع دریا گنج دہلی سے ہم تینوں بھائی بہنوں کے نام لکھا گیا ہے - میری عمر اس وقت آٹھ سال کے قریب تھی - وہ مجھے ہمیشہ خوشنود کے نام سے مخاطب کرتے تھے - محمود اور داؤد کا ہم قافیہ ہونے کے سبب میرا خاندانی نام خوشنود ہی تھا (اور ہے) - شیرانی صاحب ان دنوں انجمن کے کام کے سلسلے میں دہلی میں مقیم تھے - اس خط کے لفافے پر انہوں نے پتہ یوں لکھا ہے :

''بمطالعہ نور چشم راحت جان محمد خوشنود خاں سلمہ - حویلی پروفیسر شیرانی مہندی باغ - ٹونک راجپوتانہ'' (مرتب)

۲- والد مرحوم اختر شیرانی کو ہم بہن بھائی 'بھا جی' کہہ کر مخاطب کرتے تھے - اختر صاحب بھی انجمن ترقی اردو میں کام کرنے کی غرض سے حافظ صاحب کے کچھ دن بعد دہلی پہنچے تھے (مرتب)

۳- رتھ کے ناگوری بیلوں کی جوڑی جس سے شیرانی صاحب کو بڑا انس تھا (مرتب)

۴- صاحب زادہ حامد سعید خاں ، والد مرحوم کے جگری دوست تھے - والد کی مشہور نظم ''او دیس سے آنے والے بتا'' انہی کو مخاطب کرکے کہی گئی تھی- خدا کے فضل سے ٹونک میں اب بھی موجود ہیں (مرتب)

۵- جھڑبیری کے خشک پتے جو موسم سرما میں جانوروں کے لیے عمدہ چارہ کا کام دیتے تھے (مرتب)

٦- شیرانی صاحب کے بڑے بھائی اسرائیل خاں کے پوتے (خلف الیاس خاں) (مرتب)

۷- دریائے بناس کے کنارے پر بارش اور دھوپ سے بچنے کے لیے سرکنڈوں کی جھونپڑی بنوا رکھی تھی (مرتب)

لیا کرو - تمہارے پھوپھا[1] کو روپے یک مشت نہ دینا ، جوں جوں کام ہوتا جائے دیتے جانا اور دو سو سے زیادہ نہ دینا - تمہارے خط سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ٹپری میں کون رہتا ہے - میں تو لادیہ[2] کے حوالے کر کے آیا تھا - ایک روپیہ علی الحساب پیشگی دے آیا تھا - شاید یوں ہو ہو کہ پھر بردا[2] کا باپ رہنے لگا ہو - ٹپری آندھی سے جھک گئی ہو گی - فضل چاچا[3] سے کہتے خوشنود کو ساتھ لے جا کر دیکھ آتا - دھولیا[4] بیلوں کو سنبھالنے آتا بھی ہے یا نہیں - ایوب[5] کو رہنے دینا میرے آنے تک - تمہارا بھا کپڑے اور بستر لے کر کیوں نہ آیا ، منہ اٹھا کر چلا آیا - کیا حماقت کی ہے[6] -

ایسپرو آتے وقت لیتا آؤں گا - حسن[7] اور خوشنود پڑھتے بھی ہیں یا نہیں - ماسٹر جی[8] ہر وقت آتے ہیں یا کیا - ان کی تنخواہ ہر وقت دے دینا -

---

۱- شیرانی صاحب کے چھوٹے بھائی مودود خاں کے داماد معشوق احمد خاں ہمارے دوسرے مکان میں بطور کرایہ دار رہتے تھے اور ان دنوں اپنی نگرانی میں مکان کی مرمت کرا رہے تھے (مرتب)

۲- دریا کے کنارے بندہ جانباز کے موضع کے ہندو دیہاتیوں کے نام -

۳- فضل الرحمن خان ، شیرانی صاحب کی سب سے چھوٹی بہن کے بڑے لڑکے تھے - پنجاب کے مختلف ہائی سکولوں میں ٹیچر رہے - ان دنوں موسم گرما کی تعطیلات میں ٹونک آئے ہوئے تھے قیام پاکستان کے بعد لاڑکانہ (سندھ) میں قیام پذیر ہوئے - ۲۰ اگست ۱۹۷٦ء کو انتقال ہوا (مرتب)

۴- دھولیا ہمارا پرانا رتھ بان تھا بلکہ اس کا باپ بھی منشی اسماعیل خاں صاحب کے وقت میں ڈیوڑھی کے ملازمین میں تھا -

۵- ایوب خاں ان دنوں ڈھانی شیرانیاں سے ٹونک آئے ہوئے تھے - یہ شیرانی صاحب کے چھوٹے چچا یعقوب خاں کے بیٹے تھے -

٦- والد مرحوم اپنی بے نیازی کی عادت کے مطابق کپڑے بستر وغیرہ لے کر بھی گئے تھے - شیرانی صاحب کو اس بات پر غصہ آیا کہ خواہ مخواہ مولوی صاحب کو تکلیف کرنا پڑے گی -

۷- دادا جان جس طرح اپنی بڑی پوتی پروین بہن کو 'قمر' کہتے تھے اسی طرح چھوٹی پوتی نسرین بہن کو 'حسن' کہا کرتے تھے -

۸- ماسٹر رمیش چندر ورما عرف مٹھو لال جی ہم دونوں بہن بھائیوں کو گھر پر پڑھانے آیا کرتے تھے - وہ ٹونک کے محلہ تختہ میں رہتے تھے - آج کل وہیں میڈیکل سٹور چلاتے ہیں -

بیلوں کے لیے کڑب[1] بازار سے منگوا لینا - مکانات سروالینا* - والدعا
میں لاہور نہیں جاؤں گا -
فقط
محمود شیرانی

*تباری[2] وغیرہ معشوق احمد[3] خاں سروا لیں گے - دھول دھوئے[4] والا مکان[5] الیاس[6] سروالے[7] گا - تم پیسے سروائی کے دے دینا -
فقط
م - ش

(۲)

باغ چونری والا - جے پور
۱۷- جنوری ۱۹۴۶ء

برخودار خوشنود[8]

میں رات کے دو بجے یہاں پہونچا - یہاں مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوئی - سوائے اس

۱- جوار کی فصل بڑی ہونے پر کاٹ کر خشک کر لی جاتی تھی - یہ بھی سردیوں میں جانوروں کے چارے کا کام دیتی تھی - اسے اصطلاح میں 'کڑب' یا 'کڑبی' کہا جاتا تھا -
۲- تباری ایسے کمرے کو کہا جاتا ہے جس میں ایک ہی طرف تین دوازے ہوں - یہ گویا 'سہ دری' کے لیے ہندوستانی لفظ ہے -
۳- ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے -
۴- دھول دھویا، راجپوتانے میں نیارے کو کہتے ہیں- یہ گویا فارسی ترکیب 'ریگ شو' کا لفظی ترجمہ ہے - فرق صرف یہ ہے کہ جب دریاؤں کی ریت سے سونا نکالا جاتا تھا تو 'ریگ شو' تھا اور جب زرگروں کی دکانوں کی دھول دھو کر سونا الگ کرنے لگے تو 'دھول دھویا' کہلائے -
۵- یہ ایک اور مکان تھا جو شیرانی صاحب کی حویلی کے پائیں باغ سے ملحق واقع تھا اور اسے ایک دھول دھوئے سے خریدا تھا -
۶- خلف اسرائیل خاں -
۷- ٹونک میں بعض مکانوں پر چھپر ڈلوا کر اوپر کھپریل بنا دی جاتی تھی جیسی پرانی چھاؤنیوں وغیرہ میں اب بھی نظر آ جاتی ہے - موسم برسات سے قبل ان کھپریلوں کے کویلو نئے سرے سے درست کر کے جمائے جاتے اور چھپر کی مرمت کی جاتی تھی اسے سروانا کہتے تھے -
۸- یہ خط انتقال سے کوئی ایک ماہ قبل آپ نے اپنے دوست صاحبزادہ ولی احمد خاں صاحب کی حویلی واقع جے پور سے مجھے لکھا تھا -
صورت یہ تھی کہ حکومت نے ہزار روپے کے نوٹوں پر پابندی عائد کر دی تھی- انھی دنوں شیرانی صاحب کے مجموعہ مسکوکات کی جو تیئس ہزار روپیہ قیمت رادھا کرشنا جالان (پٹنہ) سے وصول ہوئی تھی وہ ہزار روپے کے نوٹوں کی شکل میں تھی- ان کی صحت دگرگوں تھی لیکن انھیں فوراً جےپور جانا پڑا - وہاں کام نہ بن سکا تو دہلی جانے کا ارادہ کیا جس کی اطلاع اس خط میں دی گئی ہے -

ہ فارم ٹائپ کرائی - آج رات کو خلیل میاں' کے ساتھ دہلی جا رہا ہوں -
، زادہ ولی احمد خاں صاحب وہیں ہیں - شاید ان سے کار برآری ہو سکے - باقی
ی ہے - والدعا

محمود شیرانی

---

18 Fleming R
Lahore
10th July, 193

To

H. Nelson Wright Esqr.,
F.R.N.S , I C.S. (Retd.)

Sir,

Permit me. an entire stranger, to address you the following lines. Though personally not known to you, being a studer Muslim History and numismatics, I am well acquainted with works on the subject.

Lately through the courtsey of the librarian of the Pa University Library, I borrowed for a few days your latest "The Coinage and Metrology of the Sultans of Delhi", which I read with great interest. It is, indeed, a monumental work fu valuable information which corrects several fallacies current since

---

لی احمد خاں صاحب کے صاحبزادے خلیل احمد خاں -
یلسن رائٹ کے نام اس خط کے سات ٹائپ کیے ہوئے صفحات مجھے دست یاب
وئے ہیں - خط نامکمل ہے (مرتب)
و خط پر سنہ ۱۹۳۷ء ٹائپ کیا گیا ہے تاہم میرا خیال ہے کہ یہ ۱۹۳٦ء ہونا
اہیے - اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خط لکھتے وقت وہ نیلسن رائٹ سے مطلقاً متعارف
، تھے جیسا کہ خط کے پہلے فقرے سے معلوم ہوتا ہے - اب یہ خط وصول کرنے
ے بعد نیلسن نے اپنی جو کتابیں انھیں تحفتاً بھیجی تھیں ان میں سے ایک یعنی
"The Coinage of the Sultans of Malwa" میرے پاس محفوظ ہے - اس پر
لسن نے اپنے قلم سے لکھا ہے :

"H.M. Shairani with the author's Compliments.
August 1936
H. Nelson Wright"

، سے میں بھی نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ خط دس جولائی ۱۹۳٦ء کو لکھا گیا
، (مرتب)

days of Thomas.[1] It is an exhaustive work on the Sultans of Delhi which, I believe, would enjoy a lasting reputation as an authoritative work. It is rich in information mainly on Iltutmish, the Tughlaks and the Suri Sultans. Your copious notes at the end of each dynasty's coinage are full of original information and spares one of reading the lengthy and laborious discussions of Edward Thomas. I earnestly wish that you may produce a similar work on the Moghuls.

The esteem and admiration in which I hold your work has occasioned me to make a few remarks by way of review and criticism. On certain points I hold different views and have to offer divergent interpretations, which I humbly request, and sincerely hope, you would receive in a spirit of scholarship I also crave your indulgence if you find I am at fault. I am certainly open to correction

(1) Coin No. 52-A is stated by you as of Laknauti (?), but the actual inscription is ضرب هذه الشرفه بلكور . It is the same as coin No. 38 of the I.M C.[2] on which you placed a querry (?) after بلكور. I submit that the true name is لكور which is the name of a town near Laknauti, as evidenced from a passage of Tabqa't-i-Na'siri, Persian Text, edited by Capt. W. Nassaw Lees,[3] which runs as follows:

«جماعت کفار که از سرحد ولایت جاج نگر بیرون آمدند اول لکور را بگرفتند و فخرالملک کریم الدین لاغری را که مقطع لکور بود با جماعت مسلمانان شهید کردند و بعد ازاں بدر لکهنوتی آمدند»

(Tabaq'at-i-Na'siri of Minhaj-i-Siraj, Calcutta, 1864, P. 245)

۱- ایڈورڈ تھامس (۱۸۱۳ء - ۱۸۸٦ء) آئی - سی - ایس، ماہر مسکوکات ہند - ۱۸۳۲ء میں ہندوستان آیا - ایران اور ہندوستان کے آثار قدیمہ، مسکوکات اور نظام اوزان و پیمائش پر اس کے متعدد مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالوں وغیرہ میں شائع ہوئے - پچیس سال تک رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا خازن رہا - اس کے مضامین کا مجموعہ ۱۸۴۷ء میں لندن سے "Chronicles of the Pathan Kings of Delhi" کے نام سے شائع ہوا - (مرتب)

۲- 'انڈین میوزیم کلکتہ' مراد ہے - (مرتب)

۳- ولیم نساؤلیز (۱۸۲۵ء - ۱۸۸۹ء) مشہور مستشرق، فوج میں ملازم تھا - ۱۸۸۵ء میں میجر جنرل ہوگیا تھا - چند سال تک کلکتہ مدرسہ کا پروفیسر اور پرنسپل رہا - عربی، فارسی اور اردو کی متعدد کتابیں مرتب کیں - اس کے بہت سے مضامین رائل ایشیاٹک سوسائٹی اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالوں میں شائع ہوئے - (مرتب)

There is another passage in which the word لکور again occurs in the Tabqat:

و هر دو لشکر (Sic.) بلاد لکهنوتی یکی را رال گویند که برطرف لکور است و دوم را برند نام که برطرف دیوکوٹ است او را مسلم شد ـ

(Tabqat, P. 243).

I, therefore, hold that this coin belongs to لکور.

Coin No 49F, identical with No. 59 of Thomas' Chronicle, and read by Thomas as نگور etc, I suggest, should also be ascribed to the same mint لکور—You describe the mint as GAUR, but as far as I know, the name of Gaur is not found at that early period. Gaur comes in prominence at a later date.

(2) Coin No. 745—Your reading جل الله ظلال جلاله is certainly an improvement upon Thomas, who read coin No. 240 of the Chronicle as جل الله ظلاله و جلاله, hence his remark, "While the Arabic invocation is altogether wild in its tenor" (Chronicle, P. 298) I must point out that the Arabic invocation appeared funny to Thomas because his reading was faulty. There is still, I believe room for improvement in this reading. I would suggest that we should read it as مداللہ ظلال جلاله (May God extend the shadow of his grandeur). Please have a look at plate IX of your work and see coins Nos. 745 and 758 on which مد is clearly visible and not the traditional جل as commonly maintained by numismatics This mistake occurs in all the Nos. given under Fath Khan's name, pages 186-188, also I.M.C. Page 67.

(3) Coin No. 750 is read by you as جل الله ظلال جلاله, once again but on looking at plate IX, I find the wording is مد ظلال جلا[له] i e. there is no الله in the sentence. I possess coins of both of these types that is with الله and without الله. I submit an impression of the latter type. (See impression No. 1)

(4) Coin No. 745 B :—Your reading is جل الله جلاله and corrected (in Addenda and Corrigenda Plate XX as جل الله ظلاله , but I would read it as مد ظلال جلا(له). As to the upper portion of its legend خبیر and الشرق والغرب there is a stroke of a letter between خبیر and الشرق which shows that a word like اقلیم or ممالک intervenes between the two. On page 222 you give the various readings امیر ، حبیب and خبیر as

suggested by Gibbs,[1] Rodgers[2] and yourself. From my point of view both حبیب and خبیر are not appropriate. There is a feasible possibility for امیر, which, I believe, fits in admirably. Therefore we should either agree with Mr. Gibbs or suggest words like مجیر or نصیر or مصیر, which are certainly more fitting than خبیر.

(5) Coin No. 690 (Billon)—ضربت بساحت سند—it looks more like بساحات (plural) than بساحت (singular), though I admit the word ساحت suits the context better. I possess a duplicate (see impression No. 2)

(6) With reference to coin No. 306, gold, square of Ala'ud-Din Mohammad Shah, I beg to inform you that I possess a curious square silver piece, with the same legend on obverse and reverse, viz. سکندرالثانی، یمین الخلافہ ناصر، امیرالمومنین (vide impression No. 3).

(7) Permit me to refer to your Catalogue of Indian Museum, Calcutta, Vol. 2. In the collection of Malwa coins, you read the reverse of coin 45 of Ghiyas Shah and coin No. 72 of Nasir Shah as ? ا کبر باللہ, but the reading, to my mind, requires modification. I read the legend as الکبریاء للہ. What you read the با of باللہ is in fact the یا of کبریا. In coin No. 72, Plate XI, we notice three parallel lines running from top to bottom ; the first line is ا ; the second ل ; and the third comprises the lower portion of a ک ; and on the top of it is the مرکز of ک . الکبریاء للہ is a famous Arabic motto and means 'greatness belongs to God only'. I own a clear piece of Ghiyas Shah (see impression No. 4).

(8) Coin No. 589-590 :—Following the traditional reading of the numismatists you have read the mint as درہ دھار and have translated as 'Pass of Dhar' (I.M.C., P. 59). I do not consider the ہ of درہ as a separate letter, I take it to be the old form of circular جزم, which we

---

۱- جیمز گبز (۱۸۲۵ء - ۱۸۸۶ء) آئی - سی - ایس، ۱۸۴۶ء میں بمبئی آیا - ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کا صدر رہا اور بمبئی یونیورسٹی کا وائس چانسلر بھی - (مرتب)

۲- چارلس جیمز راجرس (۱۸۳۶ء - ۱۸۹۸ء) اردو اور فارسی زبانوں کا ماہر تھا - اس نے ہندوستانی مسکوکات کا خصوصی مطالعہ کیا تھا - اس کے مضامین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے مجلے میں شائع ہوتے تھے - اس نے لاہور اور کلکتہ کے مجموعہ ہائے مسکوکات کی فہرستیں بھی تیار کیں - ۲۰ - نومبر ۱۸۹۸ء کو لاہور میں فوت ہوا - (مرتب)

come across constantly in ancient books and manuscripts. My read ing, therefore, is در دهار the circular جزم in fact belongs to the ر of ره.

(9) Coin No. 219 :—You mention small circles over متعصم، عہد دنیا ، عظم and محمود. Similarly in No. 221 you point small circl over عظم and محمود. This circle is nothing but جزم which may b jotted down or dropped at the sweet will of the writer. On coin N 222 you say there is no mark over عہد as well as over عظم and مود This only confirms my point that the جزم can be put down or droppe down according to the wishes of the writer.

(10) Coin No. 1069 :—You give its mint (?) دارلضرب قلع تانره. believe it is the same Coin as No. 654 of the I.M.C. I have a Co similar to this which reads دار ضرب قلع راسس and I agree with M Nevill in reading the disputed mint as قلع رایسین. The word سس on my Coin is written in a form similar to Islam Shah's Coin No 128 where the mint is wanting. But I possess a better coin which bea the mint قلع راسس clearly visible. I, therefore, submit that when v read راسس in Islam Shah's coin, why not read the same in Sher Shal Coin I enclose facsimile of both of these coins (see impressio Nos 5 and 6).

On a minute study of Coin No. 1069 and my own coin, I find th the two coins differ slightly. This coin has after دارلضرب m. m. after this there is an ornamental mark q ; than there is رالسس i. رایسین, next there is the same ornamental form p (running in t reverse direction) followed by m m. 45 Now comes a letter wh crosses the first الف of اباکر and appears like a ـــ, which I am unal to explain. This much, however, is certain that the two coins a very similar to each other and must belong to the same mint I not share the view that this is the same mint of Islam Shah's cop coins known as بودھاندیہ.

(11) Coin No. 1365 :—You read the mint as Budhandeh (دھاندیہ To my mind the letter following بو is ر=r, and not the د = d. If look carefully at the د of عادل and the letter in question, we find th is a vast difference in their shape and size. I subjoin the impress (No. 7). The last word of this mint is read by you as 'deh' (دیہ), I to give some sort of meaning to it we have to read it as ھاندیہ

that is 'given by old people. The Persian writers of this period oft wrote the final Hindi الف in the form of a ہ, so much so that th wrote گدھا as گدھہ , چرھا as چرھہ , گہورا as گہورہ , سوتا as سوتہ and پ as روپیہ , تھوڑا as تھوڑہ and طوطا as توتہ.

(12) Coin No. 242 A :—The mint of this is read by you as طه الور I possess a similar coin, but I read the mint as ناگور. The initial and the dot of ن can be traced. Nagaur and Sawalak were in t jagir of Balban during the reign of Nasir-uddin Mahmud. It is n surprising, therefore, that on the death of Mahmud when Balb ascended the throne he struck coins at Nagaur. This coin is dat 665 A H. (See impression No. 8).

(13) Coin No. 225 C .—You read the marginal date س و خمسین و ستمایه but I believe the unit is not خمس as there is no room for t three strokes of س between the م and the دائرہ of س. I, therefo suggest ثمان as a reasonable alternative.

(14) Coin No. 1075 :—You read the bottom margin of reverse علاالدین (see plate XIII). But علاالدین is unthinkable here. In n opinion the ر of فر got mixed with ید of فرید hence فرید الدین assum the appearance of علاالدین.

(15) Coin 137A :—ضرب بلاهور This, perhaps, you write on t authority of Rodgers. This is supposed to be the coin of Iltutmis My objection is on the ground of Orthography. For during the da of Iltutmish and his sons the word لاهور was written as لوهور wh is nearer to the indigenous pronunciation. Even to-day we hear t Panjabis generally pronouncing it as لهور. It is strange, therefo to think that a coin of that period the name of the town should spelt as لاهور (with الف). This spelling belongs to a later peric On this orthographical ground, I beg to submit that this coin dc not deserve to be included in the Iltutmish coins. The famo Tabqat-i-Nasiri, composed in the reign of Iltutmish's son Nasir-udd Mahmud, always spells the name of Lahore as لوهور (see pages 25, 2 117, 135, 140 and 141).

(16) Coin No. 134 :—عدل سلطان المعظم / ضرب بحضرت دهلی You ha attributed this coin to Iltutmish. But this attribution does not car

the weight of conviction. The smooth formation of characters and the use of the popular phraseology بحضرت دهلی which is not even found on the silver coins of Iltutmish, point out to a later period. The کشش and the دائرہ of letters indicate boldly that this coin belongs to either Nasir-uddin Mahmud's or Ghiyas-uddin Balban's period

(17) Coin 720 and 721 :—دارالملک دهلی / فیروز شاه سلطانی You state this coin as Malwa type which I admit. But I am puzzled at the idea that you did not include it in the posthumous coins of Firoz Shah, as it should naturally be done, because the Malwa type did not come in vogue before the reign of Hoshang Shah Ghori (A. H. 808-36 = A. C. 1405-32) and Firoz Shah died in 790 A.H , i.e eighteen years before Hoshang In the circumstances we can only look upon it as a posthumous coin.

(18) Coin No 36 : —Your reading is Ujjain (اجین) which cannot be entertained by any means. I believe the word شمس is deteriorated in this form , firstly it is in a rayed circle ; secondly it has three dots on top and three at the bottom The top dots indicate the ش and bottom dots indicate the ین. It has been a custom to place three dots at the bottom of س = S to differentiate it from the ش = sh.

THE MINT DAR-UL ISLAM

In the I.M C. you expressed the opinion that the mint دارالاسلام is presumably a synonym for Delhi (P. 8). In the book under review you state, "It has been suggested by Mr. Nevill (J.A.S.B , N S. 35, Art 219) that the sultan gave the College known as Dar-ul Islam in Old Delhi the right to strike coins, while the Hazrat Delhi coins were minted at Siri. The view that Dar-ul Islam stands for Old Delhi is a reasonable one, though confirmation from any historical source is so far lacking". (P. 106).

I believe no historical evidence is forthcoming to uphold Mr. Nevill's assertion that Ala uddin gave the royal prerogative of striking coins to a College at Delhi called Dar-ul Islam He (Ala-uddin), being an illiterate man, cared very little for education and schools But I would like to know the source of Mr. Nevill's information, as I do not find it mentioned in the current books on history

I also beg to differ from you in the belief that Dar-ul Islam was

another name for Delhi. History is silent on this point. On a careful perusal of Ala-uddin's history we learn that he was in the habit of giving new names to the towns conquered by him. I cite a few instances here.

(a) When he captured Chitor, the old capital of Udaipur State, he renamed it after the name of his son Khizr Khan to whom the territory was given in fief and called it Khizrabad (خضر آباد) Khusrow, the famous poet of this period in his poem the 'Dawal Rani Khizr Khan', writes:

بانعام خضر خاں شاد کردش   پس آنگہ نام خضرآباد کردش
(P. 67, دول رانی خضر خاں)

(b) The name of Siwana (now belonging to Jodhpur State) after the conquest was changed into Khairabad (خیرآباد). Amir Khusrow in his history the 'Khazain-ul Futuh', which celebrates the conquests of Ala-uddin, writing the accounts of Siwana, says:

حدیث فتح سوانہ کہ گشت خیرآباد   ز تیغ شہ کہ ہمیشہ بخیر باقی باد
(P. 73, خزائن الفتوح)

(c) There is yet another town, on the way to Deccan, nine stages from Delhi, whose name was changed into Masudpur (مسعود پور) after the name of his son Prince Mas'ud. Khusrow describing the first expedition of Malik Kafur to Deccan records:

''احتر فرخندۂ ملک ملوک الوزرائی بہ طالع سعد در مسعود پور رسید و در آن مقام کہ از پور مسعود بادشاہ نامی گشت است دو روز پای علم بر سر مسعود پور بود ۔'' (P. 80, خزائن الفتوح)

(d) Another town mentioned by Khusrow in his تغلق نامہ is علا پور presumably named after the king's own name:

چو آمد نیک نزدیک علا پور   علا پور از مہابت شد بلا پور
(P. 89, تغلق نامہ)

With this preliminary remark I beg to add that when Ala-uddin led his expedition to Ranthambhor and conquered the fort, he renamed it as Dar-ul Islam. Amir Khusrow has twice mentioned this

point in his above quoted history the 'Khazain-ul-Futuh' At the conclusion of his account of Ranthambhor he says :

«درین تاریخ فرخ آن چنان حصن حصین بردن رای متین مستخلص گشت و در باب آن دارالکفر خطاب دارالاسلام از آسمان نزول یافت».

(P. 58, "خزائن الفتوح")

خط و کتابت بابت فروخت مجموعۂ کتب شیرانی

(۱)

مہندی باغ - علی گنج
ٹونک راجپوتانہ
۱۳- اگست ۱۹۴۰ء

جناب پرنسپل صاحب[1]

مجھے رجسٹرار صاحب پنجاب یونیورسٹی کی گشتی چھٹی موصول ہوئی ہے جس میں 'سوک گارڈز' میں بھرتی ہونے کے لیے دعوت دی گئی ہے - مجھے نام دینے میں کوئی عذر نہیں لیکن نماز کے ساتھ روزے گلے پڑیں گے یعنی ٹریننگ اور قواعد پریڈ میں شامل ہونا پڑے گا - یہ ایسی چیز ہے کہ میں اپنے دل کے مرض کی بنا پر اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا - مہربانی فرما کر اس دارہ میں اپنی رائے دیجیے - رائے کیا اگر مناسب معلوم ہو کہ مجھے نام بھیجنا چاہیے تو آپ بھیج دیجیے کیونکہ ویسے

۱- یہ خط جسے درخواست بھی کہا جا سکتا ہے پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہے - اس عہدہ پر ان دنوں مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم فائز تھے - وہ ۳۰- ستمبر ۱۹۴۲ء کو اورینٹل کالج سے سبک دوش ہوئے -

اس خط میں کیونکہ شیرانی صاحب کے مجموعۂ کتب کی رسید کی بابت تذکرہ بھی ہے اسی لیے مولوی صاحب نے اس پر نوٹ دے کر لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لالہ لبھو رام کو بھجوا دیا تھا - نوٹ انگریزی زبان میں یہ تھا :

Please comply. It was clearly understood that he will be given a formed receipt. MS 15/8

یہ خط اور آیندہ چھ خطوط مجھے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی فائیل بابت خرید مجموعۂ شیرانی سے سید جمیل احمد رضوی صاحب اسسٹنٹ لائبریرین (اورینٹل سیکشن) کی وساطت سے دستیاب ہوئے ہیں (مرتب)

بھی تو مجھے اپنا نام آپ ہی کو بھیجنا ہوگا ۔ اگر بھیجنا مناسب نہیں تو نہ بھیجیے ۔
اس بارہ میں آپ کو اختیار ہے ۔

لالہ لبھو رام نے ابھی تک مجھے اپنے ہاتھ کی کوئی رسید نہیں دی ہے ۔ میں ان کو '۱۶۶+۱۸۷۲' اشیاء مشتمل بر کتب و فرامین و اسناد و قطعات و تصاویر و غوری وغیرہ بھجوا چکا ہوں ۔ اب جب میں نے نذیر احمد صاحب کو رسید کے لیے لکھا تو لالہ کا جواب تھا کہ ان سے کہیے کہ وہ ان کتابوں کی فہرست بنوا کر بھجوا دیں تب ہم رسید دیں گے ۔ فہرست کے پیسے یا اجرت وہ دے دیں گے ۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتابیں ان کے پاس ہیں اور فہرست میرے قبضہ میں لاہور ہے ۔ میں یہاں سے انہیں کوئی فہرست نہیں بھجوا سکتا ۔ میرے نزدیک یہ محض شرعی حیلہ ہے ورنہ جیسے ان کے ہاں کتابیں پہنچ گئی تھیں انہیں بغیر میری درخواست کے ان کی رسید تو بھیج دینی چاہیے تھی کہ اس قدر کتابیں فرامین وغیرہ تعدادی اتنے پہنچ گئے اور ضابطہ اسی امر کا متقاضی ہے ۔

یہاں بارش کم ہے ، دو روز سے گرمی بے حد پڑ رہی ہے اگرچہ لاہور کی سی حالت نہیں ہے ۔ باقی خیریت ہے ۔ کار لائقہ سے یاد و شاد فرمائیے ۔

والتسلم

محمود شیرانی

(۲)

To

The Librarian',
Panjab University Library,
Lahore.

Dear Sir,

I beg to say that the following manuscripts included in my list

---

۱- جب شیرانی صاحب نے اپنا ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی تحویل میں دیا تو اس میں پانچ کتابیں (مخطوطے) ان کے دوست پروفیسر سراج الدین آذر صاحب کی بھی غلطی سے شامل ہو گئیں ۔ جب شیرانی صاحب کو امر کا علم ہوا تو انھوں نے لائبریرین کے نام یہ درخواست لکھی ۔

ایک علیحدہ کاغذ پر نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نمبر مجموعہ شیرانی میں بالترتیب یہ تھے : ۱- نمبر ۱۴، ۲- نمبر ۲۰۰، ۳- نمبر ۵۵۲، ۴- نمبر ۲۲۰۰، ۵- نمبر ۲۲۷۷، شیرانی صاحب نے ان کے بدلے پانچ اور مخطوطات لائبریری کو دے دیے تھے لائبریری سے واپس لیے ہوئے پانچوں مخطوطے پروفیسر سراج الدین آذر کے مجموعہ کتب کے ساتھ دوبارہ یونیورسٹی لائبریری میں پہنچ چکے ہیں ۔ (مرتب)

offered for sale to the Punjab University Library do not belong to me and may please be returned to me so that I may send them back to the rightful owner.

Yours faithfully
H.M. Shairani

1. کتاب الاستخلاف .4 کتاب در موسیقی .3 دستور الوزرا 2 رسالہ قاضی منتخب
5. یک جزو تفسیر قرآن با دو ورق رنگین

(۳)

18 Fleming Road,
Lahore.
2nd June, 1941

Sir',

With reference to the acquisition of my Collection of books etc. by the Punjab University Library I have the honour to ask you at what stage is the proposition. As I am leaving Lahore shortly, I suppose it would be convenient to either side if I know definitely where the matter stands.

Yours etc. etc.
H. M. Shairani

The Chairman,
Punjab University Library Coumittee,
Lahore.

۱- پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے ۷ مارچ ۱۹۴۱ء کو شیرانی صاحب کا مجموعہ کتب مبلغ -/۱۶۳۹۲ روپے میں خریدنے کی منظوری دے دی۔ علاوہ ازیں ۲۳- مئی ۱۹۴۱ء کے اجلاس میں ان کی آٹھ ماہ بیس دن کی فرلو ۱۵- نومبر ۱۹۴۰ء سے منظور کر لی۔ اب جون (۱۹۴۱ء) کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور شیرانی صاحب کو اپنے وطن روانہ ہونے کی جلدی تھی لیکن یونیورسٹی انہیں کتابوں کی قیمت کی ادائیگی کا کوئی بندوبست نہیں کر پائی تھی۔ ان حالات میں یہ خط لکھا گیا (مرتب)

(۲)

18 Fleming Road,
Lahore.
3rd July, 1941

Sir[1],

I have to acknowledge receipt of a copy of paragraph 31, from the proceedings of the meeting of the syndicate of the University, held on the 6th June last, under your letter No. 11391-92, dated 11-6-1941, and a copy of para 10 of the proceedings of the same body, sent to me by the librarian of the Punjab University Library, under his letter No. 1590 dated 23rd June, 1941 regarding the acquisition of MSS books etc. by the Punjab Uuniversity Library.

In this connection I have to bring to the notice of the syndicate that I originally decided with the librarian and the Chairman of the Library Committee that my collection shall be kept in the library intact as a whole. The main idea was that the public may profit by

---

۱- جب سنڈیکیٹ کے فیصلے (بابت خرید مجموعہ کتب شیرانی اور منظوری قرلو) توثیق کے لیے سینیٹ میں آئے تو ۲۷- جون ۱۹۴۱ءکو سینیٹ کی سپیشل میٹنگ میں ایک رکن مسٹر مہر چند مہاجن نے ان پر سخت اعتراض کیا - انہیں اس پر بھی اعتراض تھا کہ شیرانی صاحب کو مبلغ ساڑھے آٹھ ہزار روپیہ بطور قرض (مجموعہ' کتب کی ادائیگی کے لیے یونیورسٹی نے حکومت پنجاب سے خصوصی گرانٹ طلب کی تھی جس میں تاخیر کا امکان تھا - اس لیے یہ صورت نکالی گئی) دینے کی سفارش بھی کی گئی تھی -

جسٹس دین محمد مرحوم نے اس کا جواب دیتے ہوا بتایا کہ یہ قرض در حقیقت قرض نہیں ہے بلکہ ایک طرح قیمت کی جزوی ادائیگی ہے - نیز یہ کہ شیرانی صاحب کا مجموعہ' کتب نہایت بیش قیمت ہے اور اس کی خرید کے لیے جو کمیٹی یونیورسٹی نے بنائی تھی اس میں دیوان بہادر راجہ نریندرا ناتھ بھی شامل تھے (دوسرے اراکین میں سر شیخ عبدالقادر ، پروفیسر محمد اقبال اور لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری لالہ لبھو رام تھے) -

اب ایک تو شیرانی صاحب کو کتابوں کی قیمت کی وصولی میں تاخیر ہو رہی تھی - دوسرے پروفیسر آذر کی پانچ کتابوں کی واپسی کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا- اوپر سے یہ لے دے جو شروع ہوئی تو انہیں بڑا غصہ آیا- اس صورت حالات میں یہ خط لکھا گیا (مرتب)

this collection, and I did not, therefore, make the offer to gain any pecuniary end. This was also the reason why I agreed to get such a low price.

Notwithstanding this agreement, I find that the whole of my collection, including QITA'TS, paintings, GHORIES and the coins have not been acquired. The price is not being paid cash, while the collection is being retained in the library, as a security against an advance of Rs 8500/- to be paid to me in lieu of the total price of the collection, untill the government decides to grant the money to the library in their budget for 1942-43, and even that pending the sanction of the legislature.

I very much regret, under the circumstances, not to accept the decision of the syndicate, referred to above, and I shall, therefore, be obliged if you very kindly instruct the librarian to return my collection forthwith, as I am leaving Lahore very shortly.

Your faithfully,
H. M. Shairani

The Registrar,
University of the Punjab,
Lahore.

(۵)

Mehndi Bagh,
Tonk Rajputana
14th Sep.,1941

The Registrar,
Panjab University,
Lahore.
Sir',

With reference to my previous letter dated 3rd July, 1941 refus-

---

۱- شیرانی صاحب کا رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی کے نام ۳- جولائی ۱۹۴۱ء کا خط موصول ہوتے ہی ایک ہلچل مچ گئی - رجسٹرار نے یہ خط ڈاک میں وائس چانسلر میاں افضل حسین کو ڈلہوزی روانہ کیا - انہوں نے مولوی محمد شفیع صاحب کے نام ایک خط لکھا (۲۹- جولائی ۱۹۴۱ء) (مولوی صاحب موسم گرما کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۰ پر)

ing to give the collection of my books to the University library, I am sorry to say that I wrote that letter without knowing certain facts, which I came to know later. I now hereby withdraw my refusal and accept the terms laid down in the resolution of the senate. Kindly make payment of Rs. 8500/- (as decided by the senate) to my bank (The Central Bank of India).

After depositing my collection in the library, I discovered that by an oversight I have included in the collection five book which did not belong to me. The names and serial numbers of these books

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹)
تعطیلات میں شملہ میں مقیم تھے) جس میں اپنے تردد کا اظہار کیا اور ادائیگی کی کوئی صورت نکالنے کی بابت مشورہ طلب کیا اور تجاویز بھی دیں ۔ یہ بھی لکھا کہ شیرانی صاحب کو آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی غوریاں ، فرامین اور مسکوکات وغیرہ میوزیم کو فروخت کر دیں کیونکہ یہ چیزیں لائبریری کے کام کی نہیں ہیں - مولوی شفیع صاحب نے یکم اگست کو لاہور میں پروفیسر اقبال صاحب کو شیرانی صاحب سے مل کر معاملہ سلجھانے کی ہدایت کی - اقبال صاحب نے شیرانی صاحب سے مذاکرات کیے اور ۴- اگست کو مولوی صاحب کے نام خط میں اس کے نتائج تحریر کیے جس کا لب لباب یہ تھا :

"I am writing this letter in the presence of Shairani Sahib. His find answer is, and from he says he would not move an inch, that he be allowed to take back five books(MSS) which are not his...If he is not allowed to take back these five books, he is sorry, he will be compelled to take back the whole lot.

اس کے بعد شیرانی صاحب غالباً ۴- اگست ہی کو ٹونک روانہ ہو گئے -

یہ پانچ کتابیں ۲- جون سنہ ۴۲ء کو لائبریرین ایس - ایس - سیٹھی (لالہ لبھو رام فوت ہو چکے تھے) نے شیرانی صاحب کو انجمن ترقی اردو ، دریا گنج دہلی کے پتہ پر روانہ کیں جہاں وہ ان دنوں مقیم تھے - شیرانی صاحب نے ان کی رسید ۳- جون کو بدیں الفاظ تحریر کی -

"Received the above noted five MSS from the Librarian Panjab University Library. H.M. Shairani."
(مرتب)

were already communicated to the late librarian. I request that I be allowed to withdraw these books.

I shall be obliged for an early reply to this letter.

Yours faithfully,
H. M. Shairani

(۶)

مہندی باغ ۔ ٹونک راجپوتانہ
۹- فروری ۱۹۴۲ء

بخدمت جناب چیرمین صاحب
پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۔ لاہور

جناب من[۱]

بوجوہ چند در چند مجھ کو روپے کی ضرورت ہے لہذا ذریعہ ہذا ملتمس ہوں کہ باقی نصف رقم (مبلغ-/۸۵۰ روپے) مہربانی فرما کر جلد ادا کر دی جائے ۔ آپ کا ممنون رہوں گا ۔

دیگر اینکہ میرے پروونڈنٹ فنڈ کی بھی کچھ رقم کالج سے واجب الادا ہے ، وہ بھی دلوائی جائے ۔ والتسلیم

محمود شیرانی

(۷)

To,
The Chairman,
Library Committee,
University of the Punjab,
Lahore.

Dear[۲] Sir,

I shall feel extremely obliged if you will kindly arrange to have

---

۱- شیرانی صاحب اپنے مجموعہ کتب کی قیمت میں سے مبلغ -/۸۵۰ روپے وصول کر چکے تھے ۔ باقی نصف رقم کی ادائیگی کی یاد دہانی کے لیے یہ سطور قلمی ہوئیں (مرتب)

۲- رقم کی ادائیگی کی بابت یہ دوسرا خط بطور یاد دہانی دفتر انجمن ترقی اردو دہلی سے لکھا گیا ۔ متعلقہ فائیل میں لائبریرین یونیورسٹی لائبریری نے ۲۹- اپریل ۴۲ء کو (باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۲ پر)

sent to me the second instalment of the price of my books acquired by the University library.

Your faithfully,
H. M. Shairani

1, Daryaganj,
Delhi.
Dated : 12th April, 1942

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۱)

ایک نوٹ دیا ہے کہ چونکہ سنڈیکیٹ نے شیرانی صاحب کے مجموعۂ کتب کی قیمت مبلغ -/۱۶۳۹۲ روپے منظور کی تھی اس لیے بقایا رقم پورے -/۸۵۰۰ روپے نہیں ہے بلکہ -/۷۸۹۲ روپے ہے - مولوی محمد شفیع صاحب مرحوم کا ایک نوٹ ۹- مئی کا بدیں الفاظ درج ہے : "The V. C. has sanctioned payment to Mr. Shairani". اس طرح یہ سارا معاملہ اختتام کو پہنچا (مرتب)

Quarterly

ESEARCH JOURNAL

CULTY OF ISLAMIC & ORIENTAL LEARNING
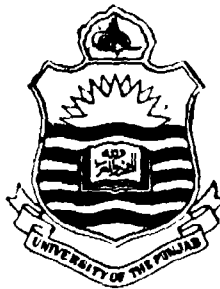
UNIVERSITY OF THE PUNJAB, LAHORE
(PAKISTAN)